پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں

ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی

ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

297.4 Abdul Majeed Sindhi, Dr. Memon
Pakistan main Sofiana Tehrekain /
Dr. Memon Abdul Majeed Sindhi. -
Lahore : Sang - e - Meel Publications,
2000.
560p.
1. Islam 2. Sufism
I.Title.

2000.
نیاز احمد نے
سنگ میل پبلی کیشنز لاہور
سے شائع کی۔

قیمت = ۵۰۰/- روپے

ISBN 969-35-0322-8

Sang-e-Meel Publications
25 Shahrah-e-Pakistan (Lower Mall), P.O. Box 997 Lahore 54000 PAKISTAN
Phones: 7220100-7228143 Fax: 7245101
http://www.sang-e-meel.com e-mail: smp@sang-e-meel.com
Chowk Urdu Bazar Lahore, Pakistan. Phone 7667970

کمبائن پرنٹرز، لاہور

فہرست

مقدمہ ۵

۱۔ باب اول

قدیم دور کے بزرگان دین ۴۱

۲۔ باب دوم

حضرت داتا گنج بخش ۵۵

۳۔ باب سوم

سلسلہ قادریہ ۶۵

۴۔ باب چہارم

چشتی سلسلہ ۲۱۸

۵۔ باب پنجم

قلندری طریقہ ۳۱۹

۶۔ باب ششم

سہروردی سلسلہ ۳۳۳

۷۔ باب ہفتم

نقشبندی ۴۵۵

مقدمہ

تصوف پر اتنا لکھا جا چکا ہے کہ اس کے سرسری جائزے کے لئے بھی کئی صفحات درکار ہوں گے۔ اس لیے یہاں کوشش کی جائے گی کہ چند ضروری باتوں کی وضاحت کی جائے۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ تصوف نے عوام کے تخیلات عمل' کردار اور عقائد پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ اور کئی بہترین دل و دماغ رکھنے والی فاضل شخصیتوں کو اپنی طرف کھینچا ہے۔ صوفیاء کرام کا تاریخی کردار بھی ایک قابل غور امر ہے۔ چونکہ ہر قسم کا عمل قوموں کی روحانی زندگی سے ایک نہایت گہرا تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے صوفیاء کرام کی عملی تعلیم نے معاشرہ کی تعمیر اور تطہیر' اصلاح' فلاح اور بہبود کے لیے اہم کردار ادا کیا ہے۔

تعریف : حقیقت یہ ہے کہ لفظ صوفی سب سے پہلے ان لوگوں کے لئے استعمال ہوا جو اپنے زمانے کے تعیش کے خلاف اسلام کی اصل سادگی پر قائم تھے۔ لفظ صوفی پر صوفیائے کرام محققین اور مغربی مستشرقین نے بہت بحث کی ہے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ صوفی کو "صوفی" اس لئے کہا گیا کہ وہ صوف کا لباس استعمال کرتا ہے۔ جو ایک قسم کا اون کا کپڑا ہوتا ہے اور ترک دنیا' سادگی اور قناعت کی علامت ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ صوفی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ صف اول میں ہوتا ہے۔ البیرونی نے کتاب الہند میں صوفی توجیہہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تصوف اصل میں "سین" سے تھا اور اس کا مادہ "سوف" تھا جس کے معنی یونانی زبان میں حکمت کے ہیں۔ دوسری صدی ہجری میں جب یونانی کتابوں کا ترجمہ ہوا تو یہ لفظ عربی زبان میں آیا اور رفتہ رفتہ صوفی ہو گیا۔

ایک خیال یہ ہے کہ چونکہ صوفیاء کرام کی زندگی "اصحاب صفہ" سے مطابقت اور

مماثلت رکھتی ہے۔ اس لئے اس کو "صوفی" کہا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچھ صحابہ کرام (جن کی تعداد ۷۰ بتائی جاتی ہے) نے دنیوی تعلقات کو ختم کر دیا تھا اور "فقرالی اللہ" اختیار کیا تھا۔ وہ صرف ایک کپڑے میں زندگی گزارتے تھے۔ ان کو کبھی دو قسم کا طعام نصیب نہیں ہوا۔ وہ چونکہ مسجد نبوی کے ایک "صفہ" میں رہائش اختیار کر رکھی تھی اس لئے ان کو "اہل صفہ" کہا جاتا تھا۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ لفظ صوفی "صفا" سے مشتق ہے یعنی صوفی وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دل کی صفائی بخشی ہے۔ حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش نے اپنی کتاب "کشف المحجوب" میں اس توجیہہ کی تائید کی ہے اور لکھا ہے: البتہ لفظ "صفا" ان میں سے نہایت عمدہ اور دل پسند ہے اور کدورت اس کی ضد ہے۔ حضرت امام قشیری (وفات ۴۶۵ھ =۱۰۷۳ء) نے بھی اپنی کتاب "رسالہ قشیریہ" میں تصوف کے معنی "صفائی" لی ہے۔ یعنی باطنی صفائی' ظاہری صفائی اور اخلاقی صفائی۔ حضرت داتا گنج بخش نے لکھا ہے "چونکہ اہل تصوف اپنے اخلاق و عادات کو مہذب و شائستہ بنا لیتے ہیں اور طبعی عیوب کی آلودگی سے اپنے آپ کو پاک رکھتے ہیں اس لئے صوفی کہلاتے ہیں"۔

تصوف پر لکھی گئی اولین کتاب تعرف کے مصنف امام ابوبکر ابو اسحاق بن ابراہیم بن یعقوب البخاری الکلاباذی (متوفی اواخر چہارم صدی ہجری) لکھتے ہیں۔

"ایک گروہ کہتا ہے کہ انہیں ان کے باطن کی صفائی اور باطن کے آثار کی پاکیزگی کی وجہ سے صوفی کہا گیا۔"

بشربن الحارث فرماتے ہیں کہ۔ صوفی وہ ہے جس کا دل اللہ کی خاطر پاک وصاف ہو۔ اب جنہوں نے ان کو صفہ اور صوف کی طرف منسوب کیا ہے' انہوں نے ان کی ظاہری حالت بیان کی ہے۔ اس طرح کہ یہ وہ لوگ ہیں' جنہوں نے دنیا کو ترک کیا۔ وطن سے نکلے' دوستوں سے جدا ہوئے اور دنیا کی سیاحت کی' جگر کو بھوکا رکھا اور بدن کو ننگا۔ انہوں نے دنیا کی اشیاء سے اس قدر لیا جس کا ترک کرنا جائز نہیں۔

شیخ ابونصر سراج (متوفی ۳۷۸ھ=۹۸۸ ع) "کتاب اللمع" میں لکھتے ہیں:

"صوفیاء کرام کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جب فرائض کی ادائیگی اور افعال ممنوعہ سے اجتناب کرتے ہیں' تو اس کے ساتھ ہی اپنے سے غیر متعلقہ چیز کو علیحدہ کر دیتے ہیں اور ہر

اس تعلق کو ختم کر دیتے ہیں جو ان کے اور مطلوب و مقصود کے درمیان حائل ہو۔ ان کا مطلوب و مقصود فقط اللہ ہی ہے۔"

یہ بھی حقیقت ہے کہ صوفیاء نے ظاہری صفائی' پاکیزگی اور درستگی کے ساتھ باطن کی صفائی پر بھی زور دیا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے باطنی حکمتوں پر بھی غوروخوض کیا ہے اور ذکر کے ساتھ فکر کو بھی اپنا شیوہ بنایا ہے۔ حضرت شیخ ابو سراج نے لکھا ہے:

صوفیاء کے آداب و خصائل میں کچھ یہ بھی ہے کہ وہ اللہ کے پوشیدہ حکمتوں پر غور کرتے ہیں۔ اس کا خوف ہروقت دلوں میں رکھتے ہیں' دلوں میں برے خیالات اور غافل کر دینے والے ایسے افکار جنہیں بجزذات علیم و خبیر کے کوئی نہیں جانتا کو ذہنوں میں جگہ نہیں دیتے۔ گویا وہ اس حالت میں اپنے معبود حقیقی کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں کہ ان کے دل حاضر' ارادے مجتمع اور نیتیں سیدھی ہوتی ہیں۔

سید احمد رفاعی (وفات ۵۷۸ھ=۱۱۸۲ء) "بیان المشید" میں لکھتے ہیں:

"صوفی وہ ہے جس کا باطن دنیا کے تمام کدورتوں سے پاک ہو چکا ہو اور اس پر بھی اپنے کو دوسروں سے کسی درجہ میں بھی زیادہ نہ سمجھے" ابوالحسن نوری نے تصوف کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ تصوف کا مقصد ہے: نفسانی لذتوں کو ترک کرنا۔ شیخ ابو سراج نے کتاب اللمع میں ایک جگہ لکھا ہے: مسلسل مجاہدہ نفس' مخالفت خواہشات اور نفس امارہ سے دشمنی جسے اللہ تعالیٰ نے "امارۃ السوء" کے نام سے پکارا ہے اور جس کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ نفس امارا ہی وہ بدترین دشمن ہے جو تیرے پہلو میں موجود ہے۔

ابو علی قزوینی تصوف کو "حسن خلاق" کہتے ہیں۔ ابو محمد الجریری نے کہا ہے تصوف کی معنی ہے نیک خصلتیں اختیار کرنا اور تمام برائیوں سے دل کو صاف اور پاک رکھنا۔ محمد بن القصاب کی رائے یہ ہے کہ تصوف حسن اخلاق کا نام ہے۔ کتانیؒ فرماتے ہیں: تصوف "خلق" کا نام ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جو شخص تم سے حسن اخلاق میں زیادہ ہے وہ تم سے دل کی صفائی میں بھی زیادہ ہے۔

حضرت امام غزالی نے اپنی کتاب "المنقذ من الضلال" میں بیان کیا ہے کہ "جب میں

دوسرے علوم سے فارغ ہوا۔ تو صوفیہ کے طریقہ کی طرف متوجہ ہوا۔ مجھے معلوم ہوا کہ ان کا طریقہ علم و عمل سے تکمیل کو پہنچتا ہے۔ ان کے علوم کا مقصد ہے :

"نفس کو ضابطہ میں رکھنا' برائیوں اور خراب عادتوں سے پاک و صاف رہنا دل کو غیر اللہ سے دور رکھنا اور اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے پاک و صاف رکھنا۔"

غرض یہ کہ تصوف' دل کی پاکیزگی' ظاہر کی صفائی' تزکیہ نفس' حسن اخلاق اور ذکر الٰہی کا نام ہے۔ صوفی کا منزل مقصود قرب الٰہی ہے۔ وہ خود کو فنا کرکے ذات حق میں واصل ہوتا ہے۔ قول و فعل میں مطابقت' اصولوں کو عملی شکل دینا' عبادات میں اخلاص' خلق خدا سے محبت' سادہ زندگی گزارنا' صوفی کا طریقہ ہے۔ حضرت شیخ ابو سراج "کتاب اللمع" میں صوفی کی زندگی کے متعلق لکھتے ہیں :

"ان کے کچھ مخصوص آداب۔ مثلاً" زیادہ کے مقابلہ میں تھوڑی سی دنیوی' دولت پر قناعت' قوت الیموت' ضروری لباس' بچھونا اور دیگر انتہائی ضروری چیزوں پر گزارہ' امیری پر فقیری کو ترجیح' کثرت کے مقابلہ میں قلت پر قناعت' شکم سیری پر بھوک اختیار کرنا' غرور و فخر اور علوم مرتبت سے کنارہ کشی' چھوٹوں پر شفقت اور ہر ایک سے تواضع سے پیش آنا' خلق خدا کے لئے ضرورت کے وقت قربانی دینے کی جرات' دنیا حاصل کرنے والوں پر رشک نہ کرنا' اللہ سے حسن ظن' اطاعت میں سبقت' تمام اچھائیوں کی طرف قدم بڑھانا' توجہ الی اللہ' فقط اللہ سے لو لگانا' آزمائشوں پر صبر اختیار کرنا' اللہ کے ہر فیصلہ پر اظہار رضا مندی' مسلسل مجاہدہ نفس' مخالفت خواہشات اور نفس امارہ سے دشمنی۔"

صوفیاء کے نزدیک قرب الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ ذکر اللہ ہے۔ حضرت سید احمد رفاعی فرماتے ہیں :

"ذکر اللہ کی پابندی کرو' کیوں کہ ذکر وصال حق کا مقناطیس ہے قرب کا ذریعہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے۔ وہ اللہ سے مانوس ہو جاتا ہے اور جو اللہ سے مانوس ہو جاتا ہے وہ اللہ تک پہنچ جاتا ہے۔"

ذکر کی عملی تعلیم حاصل کرنے کے لیے ایک رہنما کی ضرورت ہوتی ہے جس کو پیر' شیخ یا مرشد کہا جاتا ہے۔ سید احمد رفاعی کہتے ہیں :

"ذکر اللہ صحبت عارفین کی برکت سے حاصل ہوتا ہے' کیوں کہ آدمی اپنے دوست کے

دین پر ہوتا ہے۔

صوفیانہ اصطلاحات : صوفیاء کرام کے یہاں' صوفیانہ تعلیم کے سلسلہ میں کچھ الفاظ اور اصطلاحات مروج ہیں۔ ان میں سے چند خاص الفاظ اور اصطلاحات کی وضاحت پیش کی جاتی ہے۔ :

اخلاص : کسی فعل کو صرف خدا کے لئے انجام دینا نہ کہ معاوضہ کی نیت سے۔

احسان : اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے گویا اسے دیکھ رہا ہے۔ کم سے کم درجہ یہ ہے وہ یہ دیکھے کہ اللہ تعالیٰ میری طرف دیکھتا ہے۔ یہ مراقبہ کا پہلا زینہ ہے۔ سید احمد رفاعی فرماتے ہیں :

"احسان یعنی اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کریں گویا اس کو دیکھ رہا ہے' کیوں کہ تو اس کو نہیں دیکھتا تو وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے صادق مصدق صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ہی فرمایا ہے۔

"گویا تصوف کو شریعت کی اصطلاح میں احسان کہتے ہیں۔ احسان کو عملی صورت میں لانے کا نام دراصل تصوف ہے"۔

اتصال : جملہ اعتبارات کا ذات احدیت میں گم ہو جانا' مشاہدہ معیت حق' بندہ کا حق تعالیٰ کو اپنے سے متصل پانا۔ حضرت الکلا بازی نے اپنی کتاب تعرف میں فرمایا ہے۔

"اتصال کے معنی یہ ہیں کہ صوفی اپنے باطن میں ماسوا سے علیحدہ ہو جائے۔ یہاں تک کہ اپنے باطن سے غیر اللہ کو نہ دیکھ پائے۔"

بیعت : اپنی جان اور اپنے مال کو خدا کے ہاتھ فروخت کر دینے کا نام "بیعت" ہے۔ حق تعالیٰ کے ساتھ یہ بیع ہمیشہ اس برگزیدہ شخص کی وساطت سے عمل میں آتا ہے جو اس سنجیدہ اور مہتم بالشان معاملہ میں وسیلہ بننے کا مجاز ہو۔ یہ بیعت جب کہ صحیح شخص کے ہاتھ پر پورے آداب و شرائط کے ساتھ کی جاتی ہے' وہ سلسلہ بسلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے اور واصل باللہ تک جا کر منتہی ہوتی ہے۔

تجرید و تفرید : تجرید' خلائق و علائق سے بے تعلقی کا نام ہے اور تفرید' خودی سے بے تعلق ہونے کو کہتے ہیں۔ بعض موقعوں پر خودی سے بے تعلق ہونے کو تفرید کہتے ہیں۔

ذوق: وہ شوق جو کلام محبوب سن کر طالب کے دل میں بھڑکتا ہے۔ اس مستی، شوق اور ازخود رفتگی سے عاشق وجد میں آتا ہے اور بے خودی اس پر طاری ہوتی ہے۔ شعور اس سے جاتا رہتا ہے اور بے نامی اور بے نشانی میں محو ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ مشاہدہ حق کا پہلا اثر ذوق ہے اور انتہائی اثر وہ ہے کہ احاطہ تحریر میں نہیں لایا جا سکتا۔

رویت: کسی چیز کو آنکھ سے دیکھنا، نہ کہ بصیرت سے معلوم کرنا۔

سلوک: اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ۔ اس راستہ پر چلنے والے کو سالک کہتے ہیں۔

سماع: صوفیاء کرام کے نزدیک سماع وہ ہے جب خواہشات اور خطوط نفسانی سے لا تعلق ہو کر صدق و صفا کے ساتھ اور طلب الٰہی کے ذوق و شوق میں مجتمع ہو کر شرائط اور آداب کے ساتھ عشق الٰہی میں ڈوبا ہوا کلام حسن صور اور لحن دلکش میں سنا جائے۔ بعض صوفیاء کرام نے سماع میں مزامیر سے بھی اجتناب کیا ہے۔

شطحیات: شطح کی جمع ہے۔ یہ وہ کلمات ہیں جو صوفیاء کرام کی زبان سے مستی و شوق و غلبہ حال میں بے اختیار صادر ہو جاتے ہیں۔ جو بظاہر شریعت کے خلاف معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن باطنی طور پر ان میں کسی سر الٰہی کی جانب اشارہ ہوتا ہے۔ جو ہر شخص صحیح طور پر سمجھ نہیں سکتا۔

فنا و بقا: فنائیت عدم شعور کو کہتے ہیں۔ ذات احد میں درجہ استغفراق کہ اپنا بھی ہوش نہ رہے۔ فنا کے تین درجے ہیں:

فنائے افعالی: اپنے افعال اور خلق کے افعال کو حق میں فنا کر دینا۔

فنائے صفاتی: اپنی صفات کو اور خلق کے صفات کو حق کی صفات میں فنا کر دینا۔

فنائے ذاتی: اپنی ذات کو اور خلق کی ذات کو حق میں فنا کر دینا۔

بقاء: بقاباللہ: فنا کے بعد جو بقاء حاصل ہوتی ہے۔ اس کو بقاء باللہ کہتے ہیں۔ یعنی بندہ کی صفات اور بندہ کے افعال کا فنا ہو جانا اور ان کی جگہ خدا کی صفات اور خدا کے افعال کا قائم ہونا۔

حضرت کلاباذیؒ اپنی کتاب "تعرف" میں فنا کے متعلق لکھتے ہیں:

حضرت کلاباذیؒ نے اپنی کتاب "تعرف" میں لکھا ہے۔

"تجرید کے معنی ہیں کہ صوفی ظاہری طور پر دنیا کی چیزوں سے بے تعلق ہو جائے اور باطنی تجرید یہ ہے کہ اس پر کسی قسم کا بدلہ یا معاوضہ نہ لینا چاہیے۔

"تفرید یہ ہے کہ وہ اپنے ہم جنسوں سے علیحدگی اختیار کرے۔"

تشبیہ و تنزیہ: تشبیہ سے مراد ہے کہ اشیاء ظاہری میں ظہور ذات اور تنزیہ سے مراد ہے ذات حق تعالیٰ کا صفات نقص یا صفات ممکنات سے پاک و منزہ ہونا۔

تزکیہ: نفس کو ذمائم سے پاک کرنا۔

حال: حق تعالیٰ کی جانب سے سالک کے دل پر جو واردات قبض و بسط یا حزن و طرب یا ہیب و انس یا مستی و بے خودی کی صورت میں اچانک وارد ہوں، حال ہے۔

مقام: حال آتا ہے اور جاتا ہے۔ جب حال دائمی ہو جاتا ہے تو اسے "مقام" کہتے ہیں۔ یعنی مقام میں استقلال ہوتا ہے اس لئے حال سے مقام اعلیٰ ہوتا ہے۔

حق: اللہ تعالیٰ کو کہتے ہیں۔

خرقہ: وہ لباس ہے جو پیر اپنے مرید کو سلسلہ میں داخل کرتے وقت یا قبل تکمیل یا بعد تکمیل عطا کرتا ہے۔ خرقہ دراصل ولایت کی علامت ہے یعنی یہ مرید کے لئے پیر کی ولایت کا سایہ ہے۔ اور ارادت مرید اور محبت پیر کا پتہ دیتا ہے۔

خلوت: بندہ کو حق تعالیٰ کے ساتھ جو نسبت راز و نیاز حاصل ہے اس میں کسی دوسرے کو شریک نہ کیا جائے۔

ذات: ذات مطلق اس طور پر کہ تمام اعتبارات، اضافات، نسبتی اور وجوہات ساقط کر دیئے جائیں۔

ذکر: اللہ تعالیٰ کی یاد۔ وہ اس طرح کہ تمام غیر اللہ کو دل سے فراموش کر کے حضور قلب کے ساتھ قرب الٰہی حاصل کرنا۔

ذکر لسانی: وہ ذکر ہے جو زبان سے کیا جائے۔

" قلبی: وہ ذکر ہے جو دل سے کیا جائے۔

مناظر اعلیٰ کی جانب ترقی کرتا ہے۔

ہو: اعتبار ذات بلحاظ غیبت اور بلا اعتبار صفات۔

ہویت: حق تعالیٰ کی ذات کی طرف اشارہ ہے۔

منازل تربیت: صوفی کی تربیت کے لئے چار منزلیں ہیں۔ شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت۔ پہلی منزل "شریعت" ہے یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور ان کے احکام کی پابندی کرنا۔ تمام صوفیاء کرام نے شریعت کی پابندی کو لازمی قرار دیا ہے۔ شریعت کی پابندی کے بغیر کوئی بھی طالب، تصوف کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتا۔

طریقت: اس کا مطلب ہے اخلاق کی تہذیب یعنی اوصاف ذمیمہ کو اوصاف حمیدہ میں تبدیل کرنا۔ وہ طریقہ جو طالب اپنے پیر کی ہدایت پر اختیار کرتا ہے اور اس کے ذریعہ دل کی پاکیزگی اور قلب کی صفائی حاصل کرتا ہے۔

معرفت: یعنی ذات حق کی معرفت حاصل کرنا۔ حضرت کلاباذی نے اپنی کتاب تعرف میں لکھا ہے:

"معرفت دو طرح کی ہے۔ معرفت حق اور معرفت حقیقت۔ معرفت حق یہ ہے کہ ان صفات کی بنا پر جن کا اظہار اللہ تعالیٰ نے کیا ہے حق تعالیٰ کا وجود ثابت کرنا۔ اور معرفت حقیقی یہ ہے کہ انسان یہ اقرار کرے کہ اس حقیقت کو معلوم کرنے تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔

حقیقت: حقیقت ذات حق بلا حجاب تعینات یعنی ذات حق کی تجلی کا مشاہدہ۔ حضرت داتا گنج بخش نے اپنی کتاب "کشف المحجوب" میں لکھا ہے۔

"شریعت و حقیقت صوفیاء کی دو اصطلاحیں ہیں جن میں ایک سے مراد ظاہری حال کی صحت ہے اور دوسرے سے باطنی حال کی افادیت و دوستی مراد لی جاتی ہے۔"

شریعت اور طریقت ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ وہ بالکل غلط ہیں جو کہتے ہیں کہ دونوں کا قیام ایک دوسرے کے بغیر یعنی علیحدہ علیحدہ بھی جائز ہے۔ مزید فرماتے ہیں۔ ان دنوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ شریعت خود حقیقت ہے

"فنا یہ ہے کہ بندہ سے نفسیاتی حظوظ فنا ہو جائیں۔ اس طرح کہ اس کو کسی چیز میں حظ حاصل نہ ہو اور تمام اشیاء سے فنا ہو کر اور جس ذات کی وجہ سے فنا واقع ہوتی ہے۔ اس میں مشغول ہو کہ وہ اشیاء میں امتیاز نہ کر سکے۔"

بقاء کے متعلق تعرف میں آیا ہے:

"اور جو بقاء اس کے بعد آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے حقوق سے فنا ہو جائے اور اللہ کے حقوق کے ساتھ باقی رہے ...... اور باقی یہ ہے کہ تمام اشیاء اس کے لئے ایک شی بن جائیں۔ جس سے اس کی تمام حرکات اللہ کی موافقت میں ہوں۔ مخالفت میں نہ ہوں۔ اس طرح وہ مخالف امور سے فانی اور موافق امور میں باقی ہوگا۔"

قبض و بسط: واردات قلبی کے بند ہو جانے کو قبض اور ان کے کھل جانے کو بسط کہتے ہیں۔

قرب و بعد: صفات الٰہی سے متصف ہونے کو قرب کہتے ہیں اور بعد یہ ہے کہ بندہ لذات نفسانی میں گرفتار رہ کر مبداء حقیقی سے دور اور حقیقت حال سے بے خبر رہے۔

کشف: امور غیبی اور معانی حقیقی پر سے حجابات کے اٹھنے کو کشف کہتے ہیں۔ اس کے دو قسم ہیں۔ کشف صوری اور کشف معنوی، کشف صوری کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ بندہ کو خواب میں معاملات پیش آئیں، وہ بیداری میں بھی اس کے ساتھ پیش آنے لگیں۔ کشف معنوی اللہ تعالیٰ کے اسم علیم اور حکیم کی تجلیات سے حاصل ہوتے ہیں اس میں حقائق غیبی اچانک ظہور کرتے ہیں۔

واجب الوجوب: جو اپنے وجود و بقاء کے لئے کسی غیر کا محتاج نہ ہو، اسے واجب کہتے ہیں۔ وہ ذات باری تعالیٰ ہے جو اپنے وجود و قیام و بقاء کے لئے کسی کا محتاج نہیں۔

واجب الوجود: اسے کہتے ہیں جس کا وجود اس کی ذات کا مقتضاء ہو۔

ممکن الوجود: اپنی موجودیت کے لئے کسی غیر کا محتاج ہو اور اس میں حکم کے اختلافات جاری ہوں۔

وجد: احوال صادقہ، جو اس وقت قلب پر وارد ہوں جب کہ قلب شہود میں فانی ہو۔

ہدایت: جذبہ الٰہی کا ایک نور ہے، جس کے تحت عارف تائید الٰہی سے خدا کے راستہ پر

اور حقیقت شریعت کا دوسرا نام ہے۔

بہرحال ہم اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ حقیقت مغز ہے جس کا پوست شریعت ہے۔ طریقت مغز پوست کے درمیان ایک برزخ ہے۔ مغز حقیقت بے پوست شریعت و طریقت پختہ نہیں ہوتا بلکہ خطرہ میں رہتا ہے صوفیاء کرام نے شریعت کی پابندی کو لازمی قرار دیا ہے۔ ابو سلمان دارانی (متوفی ۲۱۵=۸۳۰ء) فرماتے ہیں۔

"بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ صوفیہ کے نکات میں سے کوئی نکتہ کئی دن تک میرے دل پر وارد ہوتا رہتا ہے۔ مگر میں اسے دو عادل شاہدوں یعنی کتاب و سنت کی تائید کے بغیر قبول نہیں کرتا"

حضرت سہیل تشتری (وفات ۲۸۳ھ =۸۹۶ء) فرماتے ہیں۔

"ہمارے سات اصول ہیں۔ کتاب اللہ کو مضبوط پکڑنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرنا۔ حلال کی روزی کھانا۔ کسی کو دکھ نہ دینا۔ گناہوں سے پرہیز کرنا۔ توبہ کرنا اور لوگوں کے حقوق ادا کرنا"

ابو حمزہ محمد بن ابراہیم بغدادی (وفات ۲۸۹ھ=۹۰۲ء) فرماتے ہیں۔

"اللہ کے راہ کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال اور اقوال اور افعال کی تابعداری کئے بغیر کوئی رہنمائی نہیں ہو سکتی"

ابن عربی (متوفی ۶۳۸ھ=۱۲۴۰ء) فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و اقوال و افعال کے تابعداری کرنا اپنے اوپر لازمی سمجھو' سوائے ان امور کے جن کے بارے میں آپ نے وضاحت سے فرمایا ہے کہ وہ آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں اور ہمارے لئے ان کا کرنا جائز نہیں۔"

وحدت الوجود اور وحدت الشہود

حدت الوجود: صوفیاء کرام کی اصطلاح میں وجود کا اطلاق واجب پر ہوتا ہے اور ان سے ان کی مراد یہ ہوتی ہیں کہ صرف ذات حق تعالٰی ہی ہے جو اپنی ذات سے قائم ہے برعکس دیگر اشیاء کے جو ہستی مطلق سے قائم ہیں۔ ابن عربی نے اس وجودی فکر کو فلسفیانہ رنگ میں پیش کیا ہے۔ ان کا مسلک یہ ہے کہ وجود ایک ہے اور یہ وجود اللہ ہے۔ ہر دوسری چیز

فقط اس کا مظہر ہے لہٰذا عالم اور الہ عین یک دیگر ہیں۔ انہوں نے عالم اور اللہ کی عینیت کو ذات و صفات کی عینت کی بنا پر تصور کیا ہے یعنی جو ہر اعراض عینیت کی بنا پر۔ عالم اس کی صفات کی محض تجلی ہے۔

ابن عربی کا کہنا ہے کہ عالم کی میں حیثیت ہی صرف برائے نام ہے غیر حقیقی وہمی اور ایسا وجود ہے' جو خارج میں معدوم ہے۔ موجود صرف خدا ہے۔ عالم یا کثرت کا وجود صرف تجلیات وحدت کی حیثیت سے ہے یا اس کی تعینات کی حیثیت سے۔ بذات خود کوئی وجود نہیں۔

وہ کہتے ہیں عالم ہی خدا ہے۔ یہ تجلی ہے جس میں وحدت نے اپنی تئیں نمودار کیا ہے۔ ان تجلیات میں وحدت بالکلیہ گم ہو جاتی ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ کائنات کا وجود' وجود باری تعالٰی کے ساتھ قائم ہے اور بذات خود کائنات کے وجود کی کوئی حقیقت نہیں۔ کائنات کا وجود مصلحت الیہ پر موقوف ہے اور اسی کے حکم سے کائنات برقرار ہے۔ کائنات کی نسبت اللہ تعالٰی سے ذاتی نسبت نہیں ہے۔

کیونکہ اگر ذاتی نسبت ہوتی' تو چونکہ اللہ قدیم ہے لہٰذا کائنات بھی قدیم ہونی چاہئے اور بندہ بھی قدیم ہونا چاہئے۔ بلکہ مخلوق کی نسبت خالق سے صرف یہ ہے کہ ساری مخلوق اللہ کی نظر عنایت کا پرتو ہے اور کائنات کا وجود میں آنے کا سبب صرف خالق کا حکم ہے۔

انسان اور خدا کے مابین نسبت کے متعلق ابن عربی یہ مانتے ہیں کہ سریان' عینیت یا قرب کی ہے۔ حقیقتاً" قرب کے معنی جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے نحن **اقرب الیہ من حبل الورید۔** اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں کہ خدا خود بندہ کے اعضاء وجوارح کی حقیقت ہے نیز انسان کے متعلق کہا گیا ہے کہ اسے خدا نے اپنی صورت پر پیدا کیا ہے **خلق الادم علی صورتہ** اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان میں خدا کی تمام صفات موجود ہیں۔ درحقیقت یہ اس کی صفات ہیں' جن کا ظہور انسان میں ہوا ہے۔ وہ صفات مجسم ہو کر انسان میں موجود ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے۔ **من عرف نفسہ فقد عرف ربہ** کہ جس نے اپنے نفس کو جان لیا اس نے اپنے رب کو پہنچان لیا۔ یعنی خودی کی معرفت خدا کی معرفت ہے۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بندہ خودشناسی کے ذریعہ خدا شناسی تو حاصل کر سکتا ہے لیکن بندہ کے عبودیت کی ایسی کوئی حد نہیں ہے کہ وہاں عبودیت ختم ہو جائے اور بندہ رب بن

جائے۔ اس طرح رب کی ربوبیت کی ایسی کوئی انتہا نہیں ہے کہ وہاں ربوبیت ختم ہو جائے اور رب بندہ بن جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ رب ہمیشہ رب ہی رہے گا۔

وحدت الشہود: حضرت مجدد الف ثانی نے ابن عربی کے نظریہ وحدت الوجود پر تنقید کی ہے۔ انہوں نے اس کے برعکس وحدت الشہود کا نظریہ پیش کیا ہے' وحدت الوجود کے مطابق "ہمہ اوست" (یعنی سب کچھ وہی ہیں) کہا جاتا ہے' لیکن وحدت الشہود کے مطابق "ہم از اوست" (یعنی سبھی کچھ اسی سے ہے)۔ حضرت مجدد الف ثانی کہتے ہیں کہ صفات عین ذات نہیں' بلکہ زاید علی الذات ہیں۔ یہ امر کشف صحیح سے معلوم ہوتا ہے اور وحی کے مطابق بھی یہی بات ہے **"ان اللہ لغنی من العالمین"** یعنی اللہ عالموں سے بے نیاز ہے۔ بقول ابن عربی عوالم یا مخلوقات یا تو صفات ہیں اپنے مظاہر کے اعتبار سے یا وہ ان میں بذات خود موجود ہیں۔ مگر چونکہ اللہ غنی العالمین ہیں لہذا وہ اپنی ذات سے کامل ہے اور صفات جن کے ذریعہ سے عالم کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کو پیدا کرتا ہے' اس ذات کامل کے علاوہ ہیں۔ علاوہ ازیں عقل صحیح کا مقتضی بھی یہی ہے کہ صفات ذات کے علاوہ ہوں۔

حضرت شیخ مجدد کہتے ہیں۔ کہ عالم تجلی صفات نہیں' بلکہ ظل صفات ہے۔ اگر تجلی صفات ہوتا تو وہ عین صفات ہوتا' حالانکہ صفات کامل ہیں اور عالم نقص سے بھرا ہوا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عالم ممکن ہے اور خدا واجب وہ ایک دوسرے کے عین نہیں ہو سکتے۔ ایک کا عدم جائز ہے اور دوسرے کا ممتنع' ایک حادث ہے اور دوسرا قدیم' ایک داغ چون و چگونگی ہے داغدار ہے اور دوسرے بے چون و چگون' پس عقلاً" و شرعاً" ان کو عین یکدیگر یا عالم کو معدوم کہنا محال ہے۔

ابن عربی عالم کو عین خدا کہتے ہیں اور ماروائے عالم کو عدم محض تجویز کرتے ہیں اس کے متعلق حضرت شیخ مجدد کہتے ہیں کہ یہ مقام تجلی ذاتی کا ہے۔ یعنی وہ مقام جہاں سالک کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ ذات خدا کو بے نقاب دیکھ رہا ہے۔ لیکن جب سالک ترقی کر کے اس مقام سے گزر جاتا ہے' تب اس پر اس کی غلطی کھل جاتی ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ خدا تعالیٰ وراء الوراء ہے اس تک ہماری رسائی نہیں ہو سکتی اور عالم کو خدا سمجھنا محض اس کے تخیل کی کارفرمائی تھی ابن عربی نے عالم کو خدا اس لئے کہا ہے کہ وہ تجلی ذاتی سے

آگے نہیں بڑھے اگر وہ آگے بڑھتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ وہ ذات ہمارے کشف و شہود سے بالاتر ہے۔

ابن عربی نے وحدت وجود کی بنیاد ظل اور اصل کی عینیت پر رکھی ہے اور اس کی نسبت شیخ مجدد کہتے ہیں کہ ظل شے عین اصل نہیں ہو سکتا۔ ظل تو اصل کے مشابہ و مماثل سے ہوتا ہے۔ خدا اور عالم کی نسبت کے باب میں اگر اصل اور ظل کی نسبت پر قیاس کیا جائے' تو ظل ممکن ہے اور اصل واجب اور ممکن کی حقیقت ہے عدم اور واجب کی وجود' پس اصل و ظل عین یکدیگر نہیں کیا جا سکتا۔

وحدت شہود یا توحید شہودی کے مطابق جو کچھ نظر آرہا ہے' وہ وحدت ہے حضرت شیخ مجددؒ کے نزدیک' وحدت شہود' وحدت وجود کی تعبیر ہے' ان کے نزدیک وحدت کا شہود بھی شہود محض ہے' نظر ایک آتا ہے۔ فی الواقعہ ایک ہی ایک نہیں ہوتا۔ کائنات کا وجود نظر سے مستور ہو جاتا ہے اور غلبہ شوق میں خدا ہی نظر آتا ہے اور یہ شہود و نمود محض ہوتا ہے' حقیقت نہیں۔

حضرت شیخ مجدد کا مسلک یہ ہے کہ وجود ایک حقیقت ہے' جو خدا نے پیدا کی ہے۔ یہ ذات خداوندی میں شامل نہیں ہے اس سے ان کی مراد اولاً" تو یہ ہے کہ وجود خداوندی اپنی نوع کی ایک الگ حقیقت ہے اور ہم اس قسم کا وجود نہیں کہہ سکتے' جسے ہم جانتے ہیں' ثانیاً" یہ کہ وجود اشیاء ایک صفت ہے اس معنی میں کہ وہ انہیں خدا کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے قریباً" ۱۱۴۲ (۱۷۲۹ء) میں "فیصلہ وحدت وجود و الشہود" نامی کتاب لکھی' جس میں انہوں نے وحدت وجود اور وحدت شہود میں تطبیق کی یعنی یہ بتایا کہ حقیقتاً ان دونوں میں کوئی فرق نہیں' یہ نزاع لفظی ہے۔

تصوف کے ماخذ: تصوف کی تعلیمات کا خلاصہ پیش کیا جا چکا ہے۔ اس سے معلوم ہو گا کہ تصوف کی تعلیمات' اسلامی تعلیمات سے متصادم نہیں ہے۔ بلکہ صوفیاء کرام نے اپنی تعلیمات کی بنیاد ہی قرآن اور حدیث پر رکھی ہے۔ اس کے باوجود مستشرقین نے تصوف کے متعلق بڑی غلط فہمیاں پھیلائی ہیں۔ ہمارے بعض محققین نے بھی ان کی تقلید میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ اسلامی تصوف پر دوسرے مذاہب کی تعلیمات کا اثر ہے۔

نکلسن کہتے ہیں کہ تصوف کی تعلیمات میں عیسائیت کے اثر کو تسلیم نہ کرنا غلطی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ تصوف پر ایران کے زرتشتی عقائد' افکار اور تعلیمات کا اثر ہے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ تصوف خاص طور پر وحدت الوجود پر ہندو ویدانت کا اثر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان مذاہب میں توحید کا عقیدہ کسی نہ کسی شکل میں ضرور موجود ہے۔ لیکن وہ اس نوعیت کا ہرگز نہیں ہے' جو صوفیاء کرام خالص توحید پر زور دیتے ہیں قرب الٰہی کا پیغام دیتے ہیں۔ توحید کے بارے میں ان کے اقوال ان کتابوں اور اشعار میں موجود ہیں' جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا عقیدہ توحید' قرآن حکیم کے تعلیمات کے عین مطابق ہے۔

تصوف پر سب سے قدیم کتاب ابوبکر بن اسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب بخاری کلاباذی کی "التعرف لمذهب اهل التصوف" ہے' جو چوتھی صدی ہجری کے بزرگ ہیں وہ لکھتے ہیں:

"تمام صوفیاء کا اجماع ہے کہ اللہ ایک ہی' تنہا ہے' منفرد ہے' بے نیاز ہے' قدیم ہے' عالم ہے' قادر ہے' زندہ ہے' سمیع ہے بصیر ہے' غالب ہے' عظیم ہے' جلیل ہے' کبیر ہے' سخی ہے' مہربان ہے' بہت بڑا ہے........ اور ان تمام صفات سے متصوف ہے' جو اس نے اپنی بیان کی ہیں اور ان تمام ناموں سے موسوم ہے' جو اس نے اپنے لئے مقرر کر رکھے ہیں۔ وہ اپنے ناموں اور صفات کے ساتھ ازل سے ہے اور وہ کسی لحاظ سے مخلوق کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا۔"

ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔

ایک بڑے صوفی نے اپنے کسی کلام میں لکھا ہے۔ نہ تو اس سے پہلے "قبل" تھا اور "بعد" کا لفظ اسے منقطع کر سکتا ہے۔ نہ اس سے پہلے "من" کا لفظ استعمال کر سکتے ہیں اور نہ "عن" اس سے موافقت کھاتا ہے اور نہ "الی" کا اس سے جوڑ ہے "فی" اس میں نہیں اتر سکتا اور "اذ" اور "اذا" اس سے موافقت نہیں کھاتے' اور نہ ہی "ان" اس کے ساتھ مشاورت کر سکتا ہے "خوف" کا لفظ اس پر سایہ فگن نہیں ہو سکتا اور نہ "تحت" اسے اوپر اٹھا سکتا ہے اور نہ "حذاء" اسے کسی کا بالمقابل بنا سکتا ہے اور نہ "عند" اس کے ساتھ ٹکرا سکتا ہے اور نہ "خلف" کے لفظ کا اس کے لیے استعمال ہو سکتا ہے

....."

"تعرف" کی شرح میں آیا ہے کہ بڑے صوفی سے مراد حسین بن منصور حلاج ہے اور جس کتاب میں انہوں نے یہ الفاظ لکھے ہیں۔ اس کا نام "نفی التشبیہ" ہے۔ قشیریؒ نے اپنی کتاب "رسالہ" میں لکھا ہے:

"اس جماعت کے شیوخ نے تصوف کے اصولوں کی بنیاد توحید کے صحیح اصولوں پر رکھی ہے اور انہوں نے اپنے عقائد کو بدعتوں سے محفوظ رکھا ہے اور ان کے قواعد کی پیروی کی ہے۔ جس پر انہوں نے سلف و صالحین اور اہل سنت کو پایا یعنی اسی توحید جس میں نہ صرف مشلہ کی تمثیل پائی جاتی ہے۔ نہ خرقہ معطلہ تعطیل اور انہوں نے قدم یعنی خدائے قدیم کے حق کو پہچانا ہے۔"

حقیقت تو یہ ہے کہ صوفیاء کرام نے تعمیر باطن پر زور دیا ہے اور تعمیر باطن کا طریقہ کچھ اس طرح سمجھایا ہے جس سے غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں۔ دراصل انہوں نے جو اسرار و رموز بیان کئے ہیں' وہ عام لوگوں کے لئے نہیں ہیں' بلکہ اس راہ کے طالب کے لئے ہیں۔ ان بزرگوں نے ان لوگوں کے اوصاف بھی بیان کئے ہیں' جن کے لئے انہوں نے اسرار و رموز بیان کئے ہیں۔ حضرت جنید صوفی کے متعلق فرماتے ہیں:

"صوفی فانی زخویش وباقی بحق ہوتا ہے۔ وہ اپنی قومیت ذاتیہ سے فانی ہو کر حق تعالیٰ کی قومیت (ہویت واتا) سے باقی ہوتا ہے۔ وہ اپنی ذات سے میت ہو جاتا ہے اور حق تعالیٰ کی ذات سے اس کو بقا حاصل ہوتی ہے"۔

حسین بن منصور حلاج نے صوفی کے متعلق لکھا ہے۔

"صوفی وحوانی الذات ہوتا ہے۔ نہ اس کو کوئی قبول کرتا ہے اور نہ وہ کسی کو قبول کرتا ہے اس کے بصر و بصیرت میں اللہ من حیث الظاہر اور اللہ من حیث الباطن میں جاتا ہے' وہ غیر اللہ سے منقطع ہو جاتا ہے۔"

رویمؒ نے فرمایا ہے۔

"صوفی اپنے ارادے میں فانی ہوتا ہے اور حق تعالیٰ ہی کا فعل اس میں جاری ہوتا ہے اور اس کے نتیجہ کے طور پر اس کی کوئی مراد باقی نہیں رہتی اور نہ کوئی غرض اور چاہت و مرام"

حضرت معروف کرخی نے فرمایا ہے۔

"جب صوفی پر یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ درحقیقت نافع وضاء حق تعالیٰ ہی ہیں تو پھر ماسوا حق سے نابینا ہو جاتا ہے اور غیر حق کے لئے نہ جودوزیاں ثابت کرتا ہے اور نہ منع و عطا' بلا وعطا میں خدا ہی کو فاعل سمجھتا ہے اور اسباب و سائط کے لئے کوئی مستقل ہستی نہیں قرار دیتا۔"

حضرت شبلی نے فرمایا ہے۔

"صوفی خلق سے منقطع اور حق سے متصل ہوتا ہے۔"

ہمارے بعض علماء کرام اور بزرگان دین نے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض صوفیاء نے یونانی اوہام' ایرانی افکار' ویدانت کے نظریات اور دیگر غیر اسلامی عناصر کا اثر قبول کرکے اپنے مسلک کو معجون مرکب بنا دیا ہے۔ اس میں کچھ صداقت بھی ہے۔ بلاشبہ کچھ صوفیائے کرام نے ویدانت اور زر تشتیت کے اثرات قبول کئے ہیں۔ لیکن انہوں نے وہاں سے بھی وہ خیالات اخذ کئے ہیں جو "واجب الوجوب" اور "واجب الوجود" کے متعلق ہیں۔ یعنی ان میں وحدانیت کے متعلق جو جو افکار ملتے ہیں۔ اس کو لیا ہے۔ زر تشتیت میں ثنویت ہے عیسائیت میں تین خداؤں کا تصور ہے' ہندو عقائد میں بھی ثنویت بلکہ بہت سے خداؤں کا تصور ہے کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ مسلمان صوفیاء کرام نے ان کے یہ عقائد بھی قبول کئے ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ بعض صوفیاء کے طریقہ پر ہندو مراسم اور عیسائیت کی رہبانیت کا اثر ہے۔ اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے طریقہ پر یہ اثرات بھی نظر آتے ہیں۔ لیکن مسلمان صوفی اور ہندو ویدانتی اور عیسائی راہب کے مقصد اور طریقہ کار میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

عیسائی راہب اور ہندو ویدانی نے صرف اپنی ذات کی تعمیر پر توجہ دی ہے انہوں نے دنیا سے قطع تعلق کرکے پہاڑوں اور جنگلوں میں جا کر تنہا زندگی گزاری۔ ان کے برعکس مسلمان صوفیاء کرام نے اپنی ذات کی تعمیر بھی کی اور دوسروں کو بھی راہ حق کا راستہ بتایا۔ انہوں نے نہ صرف اپنی خاص مریدوں کی تربیت کی' بلکہ عام لوگوں کو بھی ان کے فہم اور استعداد کے مطابق تصفیہ اخلاق کی تعلیم دی انہوں نے ریاضتیں اور مجاہدے ضرور کئے'

سخت مجاہدے کیں اور چلہ کاٹے' جنگلوں اور پہاڑوں میں بھی اکیلے جا کر رہے۔ لیکن اپنے تعمیر باطن کے بعد وہ لوگوں میں آئے ان سے ملے ان میں دین کی تبلیغ کی' ان کی روحانیت' اخلاق اور تعمیر ذات کی تعلیم دی اور امن' خوشحالی اور صالح معاشرے کے قیام کیلئے جدوجہد کی۔ انہوں نے ظلم' استبداد اور استحصال کا مقابلہ کیا اور ظالم و جابر حاکم کو بلا جھجک ان کے منہ پر حق بات کہی۔

بعض صوفیاء پر ان کے افکار اور طریقہ زندگی پر گرفت ہوئی علمائے کرام نے ان کی سخت مخالفت کی اور مسلمان حکمرانوں پر زور دے کر ان کو قتل کروایا۔ انہوں نے اپنا سر کٹوایا' لیکن کبھی بھی انہوں نے مصلحت اور منافقی اختیار کرکے اپنی جان بچانے کی کوشش نہ کی۔ انہوں نے کچھ ایسی باتیں بھی کیں' جن کو شریعت سے متصادم سمجھا گیا۔ لیکن ان باتوں کے باوجود انہوں نے بانی اسلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے بے انتہا محبت کا اظہار کیا اور ان کی ثنا و صفت بیان کی اور ان کو اپنا ہادی تسلیم کیا۔ تمام صوفیاء کرام نے یہی کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہی معرفت حق اور قرب الٰہی حاصل ہو سکتی ہے۔

غرض یہ کہ تمام صوفیاء کرام نے یہی درس دیا ہے کہ ظاہری عبادات کے ساتھ تزکیہ نفس اور تصفیہ اخلاق پر توجہ دی جائے۔ اسلامی تعلیمات میں بھی یہ باتیں موجود ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد ہی مکارم اخلاق کی تعلیم بیان فرمائی ہے۔

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق"

قرآن حکیم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آیا ہے۔

"**وانک لعلی خلق عظیم**" (القلم۔۴)

(اور بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں)۔

قرآن حکیم میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا کام یہ بتلایا گیا ہے۔

ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمتہ (س۔۳۔ آیت ۱۶۴)

(اور انہیں پاک صاف کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے)

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمتہ (س۔۲۔ ایت ۱۵۱)

(اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے)۔

تمام صوفیاء کرام نے تزکیہ نفس اور تصفیہ نفس کے لئے اصلاح خیال کو لازمی قرار دیا ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا ہے:

"اصلاح خیال تصوف کا دوسرا نام ہے۔ خیال اس وقت تک اصلاح پذیر نہیں ہوتا' جب تک اس کا محاسبہ نہ ہو اپنے ہر قول' فعل' کردار' گفتار' رفتار' اعتقاد اور نیت کو محاسبہ میں لایا جائے کہ آیا آداب کے موافق تھا یا نہ تھا۔"

تمام صوفیائے کرام نے اپنا مقصود' اپنا محبوب' اپنا مطلوب اور اپنا معبود خدا کے سوا اور کسی کو نہیں کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ یہ مقصد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ ذہن نشین کراتے ہیں کہ توحید کے بتانے والے' اجراء کرنے والے دلوانے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہی مقصد کلمہ طیبہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کا ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا:

"تم اپنے روح کو روح محمدؐ (نور اول) سے اس طرح متعلق کرو کہ وہاں سے فیض برابر آتا رہے۔ مجاہدہ کرو کہ جو فیض خدائے حقیقت احمدی اور حقیقت محمدی سے روح محمدؐ اور نور اول سے تمہارے روح پر نزول کرتا ہے وہی فیض تمہارے نفس سے ہوتا ہوا تمہارے بدن سے ظہور کرے۔ سلوک کا مقصد یہی ہے۔"

بہر حال صوفیاء کرام کے مندرجہ بالا افکار کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ تعلیمات تصوف اسلامی تعلیمات سے متصادم نہیں ہیں' بلکہ اسلامی تعلیم اور عبادات کا روح ہے۔ اس لئے نہ اس کا انکار کی گنجائش ہے اور نہ اس کو غیر اسلامی چیز قرار دیا جا سکتا ہے' البتہ ان غیر اسلامی چیزوں کی ضرور مخالفت کرنا چاہئے' جو گمراہ صوفیوں نے تصوف کی آڑ میں' تصوف میں داخل کر دی ہیں۔ بلکہ کوشش کرکے کہ ان گمراہ کن افکار اور شریعت سے متصادم مراسم کو صوفیانہ تعلیم سے الگ کرنا چاہئے کہ لوگ تصوف کے نام پر گمراہ نہ ہو جائیں

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے تصوف کی تعریف اور بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"خلاصہ یہ ہے کہ تصوف کی حقیقت خدا تعالیٰ سے تعلق بڑھانا ہے۔ اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ ہمت کا تقاضا تو یہ کہ صاحب ذوق بنو۔ اگر اتنی ہمت نہ ہو تو خدا کے لئے انکار نہ کرو۔"

تصوف کا تاریخی ارتقا: بعض محققین نے لکھا ہے کہ تصوف تاریخی حالات کی پیداوار ہے۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ صوفیانہ زندگی گزارنے والے لوگ تو ہر دور میں ملتے ہیں' البتہ صوفی نام بعد میں رائج ہوا ہے۔ سب سے پہلا شخص جسے "صوفی" کا لقب دیا گیا۔ وہ ابو ہاشم کوفی (وفات ۱۶۰ھ=۷۷۷ء) تھے۔ شیخ عین القضاۃ ہمدانی نے اپنی کتاب "تمہیدات" میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے بغداد کے بزرگ عبدک الصوفی کو "صوفی" کے لقب سے مخاطب کیا گیا۔ یہ بزرگ بھی دوسری صدی ہجری کے تھے۔ ابو ہاشم کوفی کے متعلق سفیان سوری (وفات ۱۶۱ھ = ۷۷۸ء) جیسے بلند پایہ عالم اور محدث فرماتے ہیں۔

"ایک عرصہ تک میں ریا کاری کرتا رہا اور مجھے اس بات کا احساس ہی نہ ہوا۔ تا آنکہ میں ابوہاشم کی صحبت میں بیٹھنے لگا تو ان سے میں نے ریاکاری کو ترک کرنا سیکھا۔"

"رسالۃ القشیریہ" میں ابوالقاسم القشیری نے سب سے پہلے لفظ تصوف اور تاریخ تصوف کے متعلق لکھا ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لئے مومن کے متعلق لفظ "صحابی" سے بڑھ کر کوئی دوسرا لفظ پر فخر اور افضل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس وقت کے افاضل اسی لفظ سے موسوم ہوئے۔ اس کے بعد جب دوسری نسل چلی' تو ان اصحابیوں کے صحابیوں کے لئے تابعین کی اصطلاح رائج ہوئی۔ پھر ان کی آنکھیں دیکھنے والے تبع تابعین کہلائے۔ اس کے بعد جب امت زیادہ پھیلی اور لوگ طرح طرح کے پیدا ہونے لگے تو جن لوگوں کو امور دین میں زیادہ انہماک ہوا' انہیں زہاد و عباد کہا جانے لگا۔ لیکن جب بدعتوں کا ظہور ہوا اور فرقہ فرقہ الگ ہو گئے تو ہر فرقہ اس کا مدعی بن بیٹھا کہ زہاد و عباد اسی میں ہیں۔ اس وقت اہل سنت کے طبقہ خاص نے جو ذکر الٰہی میں مشغول اور غفلتوں سے دور دور رہتا تھا۔ اپنے لئے "اہل تصوف" کی اصلاح قائم کی اور ہجرت کو ابھی دو صدیاں نہیں ہوئی تھیں کہ یہ لقب اس طبقہ خواص کا اکابر لئے مخصوص ہو گیا۔

صوفیاء کرام کے پہلے طبقہ میں فضیل بن عیاض (شام میں وفات پائی) حضرت ابراہیم ادھم (وفات ۱۶۳ھ = ۷۷۹ء مزار شام رہنے والے بلخ کے تھے)' حضرت معروف کرخی (وفات ۲۰۰ھ = ۸۱۶ء بغداد)' شقیق بلخی (خراسان کے پیر طریقت' مرید ابراہیم بن ادھم' شہادت ۱۹۴ھ = ۸۱۰ء) کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان بزرگوں نے سادہ زندگی گزاری اور بڑے عابد و زاہد تھے۔ ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کی محبت غالب تھی۔ ان کے افکار میں سیدھی باتیں

ایک ہمعصر ابو طالب محمد بن علی بن عطیہ کی حارثی (متوفی ۳۸۶ھ=۹۹۶ء) نے کتاب "قوت القلوب فی معاملتہ المحبوب و وصف طریق المرید الی مقام التوحید" لکھی ابو طالب فقہ اور حدیث کے بڑے عالم تھے۔ انھوں نے فقہی مسائل کو صوفیانہ رنگ میں پیش کیا اور صوفیانہ مسائل کی دلائل کے ساتھ وضاحت کی تصوف کی بنیادی کتابوں میں چوتھی کتاب ابو القاسم عبدالکریم بن ھوازن قشیری (وفات ۴۶۵ھ = ۱۰۷۳ء) کی کتاب "رسالہ" ہے۔ اس میں انھوں نے صوفیا کرام کا مختصر تعارف دیا ہے۔ ان کے اقوال کو پیش کیا ہے اور صوفیانہ اصطلاحات کی تشریح کی ہے۔ اسی زمانہ میں حضرت علی بن عثمان ہجویری (وفات ۴۶۵ھ = ۱۰۷۳ء) تصوف پر کچھ کتابیں لکھیں' جن میں سے دو اب بھی موجود ہیں "کشف المحجوب" اور "کشف الاسرا" ان سب سے "کشف المحجوب" بہت مقبول رہی ہے اور اس کے انگریزی' اردو اور سندھی میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ فارسی زبان میں تصوف پر قدیم ترین موجود کتاب یہی ہے۔

پاکستان میں تصوف کی ابتدا اور ارتقا: زیادہ تر صوفیانہ سلاسل کی ابتدا حضرت خواجہ حسن بصری سے ہوتی ہے اس کتاب کے باب اول میں دکھایا گیا ہے کہ دوسری صدی ہجری میں سندھ میں حضرت خواجہ حسن بصری کے معتقدین موجود تھے' جنھوں نے سندھ سے انڈونیشیا جا کر اسلام کی تبلیغ کی اور وہاں بہت سے لوگوں کو ان کے ذریعہ دین اسلام کی روشنی نصیب ہوئی' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان میں دوسری صدی ہجری میں ہی صوفیانہ تعلیم پہنچ چکی تھی ان لوگوں نے نہ صرف اپنے ملک میں اسلام کی تبلیغ کی' بلکہ تاجر کی حیثیت میں جب دوسرے ممالک میں گئے' تو وہاں بھی اسلام کی تبلیغ کی اور کئی لوگ ان کے ذریعہ مسلمان ہوئے۔ وحدت الوجود کے افکار حضرت ذوالنون مصری کے بعد حضرت جنید بغدادی کے اقوال میں ملتے ہیں' جن کا ایک قول ہے : "سبحانی ما اعظم شانی" ان کی وفات ۲۶۱ھ (۸۷۵ء) میں ہوئے۔ ان کی ملاقات ایک سندھی بزرگ "ابو علی سندھی" سے ہوئی تھی' جو سندھ سے عربستان گئے تھے۔ بایزید کہتے ہیں میں نے ان سے فنا اور توحید (تصوف) کا علم سیکھا اور ابوعلی نے مجھ سے الحمد اور قل ھو اللہ احد کی تفسیر معلوم کی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سندھ میں صوفیانہ تعلیمات کا اثر دوسری اور تیسری صدی ہجری میں موجود تھا جس سے ابو علی سندھی بھی مستفیض ہوئے تھے وہ صوفیانہ تعلیم سے اس قدر بہرہ ور تھے کہ

تھیں اور علمی موشگافیاں نہیں تھیں۔ ان کا عمل سراپا عمل تھا۔ حضرت ابراہیم بن ادھم نے فرمایا ہے : "میزان میں وہی عمل سب سے بھاری ہوگا جو جسم پر سب سے زیادہ دشوار ہوگا"

"مومن کی مثال اس شخص کی ہے۔ جو کھجور کا درخت لگائے اور اس خوف میں رہے کہ شاید اس میں کانٹے پیدا ہوں اور منافق کی مثال اس شخص کی ہے "جو کانٹے بوئے اور تر و تازہ کھجور کی امید رکھے"

یہی وجہ تھی کہ علماء اور صوفیاء میں اختلاف نہیں تھا' بعد میں جب صوفیائے کرام کے افکار میں علم باطن کے طرف اشارات ملنے لگے' تو صوفیاء اور علماء کرام کے طبقے الگ ہو گئے علماء کرام صوفیاء کی مخالفت بھی کرنے لگے اور کبھی وہ مخالفت سخت بھی ہو جاتی ہے' جیسے منصور حلاج کے متعلق ہوئی۔

سب سے پہلے بزرگ جس کے افکار میں وحدت الوجود کا رنگ ملتا ہے حضرت ذوالنون مصریؒ (وفات ۲۴۵ھ = ۸۵۹ء مزار مصر) تھے۔ حضرت مولانا جامیؒ نے لکھا ہے کہ وہ صوفیاء کے سردار تھے۔ ان کے اس قول سے وجودی فکر کی تائید ہوتی ہے۔

"اللہ سے جو محبت کی جاتی ہے' وہ انسان کو انجام کار اس سے متحد کر دیتی ہے۔ انسان ذات خداوندی میں غرق ہو جاتا ہے۔ اس کی ذات اپنی ذات میں نہیں رہے گی۔ بلکہ ذات خداوندی کا ایک حصہ بن جاتی ہے۔

صوفیہ کرام نے جلد ہی محسوس کیا کہ وہ اپنے طریقہ زہد و عبادت' ذکر و فکر کو تحریر صورت میں پیش کریں۔ تاکہ مغالطہ پیدا نہ ہو۔ چنانچہ سب سے پہلے عبداللہ بن مبارکؒ نے سنہ ۱۸۱ھ (۷۰۰ء) میں کتاب الزھد لکھی جس میں انھوں نے وہ احادیث جمع کیں جن میں زہد کی ترغیب پائی جاتی ہے۔ اسی طرح ابو عبداللہ حارث بن اسد بخاری (وفات ۲۴۳ھ = ۸۵۷ء) نے **"الخلوۃ والتنقل فی العبادہ التفکر والا عتبارۃ** اور "الرعایت لحقوق اللہ" لکھی یہ کتاب خاص موضوعات کے متعلق تھیں بعد میں صوفیانہ تعلیم پر جامع کتابیں لکھنا شروع ہوئیں۔ اس قسم کی پہلی کتاب ابو بکر بن ابو اسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب الکلابازی کی کتاب "التعرف لمذھب اھل تصوف" ہے۔ اسی زمانہ میں ابونصر عبداللہ بن علی بن محمد بن یحییٰ سراج طوسی نے کتاب اللمع فی التصوف لکھی۔ ابو نصر سراج کے

حضرت بایزید بسطامی نے بھی ان سے استفادہ کیا۔

چونکہ اس زمانہ کی لکھی ہوئی کتابیں نہیں ملتی اس لئے اس زمانہ کے بزرگان دین اور صوفیاء کرام کے حالات نہیں ملتے بو علی سندھی کا ذکر بھی مولانا عبدالرحمٰن جامی نے اپنی کتاب "نفحات الانس" میں کیا ہے۔ سندھ میں دوسری صدی ہجری میں حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے معتقدین کی موجودگی حال ہی کی تحقیق کا نتیجہ ہے۔ البتہ سندھ کے فقیہوں اور محدثوں کا ذکر، عربی کتابوں میں ملتا ہے، جو سندھ سے نقل مکانی کر کے سرزمین عرب کے مختلف علاقوں میں جا کر متوطن ہوئے تھے۔ ان کی زندگی میں صوفیانہ طرز زندگی کا اثر واضح نظر آتا ہے۔ ان میں سے بعض کا تعارف اس کتاب کے باب اول پیش کیا گیا ہے۔

اس کے بعد پانچویں صدی ہجری میں حضرت خواجہ ابو الحسن علی ہجویری داتا گنج بخش لاہور تشریف لائے۔ ان سے قبل لاہور میں ایک دوسرے بزرگ حضرت شیخ حسن زنجانی موجود تھے۔ حضرت داتا گنج بخش نے جب لاہور میں قدم رکھا، تو شیخ حسن زنجانی کا جنازہ باہر لایا گیا۔ گویا پانچویں صدی ہجری کی شروع میں لاہور میں بزرگان دین موجود تھی اور دین کی تبلیغ اور صوفیانہ تعلیم کے پھیلانے کے لئے جدوجہد کر رہے تھے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کی تبلیغ کی وجہ سے کئی لوگوں نے دین اسلام قبول کیا۔ ان کے تعلیمات سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے طریقہ میں شریعت کی پابندی لازمی تھی اور دین اسلام کی تبلیغ ان کی زندگی کا مقصد تھا۔ آپ کا تعارف اس کتاب کے باب دوم میں موجود ہے۔

بزرگان دین میں حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ سلسلہ قادریہ آپ سے ہی منسوب ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ سہروردیہ سلسلہ کے بزرگ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے بھی آپ سے روحانی فیض حاصل کیا آپ کے پوتے حضرت سید صفی الدین گیلانی، سیر و سیاحت کرتے ہوئے علاقہ ملتان میں آئے اور کئی لوگوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کے فرزند سید ابو عبدالرحمٰن شرف الدین عیسیٰ بھی سندھ میں آئے۔ اور کچھ عرصہ کے لئے شہر ہالا (ضلع حیدر آباد سندھ) میں قیام کیا۔ بعد میں حضرت سید عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے سید ابو محمد سراج الدین اور حضرت مخدوم سید ابو عبداللہ محمد غوث گیلانی پنجاب میں آئے اور تبلیغ کے ذریعہ کئی لوگوں کو راہ راست پر لائے۔

چھٹی صدی ہجری میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری لاہور آئے اور ملتان سے ہوتے ہوئے اجمیر میں جا کر سکونت پذیر ہوئے۔ آپ کی تبلیغ کے ذریعہ برصغیر پاک و ہند میں بے شمار غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا اور کئی بھٹکے ہوئے لوگ راہ راست پر لائے آپ سے چشتیہ سلسلہ یہاں جاری ہوا جس کے بزرگوں نے اس سرزمین کو روحانی فیض سے مالا مال کیا۔

چھٹی ساتویں صدی میں سید عثمان قلندر شہباز سندھ میں آئے۔ اس زمانہ میں حضرت غوث بہاؤ الحق زکریا ملتانی بھی موجود تھے، جو سہروردی سلسلہ کے بزرگ تھے۔ ان بزرگوں نے سندھ اور ملتان کے علاقوں میں کئی تبلیغی دورے کئے اور ان کے بڑے مفید نتائج بر آمد ہوئے۔ اس زمانہ میں سندھ کے شہر بکھر میں ایک اور سہروردی بزرگ حضرت شیخ نوح بکھری بھی موجود تھے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ پاکستان میں باقاعدہ صوفیانہ تعلیم پھیلانے کا سلسلہ پانچویں صدی ہجری میں حضرت داتا گنج بخش کے ذریعہ شروع ہوا اور چھٹی اور ساتویں صدی ہجری میں حضرت سید عبدالقادر جیلانی کی اولاد، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری اور ان کے خلفاء حضرت سید عثمان قلندر شہباز اور حضرت غوث بہاؤ الحق زکریا ملتانی کی جدوجہد کے ذریعہ اس کو بڑا فروغ حاصل ہوا اور برصغیر کے ہر حصہ میں پہنچ گیا۔ ان بزرگان دین کے ذریعہ دین اسلام کی تبلیغ ہوئی، بے شمار لوگ مسلمان ہوئے اور کئی لوگوں کے اخلاق و کردار کی اصلاح ہوئی

صوفیاء کرام کارہائے نمایاں : پاکستان میں صوفیاء کرام نے جو کارہائے نمایاں انجام دیں۔ ان کا جائزہ اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔

(ا) صوفیاء کرام نے دین اسلام کی تبلیغ اور صوفیانہ تعلیم پھیلانے کے سلسلہ میں دور دراز سفر کئے اور لوگوں کو راہ راست پر لانے کے لئے بڑی جدوجہد کی۔ حضرت غوث بہاؤ الدین زکریا ملتانی اور ان کے خلفاء، اور حضرت معین الدین چشتی اجمیری اور ان کے خلفاء کی صحبت اور نظر فیض اثر سے بے شمار غیر مسلموں نے دین اسلام قبول کیا۔ کئی لوگ ان بزرگوں کی صحبت میں رہ کر روحانی فیض سے مستفیض ہوئے۔ حضرت داتا گنج بخش کی تبلیغی اور اصلاحی کوششوں کو علامہ اقبال نے اسرار خودی میں بیاں کیا ہے۔

لیکن ان بزرگوں نے عوامی زبانوں میں شعر کہہ کر' ان کو پیغام دیا۔ ان بزرگوں کی کوششوں سے ہی پنجابی' سندھی' سرائیکی اور پشتو زبانوں میں اعلیٰ ادب پیدا ہوا۔

آپ اگر صوفیاء کرام کی زندگیوں کا مطالعہ کریں گے' تو آپ کو ان کی زندگی کے یہ مقاصد نظر آئیں گے۔

(۱) "برصغیر کے لوگوں کو دین اسلام سے روشناس کرکے' ان کو دین اسلام کی روشنی سے منور کیا جائے۔

(۲) ان لوگوں کی اس طرح تربیت کی جائے' کہ ان کو دین و دنیا کی بھلائی نصیب ہو اور ان کا دل یاد الٰہی کی طرف راغب ہو۔

(۳) ان کی فلاح و بہبود کے لئے کوشش کی جائے اور ان کی مدد کی جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے' ظلم' جبر اور استحصال کا مقابلہ کیا جائے اور بادشاہوں اور امراء سے تعلقات پیدا کرکے ان کو ظلم اور جبر سے باز رکھا جائے اور شریعت کی پابندی پر آمادہ کیا جائے۔

آگے دکھایا گیا ہے کہ وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سر زمین میں مسلمان اکثریت میں ہو گئے اور ان میں دین کا جذبہ اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم پختہ ہو گیا' جس کو آج تک کوئی سازش' کوئی اسلام دشمن تحریک مٹا نہ سکی۔

(۴) دینی اور روحانی تربیت کے ساتھ کئی بزرگوں نے لوگوں کی بہبودی کے کاموں میں بیحد دلچسپی لی۔ حضرت غوث بہاؤ الحق زکریا نے لوگوں کی دنیاوی بھلائی کے لئے بھی بڑی کوشش کی اور ان کی وقت بوقت مالی مدد کی۔ شاہ ہمدانی دین اسلام کی تبلیغ اور مدارس اور مکاتب کے قیام کے ساتھ وادی کشمیر میں شال بافی کی صنعت کو بھی رائج کیا اور اس طرح غریب لوگوں کو ان کے روزگار کے حصول میں مدد کی۔

(۵) یہ ایک غلط تاثر دیا جاتا ہے کہ صوفیاء کرام' شریعت کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ بعد کے نام نہاد صوفیاء کے طرز عمل سے یہ تاثر قائم کرنا غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ برصغیر کے تمام صوفیاء کرام' جو مختلف صوفیانہ سلاسل سے وابستہ تھے اور صوفیانہ تعلیم کا عملی درس دیتے تھے۔ اسلام کی ہی خدمت انجام دیتے تھے شریعت کے پابند اور لوگوں کو شریعت کی پابندی کی تلقین کرتے تھے صوفیانہ تحریکوں کے قائد دینی علوم کے عالم اور فاضل بھی ہوتے تھے اور ان میں سے اکثر نے روحانی فیض دینے کے ساتھ اپنی خانقاہوں میں درس

ان بزرگوں کی تعلیمات کے اثر اور ان کی کوششوں سے اسلام برصغیر پاک و ہند کے ہر علاقہ میں پہنچ گیا۔ سہروردیہ سلسلہ کا مرکز ملتان تھا' لیکن اس کا فیض سندھ' پنجاب' ہندوستان' بلوچستان سرحد بلکہ افغانستان تک پہنچ گیا تھا۔ سلسلہ کے بزرگ ہر علاقہ میں موجود تھے اور لوگ ان سے مستفیض ہوتے رہتے تھے۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی وجہ سے اس سلسلہ کا دوسرا بڑا مرکز "اوچ" تھا۔

سلسلہ چشتیہ کے مراکز اجمیر' پاکپتن اور دہلی تھے' جہاں سے یہ سلسلہ پھیلا اور اس سلسلہ سے وابستہ بزرگوں نے ہر علاقہ میں خانقاہیں قائم کیں۔ سلسلہ قادریہ کا مرکز سب سے پہلے "اوچ" تھا' لیکن جلد ہی اس سلسلہ کے بزرگ پنجاب' سندھ اور دوسرے علاقوں میں پھیل گئے اور بے شمار لوگ ان کے پاس فیض حاصل کرنے کے لئے آنے لگے۔ نقشبندی سلسلہ کی ابتداء سرہند سے ہوئی' لیکن جلد ہی ہر علاقہ کے لوگ اس سلسلہ سے وابستہ ہو گئے' نہ صرف یہ بلکہ یہ سلسلہ عرب ممالک تک پھیل گیا۔

صوفیاء کرام جہاں جہاں رہتے تھے' وہاں انہوں نے خانقاہیں قائم کیں' جہاں طلبہ' مسافروں' غریبوں اور مسکینوں کے لئے عام لنگر کا انتظام کیا۔ ہر خانقاہ کے ساتھ مسجد اور دینی مدرسہ بھی ہوتا تھا' جہاں دینی تعلیم کا باقاعدہ انتظام تھا۔

صوفیاء کرام اخلاق اور کردار کا اعلیٰ نمونہ ہوتے تھے اور روحانی کمال نے ان کی شخصیت کو بڑا پر اثر اور پر کشش بنا دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ ان کی طرف کھنچ کر آتے تھے اور ان کی صحبت میں رہ کر عملی تعلیم حاصل کرتے تھے۔

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں صوفیاء کرام کے ذریعہ جس قدر اشاعت اسلام ہوئی' وہ مسلمان امراء اور حکمرانوں سے نہ ہو سکی۔ صوفیاء کرام نے اس سلسلہ میں کسی قسم کے جبر سے بھی کام نہیں لیا۔ بلکہ رواداری اور وسعت نظر سے کام لیتے رہے۔ انہوں نے اپنے حسن اخلاق سے' خلوص اور محبت سے لوگوں کو متاثر کیا اور ان کو مسلمان ہونے کی ترغیب دی۔ اس طرح انہوں نے ابلاغ دین کا فریضہ بڑی خوبی سے اور احسن طریقہ سے انجام دیا۔

(۶) صوفیاء کرام نے عوام الناس سے رابطہ رکھا اور ان کی زبان سیکھ کر ان کی زبان میں ان سے گفتگو کی۔ اس زمانہ میں فارسی اور عربی علمی زبانیں تھیں۔ سرکاری زبان فارسی تھی۔

دیتے رہتے تھے ان کی تعلیمات کی بنیاد ذکر الٰہی اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر تھی۔

(۶) مسلمانوں کے اخلاق حمیدہ کی تعلیم و تربیت ان ہی بزرگان دین کے ذریعہ ہوئی ان ہی بزرگوں کے ذریعہ مختلف طبقوں میں اخوت، مساوات، رواداری، صلح جوئی، امن پسندی پیدا ہوئی اور صحت مند معاشرہ وجود میں آیا۔ امن و سلامتی کی فضاء پیدا ہوئی اور حکمرانوں کے ظلم و زیادتی میں کمی واقع ہوئی۔

(۷) صوفیاء کرام نے حکمرانوں اور امیروں کی کبھی پرواہ نہ کی، بلکہ حق اور سچ بات ان کے منہ پر کہہ دی۔ اس قسم کی کئی مثالیں تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں کچھ مثالیں آپ کو اس کتاب میں بھی ملیں گے۔

(۸) چشتیہ سلسلہ کے بزرگ کے بادشاہوں کے دربار سے دور رہے اور بادشاہ کے درباوں میں جانا پسند نہیں کرتے تھے۔ البتہ بعض بزرگوں نے بادشاہوں کی اصلاح کے لئے ان پر توجہ دی۔ سہروردیہ، قادریہ اور نقشبندیہ سلاسل کے بزرگ مسلمانوں کے سیاسی، اخلاقی، معاشی اور معاشرتی حالات درست رکھنے اور دین اسلام کی تبلیغ کے لئے سیاست میں دخل انداز ہوتے تھے اور مختلف علاقوں کے حکمرانوں سے تعلقات رکھتے تھے ان کے اس طرز عمل سے مفید نتائج برآمد ہوئے۔ مثلاً:

☆ سلاطین کی اصلاح ہوتی تھی اور وہ شرعی قانون نافذ کرتے تھے۔

☆ حضرت غوث بہاؤ الحق زکریا ملتانی کی کوشش سے ملتان اور سندھ کے قرامطوں اور اسماعیلیوں کا اثر ختم ہوا اور سندھ کے حکمران خانوادے سومرہ نے اسماعیلی اور قرامطی عقائد ترک کرکے سنی عقائد اختیار کئے۔ اس طرح تبلیغ اسلام کے لئے راہ ہموار ہوئی اور کئی غیر مسلم قبیلوں نے اسلام قبول کیا۔

☆ حضرت سید علی ہمدانی نے کشمیر میں آکر تبلیغ کی اور کشمیر کے حکمرانوں کو شریعت اسلام کا پابند بنانے کے لئے آمادہ کیا۔

☆ سلسلہ چشتیہ کے بزرگ امراء و سلاطین سے دور رہنا پسند کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود حالات پر نظر رکھتے تھے۔ حضرت شاہ فخر الدین دہلوی نے حالات دیکھ کر بادشاہ کو سمجھانے کے لئے مجبور ہو گئے کہ امراء کے آپس کے جھگڑوں کی وجہ سے نظام حکومت کمزور ہو گیا ہے۔ اگر اس طرف توجہ نہ کی گئی تو حکومت ہاتھ سے نکل جائے گی۔

۷۔ چشتیہ سلسلہ کے بزرگ سماع کے قائل تھے اور ان کی خانقاہوں میں سماع کی محفلیں منعقد ہوا کرتی تھیں۔ لیکن ان میں زیادہ تر بزرگ مزامیر سے اجتناب کرتے تھے۔ بلکہ یہ بھی خیال کرتے تھے علماء کرام کو ناراض نہ کیا جائے۔ قادریہ سلسلہ کے بعض بزرگ بھی سماع کے قائل تھے۔ ان میں سے کچھ تو مزامیر کے ساتھ سماع سنتے تھے۔ سہروردیہ سلسلہ کے بزرگ کبھی کبھی بغیر مزامیر کے سماع سنتے تھے۔ نقشبندی سلسلہ کے بزرگ سماع کے سخت مخالف تھے۔

۸۔ بزرگان چشتیہ کے یہاں ہندو بھی آتے تھے اور ان کے مرید اور معتقد ہوا کرتے تھے۔ ان کو ذکر بھی بتاتے تھے۔ قادری بزرگوں میں سے سندھ میں شاہ عنایت شہید جھوک والے، ان کے خلفاء، سجادہ نشیں چل سرمست، روحل فقیر اور قادر بخش بیدل کے یہاں بھی ہندو آتے رہتے تھے اور ان کی بڑے مخلص مرید اور معتقد بھی تھے۔ ان سے ذکر بھی لیتے تھے۔ بعض ہندو نماز پڑھتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اس انتظار میں نہ رہو کہ وہ پہلے مسلمان ہو جائیں، بعد میں ان کو ذکر بتایا جائے۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح ہندوؤں کی ذہنی فکری اور معاشرتی اصلاح ہوگی۔ وہ بت پرستی کو ترک کردیں گے اور مسلمانوں اور اسلام سے دشمنی رکھنا چھوڑ دیں گے۔ ان کی روش میں تبدیلی کی وجہ سے امن، سلامتی، رواداری، محبت، اخلاص اور برابری کی فضاء قائم ہوگی۔ بغض، حسد، نفرت اور طبقاتی اونچ نیچ ختم ہوگی۔ انسانیت کے اقدار کو فروغ ملے گا اور صالح اور صحت مند معاشرہ قائم ہوگا۔

۹۔ سہروردیہ سلسلہ کے بزرگ نظریہ وحدت الوجود سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے، قرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے ذکر کی تلقین کرتے تھے۔ چشتی بزرگ وحدت الوجود کے قائل تھے اور ابن عربی کے فکر سے بہت متاثر تھے۔ وہ شیخ اکبر کی کتابوں، فتوحات المکیہ اور فصوص الحکم کا مطالعہ کرتے رہتے تھے اور بعض تو ان کا درس بھی دیتے تھے۔ ان کتابوں کے علاوہ دوسری کتابیں بھی پڑھتے تھے۔ بعض بزرگوں نے اس فکر کو سمجھانے کے لئے کتابیں بھی لکھیں۔ اس سلسلہ میں مخدوم عبدالرحمان سندھی لکھنوی کی کتاب "کلمۃ الحق" قابل ذکر ہے۔ ان کے ملفوظات اور اشعار میں وحدت الوجود کا اثر کارفرما ہے۔ خاص طور پر حضرت خواجہ غلام فرید کی شاعری کا یہ موضوع ہے۔

قادریہ سلسلہ کے بزرگوں میں سے بھی کئی وحدت الوجود کے قائل تھے اور اس نوعیت

کی کتابوں سے دلچسپی رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے اشعار میں وجودی فکر کو بڑے موثر انداز میں سمجھایا ہے۔ ان صوفی شعراء میں سے بلھا شاہ، شاہ حسین، سچل سرمست، شاہ عبداللطیف بھٹائی، فقیر قادر بخش بیدل، ملا شاہ بدخشی کے نام قابل ذکر ہیں۔

نقشبندیہ سلسلہ کے بزرگ، وحدت الوجود کے سخت مخالف تھے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نے ابن عربی کے نظریہ پر تنقید کی ہے اور اس کو رد کرتے ہوئے نظریہ وحدت الشہود پیش کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ وجودی فکر کی وجہ سے گمراہیاں پیدا ہوتی ہیں اور جاہل قسم کے صوفی اس کا غلط مطلب لے کر شریعت سے بے پرواہی برتتے ہیں اور شریعت کی پابندی سے روگردانی کرتے ہیں۔ یہ حقیقت بھی رہی ہے۔ آج بھی کئی قسم کے صوفی گمراہی کا شکار ہیں۔

۱۰۔ صوفیاء کرام سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی حالات کو تبدیل کرنے کے لئے انقلابی ذہن رکھتے ہیں۔ وہ ظلم، جبر، استحصال، انسانی اقدار کی پامالی اور شریعت کی پابندی کو نظرانداز کرنے پر تڑپ اٹھتے ہیں۔ اور حالات کو بدلنے اور سیاسی اور سماجی انقلاب لانے کے لئے عملی جدوجہد کرتے تھے۔ حضرت غوث بہاؤ الحق زکریا ملتانی نے اوچ کے حاکم ناصر الدین قباچہ کا ظلم اور زیادتی دیکھ کر سلطان التمش کو خط لکھا جب وہ التمش کو ملنے سے پہلے، قباچہ کے ہاتھ آگیا اور قباچہ نے آپ کو بلا کر خط دکھایا، تو آپ نے بلا جھجک اقرار کیا اور اس کے منہ پر اس کے ظلم اور زیادتیاں بیان کیں۔

سندھ میں جب میراں محمد جونپوری آئے اور لوگ مہدویت کی طرف ہونے لگے، تو حضرت مخدوم بلال نے اس کو روکنے کی کوشش کے لئے عملی جدوجہد کی اور سندھ کے حاکم جام نظام الدین کو کہا کہ وہ میراں محمد جونپوری کو سندھ سے نکال دیں، سندھ پر جب شاہ بیگ ارغون نے حملہ کیا اور مخدوم بلال کو معلوم ہوا کہ وہ میراں محمد جونپوری کے مرید ہیں، تو مخدوم بلال نے شاہ بیگ کے خلاف اپنے مریدوں اور خلفاء کے ساتھ لڑائی میں عملی طور پر حصہ لیا۔

حضرت مجدد الف ثانی نے اکبر اور جہانگیر کے زمانہ کی بدعتوں، گمراہیوں اور الحادی فتنوں کا مقابلہ کیا اور بادشاہ کو تعظیمی سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس لئے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، لیکن اپنے مقصد پر قائم رہے۔ آخر کامیاب ہو گئے اور امراء و

حکمرانوں کو شریعت کی پابندی پر آمادہ کیا۔ اس طرح ایک انقلاب رونما ہوا۔

دور برطانیہ میں بہت سے صوفیاء کرام نے انقلابی تحریکوں، آزادی کی تحریکوں اور پاکستان کی تحریکوں میں حصہ لیا۔ اس سلسلہ میں کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل، جماعت مجاہدین کے ساتھ، جہاد کے لئے جب نکلے تو سندھ سے بھی گزرے۔ پیرگوٹھ میں پیر پاگارہ پیر صبغت اللہ شاہ سے ملے۔ انہوں نے آپ کی مہمان نوازی کی، مالی امداد کی اور اپنے مریدوں کی ایک جماعت حرب و ضرب کے سازو سامان سے لیس کرکے ساتھ روانہ کر دی۔ حضرت پیر پاگارہ نے اپنی اس جماعت کو "جماعت احرار" کا خطاب دیا۔ اس کے بعد پاگارہ خاندان کے مریدوں کو ان کی جانبازی، سر فروشی اور جانثاری کی وجہ سے حر کہا جانے لگا۔ بعد میں حروں نے انگریزوں کے خلاف زبردست گوریلا جنگ لڑی۔ بے شمار حر مجاہدین شہید ہوئے اور کئی حر گرفتار ہوئے، لیکن کسی نے بھی نہ مصلحت سے کام لیا اور نہ معافی مانگی۔ حروں کے ساتھ انتہائی ظالمانہ سلوک کیا گیا اور ان کو پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ آخر اس دور کے پیر پاگارہ سید صبغت اللہ شاہ ثانی کے خلاف بغاوت کا مقدمہ چلایا گیا اور پھانسی دی گئی۔

انگریزوں کے خلاف تحریک، سید صبغت اللہ شاہ ثانی سے پہلے ان کے والد پیر سید حزب اللہ شاہ، تخلص "مسکین" نے شروع کی تھی۔ انہوں نے سن ۱۲۹۳-۱۳۰۸ھ کے درمیان ترکی کے خلیفہ سلطان عبدالحمید ثانی کو خط لکھا اور انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے کی ترغیب دی اور اپنی مدد کا یقین دلایا۔

حافظ محمد صدیق بھرچونڈی والے، پیرپاگارہ کے خلیفہ کے مرید تھے۔ ان کے مریدوں: مولانا تاج محمود امروٹی، مولانا غلام محمد دین پوری اور مولانا عبیداللہ سندھی نے انگریزوں کے خلاف ہر تحریک میں کام کیا۔ انہوں نے ریشمی رومال تحریک، خلافت تحریک اور تحریک آزادی میں اہم کردار ادا کیا۔ مولانا تاج محمود امروٹی تبلیغ دین کے سلسلہ میں بڑی جدوجہد کی اور بے شمار ہندوؤں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

حضرت جماعت علی شاہ محدث علی پوری نے انگریزوں کے زمانہ میں اسلام اور مسلمانوں کی بڑی خدمت کی۔ آپ نے دینی اور ملی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ترکی کے سلطان عبدالحمید کو حجاز ریلوے فنڈ کے لئے چھ لاکھ روپیہ اپنے متوسلین سے جمع کروا کر

بھیجے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو کئی لاکھ جمع کروا کر بھیجے۔ شدھی تحریک کا سخت مقابلہ کیا۔ اس مقصد کے لئے اپنے خرچ پر علماء کرام اور مبلغ حضرات کو تبلیغ دین کے لئے مختلف مقامات پر بھیجا کہ سادہ دل مسلمان شدھی تحریک کا شکار نہ ہو جائیں۔ آپ نے اپنے سیاسی تدبر سے جان لیا کہ ہجرت تحریک اور ترک موالات سے مسلمانوں کو نقصان اٹھانا پڑے گا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے مسلمانوں کو سمجھانے کی کوشش کی کہ ہجرت تحریک اور ترک موالات میں حصہ نہ لیں۔ آپ نے تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے کے لئے بڑی کوشش کی۔ آپ نے قادیانیت کی بھی سخت مخالفت کی اور غلام احمد قادیانی کی موت کے سلسلہ میں آپ نے جو پیشین گوئی کی، وہ حرف بہ حرف صحیح ہوئی۔

پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی نے فتنہ قادیانیت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ انہوں نے اپنی زبان اور قلم دونوں سے قادیانیت کے عقائد باطلہ کی پر زور تردید کی۔ اس طرح کی کوششوں سے قادیانیت کی اصل حقیقت واضح ہو گئی اور مسلمان اس فتنہ کے طوفان سے بچ گئے۔

۱۰۔ علم و ادب: صوفیاء کرام نے اپنی تعلیمات کو پھیلانے کے لئے کتابیں بھی تصنیف و تالیف کیں اور شاعری کو بھی ذریعہ ابلاغ کے طور پر استعمال کیا۔ انہوں نے جو کتابیں تصنیف و تالیف کیں، ان کو ہم مندرجہ ذیل اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(الف) تذکرے: صوفیائے کرام کے سوانح کے سلسلہ میں کتابیں لکھی گئیں، جن میں ان کے سوانح کے ساتھ ان کی تعلیمات اور اصول بھی دیئے گئے۔ مثلاً سیر الاولیاء، سیر العارفین، حدیقتہ الاولیاء، اخبار الاخیار، گلزار ابرار، سکینتہ الاولیاء، سفینتہ الاولیاء، تحفتہ الکرام، خزینتہ الاصفیاء وغیرہ۔

(ب) تصانیف: صوفیاء کرام نے صوفیانہ تعلیم کو سمجھانے کے لئے کتابیں تصنیف کیں۔ مثلاً کشف المحجوب، کشف الاسرار (حضرت داتا گنج بخش) شرح العوارف (حضرت مجدد الف ثانی)، حاشیہ عوارف (شیخ فرید الدین گنج شکر)، لمعات (شیخ فخرالدین عراقی)، مکاشفات رضوی شرح مثنوی (شیخ محمد رضا شطاری لاہوری)، شرح مثنوی (شیخ محمد ایوب قرشی لاہوری)، اوراد (غوث بہاؤ الحق زکریا ملتانی)، المکاشفات الغیبیہ اور المعارف الدنیہ (حضرت مجدد الف ثانی)، تفہیم المرام فی بحث الوجود (عربی میں مؤلف شیخ عنایت اللہ لاہوری) کلمتہ الحق (عربی میں۔ تصنیف: مخدوم عبدالرحمٰن سندھی لکھنوی)، طریقتہ العون

فی حقیقتہ الکون (شیخ محمد معین بن محمد امین سندھی)، مراد مرید (سید خواجگی بن احمد عرسی ملتانی کزوی)، نور الحقیقت (سید اسماعیل قادری ملتانی) جواہرا لمکنون، لطایف الاشارات اور ذخائر الجواہرنی بصائر الزواہر (حاجی محمد نوشہ گنج بخش)، تحفہ قادریہ، رسالہ شوقیہ، اصول صوفیہ اور رونتہ الاوراد (سید خیر الدین ابو المعالی)، عین الفقر کبیر اور صغیر، توفیق الھدایت، مجموعتہ الفضل، جامع الاسرار، کلید التوحید، حجت الااسار (شاہ باہو)

علم و ادب: صوفیائے کرام نے اپنا پیغام عام لوگوں تک پہنچانے کے لئے شاعری کو ذریعہ ابلاغ کے طور پر استعمال کیا اور شاعری میں بڑے موثر اور پر کشش انداز میں اپنے دلی کیفیات، واردات، جذبات اور احساسات بیان کئے۔ اس کے ساتھ روحانی اسرار و رموز بھی بیان کئے اور عام لوگوں کی امنگوں، ارمانوں، دکھوں اور پریشانیوں کی ترجمانی بھی کی، اپنی ثقافت کی ترجمانی بھی کی اور محبت، اخلاق، ایثار، اخلاقی اقدار کا پیغام بھی دیا۔ غرض یہ کہ انہوں نے شاعری کے ذریعہ انسانیت کا پیغام دیا، اسلامی تصوف کی حقیقت واضح کی اور اخلاقیات کا درس دیا۔

صوفیاء کرام نے فارسی زبان میں بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا اور اس کے ساتھ عام لوگوں کی زبان مثلاً پنجابی، سرائیکی، سندھی، پشتو، بلوچی، اور اردو میں بھی اپنا پیغام عام کیا۔ بلکہ پاکستانی زبانوں کے ادب کا فروغ ان ہی ذریعہ ہوا۔ صوفیاء کرام ہی پاکستانی زبانوں کی اساسی شاعری کے علمبردار ہیں۔ پنجابی زبان کے قدیم اور عظیم شعراء شاہ حسین، بلھا شاہ، بابا فرید، سلطان باہو، شاہ مراد، پیر سید مہر علی شاہ کی شاعری کا بنیادی مضمون تصوف ہے۔ سندھی زبان کے قدیم اور عظیم شعراء قاضی قاضن، شاہ عبدالکریم بلڑی والے، شاہ عنایت رضوی، شاہ عبداللطیف بھٹائی، مخدوم محمد زمان لواری والے، سچل سرمست، قادر بخش بیدل، پیر علی گوہر شاہ اصغر اور مصری شاہ نے بھی تصوف کے تعلیمات کی روشنی میں اپنے خیالات بیان کئے ہیں۔ سرائیکی زبان کے بلند پایہ شاعر خواجہ غلام فرید کی شاعری کا مقصد بھی صوفیانہ خیالات کا اظہار ہے۔

فارسی شاعری کے سلسلہ میں صوفیاء کرام میں سے کئی بلند پایہ شاعر ملتے ہیں۔ مثلاً شاہ ابوالمعالی، ملا شاہ بدخشی، میر جان اللہ شاہ رضوی، سچل سرمست، قادر بخش بیدل روہڑی والے وغیرہ۔

صوفیاء کرام کے سوانح اور تعلیمات کے سلسلہ میں کئی کتابیں تصنیف اور تالیف ہوئیں۔ ان کتابوں کو ہم اس طرح بیان کر سکتے ہیں:

ا۔ تذکرے: صوفیاء کرام کے سوانح حیات کے سلسلہ میں کئی کتابیں لکھی گئی ہیں، جن کے نام ہرباب کے ماخذات میں ملیں گے۔ چند کتابوں کے نام یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) حدیقۃ الاولیاء: مفتی غلام سرور لاہوری
(۲) تحفۃ الکرام: میر علی شیر قانع
(۳) سکینۃ الاولیاء: داراشکوہ
(۴) مناقب سلطانی: سلطان حامد
(۵) اخبار الاخیار: شیخ عبدالحق محدث دہلوی
(۶) حدیقۃ الاولیاء: عبدالقادر ٹھٹوی
(۷) تذکرہ مشائخ سیوستان: عبدالغفور بن حیدر سیوستانی
(۸) سیر العارفین: حامد بن فضل اللہ جمالی
(۹) گلزار ابرار: محمد غوثی شطاری مانڈوی
(۱۰) تذکرہ مشاہیر سندھ: مولانا دین محمد وفائی
(۱۱) آب کوثر، رود کوثر، جام کوثر: شیخ محمد اکرام
(۱۲) خزینۃ الاصفیاء: غلام سرور لاہوری
(۱۳) ماثر الکرام: غلام علی آزاد بلگرامی
(۱۴) نزہتہ الخواطر: عبدالحی بریلوی لکھنوی
(۱۵) خزینہ معرفت: محمد ابراہیم قصوری
(۱۶) مقالات الشعراء: میر علی شیر قانع
(۱۷) تکملہ مقالات الشعراء: شیخ ابراہیم خلیل ٹھٹوی
(۱۸) انساب الانجاب: محمد حسن جان سرہندی
(۱۹) مقامات مظہری: شاہ غلام علی

ملفوظات: صوفیاء کرام اپنی محفلوں میں جو کچھ فرماتے تھے، وہ ان کے مرید قلمبند بھی کرتے تھے۔ بعد میں ان کو کتاب کی صورت میں جمع کرتے تھے اس طرح کی کتابوں کو

"ملفوظات" کہا گیا ہے۔ صوفیانہ ادب میں ملفوظات کا بہت بڑا ذخیرہ ملتا ہے۔ ملفوظات میں صوفیانہ تعلیم کی وضاحت ملتی ہے، کئی بزرگوں کے اقوال، واقعات اور اشعار ملتے ہیں اور اس زمانہ کے سیاسی، تاریخی، ثقافتی، علمی اور ادبی حالات بھی نظر آتے ہیں۔ غرضیکہ ملفوظات سے ہمیں صوفیانہ افکار کی تفصیل بھی ملتی ہے اور اس کے ساتھ ادبی، سیاسی، ثقافتی اور علمی تاریخ کے لئے مواد بھی حاصل ہوتا ہے۔

چشتی سلسلہ کے صوفیاء کے کئی مجموعہ ملتے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے سلاسل کے بزرگان دین کے ملفوظات کے مجموعے بھی نظر آتے ہیں۔ کچھ بزرگوں کے ملفوظات کے نام پیش کیے جاتے ہیں:

انیس الارواح (شیخ عثمان ہارونی، مرتبہ: خواجہ معین الدین چشتی اجمیری)
دلیل العارفین (خواجہ معین الدین اجمیری، مرتبہ: شیخ قطب الدین بختیار کاکی)
اسرار الاولیاء (شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر، مرتبہ: شیخ بدر الدین اسحاق دہلوی)
کنزالفوائد (شیخ صدر الدین محمد بن زکریا ملتانی، مرتبہ: خواجہ ضیاء الدین)
فوائد الفواد (شیخ نظام الدین اولیاء دہلوی، مرتبہ: شیخ حسن بن علاء سنجری)
افضل الفوائد (شیخ نظام الدین اولیاء دہلوی، مرتبہ: امیر خسرو دہلوی)
تحفۃ الابرار و کرامۃ الاخیار (شیخ نظام الدین دہلوی، مرتبہ: شیخ عزیز الدین دہلوی)
انوار المجالس (شیخ نظام الدین دہلوی، مرتبہ: سید محمد بن اسحاق بن علی حسینی دہلوی)
راحت المحبین (شیخ نظام الدین اولیاء، مرتبہ: امیر خسرو)
مجموع الفواد (شیخ نظام الدین دہلوی، مرتبہ: شیخ عزیز الدین دہلوی)
فوائد السالکین (خواجہ بختیار کاکی، مرتبہ: خواجہ فرید الدین گنج شکر)
راحت القلوب (شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر، مرتبہ: شیخ نظام الدین اولیاء دہلوی)
جامع القلوب (مخدوم جہانیاں جہان گشت، مرتبہ: ابو عبداللہ علاؤ الدین دہلوی)
سراج الہدایہ: (مخدوم جہانیاں جہاں گشت، مرتبہ: برنی)
خزانہ جلالی (مخدوم جہانیاں جہاں گشت) جواہر جلالی (مخدوم جہانیاں جہاں گشت، مرتبہ: فضل اللہ)
ملفوظات شیخ رکن ملتانی۔ ملفوظات حضرت مجدد الف ثانی۔ ملفوظات خواجہ محمد باقی باللہ۔

ملفوظات مرزا مظہر جان جاناں۔ ملفوظات شاہ غلام علی۔
فتح الفضل (خواجہ محمد زمان لنواری والے' مرتبہ: میر بلوچ خان)
مقولات تصوف (خواجہ محمد زمان لنواری والے' مرتبہ: خواجہ محمد ابراہیم)
ملفوظات مخدوم محمد اسماعیل پریاں لوئی (سندھ)
ملفوظات مخدوم نوح ہالائی (مرتبہ بہاوالدین گودڑیہ)
بیان العارفین (شاہ عبدالکریم بلڑی والے' مرتبہ: محمد ملوک کاٹھ بانبھن)
ملفوظات رزاقی (شیخ عبدالرزاق حسین قادری)
ملفوظات خواجہ عبدالحق درازی (سندھ)
مجمع الفیوضات (پیر محمد راشد' پیر گوٹھ سندھ' مرتبہ: خلیفہ محمود فقیر کڑیہ والے)
المجبوبتہ المجموعتہ (پیر محمد راشد' مرتبہ: محمود فقیر کڑیہ والے)
سراج العاشقین (پیر محمد راشد' مرتبہ: محمود فقیر)
کنزالمعرفت (فقیر محمود کڑیہ والے' مرتبہ: خلیفہ گل محمد گل ہالائی)
خزانتہ المعرفت (پیر صبغتہ اللہ شاہ راشدی۔ مرتبہ: پیر علی گوہر شاہ اصغر)
ملفوظات مولانا محمد صدیق بھرچونڈی والے
نافع السالکین (خواجہ سلیمان تونسوی۔ مرتبہ: مولوی امام الدین)
ملفوظات مہریہ (پیر مہر علی شاہ گولڑوی)
حسنات الحرمین (خواجہ محمد معصوم بن مجدد الف ثانی' مرتبہ: محمد عبداللہ بن خواجہ محمد معصوم)

مکتوبات: صوفیائے کرام کے مکاتیب کے مجموعے بھی ملتے ہیں' جن میں تصوف کے اسرارو رموز' حقائق و معارف' ہدایات و نصائح بیان کئے گئے ہیں' مکتوبات کے مجموعوں میں سے چند مکتوبات کے نام پیش کئے جاتے ہیں۔

مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی۔ مکتوبات سعیدیہ (شیخ محمد سعید ابن حضرت مجدد الف ثانی)
مکتوبات خواجہ محمد معصوم ابن حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی
مکتوبات شیخ حمید الدین صوفی سوالی
مکتوبات شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری
مکتوبات شیخ عبدالحق محدث دہلوی

اوراد اذکار اور دعاؤں کی کتابیں: بزرگوں نے وظیفوں' دعاؤں' اوراد اور اذکار کے متعلق بھی کتابیں لکھی ہیں۔ اس طرح کی سب سے پہلی کتاب بہاؤالدین زکریا ملتانی کی "اوراد" ملتی ہے۔ اس کے بعد کچھ کتابیں سندھ کے ان بزرگوں کی ملتی ہیں' جو سندھ سے نقل مکانی کر کے برہانپور میں آباد ہو گئے۔ مثلاً:

فتوح الاوراد (شیخ فتح محمد بن عیسیٰ برہانپوری سندھی)
انتخاب فتوح الاوراد (شیخ شہاب الدین بن فتح محمد برہانپوری)
مخزن الدعوت (شیخ اسماعیل بن محمود شطاری سندھی) ان کے علاوہ اور بزرگوں کی کتابیں بھی ملتی ہیں' مثلاً" اور ادقادریہ اور خلاصتہ الاوراد (شیخ فتح محمد برہانپوری)
الحرزا التمین ماخوذاز حصن حصین' مرتبہ: شیخ عبدالمومن بن محمد بن ظاہر لاہوری سنہ تصنیف (۱۰۱۴ھ = ۱۷۰۳ء)
ترغیب اہل السعادات فی تکثیر الصلوات (شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

غرضیکہ صوفیاء کرام نے اشاعت اسلام اور لوگوں کے تزکیہ نفس کی تربیت اور اخلاق و کردار کی اصلاح کے سلسلہ میں ہر ممکن کوشش کی ان کا فیض برصغیر میں دین اسلام کی آمد سے تاحال جاری و ساری ہے۔ پاکستان کے ہر علاقے کے کونہ کونہ میں ان کے خدمات اور کارہائے نمایاں کے نقوش مرتسم ہیں۔ البتہ موجودہ دور میں ان کی خانقاہیں تو قائم ہیں لیکن ان میں وہ شخصیتیں نظر نہیں آتیں' جن کے نظر فیض اثر سے تقدیر بدل جاتی تھی۔ وہ لوگ ڈھونڈھنے سے بھی نہیں ملتے۔ جن کے سامنے ہم حافظ کے الفاظ میں اپنا حال اس طرح بیان کریں:

"گر تو نمی پسندی' تغییر کن قضارا"

شاہ لطیف بھٹائی نے بھی آج سے ڈھائی سو برس پہلے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا۔ "ان جگہوں پر جو صاحب فیض رہتے تھے' وہ کہاں چلے گئے؟ اے دوست! چلیں ان کو چاروں طرف ڈھونڈیں"

یہ تو ہو سکتا ہے کہ ہم ان کو ان کی تصنیفات' تالیفات اور اشعار میں ان کو ڈھونڈھ سکتے ہیں یا ان کے سوانح عمریوں سے ان کے کارہائے نمایاں سے سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ شاہ لطیف نے فرمایا:

"یا تو ان محبوب شخصیتوں کی صحبتوں میں جا کر زندگی گزار دی یا ان کے ذکر سے اپنے دل کو تسکین دے۔ خدا کرے کوئی ان دونوں باتوں سے الگ نہ رہے۔"

اسی مقصد کو نظر میں رکھ کر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان بزرگ شخصیتوں کے ذکر، فکر اور تعلیمات سے مستفیض ہونے کی توفیق بخشے۔

لاڑکانہ سندھ

۲۸ فروری ۱۹۸۹ء

ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی

باب ۔ اول

قدیم دور کے بزرگان دین

تاریخی پس منظر: اموی دور کے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں حجاج بن یوسف کے بھیجے ہوئے سپہ سالار محمد بن قاسم نے ۹۲ھ (۷۱۱ء) میں سندھ کے برہمن خاندان کے حاکم راجا داہر کو شکست دے کر سندھ میں مسلمانوں کی حکومت قائم کی اور سندھ ملتان تک اسلامی حکومت کے حدود میں شامل ہوگئی۔ چونکہ سندھ کے باشندوں کی اکثریت بدھ مذہب کی پیروکار تھی اور انھوں نے سندھ میں برہمن خاندان کے حکومت کے دور میں سختیاں جھیلیں تھیں اور مظالم برداشت کئے تھے اس لئے انھوں نے مسلمانوں کی آمد کو باعث رحمت سمجھا اور محمد بن قاسم کے کردار سے بہت متاثر ہوئے۔ چنانچہ وہ اسلام قبول کرنے لگے اور جلد ہی بے شمار لوگ دائرہ اسلام میں آگئے۔ مولانا عبدالحلیم شرر تاریخ سندھ جلد اول میں محمد بن قاسم کے کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"محمد بن قاسم کے حالات بتاتے ہیں کہ وہ نہایت ہی رحمدل اور منصف مزاج تھا۔ لڑائی کے وقت جو سختیاں اس کے ہاتھ سے ہوئیں وہ سب فاتحوں سے ہوتی رہتی ہیں ------ لیکن فتح کے بعد جیسا کہ رحمدل اور بنی انسان پر رحم کھانے والا وہ تھا شاید دنیا کے فاتحوں میں اور کوئی نہ ملے گا۔" (ص: ۲۵)

محمد بن قاسم کی رواداری اور فیاضی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس نے معاہدہ قائم رکھے ہندوؤں کو اپنے مذہب کی پوری آزادی دی۔ رعایا میں سے کسی سے یہ نہیں کہا کہ اگر تم مسلمان نہ ہوگئے تو تم کو کسی قسم کا ضرر پہنچے گا بلکہ ان کے قدیم مذہبی اور قومی حقوق ان کو عطا کیے۔ خود سلطنت کی آمدنی کا ایک حصہ ان کے لئے مخصوص کر دیا اور جو کام کیا ان کے عقل اور سربر آوردہ لوگوں کے مشورے سے کیا۔ خلاصہ یہ کہ لڑائی کے بعد ہی ان کو اپنی آزادی دے دیتا تھا کہ ویسی آزادی شاید بعد کے زمانوں میں کسی بادشاہ کے زمانے میں غیرمذہب رعایا کو کم نصیب ہو سکی ہوگی۔" (ص:۲۶)

غیر مسلموں کو ان مراعات دینے کے باوجود سندھ میں کثیر تعداد میں غیر مسلم ایمان کی

دولت سے مستفیض ہوئے۔ یہ محمد بن قاسم کے اخلاق و کردار کا اثر تھا۔

مولانا شرر لکھتے ہیں:

"لیکن اس پر بھی خلق خدا اسلام قبول کرتی جاتی تھی اور ملک میں اتنے مسلمان ہو گئے کہ کسی اور جگہ طرح طرح لالچ دلانے والے اور قسم قسم کی دھمکیاں دینے سے بھی نہ ہو سکے ہوں گی۔"

"اس امر سے پتہ لگتا ہے کہ تبلیغ دین جیسی سچی اور صحیح کوشش اس نے چند روز میں کر کے دکھائی بعد کی بڑی بڑی سلطنتیں صدیوں میں بھی نہیں کر سکیں۔" (ص: ۲۵)

محمد بن قاسم نے سندھ میں جن روایات کی بنیاد ڈالی ان کی وجہ سے سرزمین سندھ اسلام اور تعلیمات اسلامی سے صدیوں تک مستفیض ہوتی رہی۔ اسلام کی آمد کی وجہ سے سندھ میں ایک نئی تہذیب وجود میں آئی جس کے اجزائے ترکیبی توحید رسالت انسان دوستی رواداری اخوت اخلاقی اقدار شرافت شائستگی پاکیزگی سخاوت غیرت ثابت قدمی ایثار اصول پرستی بہادری اور حمایت حق تھے۔ محمد بن قاسم کی فراست کی وجہ سے سندھ میں تعلیمات اسلامی کا دیرپا اور ان مٹ اثر قائم ہوا۔ مولانا شرر مرحوم لکھتے ہیں:

"اصلیت یہ ہے کہ اس نو عمر سپہ سالار نے چند روز کی حکمرانی میں جو گہرا اثر ڈال دیا ویسا اثر پٹھانوں اور مغلوں کی سلطنتیں پانچ سو برس میں بھی ہندوستان پر نہیں ڈال سکیں۔ ہندوستان میں آج مسلمان تھوڑے ہیں اور باوجود یہاں بس جانے کے ملک پر ہندوؤں سے زیادہ اثر نہیں رکھتے۔ مگر بخلاف اس کے سندھ میں سب سے بڑا غلبہ مسلمانوں کو حاصل ہے اور یہ فرق عربوں اور خالصتاً" محمد بن قاسم کی برکت سے ہے۔"

فتح سندھ کے بعد تقریباً ۱۲۵ برس یہ ملک دمشق اور بعد میں بغداد کے ماتحت رہا۔ بنو امیہ کے زمانہ میں یزید بن ابی کبشہ سکسکی اور حبیب بن المحلب بن ابی صفرہ' سلمان بن عبدالملک (۹۶-۹۹ھ) کے زمانہ میں سندھ کے گورنر رہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عمرو بن مسلم الباھلی کو سندھ کا گورنر مقرر کیا اور سندھ کے غیر مسلم سرداروں کو تبلیغی خطوط روانہ کئے جن سے متاثر ہو کر کئی لوگوں نے اسلام قبول کیا جن میں سے راجا داہر کے فرزند "ہسنگ" بھی تھے۔

آہستہ آہستہ عربوں کی حکومت کمزور ہوتی گئی اور مقامی امراء کی طاقت بڑھنے لگی اور

وہ اپنی اپنی ریاستیں اور جاگیریں قائم کرنے لگے۔ شمالی سندھ میں ایک ہندو راجا نے حکومت قائم کی، جس کا دارالحکومت اروڑ تھا۔ عربوں کی حکومت منصورہ کی ریاست تک محدود تھی، جس کی سرحدیں شمالی سندھ سے ملی ہوئی تھیں، منصورہ عربوں کا آباد کردہ شہر تھا، جو انھوں نے سندھ کے قدیم شہر برہمن آباد کے قریب سنہ ۱۱۵ھ اور ۱۲۰ھ کے درمیان کسی سال میں تعمیر کیا، بعد میں منصورہ کے علاقہ پر عرب خانوادہ ہباری حکومت کرتا رہا۔

اس زمانہ میں سندھ میں اسماعیلی داعی سندھ میں آئے اور اپنی تبلیغی حکمت عملی سے کچھ لوگوں کو اپنے مذہب میں داخل کیا۔ سندھ کے سومرہ قبیلہ کے لوگوں نے بھی ان کی تبلیغ کی وجہ سے اسماعیلی مذہب اختیار کیا۔ ملتان کے علاقہ میں بھی اسماعیلی داعیوں نے اپنے مذہب کی تبلیغی کوششیں جاری رکھیں۔ نہ صرف یہ بلکہ انھوں نے ملتان میں سیاسی طاقت بھی حاصل کرلی اندازاً" ۳۶۷ھ اور ۳۷۵ھ (۹۸۵-۹۷۷ء) کے درمیان کسی زمانہ میں ملتان میں اسماعیلیوں کی حکومت قائم ہوگئی۔ اسماعیلی داعیوں کی وجہ سے ملتان کے بعد سندھ میں بھی انقلاب آیا اور اندازاً" ۳۶۷ھ اور ۳۹۶ھ (۹۸۶-۱۰۰۶ء) کے درمیان کسی زمانہ میں منصورہ پر اسماعیلیوں کی حکومت قائم ہوگئی۔ بہرحال یہ یقینی بات ہے کہ ۴۱۶ھ (۲۶-۱۰۲۵ء) میں منصورہ میں اسماعیلیہ کی آزاد سلطنت قائم تھی۔ اسی زمانہ میں محمود غزنوی نے گجرات پر حملہ کیا فتح حاصل کرنے کے بعد محمود "کچھ" کے ریگستان سے سندھ میں داخل ہوا۔ سندھ میں، سندھ کے "جت" قبیلہ کے لوگوں کی وجہ سے سلطان کو بہت تکلیف اٹھانا پڑی اور اس کے بہت سے آدمی اور جانور مارے گئے۔ جب سلطان منصورہ شہر کے قریب آیا تو اس کو اندازہ ہوا کہ یہ سب کچھ حاکم منصورہ کے اشارہ پر ہو رہا ہے۔ سلطان نے منصورہ پر حملہ کیا۔ حاکم شہر فرار ہو گئے اور منصورہ کے بہت سے لوگ مارے گئے۔ اس وقت منصورہ شہر کے حاکم "خفیف" تھے جو اسماعیلی مذہب کے پیروکار تھے۔ بعض مورخوں کا اندازہ ہے کہ حاکم ملتان خالص عرب تھے اور بعض کا خیال ہے کہ وہ "سومرہ" قبیلہ سے تھے اور اس سے کچھ پہلے منصورہ پر سومرہ قبیلہ کی حکومت قائم ہوگئی تھی اور وہ اسماعیلی مذہب کے پیروکار تھے سلطان محمود نے ملتان کی اسماعیلی حکومت کا بھی قلع قمع کیا۔

عربوں کی آمد کی وجہ سے سندھ میں علوم و فنون کی بڑی ترقی ہوئی۔ عرب کے بڑے بڑے علماء نے سندھ میں آکر مستقل سکونت اختیار کی۔ ان کی وجہ سے سندھ میں علوم و

فنون کے سرچشمے جاری ہوئے۔ عرب سیاحوں اور مورخوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ میں بسنے والے عربوں نے سندھی تہذیب و تمدن کو اپنایا۔ بشاری مقدسی (۳۷۵ھ) نے منصورہ کے باشندوں کے متعلق لکھا ہے:

"یہاں کے باشندے لائق اور بامروت ہیں۔ انہیں اسلام کی تازگی حاصل ہے۔ یہاں علماء بہت زیادہ ہیں جن میں ذہانت اور ذکاوت ہے اور نیکی اور خیرات کرتے رہتے ہیں۔"

کچھ سندھی بھی عرب پہنچے۔ عربوں نے ان کی علمی اور فنی صلاحیتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ بعض سندھیوں نے سرزمین عرب میں بڑا نام پیدا کیا۔ انھوں نے حدیث، تفسیر، فقہ، سیرت نحو، ادب اور شعرو شاعری میں اعلیٰ مقام حاصل کیا۔

مسلمانوں کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد اشاعت اسلام ہے۔ چنانچہ عرب جہاں بھی گئے اسلام کی تبلیغ کی۔ ان کے حسن اخلاق رواداری اخوت اور انسان دوستی کی وجہ سے کئی لوگ مسلمان ہو گئے۔ سندھ میں بھی علماء کرام نے اشاعت اسلام کے سلسلہ میں اہم خدمات سرانجام دیں۔ اروڑ کے ظالم ہندو راجا دلو رائے کے بھائی یا چچا زاد بھائی "چھٹو امرانی" یہاں کے علماء کی تبلیغ سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے۔ برہمن آباد کا علاقہ عرب دور میں منصورہ کا علاقہ کہلایا۔ اس میں قدیم زمانہ میں لوہانہ قبیلہ کے لوگ بڑی تعداد میں آباد تھے اور حاکم بھی لوہانہ قبیلہ کا تھا۔ یہ لوگ بدھ دھرم کے پیروکار تھے۔ منصورہ کے علماء کی تبلیغ کی وجہ سے یہ لوگ مسلمان ہوئے اور ان کو "مومن" کہا گیا جو بعد میں بدل کر "میمن" ہو گیا۔

یہاں کے ایک عراقی عالم نے جو سندھی زبان پر بھی عبور رکھتے تھے شمالی سندھ کے ایک راجا کے کہنے پر قرآن حکیم کا سندھی زبان میں ترجمہ کیا اور راجا کے لئے عقائد اسلام کو سندھی نظم میں منظوم کیا۔ یہ قرآن کریم کا پہلا ترجمہ تھا جو سندھی زبان میں ہوا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد سندھ کے باشندوں نے اسلامی علوم میں بڑی گہری دلچسپی لی۔ چنانچہ ابتدائی دور میں ہی سندھیوں میں سے کئی بڑے بڑے عالم ہوئے۔ انھوں نے نہ صرف سندھ میں بلکہ اسلامی دنیا میں نام پیدا کیا۔ ان میں سے مندرجہ ذیل کے نام قابل ذکر ہیں:

"مولانا اسلامی۔ امام اوزاعی (۷۰۵ء-۷۷۲ء) قاضی احمد بن داؤد منصوری قاضی ابو موسیٰ دیبلی (۷۹۶ء-۸۷۴ء) محمد بن ابو شوراب، علی بن محمد بن ابی شوراب، ابو بکر احمد بن محمد منصوری بکر آبادی، احمد بن جعفر بن مرہ منصوری، ابو محمد عبداللہ بن جعفر منصوری، احمد بن سندھی۔ محمد بن محمد بن عبداللہ الرزاق دیبلی زاہد۔ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ دیبلی زاہد، احمد بن محمد حافظ دیبلی مصری، ابو جعفر دیبلی، احمد بن عبداللہ دیبلی، ابراہیم بن محمد دیبلی، شیخ ابو علی سندھی، منصور بن حاتم نحوی، ابو معشر سندھی۔ ابو معشر کے فرزند عبدالملک محمد، ابو عطا (عربی شاعر) وغیرہ"

سندھ اور ملتان میں تصوف: ابتدائی دور میں سندھی اور سندھ میں مقیم عرب تاجر تجارت کے غرض سے دور دراز ملکوں مثلاً۔ سری لنکا جاوا سماترا وغیرہ جایا کرتے تھے۔ وہ تجارت کے ساتھ تبلیغ اسلام کا فریضہ بھی انجام دیتے رہتے تھے۔ موجودہ دور کے جدید تحقیقات نے ثابت کیا ہے کہ انڈونیشیا میں ان سندھی تاجروں کی وجہ سے دین اسلام کو فروغ حاصل ہوا اور انڈونیشیا کے باشندے دین اسلام میں داخل ہوئے۔ موجودہ دور میں انڈونیشیا کی تاریخ پر تحقیق کرنے والوں میں علامہ نور احمد قادری بھی ہیں جو سنہ ۱۹۶۳ء میں اسی غرض سے انڈونیشیا بھی گئے تھے۔ ان کی تحقیقاتی رپورٹ ۵ مارچ ۱۹۶۵ء کی روزنامہ "انجام" کراچی میں شائع ہوئی لکھتے ہیں:

"اہل انڈونیشیا کے ساتھ اہل پاکستان کے برادرانہ تعلقات ساڑھے گیارہ سو سال پرانے ہیں یعنی دوسری صدی ہجری کے اس دور سے ہیں جب کہ میری حالیہ تاریخی تحقیقات کے مطابق ہمارے قدیم بزرگان دین سندھ سے انڈونیشیا پہنچ کر اسلام پھیلایا تھا اور وہاں کے رہنے والوں کو پیغام حق سنا کر گلے سے لگایا تھا۔ انڈونیشیا میں پہلی بار اسلام پھیلانے والے مبلغین قدیم سندھ ہی سے پہنچے تھے اور یہ زمانہ تھا ہشام بن عبدالملک کے عہد خلافت کا ہے۔ جب مبلغین اسلام کا سفینہ کراچی کے اسی ساحل سے جس کا نام اس دور میں "دیبل" تھا۔ بحیرہ عرب سے گزرتا ہوا انڈونیشیا کے شمالی علاقہ سماترا جزیرہ کے انتہائی شمالی سرے "آچیہ" میں پہنچ کر لنگر انداز ہوا تھا اور وہاں اعلائے کلمۃ الحق کیا تھا۔ علامہ نور احمد قادری صاحب اپنی تحقیقات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

"پچھلے سال (۱۹۶۳ء) حکومت انڈونیشیا کی دعوت پر تاریخی ریسرچ کے سلسلہ میں جب مجھے انڈونیشیا کے سات ماہ طویل تحقیقاتی دورہ پر جانا ہوا تو ایک متعدد عرصے تک اسی صوبہ آچیہ میں صوبائی گورنر ہز ایکسی لینسی علی ہاشمی کے مہمان کی حیثیت سے اشاعت اسلام کی قدیم تاریخ پر وہاں ریسرچ کرتے رہنا پڑا۔ ریسرچ کے دوران اس قدیم اسلامی سرزمین کے تمام تاریخی مقامات کا جائزہ لیا ساڑھے گیارہ سو سال پرانی داخلی اور خارجی تاریخی شہادت کا پتہ چلایا کتبائی آثار کی چھان بین کی تہذیبی تمدنی اور ثقافتی اثرات کی مماثلت کا جائزہ لیا اور وہ تمام اسباب و عمل یکجا اکٹھا کئے جن کی ثقافت اور مماثلت تاریخ کے اس امر پر شاہد ہیں کہ اسلام اس دیار میں پاکستان کے علاقہ سندھ ہی سے پہنچا اور یہ مبلغین حضرت خواجہ حسن بصری کے معتقدین میں سے تھے۔"

علامہ نور احمد قادری صاحب کی اس تحقیق کو انڈونیشیا کے اہل علم اور حکومت نے بھی تسلیم کیا۔ علامہ لکھتے ہیں:

"چنانچہ ان تمام امور پر تاریخی شواہد کو پیش کرتے ہوئے مجھے ۲۰ ستمبر ۱۹۶۳ء کو آچیہ کی صوبائی اسمبلی کے ایک خصوصی اجلاس میں جس کی صدارت خود صوبائی گورنر نے کی تھی بالاستیعاب یہ واضح کرنا پڑا۔ اس اجلاس میں انڈونیشیا کے بیشتر مورخین مصنفین اہل قلم اخبار نویس اور اکابر موجود تھے جنہیں گورنر نے دعوت دے کر بلایا تھا۔ اس اجلاس میں مجھے تاریخی تحقیقات پر پھر وہ "آچیہ" کا تاریخی طلائی تمغہ بھی دیا گیا جس کے پانے والوں کی پچھلی چار سو سالہ تاریخ میں مجھے چوتھا قرار دیا گیا۔" (۱)

علامہ نور احمد قادری کے بعد چند سال پیشتر محترم ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ بھی اس نوعیت کی تاریخی تحقیقات کے سلسلہ میں انڈونیشیا گئے تھے۔ انھوں نے بھی انگریزی میں ایک کتاب لکھی ہے جس میں واضح کیا ہے کہ قدیم دور میں سندھ کے تاجر انڈونیشیا جاتے رہتے تھے اور ان کی کوششوں سے انڈونیشیا میں اسلام پھیلا یعنی اب یہ تاریخ کا ایک مسلمہ امر ہے کہ پاکستان کے قدیم علاقہ سندھ سے انڈونیشیا میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔

سندھ کی کہاوتوں روایات ادبیات بلکہ شاہ عبداللطیف بھٹائی کے رسالہ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ قدیم زمانہ میں سندھ کے تاجر انڈونیشیا کے مختلف جزیروں میں جایا کرتے تھے۔ سندھی زبان کی ایک قدیم کہاوت ہے:

جو ونجے جاوے سو مول نہ ول آوے

جے آوے تہ بال بچے ڈھاوے

(جو جاوا جاتے ہیں وہ ہرگز واپس نہیں آتے اگر آجاتے ہیں تو خاندان کو خوشحال بنا دیتے ہیں)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ میں سندھی تاجر جاوا جاتے تھے اور ان میں سے اکثر وہاں سکونت پذیر ہو جاتے تھے۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی کے رسالو کے دو سروں: "سرسامونڈی" اور "سر سریراگ" میں ان سندھی تاجروں کا تفصیل کے ساتھ ذکر ملتا ہے جو سندھ سے سری لنکا' جنوبی ہندوستان اور انڈونیشیا کے مختلف جزیروں میں جایا کرتے تھے۔

علامہ نور احمد قادری کی تحقیقات سے واضح ہوتا ہے کہ دوسری صدی ہجری میں سندھ میں حضرت خواجہ حسن بصری کے معتقدین موجود تھے جنھوں نے سندھ سے انڈونیشیا جاکر اسلامی تبلیغ کے سلسلہ میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

دیوان چاولی مشائخ: آپ کا اصل نام رائے چاولی تھا اور راجپوت قوم "ڈھوڈی" سے آپ کا تعلق تھا۔ آپ کے جد امجد رائے لکھن تھا جو "لنگن پور" کا حاکم تھا جو اب ملتان کے قریب موضع چاولی کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کے والد کا نام راجہ "جئے پال" تھا جو ملتان کے علاقہ کا حاکم تھا۔ رائے چاولی اسلام سے متاثر ہو کر چھوٹی عمر میں مسلمان ہوئے۔ آپ کے متعلق جو روایات ملتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد آپ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی طور پر فیضیاب ہوتے رہے اور ولایت کے درجے پر پہنچے۔

حضرت چاولی مشائخ نے بہت سے لوگوں کو متاثر کیا اور روحانی فیض سے مستفیض کیا۔ چنانچہ ان کی ہمشیرہ "لنگن" نے بھی اسلام قبول کیا۔ اس وجہ سے ان کے دوسرے بھائی آپ کے جانی دشمن بن گئے۔ آخر کار انہوں نے حضرت چاولی مشائخ کو سنہ ۱۳۱ھ (۷۴۸ء) میں شہید کر دیا۔ بعد میں وہ پشیمان ہو کر اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے۔

شہادت کے وقت حضرت چاولی مشائخ کی عمر کے متعلق مختلف روایات ملتی ہیں۔ بعض روایات کے مطابق وفات کے وقت آپ کی عمر صرف ۲۲ سال تھی (۲) بعض نے آپ کی ولادت کا سنہ ۷۹ھ لکھا ہے (۳) اس حساب سے آپ کی عمر ۲۵ برس ہوتی ہے۔ بعض نے آپ کی عمر ۴۱ سال لکھی ہے(۴)

جائزہ: سندھ کے اہل دل تاجر جنھوں نے انڈونیشیا میں جاکر اسلام کی تبلیغ کی اور دیوان چاولی مشائخ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری صدی ہجری میں ملتان اور سندھ میں اہل دل بزرگ موجود تھے جو اسلام کی تبلیغ اور روحانی اور اخلاقی اصلاح کے کام میں مصروف تھے۔ ان کی نظر فیض اثر تھی۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ جوق در جوق مسلمان ہوتے رہے اور کچھ لوگ ولایت کے درجہ کو پہنچے۔

اس وقت تک تصوف کے مختلف سلسلے یہاں نہیں پہنچے تھے لیکن تصوف کا اثر موجود تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ حسن بصری (وفات ۱۱۰ھ - ۷۲۸ء) سے کچھ لوگ فیض حاصل کرکے یہاں پہنچے تھے کیونکہ انڈونیشیا میں جن سندھی تاجروں نے اسلام پھیلایا وہ حضرت خواجہ حسن بصری کے معتقدین میں سے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ سندھ اور ملتان کے کچھ لوگوں نے بغداد جاکر حضرت خواجہ حسن بصری سے علمی اور روحانی فیض حاصل کیا ہو اور واپس آکر یہاں کے لوگوں کو علمی اور روحانی فیض سے مستفیض کیا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو عرب عالم اور فاضل بالکل ابتدائی دور میں سندھ اور ملتان میں آکر آباد ہوئے ہوں وہ حضرت خواجہ حسن بصری سے علمی اور روحانی فیض حاصل کرکے آئے ہوں۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ سندھ اور ملتان میں تصوف کی تحریک اور تعلیم بالکل شروعاتی دور میں پہنچی۔ یہی وجہ ہے کہ شروع ہی سے سندھ اور ملتان تصوف کے مرکز رہے۔

اسلامی دنیا میں آباد سندھ کے بزرگان دین

ابتدائی دور میں سندھ میں جو عالم اور فاضل پیدا ہوئے ان میں سے بعض ترک وطن کرکے اسلامی دنیا کے بعض ملکوں میں جاکر آباد ہوئے۔ یہ بھی ہوا کہ اسلامی دنیا کے کچھ عالم اور فاضل سندھ میں آکر آباد ہو گئے۔ ان کی زندگی میں صوفیانہ رنگ واضح نظر آتا ہے۔ ان میں سے چند بزرگان دین کا تعارف پیش کیا جائے گا۔ جن کی طرز زندگی میں صوفیانہ تعلیم کا عملی نمونہ نظر آتا ہے۔

ربیع ابن صبیح السعدی

محدث ربیع ابن صبیح السعدی ابوبکر یا ابو حفص بصری مولی بنی سعد بن زید صاحب

روایت تھے۔ انھوں نے مندرجہ ذیل اصحاب روایت سے حدیث بیان کی ہے:

"حسن بصری حمید الطویل یزید الرقاشی، ابو زبیر ابو غالب مجاہد بن جبیر وغیرہ۔"

ان سے مندرجہ ذیل حضرات نے روایت کی: سفیان ثوری و کیع ابن مہدی ابو داؤد وغیرہ۔

وہ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ مزی فہری مولف کتاب الفاصل در اصول حدیث نے انہیں بصرہ میں اسلام کا مصنف تسلیم کیا ہے اور علامہ چلپی وغی تالیف "کشف الظنون" میں ان کے ہم آواز ہیں۔ بقول طبری وہ عبدالملک بن شہاب کے ہمراہ جو بصرہ کے مطوعین میں سے تھے سندھ میں آئے۔ فیضی کی روایت کے مطابق انہوں نے سنہ ۱۶۰ھ (۷۷۷ء) میں وفات پائی۔ چونکہ یہ بزرگ دوسری صدی ہجری کے بصرہ کے عالم اور فاضل تھے اور انہوں نے حضرت حسن بصری سے حدیث بھی بیان کی ہے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ بزرگ ان علماء میں سے ہیں جنھوں نے سندھ میں دینی تعلیم کو فروغ دیا اور حضرت حسن بصری کی تعلیمات سے سندھ کے لوگوں کو روشناس کروایا۔(۵)

ابو علی سندھی

یہ سندھی بزرگ صوفی خیالات کے تھے اور سندھ سے عربستان گئے تھے۔ تصوف اور علوم عقلیہ میں ماہر تھے۔ ابو یزید طیفور بن عیسیٰ بسطامی (وفات ۲۶۱ھ۔ ۸۷۵ء) سے ان کی ملاقات ہوئی تھی۔ ابویزید بسطامی کہتے ہیں کہ میں نے ان سے فنا اور توحید (تصوف) کا علم سیکھا اور ابو علی نے مجھ سے "**الحمد** اور **قل هو الله احد**" کی تفسیر معلوم کی۔(۶)

ابو موسیٰ دیبلی

حضرت بایزید بسطامی کے مرید تھے۔

ابو الحسن مخلص بن عبداللہ الھندی الصوفی

یہ بزرگ محمد بن اسماعیل الیعقوبی القاضی کے آزاد کردہ غلام تھے۔ طبیعت کے صالح اور بااخلاق تھے۔ اپنے آقا کے ساتھ عراق، حجاز اور اہواز کی سیاحت کی۔ بغداد میں الشریف ابو نصر، الفوارس اور محمد بن رزق اللہ عبدالوہاب سے بصرہ میں ابو علی، علی بن احمد بن علی ابو القاسم عبدالملک الحافظ، ابو علی احمد بن محمد بن ابو الحسن العبدی سے اور اصفہان،

میں اس طبقہ کے لوگوں سے روایتوں کے سماع کا شرف حاصل کیا۔ ابو سعید نے ان سے قوشنج اور ہرات میں حدیثیں سنیں۔ سنہ ۵۴۲ھ یا ۵۴۳ھ (۴۸-۱۱۴۷ء) میں وفات کی۔(۷)

ابو العباس احمد بن عبداللہ دیبل نیشاپوری

محدث اور فقیہ تھے اور اس کے ساتھ عابد اور زاہد بھی تھے۔ انھوں نے حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کے سلسلہ میں دور دراز سفر کئے اور ماوراء النہر سے مصر تک مشرق وسطیٰ کے کئی ممالک کا سفر کیا۔ آخر نیشاپور میں آکر سکونت پذیر ہو گئے۔ اصل میں دیبل (سندھ) کے رہنے والے تھے۔ نیشاپور میں سنہ ۳۱۱ھ (۹۲۳ء) سے پہلے پہنچے اور حسن بن یعقوب الحداد (وفات ۳۳۶ھ ۔ ۹۴۷ء) کی خانقاہ میں سکونت اختیار کی۔ یہاں ان کو سکون ملا اور عبادت اور ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ اسی شہر میں آپ نے شادی بھی کی لیکن "الفقر فخری" پر عمل پیرا رہے۔ عبادت اور ریاضت کے ساتھ حدیث کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور صوف کا لباس پہنتے تھے۔ سنہ ۳۴۳ھ (۹۵۴ء) میں نیشاپور میں فوت ہوئے۔(۸)

ابو العباس محمد بن محمد بن عبداللہ وراق دیبلی

اصل میں دیبل (سندھ) کے رہنے والے تھے۔ حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے دور دراز ممالک کی سیاحت کی۔ بغداد میں جعفر بن الفاریابی (وفات ۳۰۱ھ) سے عسکر مکرم میں عبدان بن احمد سے اور فاریاب میں محمد بن الحسن اور دوسرے محدثوں سے حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ ان کے شاگردوں میں امام حاکم نیشاپوری کا نام قابل ذکر ہے۔ محدث بھی تھے اور بڑے عابد اور زاہد بھی تھے۔ "زاہد" لقب کے ساتھ یاد کئے جاتے تھے جو اس زمانہ میں صوفیا کے لیے مستعمل تھا۔ سنہ ۳۴۵ھ (۹۵۶ء) میں وفات کی۔(۹)

احمد بن سندھی

بڑے عالم فاضل عابد اور زاہد تھے۔ بغداد کے محلہ صداد میں رہتے تھے۔ اسی لئے آپ کو "صداد" کہا جاتا تھا۔ سنہ ۳۵۹ھ (۹۶۹ء) میں وفات کی۔(۱۰)

شاہ یوسف گردیز

آپ غزنی کے نواحی علاقہ گردیز میں سنہ ۴۵۰ھ (۱۰۵۸ء) میں تولد ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام حسینؓ سے ملتا ہے۔ آپ کے دادا مخدوم شاہ علی قسور جنیدی علی اوسی بغداد سے ہجرت کر کے گردیز میں آکر آباد ہوئے اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ حضرت شاہ یوسف کے والد بزرگوار کا نام ابوبکر تھا۔ آپ کی تعلیم اور تربیت آپ کے والد اور دادا کے زیر سایہ ہوئی۔ بعد میں آپ نے علمی اور روحانی فیض حاصل کرنے کے لئے اسلامی دنیا کے ملکوں ایران توران روم شام بلخ بخارا سمرقند اور تاشقند کا سیرو سفر کیا اور مختلف بزرگوں سے روحانی فیض حاصل کیا۔(۱۱)

والد کی وفات کی خبر سن کر سفر سے واپس اپنے وطن آئے اور عبادت اور ریاضت میں مصروف ہو گئے۔ سنہ ۴۸۱ھ (۱۰۸۸ء) میں اپنے مرشد شاہ علی قسور کے ارشاد کے مطابق ملتان آئے اور تبلیغ اور تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کے علمی اور روحانی فیض سے ملتان اور اس کے گرد و نواح کے لوگ فیضیاب ہوئے۔ لوگوں کی اخلاقی اور روحانی اصلاح ہوئی اور لوگوں کو دلی سکون میسر ہوا۔ آپ نے دینی مدرسہ قائم کر کے لوگوں کو دینی تعلیم دینے کا انتظام کیا۔ آپ پچاس سال ملتان میں اہل ملتان کو علمی اور روحانی فیض سے فیضیاب کرتے رہے۔ آپ کی وفات ۸۵ سال کی عمر میں ۱۴ ربیع الاول ۵۳۱ھ (۱۱۳۶ء) میں ہوئی۔ آپ کا مزار ملتان میں بوہڑ گیٹ کے اندر محلہ شاہ گردیز میں واقع ہے۔(۱۲)

حوالے

(۱) روزنامہ انجام کراچی، ۵۔ مارچ ۱۹۶۵ء

(۲) محمد امین : مضمون: "تصوف اور ملتان" روزنامہ "امروز" ملتان ۲۸۔جون ۱۹۷۸ء۔

(۳) فرحت ملتانی: اولیائے ملتان مکتبہ تنویر ادب ملتان ۱۹۸۴ء، ص : ۲۴

(۴) حکم چند: تواریخ ملتان ص ۹،۱

(۵) مولانا سید عبدالحیٔ: نزھۃ الخواطر جلد ا لاہور ۱۹۸۵ء، ص ۶۸۔

(۶) ایضاً" جلد اول ص ۸۹۔ نفحات الانس: مولانا عبدالرحمان جامی اردو ترجمہ کراچی ۱۹۸۲ء، ص ۲۱۳۔۲۱۴۔ دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور جلد اول ص ۹۳۲۔۹۳۳

(۷) روئداد معارف اسلامی ۱۹۳۸ء ص ۱۷۸۔۱۷۹

(۸) کتاب الانساب ورق ۲۳۶۔ بحوالہ روئداد معارف اسلامیہ ص ۱۷۵۔۱۷۶۔

(۹) ایضاً" ص ۱۷۵

(۱۰) ایضاً" ص ۱۷۵ خواجہ عبداللہ انصاری ہروی: طبقات الصوفیہ کابل ۱۹۶۲ء ص ۴۹۹ء

(۱۱) سید محمد اولاد علی گیلانی: اولیائے ملتان سنگ میل پبلیکیشنز لاہور ۱۹۶۳ء ص ۱۱۶ فرحت ملتانی: اولیائے ملتان ص ۹۹

(۱۲) حسن رضا گردیزی: شاہ یوسف گردیز۔ کاروان ادب ملتان ۱۹۸۳ء ص ۲۶۔

باب دوم

حضرت داتا گنج بخش

حضرت شیخ ابوالحسن علی ہجویری - داتا گنج بخش

حسب نسب : آپ کا اسم گرامی علی کنیت ابو الحسن اور لقب داتا گنج بخش ہے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام سید عثمان ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت زید شہید بن حضرت امام حسنؓ سے جا ملتا ہے۔ ہجویر غزنوی کے نواحی محلہ کا نام ہے جہاں آپ نے مدتوں قیام کیا اس لئے آپ "ہجویری" کہلائے۔ آپ کو "جلابی" اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ غزنی کے نواحی محلہ یا گاؤں کا نام ہے۔

ولادت : آپ کی ولادت باسعادت ۴۰۰ھ (۱۰-۱۰۰۹ء) میں ہوئی۔

تعلیم : ظاہری علوم کی تحصیل آپ نے اپنے وطن میں کی۔ آپ کی تعلیم کا تفصیلی تذکرہ تو نہیں ملتا۔ البتہ آپ کی کتاب "کشف المحجوب" میں آپ کے اساتذہ کے نام ملتے ہیں۔
آپ بیان فرماتے ہیں کہ آپ نے ابو العباس بن محمد شقانی ابو جعفر بن مصباح سیولانی' شیخ ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ گرگانی سے تعلیم حاصل کی۔ اپنے استاد ابو جعفر بن مصباح کے متعلق لکھتے ہیں:

"وہ رؤسائے تصوف میں تھے۔ تحقیق میں ان کی زبان اچھی تھی۔ حسین بن منصور سے بہت محبت رکھتے تھے۔ میں نے ان کی بعض تصانیف ان سے پڑھیں۔" (کشف المحجوب)

بیعت و خلافت : علوم ظاہری کی تحصیل کے بعد علوم باطنی کے طرف متوجہ ہوئے اور شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی کے مرید ہوئے جو حضرت خضری کے مرید تھے اور وہ حضرت شیخ شبلی کے مرید تھے۔

سیرو سیاحت : قدیم زمانے کے صوفیائے کرام کا دستور تھا کہ تزکیہ نفس اور روحانی ترقی کے لئے سیرو سیاحت کرتے تھے۔ آپ نے بھی مختلف مسلم ممالک مثلاً" خراسان' ماوراء

النہر مرو آذربائیجان شام بغداد عراق ایران طبرستان خوزستان کرمان اور ترکستان وغیرہ کی خوب سیاحت کی۔ بہت سے درویشوں سے ملے اور اولیائے کرام صوفیائے عظام اور برگزیدہ ہستیوں سے استفادہ حاصل کیا۔ اسی سیر وسفر کے دوران حضرت شیخ ابو القاسم گرگانی حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیر اور حضرت شیخ ابوالقاسم قشیری کی صحبتوں سے مستفیض ہوئے۔

طویل عرصہ تک مسلسل سفر میں رہے۔ اس کے باوجود ہمیشہ نماز باجماعت پڑھتے اور نماز جمعہ پڑھنے کے لئے کسی شہر میں قیام فرماتے تھے۔ ظاہری نمود اور نمائش سے ہمیشہ دور رہے۔ راہ سلوک کے سلسلہ میں ریاضتیں اور مجاہدے بھی کئے۔ کشف المحجوب میں بعض جگہوں پر آپ کی ریاضتوں اور مجاہدوں کا ذکر ملتا ہے۔ روحانی مقصد کے حصول کے لئے تین مہینے حضرت بایزید بسطامی کے مزار پر رہے۔

لاہور میں آمد: سیاحت کرتے ہوئے آپ پیرو مرشد کے حکم سے لاہور میں تشریف لائے۔ "فوائد الفواد" میں آپ کی لاہور تشریف آوری کی تفصیل ملتی ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے فرمایا ہے:

"شیخ حسن زنجانی اور شیخ علی ہجویری دونوں ایک ہی پیر کے مرید تھے اور ان کے پیر اپنے عہد کے قطب تھے۔ حسین زنجانی عرصے سے لاہور میں مقیم تھے۔ کچھ دنوں کے بعد پیر نے خواجہ علی ہجویری سے کہا کہ لاہور میں جا کر قیام کرو۔ شیخ علی ہجویری نے کہا کہ وہاں شیخ حسن زنجانی موجود ہیں۔ لیکن ان کے پیر نے پھر فرمایا کہ تم لاہور جاؤ۔ جب علی ہجویری اپنے پیر کے ارشاد کی تعمیل میں لاہور آئے تو رات تھی۔ صبح کو شیخ حسن زنجانی کا جنازہ باہر لایا گیا۔"

بعض لوگوں کا خیال ہے آپ سلطان مسعود بن سلطان محمود غزنوی کے لشکر کے ساتھ لاہور تشریف لائے۔ لاہور میں آپ نے اس جگہ قیام فرمایا جہاں آپ کا مزار ہے۔ آپ نے وہاں مسجد بنوائی اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ دن کو درس دیتے تھے اور رات کو راہ سلوک کے طالبوں کو تعلیم دیتے تھے۔

تبلیغ اسلام اور روحانی اصلاح: آپ کی تعلیم اور تبلیغ سے بہت سے لوگوں نے دین اسلام قبول کیا جن میں سے ایک رائے راجو بھی تھا جو سلطان مودود بن مسعود غزنوی کی طرف سے لاہور کا نائب تھا۔ اس کا نام "شیخ ہندی" رکھا گیا۔ اسی کی اولاد سے آپ

کے مزار کے مجاورین چلے آتے ہیں۔

طریقت میں آپ شریعت کی پابندی ضروری سمجھتے تھے۔ آپ نے گمراہ صوفیوں کی اصلاح فرمائی اور کئی گمراہ لوگوں نے آپ سے مستفیض ہو کر ہدایت کی راہ پائی۔ آپ کے وعظ و تبلیغ سے فاسق و فاجر لوگ پارسا بن گئے۔ غرض یہ کہ آپ کا وجود مسعود لاہور اور اس کے گرد و نواح کے لئے مبارک ثابت ہوا۔ غیر مسلم مسلمان ہوئے مسلمانوں کے عقائد اور عمل کی اصلاح ہوئی اور لوگ شریعت کے پابند ہوئے اس کے علاوہ معاشی اور معاشرتی حالات میں اسلام کی روح کارفرما ہوئی۔

لاہور کی زندگی کے متعلق حضرت داتا گنج بخش کی دوسری کتاب "کشف الاسرار" میں مذکور ہے:

"میں ایک بزرگ حسام الدین سے ملا اور ان کی پارسائی سے بے حد متاثر ہوا میں نے التجا کی کہ میری روحانی ترقی کے لئے کچھ ارشاد فرمایئے! انھوں نے جواب دیا کہ ہر دم لوگوں کی دل جوئی اور تسکین میں مصروف رہو تاکہ وہ اپنا غم بھول جائیں .... کسی کے جذبات کو ٹھیس نہ لگاؤ ... حاصل کیا ہوا علم ضائع نہ کرو .... ہر وقت اپنے مرشد سے لو لگائے رکھو۔"

کشف الاسرار میں لاہور کے کریم اللہ نامی شخص کا ذکر بھی آیا ہے' جو بہت ہی مالدار تھا۔ بعد میں اس کا مال و دولت' گھر اور اولاد تباہ ہو گئے تھے۔ آپ نے یہ واقعہ دنیا کی ناپائیداری ذہن نشین کرانے کے لئے بیان فرمایا تھا۔

وفات: اکثر تذکرہ نگار متفق ہیں کہ آپ نے سنہ ۴۶۵ھ (۱۰۷۲-۷۳ء) میں اس جہان فانی سے سفر آخرت فرمایا۔ یہی تاریخ آپ کے مقبرہ پر بھی درج ہے۔ آقائے عبدالحی حبیبی نے اپنے تحقیقی مقالے (اورینٹل کالج میگزین جلد ۳۶) میں کشف المحجوب کی داخلی شہادت کی بنا پر آپ کی وفات کا تعین سنہ ۴۸۱ھ (۱۰۸۸-۸۹ء) اور ۵۰۰ھ (۱۱۰۶-۷ء) کے درمیان کیا ہے۔

اوصاف: آپ بہت بڑے روحانی بزرگ تھے۔ ہمیشہ ذکر و فکر' مراقبہ و محاسبہ' ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہتے تھے۔ آپ کے روحانی مرتبہ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے آپ کے مزار پر چلہ کھینچا تھا۔ جب وہاں سے

رخصت ہونے لگے تو مندرجہ ذیل شعر پڑھا:

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل، کاملاں را رہنما

علمی ذوق: آپ نے تصوف کے اسرار و رموز بیان کرنے کے لئے کتابیں بھی لکھی ہیں۔ آپ کی مندرجہ ذیل کتابوں کے نام معلوم ہوئے ہیں۔ منہاج الدین۔ البیان لاہل العیان، اسرار الخرق والمؤنات، کشف الاسرار، الرعایۃ لحقوق اللہ، کشف المحجوب، کتاب الفنا و البقا، بحر القلوب، رسالہ در شرح کلام حلاج اور رسالہ الایمان۔

کشف المحجوب، فارسی زبان میں تصوف کی پہلی کتاب ہے، جو پاکستان کے بزرگ حضرت داتا گنج بخش نے لکھی اس کتاب کو ہر دور میں غیر معمولی مقبولیت حاصل رہی ہے۔ بزرگان دین اس کو پڑھتے رہے ہیں۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء، مولانا جامی، دارا شکوہ اور دیگر اہل علم اور اہل دل نے تعریف کی ہے۔ پروفیسر نکلسن نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا ہے۔ اردو میں اس کے ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔ سندھی زبان میں بھی اس کے دو ترجمے ہوئے ہیں ۔ یہ کتاب حضرت داتا گنج بخش نے اپنے ساتھی ابو سعید ہجویری کے ایک استفسار پر جو آپ کے ساتھ غزنی سے لاہور آئے تھے، تصنیف کی آقائی عبدالحئی جیبی کا قیاس ہے کہ یہ کتاب ۵۸۱ھ اور ۴۰۰ھ کے درمیان تالیف ہوئی۔

آپ کی دوسری کتاب "کشف الاسرار" کا ذکر شاہ عبداللطیف بھٹائی کے پرداد شاہ عبدالکریم بلاہی والے کے ملفوظات "بیان العارفین" میں ملتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب بھی دوردراز علاقوں میں بزرگان دین تک پہنچی تھی۔ بہرحال کشف المحجوب زیادہ مشہور اور مقبول رہی۔ اس کتاب کے ذریعہ گویا پہلی مرتبہ اسلامی تصوف کو برصغیر پاک و ہند میں پیش کیا گیا۔ کتاب کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

پہلا باب علم کی بحث کے متعلق ہے۔ دوسرا باب فقر سے شروع ہوتا ہے۔ تیسرے باب میں صوفی کی اصلیت پر محققانہ بحث ہے۔

چوتھے باب میں صوفیوں کے لباس پر بحث کی گئی ہے۔ پانچواں باب فقر اور صفوت کی فضیلت کے بارے میں ہے۔ چھٹا باب ملامت کے متعلق ہے، ساتواں باب صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین میں سے آئمہ صوفیا کے متعلق ہے۔ آٹھواں باب اہل بیت میں سے

آئمہ تصوف کے متعلق ہے۔ نواں باب اہل صفہ کے ذکر میں ہے۔ دسواں باب تابعین اور انصار میں سے آئمہ طریقت کے بارے میں ہے۔ گیارھواں باب تبع تابعین میں سے صوفیاء کے رہنماؤں کے متعلق ہے، بارھواں اور تیرھواں باب بھی صوفیائے کرام کے متعلق ہے، چودھواں باب صوفیائے کرام کے مختلف سلسلوں کے باہمی فرق کے متعلق ہے۔ پندرھواں باب کشف حجابات کے متعلق ہے۔ چودھویں باب میں مندرجہ ذیل صوفیانہ فرقوں کا تذکرہ موجود ہے:

۱۔ محاسبیہ: یہ فرقہ عبداللہ بن حارث بن اسد المحاسبی کے جانب منسوب ہے محاسبی کا عقیدہ تھا کہ رضا مقامات سے نہیں، بلکہ احوال میں سے ہے۔ حضرت ہجویری نے رضا اور مقامات کی تشریح کرکے حارث کی موافقت کی ہے۔

۲۔ قصاریہ: اس مسلک کے بانی ابو صالح بن حمدون بن احمد بن عمارۃ القصار ہیں، جو خلق کی ملامت کو تزکیہ نفس کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔

۳۔ الطیفوریہ: یہ گروہ ابویزید طیفور بن عیسیٰ البسطامی کے طرف منسوب ہے۔ اس طریق میں غلبہ (غلبہ شوق و محبت) اور سکر (یعنی حالت جذب و مستی) کو اولیت حاصل ہے۔

۴۔ الجنیدیہ: اس فرقہ کی محبت و عقیدت کا مرکز ابو القاسم جنید بن محمد ہیں، یہ طریق طیفوریوں کے برعکس صحو پر مبنی ہے۔

۵۔ السہیلیہ: یہ سلسلہ حضرت سہیل بن عبداللہ التستری کے طرف منسوب ہے۔ ان کا طریق اجتہاد، مجاہدہ نفس اور ریاضت پر مشتمل ہے۔

۶۔ الحکیمیہ: اس فرقہ کے پیرو ابو عبداللہ محمد بن علی حکیم الترمذی کے معتقد ہیں۔ اس کا مسلک یہ ہے کہ ولی اللہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہوتا ہے۔

۷۔ الخرازیہ: اس مسلک کے پیرو حضرت ابی سعید خرازیہ کے معتقد ہیں، جنھوں نے سب سے پہلے مقام فنا اور بقا سے بحث کی ہے۔

۸۔ نوریہ: ان کے پیشوا ابن الحسن نوری ہیں۔ وہ درویشوں کی عزلت گزینی کو ایک نامحمود فعل سمجھتے ہیں اور صحبت کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

۹۔ خفیفی: ان کے پیشوا حضرت ابو عبداللہ بن خفیف ہیں، جن کا مسلک "غیبت و

حضور" ہے۔ غیبت سے مراد دل کا اپنے وجود سے غائب رہنا اور حضور سے مراد اللہ کا خدا کے ساتھ رہنا ہے۔

۱۰۔ سیاریہ : یہ فرقہ ابو عباس سیاری کی جانب منسوب ہے ان کی بحث جمع اور تفریق پر ہے۔

۱۱۔ حلولیہ : یہ فرقہ ابو سلمان دمشقی کے جانب منسوب ہے۔ حضرت ہجویری نے اس فرقہ کو گمراہ اور زندیق کہا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بندہ کے روح میں اللہ تعالیٰ کا حلول کرنا محال ہے' کیونکہ روح قدیم نہیں ہے' بلکہ حادث ہے۔ فرماتے ہیں کہ قدیم اور حادث اور خالق و مخلوق ایک دوسرے میں کسی طرح حلول کر سکتے ہیں؟ کیونکہ خالق اور مخلوق یکساں نہیں ہو سکتے۔

۱۲۔ : ایک اور فرقہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ایک دوسرا گروہ ہے جو اس قسم کے اقوال و کلام کو فارس (یعنی فارس بن عیسی بغدادی) سے منسوب کرتا ہے' جس کا اپنا دعویٰ یہ ہے کہ مسلک حسین بن منصور کا ہے۔"

حضرت ہجویری نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اس رائے کی تردید کی ہے کہ حسین منصورہ کے اصحاب میں سے کسی کا یہ مذہب نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں: میں نے ابو جعفر صیدلانی اور ان چار ہزار افراد کو دیکھا جو عراق میں ادھر ادھر پھیلے ہوئے ہیں اور اپنے آپ کو حلاجی (یعنی محبان و معتقدان حسین بن منصور) کہلاتے ہیں اور ان میں سے ہر کوئی فارس پر اس کے اس قول کی وجہ سے لعنت بھیجتا ہے۔

تیسرے باب میں حضرت ہجویری نے تصوف کے متعلق اظہار خیال کیا ہے۔ "صوفی" کی اصل کے متعلق رقمطراز ہیں۔

"لوگوں نے اس نام (تصوف) کی تحقیق میں بڑی موشگافیاں کی ہیں۔ ایک گروہ نے کہا ہے کہ "صوفی" کو صوفی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ صوف کا لباس استعمال کرتا ہے۔ ایک جماعت نے کہا کہ اسے صوفی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ صفت اول میں ہوتا ہے۔ ایک گروہ نے کہا کہ اصحاب صفہ کے ساتھ قیام کرنے یا ان سے والہانہ شیفتگی کی بنا پر اسے صوفی کہا جاتا ہے۔ کچھ لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں یہ لفظ صوفی "صفا" سے مشتق ہے۔"

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت ہجویریؒ فرماتے ہیں: لفظ "صفا" ان میں سے نہایت

عمدہ اور دلپسند ہے اور کدورت اس کی ضد ہے۔ یعنی ان کے خیال میں "صوفی" لفظ "صفا" سے نکلا ہے اور صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے پاک اور صاف ہو۔ اس باب کی دوسری فصل میں حضرت ہجویریؒ نے مشائخ کبار کے وہ اقوال نقل کئے ہیں' جن سے ان کے مذکورہ خیال کی تائید ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں آپ نے حضرت حسن نوری' حضرت حصری' حضرت شبلی اور حضرت جنید کے اقوال نقل کئے ہیں۔ حضرت شبلیؒ نے کہا ہے کہ صوفی وہ ہے۔ جو دونوں جہاں میں خدا تعالیٰ کے یہاں کوئی چیز نہ دیکھے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا ہے کہ تصوف کی بنیاد مندرجہ ذیل آٹھ خصلتوں پر ہے' جن سے آٹھ پیغمبروں کی خصوصیات نمایاں ہیں:

"سخاوت' حضرت ابراہیم کی ہو' رضا حضرت اسماعیل کی ہو' صبر حضرت ایوب کا ہو' اشارات حضرت زکریا کے ہو' غربت حضرت یحیٰ کی ہو' سیاحت حضرت عیسی کی ہو' لباس حضرت موسیٰ کا ہو اور فقر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو۔"

کشف المحجوب میں آخر میں سماع پر بحث ہے۔ آپ کے نزدیک "سماع' مباح ہے' لیکن اس کے لئے آپ نے کچھ شرطیں رکھی ہیں' مثلاً" سالک بلاضرورت سماع نہ سنے اور طویل وقفہ کے بعد سنے۔ محفل سماع میں مرشد موجود ہوں' عوام شریک نہ ہوں' قوال فاسق نہ ہوں' سماع کے وقت دل دنیوی علائق سے پاک ہو' طبیعت لہو و لعب کی طرف مائل نہ ہو' اگر وجد کی کیفیت طاری ہو تو اس کو تکلیف کے ساتھ نہ رکھے۔

ماخذ

(1) Ali bin Usman Al-Hujweri, Data Ganj Bakhsh: The Kashaf Al-Mahjub, Translated by Reyonold A: Nicholson, Islamic Book Foundation, Lahore, 1980.

(۲) علی ہجویری' داتا گنج بخش: کشف المحجوب' اردو ترجمہ: پروفیسر محمد عبدالمجید یزدانی' ناشران قرآن لمیٹڈ' لاہور

(۳) مفتی غلام سرور لاہوری۔ حدیقۃ الاولیاء اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور۔

(۴) خواجہ عبداللہ انصاری ہروی: طبقات الصوفیہ' بتصحیح' و تعلیق و تحشیہ عبدالحیٔ حبیبی' کابل۔ ۱۹۶۲ء

باب سوم

سلسلہ قادریہ

فصل اول

قادری سلسلہ کا تعارف

یہ سلسلہ حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ سے شروع ہوتا ہے۔ آپ کا سلسلہ طریقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک اس طرح پہنچتا ہے۔

(۱) حضرت علی کرم اللہ وجہہ (شہادت ۲۱۔ رمضان سنہ ۴۰ھ (۶۶۱ء)

(۲) حضرت خواجہ حسن بصری (وفات ۴ محرم ۱۱۱ھ (۷۲۹ء)

(۳) شیخ حبیب عجمی (وفات ۳ ربیع الاخر ۱۵۶ھ (۷۷۲ء) مدفن بغداد

(۴) شیخ داؤد طائی(وفات ۲۸ ربیع الاول ۱۶۵ھ (۷۸۱) مدفن بغداد

(۵) شیخ معروف کرخی (وفات ۲۔ محرم ۲۰۰ھ (۸۱۵ء) مدفن بغداد

(۶) شیخ سری سقطی (وفات ۳ رمضان ۲۵۳ھ (۸۶۷ء) مدفن بغداد

(۷) حضرت شیخ جنید بغدادی (وفات ۲۷ رجب ۲۹۷ھ (۹۱۰ء) مدفن بغداد

(۸) حضرت شیخ ابوبکر شبلی (وفات ۲۸۔ ذوالحج ۳۳۴ھ (۹۴۶ء) مدفن بغداد

(۹) شیخ عبدالواحد تمیمی (وفات ۹ جمادی الاخر ۴۲۵ھ (۱۰۳۴ء) مدفن بغداد

(۱۰) شیخ ابوالفرح طرطوسی (وفات ۳ شعبان ۴۴۷ھ (۱۰۵۵ء) مدفن طرطوس

(۱۱) شیخ ابوالحسن ہکاری (وفات ۱۔ محرم ۴۸۶ھ (۱۰۹۳ء) مدفن بغداد

(۱۲) شیخ ابو سعید مخزومی (وفات ۷ محرم ۵۱۳ھ (۱۱۱۹ء) مدفن بغداد

(۱۳) حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ مذکور بزرگوں سے الگ الگ صوفیانہ سلسلے بھی جاری ہوئے۔ مثلاً"

(۱) سلسلہ جیبیہ : یہ سلسلہ فقر حضرت شیخ حبیب عجمی سے چلا اس کو "سلسلہ عجمیہ" بھی کہا گیا۔

۲۔ سلسلہ کرخیہ: یہ سلسلہ حضرت شیخ معروف کرخی سے چلا۔

۳۔ سلسلہ سقطیہ: حضرت شیخ سری سقطی سے چلا

۴۔ سلسلہ جنیدیہ: حضرت شیخ جنید بغدادی سے چلا سلسلہ سہروردیہ بھی حضرت جنید بغدادیؒ سے ملتا ہے۔

۵۔ سلسلہ طرطوسیہ: یہ سلسلہ حضرت شیخ ابو الفرح طرطوسی سے چلا۔

تعلیمات: اس سلسلہ کے بزرگوں کو ارشادات یہاں نقل کئے جاتے ہیں، جن سے اسلامی تصوف کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔

○ حضرت معروف کرخی نے "صوفی" کے متعلق فرمایا:

"صوفی اس دنیا میں مہمان ہے۔ اب مہمان کا میزبان پر تقاضا کرنا اس پر زیادتی ہے۔ جو مہمان مئودب ہوتا ہے، وہ منتظر رہتا ہے، تقاضا نہیں کرتا۔

○ ایک شخص نے حضرت معروف کرخیؒ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ تلقین فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: "اس بات سے دور ہو کہ اللہ تعالیٰ تم کو مسکینی کے لباس کے سوا کسی اور لباس میں نہ دیکھے۔"

○ حضرت معروف کرخیؒ نے فرمایا: اگر عارفوں سے دنیا کی محبت نہ نکالی جاتی، تو وہ طاعت کے کام کر نہیں سکتے تھے اور اگر ذرہ کے برابر بھی دنیا کی محبت ان کے دلوں میں ہوتی، تو ان کا ایک سجدہ بھی سجدہ درست نہیں ہوتا۔

○ حضرت سری سقطیؒ کا قول ہے: اس فقیر کا دل کیونکر روشن ہو سکتا ہے۔ جو اپنے لین دین میں خیانت کرنے والے اور ظالموں اور رشوت خوروں سے معاملہ رکھنے والے کے مال میں سے کھاتا ہے۔

○ حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا: بندہ کے استدراج (درجہ بہ درجہ کفر کے نزدیک ہونا) کی علامت ہے کہ اپنے عیب سے اندھا اور دوسروں کے عیبوں سے آگاہ ہو۔

○ حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا: تین باتیں بندہ سے اللہ تعالیٰ کے ناراض ہونے کی نشانیاں ہیں: کثرت سے کھیلنا، ٹھٹھے کرنا اور غیبت کرنا۔

○ حضرت جنید بغدادیؒ نے عمرو بن عثمان المکی کے نام ایک خط میں لکھا ہے: "حذر اور احتیاط کا لبادہ اوڑھ لو، خوف کی چادر اپنے اوپر ڈال لو، تقویٰ اپنے اوپر لازم کر لو اور خدا تعالیٰ کی خاطر اپنے نفس کے محاسب بن جاؤ ہرحال میں اس پر کڑی نگرانی رکھو۔

○ حضرت جنیدؒ ابو یعقوب بن یوسف بن الحسین کے نام خط میں ایک جگہ عام انسانوں کی مزاج کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اکثر مخلوق خدا کے تفکرات کا رخ محض دنیا ہی کی طرف ہوتا ہے۔ وہ صرف اسی دنیا میں فوری حاصل ہونے والی مسرتوں ہی کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اور بہت کو چھوڑ کر اسی تھوڑی، لیکن جلد ملنے والی چیز کو ترجیح دیتے ہیں قلب و ذہن کی اس حرص دنیا کے باعث یوں لگتا ہے۔ کہ لوگوں کے اندر بصیرت سلب ہو گئی ہے۔ مقصد کی اس خرابی، فتنہ و فساد کی گرم بازاری اور عمل برائے آخرت کی کمی کے باعث وہ دنیا کے نشہ میں سرشار ہیں اور جن دنیوی لذتوں نے ان پر غلبہ کیا ہوا ہے ان کی تباہ کن راہوں میں وہ حیران و سرگردان پھرتے ہیں۔"

○ حضرت معروف کرخیؒ نے تصوف کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: "تصوف حقائق کا اختیار کرنا ہے اور دقائق کو بیان کرنا اور خلائق سے ناامید ہونا ہے۔

○ حضرت سری سقطیؒ نے تصوف کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: "تصوف تین معنوں کا نام ہے، ایک یہ کہ اس کی معرفت اس کے تورع کو نہ ڈھانپے، دوسرے یہ کہ علم باطن میں کچھ تصرف نہ کرے، جو منقض ظاہر کتاب ہوا تیسرے یہ کہ اس کی کرامت لوگوں کو حرام سے باز رکھے۔

○ حضرت جنید بغدادیؒ نے تصوف کے متعلق فرمایا: "تصوف کی حقیقت دل کو پار کرنا ہے، مخلوق کی طرف رجوع ہونے سے اور علیحدگی اختیار کرنا طبیعت کی پیروی اور خواہش سے اور مار ڈالنا صفات بشری کا اور دور رہنا خواہشات نفسانی سے اور قائم ہونا صفات روحانی پر اور بلند ہونا علوم حقیقی پر اور عمل لانا اس چیز کو کہ قیامت تک فائدہ دینے والی ہے اور نصیحت کرنا تمام امت کو اور بجا لانا حقیقت کا اور پیروی کرنا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام شریعت کا۔"

○ صوفی کے لئے شریعت کی پابندی لازمی ہے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا: "صوفی وہ ہے جس کے داھنے ہاتھ میں قرآن اور بائیں ہاتھ میں سنت نبوی ہو۔

○ حضرت ابوبکر شبلیؒ نے تصوف کے متعلق فرمایا: "تصوف نفس کو اور اپنی قوت کو ضابطے میں رکھنے کا نام ہے۔ "تصوف کے متعلق یہ بھی فرمایا ہے: "تصوف عصمت ہے کائنات کے دیکھنے سے اور برق سوزندہ ہے۔"

○ شریعت، طریقت اور حقیقت کے متعلق حضرت شیخ شبلیؒ نے فرمایا: "شریعت یہ ہے کہ تو اس کی عبادت کرے، طریقت یہ ہے کہ تو اس کو طلب کرے اور حقیقت یہ ہے کہ تو اس کو دیکھے۔"

○ دنیا کی حقیقت بیان کر کے حضرت شیخ شبلیؒ نے فرمایا: اگر ساری دنیا ایک لقمہ بنا کر کسی شیر خوار بچے کے منہ میں دے دی جائے تو مجھے اس بچہ پر رحم آئے گا، کیونکہ وہ بھوکا ہے، اور اگر ساری دنیا مجھے ہو تو میں ایک یہودی کو دے دوں، اگر وہ مجھ سے قبول کرے تو میں اس کا احسان مند ہو،

○ صوفی کی تعریف بیان کرتے ہوئے حضرت شیخ شبلیؒ نے فرمایا: "صوفی اس وقت ہوتا ہے کہ تمام خلائق کو اپنا عیال سمجھے۔" صوفی کے متعلق ان کا ایک اور قول ہے: "صوفی وہ ہے کہ خلق سے منقطع ہو اور حق سے متصل ہو۔" عارف کے متعلق آپ نے فرمایا: "عارف وہ ہے کہ دنیا کو ازار کرے اور آخرت کو چادر پھر دونوں سے مجرد ہو اور حق تعالیٰ کے ساتھ مجرد ہو۔"

فصل دوم

حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

سلسلہ قادریہ آپ سے منسوب ہے۔ آپ علم و عرفان کے سرچشمہ تھے۔ آپ نے بیشمار طالب علموں کو دینی تعلیم دی۔ آپ کے پاس جو بھی طلبا آتے تھے ان کو پھر کسی دوسرے کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ آپ نے کئی لوگوں کو علم تصوف اور توحید کی تعلیم دی۔ آپ اخلاق محمدی کے نمونہ تھے۔ باوجود و رفعت اور وسعت علم کے ہمیشہ ضعیفوں کے ساتھ بیٹھتے اور فقراء اور مساکین کے ساتھ تواضع اور تکریم کے ساتھ پیش آتے۔ ہر ایک پر شفقت فرماتے اور سب کے ساتھ نہایت شگفتہ روئی اور دلجوئی سے پیش آتے۔ ہر ایک یہی سمجھتا کہ حضور مجھ سے ہی زیادہ شفقت و محبت رکھتے ہیں۔ آپ کے وعظ میں بڑی تاثیر ہوتی تھی بیشمار یہود و نصاریٰ آپ کے دست مبارک پر مسلمان ہوئے اور کئی بھٹکے ہوئے لوگ آپ کی نظر کیمیا اثر سے راہ راست پر آئے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس مقام غوث اور قطب پر فائز فرمایا کہ تمام ولیوں پر آپ کا قدم ہے۔ تمام اولیاء کرام نے خواہ کسی بھی زمانہ اور کسی بھی ملک کے ہوں آپ کی فضیلت تسلیم کی ہے اور آپ سے اکتساب فیض کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو غوث الاعظم کہا جاتا ہے۔

حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کا نام عبدالقادر، کنیت سامی ابو محمد، القاب محبوب سبحانی، غوث الاعظم، غوث الثقلین وغیرہ ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی حضرت سید ابو صالح نور الدین موسیٰ جنگ دوست ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے "حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بن سید ابو صالح نور الدین موسیٰ جنگی دوست بن سید عبداللہ ثالث بن سید ابو عمرو یحییٰ زاہد بن سید محمد رومی بن سید داؤد امیر الاکبر بن سید ابو عمرو موسیٰ ثانی بن سید عبداللہ ثانی بن سید ابوالحسن موسیٰ الجون بن سید عبداللہ المحض شیخ القرۃ بن سید ابو محمد حسن المثنیٰ بن سید امام حسن المجتبیٰ بن امیر المومنین حضرت علی بن ابو

طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم"

آپ کی ولادت "نیق" میں ا رمضان ۴۷۰ھ (۱۸ مارچ ۱۰۷۸ء) کو ہوئی۔ "نیق" بلاد جیلان میں ایک قصبہ کا نام ہے' جو طبرستان سے قریب ایک چھوٹے سے حصہ کا نام ہے' جو چند شہروں اور بستیوں پر مشتمل ہے۔ اس کو عربی میں "جیل" اور بکاف' فارسی میں گیل کہتے ہیں۔ اسی نسبت سے آپ کو جیلانی کہا جاتا ہے۔

ابتدائی تعلیم جیلان میں حاصل کی اور قرآن مجید حفظ کیا۔ ۱۸ سال کی عمر میں تحصیل علم کے لئے بغداد آئے۔ ذوالحج سنہ ۴۹۶ھ (۱۱۰۳ء) میں فارغ التحصیل ہوئے۔ آپ کو مختلف علوم: علم تفسیر' علم قرائت' علم حدیث' علم فقہ' علم کلام' علم تاریخ' علم انسان' علم لغت' علم صرف و نحو' علم ادب' علم عروض' علم مناظرہ' وغیرہ میں کامل دسترس حاصل تھی۔ آپ نے ۵ سال تک صحرائے عراق کی سیاحت کی۔ گیارہ سال برج قلعہ بغداد میں ریاضت و عبادت میں مشغول رہے' جو آپ کے قیام کی وجہ سے برج عجمی مشہور ہوا۔ اس کے بعد حضرت شیخ ابو سعید مبارک مخزومی کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ انھوں نے آپ کو خرقہ ولایت و خلافت عطا کیا۔ آپ نے اپنے والد بزرگوار' حضرت شیخ ابوالخیر حماد بن مسلم دباس بغدادی' حضرت شیخ ابو یعقوب یوسف بن ایوب ہمدانی اور حضرت شیخ تاج العارفین ابو الوفا اویسی اور حضرت شیخ احمد اسود دینوری کی صحبت سے بھی فیض حاصل کیا۔

آپ نے بڑی کثرت سے عبادتیں اور ریاضتیں کیں' اس کے ساتھ آپ نے طالب العلموں کو دینی تعلیم بھی دی اور طالبان حق کی روحانی تربیت کی اس کے علاوہ مختلف شہروں اور ملکوں سے لانحل مسائل آپ کے پاس آتے تھے' جن کا آپ فوراً بلامطالعہ کتب اور غور و خوض جواب لکھ دیتے تھے۔ آپ کے پاس ہر طرف' ہر ملک اور علاقہ کے لوگ فیض حاصل کرنے کے لئے جمع ہو گئے اور آپ نے ان کی تعلیم و تربیت کی فضلاء اور صلحاء اور صوفیاء کی ایک بڑی جماعت تیار کی۔ اس جماعت کے افراد فیضیاب ہونے کے بعد تمام علاقوں اور ملکوں میں پھیل گئے۔ انھوں نے اسلام کی اشاعت کے سلسلہ میں اہم خدمات انجام دیں اور مخلوق خدا کی کثیر تعداد نے ان سے علم و عرفان حاصل کیا۔

آپ کے وعظ اور شخصیت میں بڑی تاثیر تھی۔ آپ کا وعظ سننے کے لئے لوگ دور دراز علاقوں سے بہت بڑی تعداد میں آتے تھے۔ وعظ سننے کے دوران لوگ وجد میں آکر

بے خود ہو جاتے تھے۔ ہفتہ میں تین بار جمع کی صبح' شنبہ کی شام اور یک شنبہ کی صبح کو اپنے مدرسہ اور خانقاہ میں وعظ فرماتے تھے۔ آپ کی زبان سے کلمہ بد کبھی نہیں نکلا اپنے نفس کے لئے کبھی کسی پر غصہ نہ کیا۔ مگر جب کوئی محارم الٰہی کی بے حرمتی کرتا تو آپ سختی سے گرفت کرتے۔

آپ کو اہل علم و طالبان حق و اہل مجاہدہ و مراقبہ سے نہایت انسیت تھی۔ جب کوئی آپ کے سلسلہ میں داخل ہوتا۔ تو اس کو شجرۂ طیبہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر عنایت کرتے۔ جب کوئی آدمی وہ خواہ چھوٹا ہو یا بوڑھا آپ کی زیارت کو آتا' تو آپ اس کی تکریم کرتے اور اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ آپ نہ کبھی کسی امیر' وزیر اور حکمران کے یہاں گئے اور نہ کبھی کسی اہل اقتدار اور اہل دولت کی تعظیم کی۔ آپ جب امرا سے گفتگو کرتے تو اس میں کچھ سختی اور نصیحت میں مبالغہ ہوتا۔ اگر آپ خلیفہ کو کچھ لکھتے تو اس طرح تحریر فرماتے "عبدالقادر تم کو یوں فرماتا ہے اور اس کا فرمان تجھ پر نافذ اور تیرے لئے فائدہ مند ہے اور وہ تیرا پیشوا اور تجھ پر حجت ہے خلیفہ آپ کی تحریر کو پاتا' تو چومتا اور آنکھوں سے لگاتا۔

آپ کے پاس جو بھی سائل آتا لے کے جاتا کسی سائل کے سوال کو آپ نے کبھی رد نہیں کیا۔ ہزاروں دینار روزانہ آپ کے پاس آتے تھے اور شام تک خرچ ہو جاتے تھے۔ کئی مہمان روزانہ آپ کے دستر خوان پر کھاتے تھے' آپ نذرانہ قبول کرتے تھے اور فتوح کو رد نہیں کرتے تھے۔ جو کچھ آتا لے کر حاضرین میں تقسیم فرما دیتے تھے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے ۱۱ ربیع الاخر سنہ ۵۶۱ھ (۱۴ فروری ۱۱۶۶ء) کو وفات پائی اور بغداد کے مدرسہ باب الازج میں مدفون ہوئے۔

اولاد: آپ کے دس فرزند تھے جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) حضرت شیخ ابو عبداللہ سیف الدین عبدالوہاب (ولادت شعبان ۵۲۲ھ (۱۱۲۸ء) وفات ۲۵ شوال ۵۹۳ھ = ۱۱۹۷ء) یہ آپ کے بڑے صاحبزادے تھے' جو آپ کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔

(۲) حضرت سید ابو عبدالرحمٰن عبداللہ (وفات ۲۷ صفر ۵۸۷ھ = ۱۱۹۱ء)

(۳) حضرت سید ابو اسحاق ابراہیم (وفات ۲۵۔ ذوالقعدہ ۵۹۲ھ = ۱۱۹۶ء مدفن واسط)

(۷) قصیدہ خمریہ محبوبیہ

(۸) قصیدہ قطبیہ

(۹) قصیدہ رومیہ

(۱۰) قصیدہ طائیہ

(۱۱) جلاء الخواطر فی الباطن والظاہر

(۱۲) یواقیت الحکم

(۱۳) درود کبریت احمد

(۱۴) درود اکسیر اعظم

(۱۵) دعائے بدر تتہ الایمان

(۱۶) دعائے فتح البصائر

(۱۷) اسبوع شریف

(۱۸) چہل کاف

(۱۹) اسمائے سبعہ معہ توجہات۔

مندرجہ ذیل کتابوں کے نام مارگولیتھ نے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں "مقالہ عبدالقادر محی الدین جیلانی" کے تحت دیے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ سب کتابیں حضرت غوث الاعظم کے کمال تفقہ فی الدین اور تبحر علمی کی زبردست گواہ ہیں۔

(۲۰) جلاء الخاطر (۲۱) الیواقیت والحکم (۲۲) الفیوضات الربانیہ (۲۳) حزب بشایر الخیرات (۲۴) المواھب الرحمانیہ

تعلیمات: آپ نے توحید۔ شریعت کی پابندی اور اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم رکھنے کی تعلیم دی ہے۔ آپ کے تعلیمات کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

توحید خالص: فتوح الغیب کی ایک مجلس میں آپ نے توحید خالص اور ماسوائے اللہ سے قطع تعلق کرنے کی تعلیم اس طرح دی ہے۔

"اس پر نظر رکھو، جو تم پر نظر رکھتا ہے، اس کے سامنے رہو جو تمہارے سامنے رہتا

(۴) حضرت سید ابو الفرح سراج الدین عبدالجبار (وفات ۱۹ ذوالحجہ ۵۷۵ھ=۱۱۸۰ء مدفن بغداد)

(۵) حضرت ابوبکر تاج الدین عبدالرزاق (وفات ۶ شوال ۶۰۳ھ = ۱۲۰۷ء مدفن بغداد)

(۶) حضرت سید ابوبکر شمس الدین عبدالعزیز (وفات ۲۸ ربیع الاول ۶۰۲ھ=۱۲۰۵ء مدفن جبال)

(۷) حضرت سید ابونصر ضیاء الدین موسیٰ (وفات جمادی الاخر ۶۱۸ھ=۱۲۲۱ء مدفن جبل قاسیون دمشق)

(۸) حضرت سید عبدالرحمٰن شرف الدین عیسیٰ (وفات ۱۲ رمضان ۵۷۳ھ = ۱۱۷۸ء مدفن مصر)

(۹) حضرت سید ابوالفضل (وفات ۲۵ ذوالقعد ۶۰۰ھ = ۱۲۰۴ء، مدفن بغداد)

(۱۰) حضرت سید ابو زکریا یحییٰ (وفات ۱۵۔ شعبان شنہ ۶۰۰ھ = ۱۲۰۴ء، مدفن بغداد)

آپ کی اولاد نے آپ کے مقصد کو آگے بڑھانے کے لئے بڑی کوشش کی اور مختلف ممالک میں پھیل گئی۔ برصغیر میں بھی ان کے افراد آئے اور مختلف جگھوں پر متوطن ہو کر تعلیمات غوثیہ سے لوگوں کو روشناس کرایا اور ان کی اخلاقی اور روحانی اصلاح کی ان کا تعارف بعد میں آئے گا۔

تصنیفات: آپ نے کچھ کتابیں بھی تصنیف کیں جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) **غنیتہ الطالبین (عربی):** اس کا فارسی اردو اور سندھی اور دوسری زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

(۲) **فتوح الغیب:** تصوف کی تعلیم کے متعلق ایک جامع کتاب ہے اس کی شرحیں بھی لکھی گئیں ہیں اور کئی زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔

(۳) **الفتح الربانی و الفیض الرحمانی:** آپ کے مواعظ و ارشادات کا مجموعہ ہے۔

(۴) **مکتوبات غوثیہ:** یہ مکاتیب فارسی میں ہیں۔ اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

(۵) الہامات غوثیہ

(۶) دیوان محی الدین (یہ شاعری میں فارسی میں دیوان ہے)

ہے' اس سے محبت کرو جو تم سے محبت کرتا ہے' اس کی بات مانو جو تم کو بلاتا ہے' اپنا ہاتھ اسے دو جو تم کو گرنے سے سنبھال لے گا اور تم کو جہل کی تاریکیوں سے نکال لے گا اور ہلاکتوں سے بچائے گا۔"

فتح الربانی کی ایک مجلس میں فرمایا:

"ساری مخلوق عاجز ہے' نہ کوئی مجھے نفع پہنچا سکتا ہے' نہ نقصان' بس حق تعالیٰ ان کے ہاتھوں کرا دیتا ہے۔ اس کا فعل تیرے اندر اور مخلوق کے تصرف فرماتا ہے۔ جو کچھ تیرے لئے مفید یا مضر ہے' اس کے متعلق اللہ کے علم میں قلم چل چکا ہے۔ اس کے خلاف نہیں ہو سکتا"

"آج تو اعتماد کر رہا ہے اپنے نفس پر' مخلوق پر' اپنے دیناروں پر اپنے درہموں پر' اپنے خرید و فروخت پر اور اپنے شہر کے حاکم پر ہر چیز کو جس پر تو اعتماد کرے وہ تیرا معبود ہے اور ہر شخص جس پر نفع اور نقصان کے متعلق تیری نظر پڑے اور تو یوں سمجھے کہ حق تعالیٰ ہی اس کے ہاتھوں اس کا جاری کرنے والا ہے' تو وہ تیرا معبود ہے۔"

"فتوح الغیب" میں مومن کو آپ سمجھا رہے ہیں:

"ہر مومن کے لئے ہر حال میں یہ تین چیزیں لازمی ہیں ایک یہ کہ حکم الٰہی کی تعمیل کرے' دوسرے یہ کہ ممنوع سے بچتا رہے' تیسرے یہ کہ قضائے الٰہی پر راضی رہے۔ پس مومن کے لئے کم سے کم مرتبہ یہ ہے کہ ان تینوں چیزوں سے خالی نہ ہو۔"

شریعت کی پابندی: سنت کی پیروی کے متعلق فتوح الغیب میں آپ نے تحریر فرمایا ہے:

"پیروی (سنت) کرتے رہو اور راہ بدعت اختیار نہ کرو' اطاعت کرو اور دائرہ اطاعت سے باہر نہ رہو۔ توحید خداوندی کو مانو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ کہ وہی جو کچھ کرتا ہے اپنی مشیت سے کرتا ہے۔ اس کو ہر عیب سے پاک سمجھو۔"

"فتوح الغیب" میں آپ نے اپنے فرزند کو دستور العمل بتائے ہیں' جس سے انسان عارف کامل بن سکتا ہے۔ آپ نے اپنے فرزند کو شریعت کی پابندی اور ضبط نفس اور مجاہدہ اور ادائے حقوق العباد کی تلقین کی ہے۔ فرمایا ہے:

"میں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور اطاعت اختیار کرو اور احکام شریعت

کی پابندی لازم رکھو اور سینہ کو (خباثت نفس سے) پاک رکھو اور نفس میں جوانمردی رکھو اور کشادہ رو رہو اور جو شے عطا کرنے کے قابل ہو اسے عطا کرتے رہو اور ایذاء دہی سے باز رہو اور برابر والوں سے حسن معاشرت رکھو اور فردوں کو نصیحت کرتے رہو اور اپنے رفیقوں سے جنگ نہ کرو اور ایثار کو اپنے اوپر لازم کر لو اور ذخیرہ مال فراہم کرنے سے بچو۔"

تصوف: تصوف کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے فتوح الغیب میں لکھا ہے:

"تصوف آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے۔ سخاوت ابراہیم پر' صبر ایوب پر' مناجات زکریا پر' غربت یحییٰ پر خرقہ پوشی موسیٰ پر' تجرد عیسیٰ پر اور فقر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر"۔

فقر کی حقیقت ان لفظوں میں بیان فرمائی:

"فقر کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی ہی جیسی ہستی (یعنی کسی بندہ) کا محتاج نہ رہ۔"

دنیا کی حقیقت: آپ نے رہبانیت کی تعلیم نہیں دی لیکن دنیا کی پرستش اور اس سے دلی محبت رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

"دنیا میں اپنا مقسوم اس طرح مت کھا کہ وہ بیٹھی ہوئی ہو اور تو کھڑا ہو' بلکہ اس کو بادشاہ کے دروازہ پر اس طرح کھا کہ تو بیٹھا ہوا ہو اور وہ طباق اپنے سر پر رکھے ہوئے کھڑی ہو۔ دنیا اس کی خدمت کرتی ہے جو حق تعالیٰ کے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے۔ جو دنیا کے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے۔ اس کو ذلیل کرتی ہے۔"

ایک دوسرے موقع پر فرمایا:

"دنیا ہاتھ میں رکھنی جائز' جیب میں رکھنی جائز' کسی اچھی نیت سے اس کو جمع رکھنا جائز باقی دروازہ سے آگے گھسنا ناجائز ہے نہ تیرے لئے عزت ہے۔"

خلفاء اور حکام پر تنقید: آپ نے مواعظ اور پند و نصیحت کے ساتھ بڑی صاف گوئی اور جرات کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا' آپ نے حکام اور خلیفہ وقت کی کارگزاریوں اور زیادتوں پر ان کو تنبیہہ کی اور ان کے غلط فیصلوں اور غلط کاموں کی مذمت کی۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے:

"آپ خلفاء' وزراء' سلاطین' قضاۃ' خواص و عوام سب کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرماتے اور بڑی صفائی اور جرات کے ساتھ ان کو بھرے مجمع میں اور بر سر منبر علی الاعلان

ٹوک دیتے۔ جو کسی ظالم کو حاکم بناتا اس پر اعتراض کرتے اور خدا کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی آپ کو پرواہ نہ تھی۔"

آپ کے ان تلامذہ کی طویل فہرست ملتی ہے، جنہوں نے باقاعدہ آپ سے دینی تعلیم حاصل کی مریدوں کی۔ تعداد تو شمار سے باہر ہے۔ آپ کے خلفاء بھی لاتعداد ہوئے۔ جن میں سے بعض کے نام ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) آپ کے دسوں فرزندوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا اور آپ کے خلفاء تھے۔

(۲) حضرت سید جمال اللہ الملقب بہ حیات المیر زندہ پیر ابن سید تاج الدین عبدالرزاق بن حضرت غوث الاعظم اکثر سمرقند میں سکونت پذیر رہے آپ کی ایک خلیفہ نے برصغیر پاک و ہند میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔

(۳) حضرت سید عون قطب شاہ علوی بغدادی کئی ناموں سے مشہور ہیں مثلاً علی، عون، عبدالرحمٰن، عبدالعلی، ابراہیم، قطب شاہ وغیرہ۔ شجرہ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس طرح ملتا ہے:

"سید عون بن قاسم بن حمزہ ثانی بن طیار بن قاسم بن علی بن حمزہ الاکبر بن حسن بن عبیداللہ مدنی بن عباس علمدار بن حضرت علی المرتضیٰ۔ سنہ ۴۱۹ھ (۱۰۲۸ء) میں تولد ہوئے اور ۳ رمضان ۵۵۶ھ (۱۱۶۱ء) میں فوت ہوئے۔ اور مقبرہ قریش میں مدفون ہوئے۔ آپ کی اولاد عرب، ایران اور برصغیر پاک و ہند میں کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ پاکستان میں "اعوان" خود کو آپ کی اولاد ظاہر کرتے ہیں۔

(۴) "حضرت شیخ ابوسعید قلوری (وفات ۵۵۷ھ = ۱۱۶۲ء) مدفن قلو"

(۵) حضرت شیخ شرف الدین عدی بن مسافر الاموی الشامی الہکاری (وفات ۵۵۷ھ مدفن "ہکاریہ")

(۶) حضرت شیخ ماجد الکردی (وفات ۵۶۱ھ= ۱۱۶۶ء) مدفن "جبل حمرین"

(۷) حضرت شیخ ابو عمرو عثمان بن مرزوق بن حمید بن سلامتہ القرشی الجنبلی (وفات ۵۶۴ھ = ۱۱۶۹ء) مدفن مصر۔

(۸) "حضرت شیخ ابو الحسن علی بن ابی النصرا الہیتی (وفات ۵۶۴ھ) مدفن "ایران"

(۹) حضرت شیخ ابو عبداللہ قضیب البان موصلی (وفات ۵۷۰ھ = ۱۱۷۴ء)

(۱۰) حضرت شیخ احمد بن مبارک (وفات ۵۷۰ھ)

(۱۱) حضرت شیخ ابوالفرج صدقہ بن حسین بغدادی (وفات ۵۷۳ھ = ۱۱۷۷ء)

(۱۲) حضرت شیخ ابو عمرو عثمان (وفات ۵۷۵ھ = ۱۱۷۹ء)

(۱۳) حضرت شیخ احمد محمد الاوانی المعروف بہ ابن القائد (وفات ۵۷۶ھ = ۱۱۸۰ء)

(۱۴) حضرت سخی سرور سلطان سید احمد قادری: آپ کا شجرہ نسب حضرت سید اسماعیل بن امام جعفر صادق سے اس طرح ملتا ہے۔

"سخی سرور بن سید زین العابدین بن سید عمر بن سید عبداللطیف بن سید بہاؤ الدین بن سید غیاث الدین بن سید بہاؤ الدین بن سید صلاح الدین بن سید زین العابدین بن سید عیسیٰ بن سید صالح بن سید عبدالغنی بن سید جلیل بن سید خیرالدین بن سید ضیاء الدین بن سید داؤد بن سید عبدالجلیل رومی بن سید اسماعیل بن سید حضرت امام جعفر صادق۔"

آپ کے والد عرب سے نقل مکانی کرکے کوٹ کروڑ مضافات ملتان میں آکر متوطن ہوئے تھے۔ حضرت سخی سرور کی ولادت بھی کوٹ کروڑ میں ہوئی۔ بغداد میں جا کر حضرت غوث الاعظم سے روحانی فیض حاصل کیا۔ حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی اور خواجہ مودود چشتی سے بھی فیض پایا۔ آپ کا تذکرہ سہروردی مشائخ کے سلسلے میں بھی آئے گا۔ سنہ ۵۵۷ھ (۱۱۶۲ء) میں شہید ہوئے اور "نگاہہ" (ضلع ڈیرہ غازی خان) میں مدفن ہوئے۔

(۱۵) حضرت سید احمد الرفاعی (وفات ۲۲ جمادی الاول ۵۷۸ھ = ۱۱۸۲ء۔ مدفن قریہ ام عبیدہ بطائح) ان کے تین خلفے مشہور ہوئے۔ شیخ تقی الدین علی مبارک الواسطی، سید محمد معدن اسرار آکہ اور شیخ عثمان بطائحی۔

(۱۶) شیخ ابو السعود بن الشبلی (وفات ۵۷۹ھ = ۱۱۸۳ء)

(۱۷) شیخ ابو مدین شعیب بن الحسن المغربی (وفات ۵۹۰ھ = ۱۱۹۴ء)

(۱۸) شیخ جاگیر کردی۔

(۱۹) شیخ ابو محمد عبداللہ بن حسین بن ابوالفضل جبائی۔

(۲۰) شیخ ابو القاسم عمر بن ابی العزا ابزار البغدادی

(۲۱) شیخ ابو الثنا محمود بن عثمان۔

(۲۲) شیخ ابو الحسن علی بن ادریس یعقوبی (وفات ۶۱۹ھ = ۱۲۲۲ء)

(۲۳) شیخ ابو محمد یونس بن یوسف شیبانی

(۲۴) شیخ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن محمد الحنبلی

(۲۵) شیخ ابو المعالی صدرالدین محمد بن اسحاق قونوی۔ حضرت شیخ فخرالدین عراقی نے بھی آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔

(۲۶) حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی وغیرہ۔

فصل سوم

برصغیر پاک و ہند میں حضرت سید عبدالقادر جیلانی کی اولاد

حضرت سید صفی الدین صوفی گیلانی: حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی کی وفات کے بعد ان کے فرزند اکبر حضرت سید عبدالوہاب گیلانی سجادہ نشین ہوئے ان کی وفات کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے حضرت سید صفی الدین صوفی گیلانی صاحب سجادہ ہوئے۔ آپ کی ولادت ۸۔ ذوالحجہ ۵۴۸ھ (۱۱۵۳ء) میں بغداد میں ہوئی۔ حضرت غوث الاعظم اور اپنے والد بزرگوار سے تعلیم حاصل کی۔ اپنے والد بزرگوار سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ ۳۰ سال کی عمر میں سیاحت کرتے ہوئے ملتان پہنچے اور اٹھارہ ماہ تک ملتان کے مضافات میں سیاحت کرتے رہے اور کئی لوگوں کو روحانی فیض سے سیراب کیا۔ اس کے بعد پھر بغداد چلے گئے۔ وہاں آپ نے درس و تدریس اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ کیوں کہ آپ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہتے تھے اور دل کو ماسویٰ اللہ سے پاک رکھتے تھے۔ اس لئے آپ "صوفی" لقب سے مشہور ہوئے۔ ۲ رجب ۶۱۱ھ (۱۲۱۴ء) کو فوت ہوئے اور بغداد میں مدفون ہوئے۔

سندھ میں ایک روایت مشہور ہے کہ حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی سیاحت کرتے ہوئے ۱۵ جمادی الثانی ۴۹۸ھ (۱۱۰۵ء) میں روہڑی (سندھ) میں آئے اور اسی نسبت سے روہڑی شہر کا نام کچھ عرصہ کے لئے "غوث پور" بھی رہا۔ جس جگہ پر آپ نے کچھ دنوں کے لئے قیام کیا۔ وہاں آج بھی آپ کی یادگار رکھے ہوئے ہیں۔ تاریخ سے اس روایت کی تصدیق نہیں ہوتی۔ آپ کی سیاحت کا ذکر تو ملتا ہے لیکن اس سلسلہ میں بیان یہ ہے کہ آپ نے پانچ سال تک صحرائے عراق کی سیاحت کی۔ ہو سکتا ہے کہ سیاحت کرتے ہوئے سندھ میں بھی آئے ہوں لیکن تصدیق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے

کہ حضرت سید صفی الدین گیلانی جب ملتان آئے تھے اور اس علاقہ کی سیاحت کر رہے تھے تو وہ روہڑی میں بھی تشریف فرما ہوئے ہوں۔

حضرت سید صفی الدین گیلانی کو آٹھ فرزند ہوئے۔ ہندوستان کے بزرگ حضرت شیخ سلیم چشتی کا قادریہ شجرہ حضرت صفی الدین کے فرزند حضرت سید ابو سلیمان سے ملتا ہے۔ حضرت سید صفی الدین کے دوسرے فرزند سید محمد فاروق کی اولاد ہند میں بھی آکر آباد ہوئی۔

سید ابو عبدالرحمٰن شرف الدین عیسیٰ

"خطہ پاک اوچ" میں مسعود حسن شہاب صاحب نے ایک روایت بیان کی ہے کہ سندھ میں سلسلہ قادریہ کے اولین بزرگ شیخ عیسیٰ تھے جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے فرزند تھے۔ حضرت شیخ عیسیٰ شرف الدین قتال کے لقب سے معروف تھے اور آپ کا قیام کچھ عرصہ تک سندھ کے مشہور شہرہالہ (ضلع حیدر آباد) میں رہا(۱) یہ روایت دوسری کتابوں میں نہیں ملتی۔

حضرت غوث الاعظم نے کتاب "فتوح الغیب" اپنے اس فرزند کے لئے تصنیف فرمائی تھی۔ حضرت سید شرف الدین عیسیٰ نے بغداد میں درس دیا' فتوے دیے اور وعظ کیا' بعد میں مصر چلے گئے اور مصر والوں کو علمی اور روحانی فیض سے مستفیض کیا آپ نے کچھ کتابیں بھی لکھیں اور عربی زبان میں شعر بھی کہا۔ آپ نے تصوف میں جواہر الاسرار اور لطائف الانوار وغیرہ کتابیں لکھیں۔ ۱۲۔ رمضان ۵۷۳ھ (۱۱۷۸ء) کو فوت ہوئے' اور مصر میں مدفون ہوئے۔ ہو سکتا ہے کہ مصر جانے سے پہلے سندھ میں آئے ہوں۔

(۱) خطہ پاک اوچ مسعود حسن شہاب' اردو اکیڈمی بہاولپور ۱۹۶۷ء ص ۲۴۹-۲۵۰

حضرت سید ابو محمد سراج الدین شیخ شاہ میر گیلانی

حضرت سید عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے تھے اور حضرت سید محمد غوث اوچی کے دادا تھے' جن کا ذکر بھی بعد میں آئے گا۔ آپ کا اسم سامی حسن' مشہور نام شاہ میر' کنیت ابو عبداللہ ابو محمد' لقب جمال الدین' اطہر' سلطان المشائخ اور مخدوم الاولیاء تھا۔ سنہ ۶۷۶ھ

(۱۲۷۸ء) حلب میں تولد ہوئے۔ سیرو سیاحت کے دوران ہندوستان بھی آئے اور ریاست بون' کوہ ست پڑا' شہر کالی بوڑی میں کچھ عرصہ قیام کیا اور لوگوں کو روحانی فیض سے مستفیض کیا۔ پھر واپس حلب چلے گئے۔ سنہ ۷۶۶ھ (۱۳۶۵ء) میں فوت ہوئے اور حلب میں مدفون ہوئے۔ آپ کے دو فرزند ہوئے۔ سید ابو محمد شمس الدین محمد اعظم اور سید عبداللہ۔

سید عبداللہ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ کوہ ست پڑا شہر کالی بوڑی میں آئے اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ ان کی اولاد پنجاب میں بعض جگہوں پر پائی جاتی ہے۔ حضرت سید ابو محمد شمس الدین محمد اعظم (وفات ۸۳۴ھ = ۱۴۳۱ء) بھی اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد ہندوستان آئے اور سیروسیاحت کے بعد حلب چلے گئے۔ آپ کے تین فرزند ہوئے: مخدوم سید ابو عبداللہ محمد غوث' جن کا ذکر بعد میں آئے گا۔ سید ابوقاسم اور میراں سید یعقوب' سید ابوالقاسم کی اولاد بہت ہوئی۔ ان کی اولاد بھی پنجاب میں بعض جگہوں پر موجود ہے۔

حضرت شیخ شاہ میر کے خلفاء میں ان کے فرزندوں کے علاوہ حضرت شاہ میاں جیو قادری اور حضرت شیخ احمد قادری کے نام ملتے ہیں۔ میاں جیو کے سلسلہ فقر پنجاب میں موجود رہا ہے۔ اس سلسلہ کے ایک بزرگ سید علی لاہور میں گزرے ہیں' جن کا سلسلہ طریقت میاں جیو سے اس طرح ملتا ہے:

"سید علی مرید شاہ اکرم کے' وہ مرید شاہ خلیل کے' وہ مرید شاہ متا کے' وہ مرید سید مصطفیٰ کے' وہ مرید شاہ میاں جیو کے۔"

حضرت شیخ احمد قادری کے سلسلہ کے بزرگ بھی پنجاب میں لوگوں کو روحانی فیض سے مستفیض کرتے رہے۔ ان کے سلسلہ کے بزرگوں میں سید عبدالحکیم گیلانی لاہوری بڑے بزرگ گزرے ہیں' ۱۱۰۸ھ (۱۶۹۶ء) میں فوت ہوئے۔ سلسلہ طریقت اس طرح ہے:

"سید عبدالحکیم گیلانی لاہوری مرید شیخ عبداللہ قادری کے' وہ مرید میر سید شاہ فیروز لاہوری (وفات ۹۳۳ھ = ۱۵۲۷ء) کے' وہ مرید اپنے دادا شاہ عالم کے' وہ مرید شاہ نور الدین کے' وہ مرید شیخ احمد کے' وہ مرید شیخ حامد گیلانی کے' وہ مرید شیخ عبدالرزاق کے' وہ مرید سید عبداللہ کے' وہ مرید شیخ احمد قادری کے۔"

سید عبدالحکیم گیلانی لاہوری کی اولاد اب تک اچھرہ (لاہور) میں آباد ہے۔

شیخ احمد قادری کے سلسلہ کے بزرگ شاہ عالم بغداد سے لاہور میں آکر سکونت پذیر

تھے۔ ان کے فرزند حسین لانگاہ بھی آپ کے مرید تھے۔ سلطان دہلی سکندر بن سلطان بہلول لودھی بھی آپ کے مرید تھے۔

حضرت محمد غوثؒ نے ۹۲۳ھ = ۱۵۱۷ء میں وفات پائی اور "اوچ" میں مدفون ہوئے۔ آپ کو چار فرزند ہوئے مخدوم سید عبدالقادر ثانی' مخدوم سید عبداللہ ربانی (وفات ۹۷۸ھ = ۱۵۷۰ء مدفن "اوچ") مخدوم سید مبارک حقانی اور مخدوم سید محمد نورانی۔ حضرت مخدوم سید عبدالقادر ثانی (وفات ۹۴۰ھ = ۱۵۳۳ء) اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کے نظر فیض اثر سے کئی لوگوں نے اسلام قبول کیا اور بے شمار لوگ راہ راست پر آئے۔

حضرت محمد غوثؒ شعر کہتے تھے اور "قادری" تخلص کیا کرتے تھے۔ فارسی زبان میں آپ کا مکمل دیوان ہے جو "دیوان قادری" کے نام سے مشہور ہے اور صوفیائے کرام میں مقبول ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے ترجیعات بھی ملتے ہیں اور آپ نے حضرت سید عبدالقادر جیلانی کے مناقب بھی منظوم کئے ہیں مناقب کے مجموعہ کا نام "مفتاح الاخلاص" ہے۔ نمونہ کلام:

رندیم و قلندریم و چالاک — مستیم و معر بدیم و بیباک
جامیم و صراحیم و بادہ — دروصدفیم و بحر وخاشاک
والی ولایت شش و پنج — حامی بلادفہم و ادراک
مجموعہ راز عالم دل — منصوبہ کشائے سر لولاک
بگذشتہ زخویش بے کدورت — گذشتہ ز عشق جوہر خاک
آئینہ صاف بے غل و غش — صافی دل و پاک رائے شکاک
گر صاف مشوی پاک دائمر — میگوے چو قادری تو ناَ
ما بلبل بوستان قو سیم — شہباز سفید دست انسیم

میراں سید مبارک حقانی

آپ کا نام مبارک اور لقب حقانی تھا۔ حضرت مخدوم سید محمد غوث گیلانی اوچ کے فرزند ثالث اور خلیفہ تھے۔ اوچ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ اپنے والد بزرگوار سے ظاہری

ہوئے ان کی وفات کے بعد فرزند شاہ فیروز سجادہ نشین ہوئے۔ ان کی مزار تکیہ ڈنڈی گراں (لاہور) میں ہے۔ سید عبدالحکیم ان کے خلیفہ شیخ عبداللہ کے مرید تھے۔

حضرت مخدوم سید ابو عبداللہ محمد غوث گیلانی

آپ کا اسم گرامی محمد کنیت ابو عبداللہ لقب غوث مخدوم بندگی اور محبوب سبحانی تھا۔ آپ کی ولادت سنہ ۸۰۳ھ (۱۴۰۱ء) میں ہوئی تاریخ اوچ میں سال ولادت سنہ ۸۳۳ھ (۱۴۳۰ء) آیا ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے اس طرح ملتا ہے:

سید محمد بن شمس الدین محمد اعظم (وفات ۸۸۵ء = ۱۴۸۰ مدفن حلب) بن سراج الدین شیخ شاہ میرگیلانی (وفات ۷۴۶ھ = ۱۳۵۶ء مزار حلب) بن سید ابو الحسن ضیاء الدین علی گیلانی (وفات محرم ۷۱۵ھ = ۱۳۱۵ء مدفن حلب) بن سید مسعود (وفات ۶۶۰ھ = ۱۲۶۲ء مدفن حلب) بن سید ابو العباس حمید الدین احمد (وفات ۶۳۰ھ = ۱۲۳۳ء مدفن حلب) بن سید صفی الدین صوفی (وفات ۷۱۱۔ = ۱۳۱۴ء مدفن بغداد) بن سید عبدالوہاب (وفات ۵۹۳ھ = ۱۱۹۲ء مدفن بغداد) بن سید عبدالقادر جیلانیؒ

آپ کے اجداد میں سے سید ابوالعباس احمد بن سید صفی الدین گیلانی ترک وطن کر کے حلب (شام) میں سکونت پذیر ہوئے اسی نسبت سے آپ کو حلبی بھی کہا گیا ہے۔ حضرت سید محمد غوث بھی وہیں پیدا ہوئے۔ اپنے والد بزرگوار کے ہاتھ پر بیعت کی اور خرقہ خلافت و ارشاد حاصل کیا۔ جوانی کے زمانہ میں دور دراز ملکوں کی سیرو سیاحت کی اور کئی مرتبہ حج بھی ادا کیا۔ سیاحت کے دوران لاہور آئے اور کچھ عرصہ لاہور اور ناگور میں قیام پذیر رہے۔ پھر حلب چلے گئے۔ والد کی وفات کے بعد متعلقین اور ملازمین کے ہمراہ براستہ خراسان ملتان آئے اور پھر "اوچ" میں آکر سکونت پزیر ہو گئے۔

آپ کی ذات سے برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ قادریہ کو بڑا فروغ حاصل ہوا اور بے شمار بندگان خدا نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ کے خلفاء میں سے آپ کے صاحبزادگان کے علاوہ سید محمد قادری شیخ غلام محمد قادری شیخ علو قادری اور سید میربغدادی کے نام قابل ذکر ہیں۔ قطب الدین لانگاہ جو قصبہ سی نواح سندھ کے حاکم تھے اور بعد میں شیخ محمد یوسف ملتانی کو قید کر کے دہلی بھیج کر ملتان کے حاکم بن گئے تھے۔ آپ کے مرید

تعلیم اور روحانی فیض حاصل کیا۔ اکثر استغراقی حالت میں رہتے تھے۔ اسی حالت میں اوچ سے روزانہ ہو کر "لکھی" جنگل میں جا کر رہے۔ پھر وہاں سے سیروسیاحت کرتے ہوئے خوشاب کے قریب جنگل میں پہنچے اور وہاں سخت ریاضتیں اور مجاہدے کئے۔ آپ کی نگاہ کی مستی کا یہ عالم تھا کہ جس پر نگاہ ڈالتے وہ مست و بے خود ہو جاتا۔ جب آپ کی خبر دور دور تک پھیل گئی تو شیخ معروف چشتی خوشاب سے چل کر آپ کی زیارت کو جنگل میں آئے آپ سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ اس کے بعد سید مبارک نے آپ سے کہا:

"پہلے تم شیخ معروف تھے اب ہم نے تم کو شاہ معروف کر دیا ہے۔ تم سے تصوف کا ایک جدید خانوادہ پیدا ہوگا۔ جس کو لوگ خاندان نوشاہی کہیں گے۔"

اس کے بعد سید مبارک لاہور جا کر رہے۔ ۹ شوال ۹۵۶ھ (۱۴۴۹) کو لاہور میں فوت ہوئے۔ آپ کی نعش "اوچ" میں لے جا کر اپنے والد کے جوار میں دفن کی گئی۔ آپ کے چار فرزند ہوئے: سید میر میراں سید بقا محمدؒ سید کرم علی اور سید بدر الدین۔ آپ کے بڑے فرزند سید میر میراں آپ کے سجادہ نشین ہوئے۔ سنہ ۹۸۶ھ (۱۵۷۸ء) میں انھوں نے وفات کی اور گورستان میانی میں مدفون ہوئے۔

حضرت مخدوم سید ابو عبداللہ محمد غوث کی اولاد

حضرت محمد غوثؒ کی اولاد اور ان کی اولاد بہت ہوئی اور پنجاب اور شمالی سندھ کے کئی شہروں اور قصبوں میں اب بھی موجود ہے۔ آپ کے بڑے صاحبزادے اور سجادہ نشین مخدوم سید عبدالقادر ثانی کے سات فرزند ہوئے ان میں سے ایک سید زین العابدین کے فرزند سید محمد غوث بالا پیر سنگھ دوی (وفات ۵۔ شوال ۹۵۹ = ۱۵۵۲ء) اپنے چچا سید حامد بخش سے ناراض ہو کر اوچ سے نکل کر قصبہ سنگھرہ میں آکر سکونت پذیر ہو گئے۔

حضرت مخدوم سید ابو الحسن جمال الدین موسیٰ پاک شہید

حضرت مخدوم محمد غوثؒ کے پانچویں سجادہ نشین تھے بڑے فاضل بزرگ تھے۔ آپ کا سلسلہ حضرت مخدوم محمد غوث سے اس طرح ملتا ہے۔

"سید ابو الحسن جمال الدین موسیٰ پاک شہید بن سید حامد بخش کلاں بن مخدوم سید عبدالقادر ثانیؒ" ان کے بڑے بھائی مخدوم سید عبدالقادر ثالث نے سجادہ نشینی کے متعلق

آپ سے جھگڑا کیا۔ جو عرصہ تک چلتا رہا۔ آخر حضرت موسیٰ پاک شہید نے جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے خلافت اپنے بھائی کی سپرد کی اور اوچ چھوڑ کر اکبر کی دربار میں آگئے۔ اکبر نے آپ کو پانچ سو کا منصب دیا۔ مذہبی معاملات میں وہ بادشاہ کی بھی پروا نہیں کرتے تھے۔ وہیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد ملتان آئے اور نواح ملتان میں لنگاہ قوم کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ شہادت کا سال مفتی غلام سرور کی کتاب "حدیقۃ الاولیاء" اور سید شریف احمد شرافت نوشاہی کی کتاب "شریف التواریخ" جلد اول میں ۱۰۰۱ھ (۱۵۹۲ء) آیا ہے شیخ عبدالحق غوث دہلوی نے "شمع جمع سیادت" سے ۹۹۸ھ (۱۵۸۹ء) اخذ کیا ہے اور یہی صحیح سال شہادت ہے۔ آپ کا مقبرہ ملتان میں ہے۔

سید عبدالقادر ثالث الملقب بہ مخدوم الملک

ان کا اصل نام سید نظام الدین تھا۔ آپ کو چار فرزند ہوئے۔ سید محمد شریف سید محمد سید شاب الدین اور سید عبدالرزاق الملقب بہ نواب عزت یار خان۔ سید عبدا لقادر ثالث کا مزار مقبرہ قادریہ کے اندر اوچ میں ہے۔

سید عبدالقادر ثالث کے بعد ان کے فرزند سید محمد شریف المعروف مخدوم شیخ حامد محمد شمس الدین ثانی سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے چار فرزند ہوئے لطف علی المعروف بہ سید عبدالقادر رابع سید مرشاہ سید زمان کلاں اور سید محمد شریف مخدوم۔ سید حامد شمس الدین ثالث کو چار فرزند ہوئے سید محمد علیؒ سید کمنہ شاہؒ سید گل شاہ اور سید محمد مراد شاہ۔ ان کا مزار مقبرہ قادریہ کے اندر اوچ میں ہے۔ مخدوم سید حامد محمد شمس الدین ثالث کے بعد ان کے فرزند سید محمد مراد شاہ المعروف مخدوم شیخ حامد محمد گنج بخش ثانی سجادہ نشین ہوئے۔ ان کا مزار مقبرہ قادریہ کے اندر اوچ میں ہے۔ انکا ایک ہی بیٹا تھا سید خدا داد المعروف مخدوم شیخ حامد محمد شمس الدنیا رابع نورانی جو اپنے والد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ وہ لا ولد فوت ہوئے۔ ان کا مزار مقبرہ قادریہ کے اندر اوچ میں ہے۔

چونکہ ان کو اولاد نہیں تھی اس لئے سجادہ نشینی ان کے دادا مخدوم سید شمس الدین ثالث کے چھوٹے بھائی سید محمد ثانی کی اولاد میں منتقل ہوئی اور اب تک انہیں میں ہے۔

مخدوم حامد محمد شمس الدین رابع نورانی کی وفات کے بعد سید سوہا ندا شاہ المعروف

مخدوم شیخ عبدالقادر خامس شہید بن سید مرتضیٰ بن سید محمد ثانی بن مخدوم سید عبدالقادر رابع سجادہ نشین ہوئے۔ ان کو سنہ ۱۱۶۳ھ (۱۷۵۰ء) میں حجام نے استرہ سے شہید کر دیا۔ مزار مقبرہ قادریہ میں ہے۔ ان کے تین بیٹے تھے۔ دو لاولد فوت ہوئے اور تیسرے سید فضل علی المعروف مخدوم شیخ حامد گنج بخش ثالث بانی قلع اوچ ۱۴ سال کی عمر میں سجادہ نشین ہوئے۔

حضرت سید فضل علی المعروف مخدوم شیخ حامد گنج بخش ثالث

آپ حضرت مخدوم غوثؒ کے تیرھویں سجادہ نشین تھے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام سید عبدالقادر خامس تھا۔ اوچ میں سنہ ۱۱۴۹ھ (۱۷۳۶ء) میں تولد ہوئے۔ والد کی وفات کے بعد کچھ عرصہ اپنے سسر نواب خان نثار خان گوجروالی ڈیرہ غازی خان کے پاس رہے۔ بعد ازاں اوچ واپس آئے۔ حاکم سندھ غلام شاہ کلہوڑہ آپ کا ہمزلف تھا۔ اس رشتہ کی وجہ سے حاکم سندھ میاں غلام شاہ کلہوڑہ کے ساتھ آپ کے روابط تھے۔ چونکہ میاں غلام شاہ کلہوڑہ کو نواب بہاولپور کے طرف سے خطرہ رہتا تھا۔ اس لئے میاں غلام شاہ کلہوڑہ نے آپ کو قلعہ اور محلات تعمیر کرنے کے لئے زر کثیر اور بیش بہا جواہرات عطا کئے۔ چنانچہ حضرت مخدوم صاحب نے اوچ میں قلعہ تعمیر کروایا اور اس کے اندر محل بنوا کر اس میں رہائش اختیار کی۔ یہ تعمیرات سنہ ۱۱۸۵ھ (۱۷۷۱ء) میں ہوئیں۔ میر علی شیر قانع نے اپنی کتاب تحفۃ الکرام (تاریخ سندھ) میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ۴۸ سال کی عمر میں ۲۲۔ ربیع الاخر سنہ ۱۱۹۷ھ (۱۷۸۳ء) میں ان کی وفات ہوئی اور مقبرہ قادریہ میں مدفون ہوئے۔ ان کو دو بیٹے ہوئے سید غوث بخش اور سید حسن بخش۔ دونوں یکے بعد دیگرے سجادہ نشین ہوئے۔

حضرت سید حسن بخش المعرف مخدوم شیخ حامد محمد گنج بخش رابع ملقب مخدوم جنگاور

حضرت مخدوم محمد غوثؒ کے پندرھویں سجادہ نشین تھے اور مخدوم سید حامد محمد گنج بخش ثالث بانی قلع کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ اپنے بڑے بھائی مخدوم سید عبدالقادر سادس کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کی طبیعت جنگجو تھی۔ اس لئے مخدوم جنگاور کہلاتے

تھے۔ نواباں ریاست بہاولپور کے ساتھ آپ کی مخالفت ہو گئی۔ اس لئے اوچ سے نکل کر قلعہ پلولی میں محصور ہوئے وہاں بھی فوج نے محاصرہ کیا تو گڑھی اختیار خان آکر کچھ دن رہے۔ آخر سندھ میں آگئے اور گھوٹکی کے قریب موضع قادر پور میں سکونت اختیار کی۔ وہاں ۲۴۔ ذوالعقد ۱۲۲۱ھ (۱۸۰۷ء) سب وفات پائی اور قادر پور میں مدفون ہوئے۔ ان کے پوتے مخدوم سید حامد محمد گنج بخش خامس نے ان کا تابوت اوچ میں لا کر دفن کر دیا۔

آپ کے دو فرزند ہوئے۔ حسین علی جو اپنے والد کے ساتھ سندھ چلے آئے اور اپنے والد کی وفات کے بعد قادر پور میں سجادہ نشین ہوئے۔ سنہ ۱۲۳۱ھ (۱۸۶ء) میں فوت ہوئے اور قادر پور میں مدفون ہوئے۔ ان کا ایک ہی بیٹا سید حسن بخش تھا جو اپنے والد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوا۔ بڑی حلیم طبیعت کے مالک تھے۔ ان کے حسن خلق سے متاثر ہو کر والی بہاولپور نے آپ کو اوچ واپس لائے۔ ربیع الاول ۱۲۸۴ھ (۱۸۶۷ء) میں فوت ہوئے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند نے سید محمد شاہ المعروف مخدوم شیخ حامد محمد شمس الدین سادس سجادہ نشین ہوئے۔

سید عبدالقادر

سید خداداد شمس الدین رابع نورانی کے خلیفہ تھے اور "کوٹ سدھانہ" (ضلع جھنگ) کے رہنے والے تھے۔ مشہور اہل اللہ ہو گزرے ہیں۔ سندھ کے پاگارہ خاندان کے جد امجد سید پیر محمد بقا شاہ نے اس بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ جب وہ کوٹ سدھانہ سے وار مبارک کی زیارت کے لئے روہڑی آئے ہوئے تھے۔ سید پیر محمد بقا کی روہڑی میں ان سے ملاقات ہوئی اور ان سے متاثر ہو کر ان کے مرید ہوئے۔

"کوٹ سدہانہ" کے جیلانی سادات کے متعلق روایت ہے کہ کسی زمانہ میں اوچ جیلانی کے سادات میں سے کچھ بزرگ نقل مکانی کر کے "کوٹ سدھانہ" میں رہائش پذیر ہوئے۔ پیر محمد بقا کے مرشد سید عبدالقادر انھی میں سے تھے اور یہ انھی (صالح لقب سے بھی مشہور تھے) کے خلیفہ تھے۔

فصل چہارم

حضرت سید محمد غوث گیلانی کے خاندان کے خلفاء اور مرید

حضرت سید محمد غوث گیلانی اور ان کے خاندان کے افراد نے برصغیر پاک و ہند کو روحانی فیض سے سیراب کیا جس سے کئی لوگ مستفیض ہوئے۔ ان کے خلفاء بھی پھیل گئے اور کئی لوگوں کی روحانی اور اخلاقی تربیت کی۔ خاص طور پر پنجاب میں ہر جگہ پر ان حضرات کے روحانی فیض کے اثرات موجود ہیں۔ ان کی اولاد کے افراد' ان کے خلفا اور مریدین' ان کے خلفا کے خلفاء اور مریدین ہر جگہ موجود ہیں۔ ان بزرگان دین کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت معروف خوشابی

حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کی اولاد میں سے تھے آپ کا شجرہ نسب حضرت بابا فریدؒ سے اس طرح ملتا ہے۔ "محمد معروف بن شیخ موسیٰ بن شیخ مودود بن شیخ بدر الدین سلیمان بن شیخ الاسلام حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر اجودھنی"۔

آپ کی ولادت بستی چشتیاں نواح پاک پتن میں ہوئی اپنے والد بزرگوار سے تعلیم حاصل کی اور روحانی فیض حاصل کرکے خرقہ خلافت پایا۔ کئی لوگ آپ کے روحانی فیض سے مستفیض ہوئے پھروہاں سے خوشاب کے جنگل میں موضع بولا کے قریب آکر رہنے لگے اور طالبان حق کو روحانی فیض دینے لگے کچھ عرصہ کے بعد خوشاب میں سکونت پذیر ہوئے۔ مخدوم سید مبارک حقانی گیلانی اوچ سے سیرو سیاحت کرتے ہوئے خوشاب کے جنگل میں وارد ہوئے اور آپ کے روحانی مرتبہ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ حضرت شاہ معروف بھی ان کا شہرہ سن کر زیارت کو گئے اور آپ کی ذات سے اتنا متاثر ہوئے کہ حضرت مخدوم

کی بیعت کی خرقہ خلافت حاصل کیا۔ جب مخدوم صاحب سے رخصت ہونے لگے تو حضرت مخدوم صاحب نے آپ کو فرمایا "پہلے تم شیخ معروف تھے آج ہم نے تمہیں شاہ معروف کر دیا"۔

کئی لوگوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ کی نظر میں بڑا اثر تھا۔ ابتدائی زمانہ چشتی طریقہ کے زیر اثر سماع سنتے تھے قادری سلسلہ میں داخل ہونے کے بعد بھی سماع کو ترک نہ کیا اس لئے آپ سے جو سلسلہ قادریہ نوشاہیہ جاری ہوا اس میں سماع و سرود مروج ہے لیکن دوسرے قادریہ سلسلہ کے بزرگوں کے یہاں سماع و سرود مروج نہیں ہے۔

حضرت مخدوم شاہ معروف کی وفات ۷ محرم ۹۸۷ھ (۱۵۷۹ء) میں ہوئی اور خوشاب میں مدفون ہوئے ہر سال محرم میں آپ کا عرس ہوتا ہے آپ کو اولاد نہیں ہوئی۔ آپ کے مرید اور خلفاء بہت تھے آپ کے خلفاء میں سے چند بزرگوں کے نام یہ ہیں:

(۱) حضرت شاہ سلیمان نوری بھلوالی

(۲) حضرت شیخ عبداللہ المعروف میاں منگو قریشی بھلوالی

(۳) حضرت سید عبداللطیف

(۴) حضرت سید شاہ محمد شیرازی شاہپوری

(۵) حضرت شیخ مرعلی رانجھا

(۶) حضرت بی بی بھاگ بھری صاحبہ

(۷) پنڈت دنی چند موضع بھلا کریالہ

(۸) مائی ندھان اہلیہ پنڈت دنی چند

حضرت شاہ سلیمان نوری بھلوالی

آپ قریش خاندان کے تھے ۸ ربیع و الاول ۹۱۴ھ (۱۵۰۸ء) میں بھلوال میں آپ کی ولادت ہوئی حضرت شاہ معروف سے روحانی فیض حاصل کیا اور کچھ عرصہ ان کی صحبت میں رہ کر خرقہ خلافت حاصل کیا ان سے رخصت ہو کر ان کے ارشادات کے مطابق کچھ عرصہ شاہ پور میں شاہ محمد شیرازی کے پاس رہے پھر سیر و سیاحت کرتے رہے۔ بارہ سال مختلف علاقوں کی سیاحت کرتے رہے آخر اپنے گاؤں بھلوال میں واپس آکر سکونت اختیار کی اور

کئی لوگوں کو مستفیض کیا۔

آپ اپنے پیر کی طرح سماع سنتے اور وجد کرتے تھے ۲۷ رمضان ۱۰۱۲ھ (۱۶۰۴ء) کو فوت ہوئے اور بھلوال (ضلع سرگودھا) میں مدفون ہوئے آپ کے دو فرزند ہوئے۔

۱۔ حضرت شیخ رحیم داد

۲۔ حضرت تاج محمود

آپ کی وفات کے بعد آپ کے بڑے فرزند حضرت شیخ رحیم داد سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کے مریدوں اور خلفاء کی بہت بڑی تعداد تھی۔ آپ کے خلفاء میں سے چند نام یہ ہیں:

(۱) حضرت شاہ حاجی محمد نوشہ گنج بخش علوی

(۲) ملا کریم الدین جوکالوی (جوکالی، ضلع گجرات)

(۳) دیوان ابو الفتح مہرت سدا کنبوئی (سدا کنبو، ضلع سرگودھا)

(۴) ملا غازی گوندل بھلوالی

(۵) شیخ ہمون فقیر

(۶) چوہدری تیہو تارڑ

(۷) چوہدری علاؤ دین تارڑ

(۸) شیخ ہندی

(۹) بابا للن شاہ درویش

حضرت سید شاہ حاجی محمد نوشہ گنج بخش علوی

آپ کا نام حاجی محمد تھا اور لقب سامی نوشہ اور خطاب گنج بخش تھا آپ کے والد بزرگوار کا نام حضرت سید ابو اسماعیل علاؤالدین حسین غازی تھا جو اہل دل بزرگ تھے اور پیا دل سات حج کر چکے تھے ان کا مزار درگاہ حاجی غازی صاحب کے نام سے مشہور ہے۔ نسب کے لحاظ سے آپ علوی عباسی خاندان کے فرد تھے۔ آپ کی ولادت ۱۔ رمضان ۹۵۹ھ (۱۵۵۲ء) میں گھگاوالی میں ہوئی اپنے والد بزرگوار اور دوسرے علماء سے تعلیم حاصل کی۔ شادی کے بعد آپ نے گھگاوالی کو چھوڑ کر اپنے سسرال کے گھر نوشہرہ تارڑاں میں

قیام کیا۔ حضرت سخی شاہ سلیمان نوری بھلوالی سے روحانی فیض حاصل کیا۔ بڑے عابد، زاہد اور صاحب کرامات بزرگ تھے۔ آپ ہمیشہ ذکر و فکر میں مشغول رہتے تھے۔ آپ بڑے حلیم، شفیق تھے غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ محبت رکھتے تھے۔ آپ کی محفل میں اکثر سماع ہوتا تھا۔ آپ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ آپ کا انتقال ۸ ربیع الاول ۱۰۶۴ھ (۱۶۵۴ء) کو بمقام ساہنپال ہوا۔ آپ کے دو صاحبزادے اور ایک بیٹی تھیں صاحبزادوں کے نام یہ ہیں:

(۱) حضرت شاہ حافظ محمد برخوردار بحرا لعشق (وفات ۱۵۔ ذوالقعد ۱۰۹۳ھ)

(۲) حضرت شاہ محمد ہاشم دریا دل (وفات ۲۲۔ ذوالحج ۱۰۹۲ھ)

آپ کے مریدوں اور خلفاء کی بہت بڑی تعداد ہے خلفاء میں سے چند بزرگوں کے نام یہ ہیں:

(۱) شیخ رحمداد فرزند اکبر و سجادہ نشین حضرت سخی شاہ سلیمان نوری بھلوال

(۲) شیخ تاج محمود فرزند اکبر سخی شاہ سلیمان

(۳) شاہ حافظ محمد برخوردار بحرا لعشق فرزند اکبر و سجادہ نشین

(۴) حضرت شاہ ہاشم دریا دل فرزند اصغر حضرت نوشہ صاحب

(۵) حافظ معموری ساکن ہیلاں ضلع گجرات

(۶) شیخ حافظ نور محمد نوری مدفن محلہ رنگ پورہ سیالکوٹ

(۷) سید خواجہ محمد فضیل وحی مدفون بنی حصار کابل

(۸) شیخ شاہ محمد قطب قندھار وغیرہ

آپ کی اولاد بہت پھیلی آپ کی اولاد اور ان کی اولاد، آپ کے خلفاء اور ان کے خلفاء کا بہت طویل سلسلہ ہے جن کے صرف نام دیئے جائیں تو بھی کئی صفحات درکار ہوں گے۔ صرف آپ کے خلفاء کے تین سو سے زائد نام ملتے ہیں آپ کے جاری کردہ روحانی سلسلہ کو آپ کی اولاد اور خلفاء نے خوب پھیلایا اور پنجاب کی سرزمین کو روحانی اور اخلاقی فیض سے مالا مال کیا۔

لغوی لحاظ سے نوشہ کے معنی ہے: نوجوان، داماد، دولہا، خوش، خرم، خوشحال۔ صوفیانہ اصلاح میں نوشہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کو اپنے محبوب حقیقی سے وصال حاصل ہو اور

اپنی ہستی کو فنا کر کے ذات حقیقی سے بقا حاصل کی ہو۔ حضرت شاہ حاجی محمد صاحب نے اعلیٰ روحانی' مرتبہ حاصل کیا اس وجہ سے نوشہ گنج بخش مشہور ہوئے۔

آپ تصنیف و تالیف سے زیادہ تبلیغ کو پسند کرتے تھے آپ کے فیض اثر سے بے شمار لوگ راہ راست پر آئے آپ نے لاتعداد لوگوں کی روحانی تربیت فرمائی اپنا وقت عبادت اور ریاضت میں گزارنے کے ساتھ لوگوں کی روحانی' اخلاقی اور معاشرتی اصلاح میں بھی صرف کیا آپ نے تصنیف اور تالیف پر زیادہ توجہ نہیں دی پھر بھی چند کتابیں آپ کے نام سے منسوب ہیں جن کے نام یہ ہیں:

(۱) گنج الاسرار: یہ اشعار کا مجموعہ ہے جو ہندی (بھاشا) زبان میں ہے اور ان میں قادریہ سلسلہ کے اشغال اور اذکار بیان کئے گئے ہیں۔

(۲) مثنوی رباعیہ

(۳) چہار بہار: آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔

(۴) کلمات طیبات (فارسی)

(۵) جواہر المکنون سو ارشادات کا مجموعہ

(۶) لطائف ارشادات

(۷) ذخائر الجواہر فی بصائر الزواہر

(۸) مکتوبات

(۹) مقالات

آپ کے کلمات سے چند کلمات یہاں پیش کئے جاتے ہیں:

انسان: فرمایا انسان کے جسم میں بہت سی صفتیں اور بیشار جوہر قدرت نے رکھے ہیں خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی معرفت جس قدر انسان میں ہے کسی دوسری مخلوق میں نہیں ہے اس لئے انسان کا مرتبہ تمام مخلوق سے بلند تر ہے۔

دنیا: فرمایا: دنیا ایسی زہریلی ہے کہ اس کا زہر تمام مشہور زہروں سے زیادہ خطرناک ہے اور اس کی صورت تمام زہریلے سانپوں سے علیحدہ ہے اس کا بیمار بھی اسی کے حاصل ہونے سے خوش ہوتا ہے اور اس کا زخمی بھی اسی کے حصول سے اپنی مرہم تلاش کرتا ہے۔

فرمایا: اے درویش! ابلیس کے مکرو فریب سے بچنے کی کوشش کرو دنیا کمینی کی حرص کو دل سے دور کر کے خدا کی محبت سے اس کو منور کرو۔

معرفت: فرمایا اذکار پاس انفاس' ونفی اثبات و سلطان الاذکار جواز قسم اشغال درویشوں نے اختیار کئے ہیں یہ اس لئے کہ انسان بیہودہ کاموں سے بچے رہیں اور ان کے دم ضائع اور خدا کی یاد سے غافل نہ ہو جائیں' ورنہ خدا تعالیٰ کی معرفت کا تعلق عقل سے ہے جب تک ہوش کو دنیا کی طرف سے فراموش نہ کریں اور وحدت کے دریا میں غوطہ نہ لگائیں اور خدا کی الوہیت اور اپنی عبودیت کو نہ پہچانیں اذکار و اشغال سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

ہمہ از اوست: اے درویش! جب تم ہمہ از اوست کے بھید سے واقف ہو جاؤ گے تو اس کی درگاہ سے بیشک مقبول ہو جاؤ گے۔ جو خیال میں آوے اس سے جانو' جو وہم میں آوے اس سے سمجھو' جس سے تم کو جدا کرتا ہے اس سے علیحدہ ہو جاتے ہو جس سے تم کو وابستہ کرتا ہے اس سے تم مل جاتے ہو۔ تمہاری حرکات گیند کی طرح ہیں اور چوگان اسی کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ تمہاری ہستی کا قیام اس کی ذات و صفات کا پرتو ہے اس کے حکم کے بغیر تمہاری زبان گویا نہیں ہو سکتی اور بغیر حکم کے تمہاری ناک کچھ سونگھ نہیں سکتی اس کے بغیر تم ایک سانس نہیں لے سکتے خواہ باہر نکالو یا اندر کھینچنے کی کوشش کرو۔ بہار کی تاثیر اور رنگ اور نام کیسا بنایا ہے؟ اور بادل میں بارش کا قطرہ کس طرح بناتا ہے؟ خواب میں وہ کس طرح چیزیں تم کو دکھاتا ہے کہاں سے لاتا ہے اور پھر کہاں لے جاتا ہے دیکھنا اور سننا تمہارے وجود میں کس طرح ہے ..... وہ ہر زمانہ میں اور ہر حال میں موجود ہے آسمان اسی کے حکم سے پھر رہا ہے ذرہ ناچیز اسی کے حکم سے رقص کر رہا ہے .... کوئی جگہ اس سے خالی نہیں ہے اور وہ جگہ سے پاک ہے جو کچھ ہم سے کرواتا ہے بیشک ہم وہی کرتے ہیں اگر اس کی مرضی نہ ہو تو ہم کیسے کر سکتے ہیں ہوش والے اور بدمست' شرابی و میفروش' فقیہ اور بت پرست سب اسی سے ہیں خالق و مخلوق میں یہی فرق ہے کہ خالق جو کچھ چاہے وہ کرتا ہے اور مخلوق بے حس و حرکت ہے اس سے کچھ نہیں ہو سکتا...

اے درویش! اگر گناہ کرنیوالے ہم ہوں تو مخلوق ہونا ہم سے جدا ہو جاوے اگرچہ وہ گناہ ہے لیکن کسی چیز کے بنانے کی قوت جب ہم کو ہو گئی تو ہم خالق ہو گئے مخلوق کا

صرف اسی سے مختص ہے جس سے خود بخود کوئی حس و حرکت ظاہر نہ ہو تم دولاب کی طرح پھر رہے ہو پانی کا نکالنا تمہاری طرف منسوب ہے مگر دراصل پھرنا تمہارے قبضے میں نہیں ہے تم تو ایک سبب ہو اسباب بنانے والا وہی ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن نوشاہی

حضرت حاجی نوشہ گنج بخش کے خلیفہ تھے آپ کو سماع کا بہت شوق تھا اور سماع سننے سے آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی ریاضت و مجاہدہ کا یہ حال تھا کہ تمام رات حبس دم ذکر خفی کرتے۔ کئی لوگوں کو روحانی فیض سے مستفید کیا۔ سلسلہ نوشاہیہ عالیہ میں سب بزرگ صاحب وجد و سماع اور شوق و ذوق گزرے ہیں لیکن شیخ عبدالرحمٰن کے فقراء سماع کے وقت سب سے زیادہ مست ہو جاتے ہیں آپ کے فقراء کا سلسلہ "پاک رحمٰن" کہلاتا ہے آپ ۴ محرم ۱۱۱۵ھ (۱۷۰۳ء) کو فوت ہوئے مزار موضع بھڑی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

پیر محمد سچیار قادری

آپ کا نام پیر محمد اور لقب "سچیار" تھا آپ حضرت نوشہ گنج بخش کے مرید اور خلیفہ تھے آپ کے پیر حضرت نوشہ گنج بخش نے ایک مرتبہ آپ کے متعلق فرمایا "پیر محمد ہمارا سچا یار ہے اور امتحان میں پاس ہوا ہے" اس روز سے آپ کا لقب "سچیار" مشہور ہو گیا۔

آپ گکھڑ قوم کے بیر آل خاندان سے تھے۔ آپ کے والد کا نام "علی" تھا۔ آپ کی ولادت ۱۰۱۳ھ (۱۶۰۴ء) میں علاقہ پوٹھوہار کی تحصیل گوجر خان کے گاؤں "تزالی" میں ہوئی۔ اوائل عمر میں ہی مرشد کی تلاش میں نکلے اور حضرت نوشہ گنج بخش کی شہرت سن کر ساہن پال میں آپ کی خدمت میں جا کر آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے مرشد کے ارشاد کے مطابق نوشہرہ مغلاں میں جا کر سکونت پذیر ہو گئے۔ آپ کی رہائش کے بعد اس گاؤں اور اس علاقہ کے بے شمار لوگوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا آپ کی طبیعت وجد و سماع، شوق و ذوق کی طرف مائل تھی سنہ ۱۱۲۰ھ (۱۶۱۱ء) میں فوت ہوئے۔

شیخ داؤد چونی وال شیر گڑھی

آپ کا شجرہ نسب حضرت امام موسیٰ کاظم سے ملتا ہے۔ آپ کے جد امجد سید تقی الدین عرب سے کرمان آئے ان سے آپ کے شجرہ نسب اس طرح ملتا ہے:

سید تقی الدین احمد

صفی الدین آدم

میر فیض اللہ باقی (اچ کے قصبہ داؤد جال میں رہنے لگے) — کاظم علی — سہ دختر

کاظم علی: ابوالحسن و محمد رشید (اچ میں رہے)

میر فیض اللہ باقی: سید محمد مبارک (اچ میں رہے)

سید محمد مبارک: سید فتح اللہ — سید محمد ہارون — سید اللہ داد — سعد اللہ

سید فتح اللہ: فاطمہ — سید رحمت اللہ — سید داؤد — سید جلال الدین — خوند بی بی

سید رحمت اللہ: شاہ ابوالمعالی

کرمان سے سنہ ۹۰۰ھ (۱۴۹۴ء) کے آغاز میں اس خاندان سے میر سید فیض اللہ باقی اور سید مبارک اوچ کے قریب داؤد جال میں آکر رہنے لگے۔ دوسری روایت کے مطابق نواحی ملتان کے قصبہ سیت پور میں آباد ہو گئے سید داؤد کے والد بزرگوار کا نام سید فتح اللہ تھا جو سید داؤد کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو گئے۔ والد کی وفات کے چار ماہ بعد سید داؤد تولد ہوئے۔ ان کے بڑے بھائی سید رحمت اللہ نے ان کی پرورش و تربیت کی۔ بعد میں یہ خاندان سیت پور سے چونی یا چونیاں ضلع لاہور میں سکونت پذیر ہو گئے پھر دیپالپور کے قریب شیر گڑھ میں رہائش پذیر ہو گئے۔

سید داؤد نے علوم ظاہرہ کی تعلیم مولانا اسماعیل لاہوری سے حاصل کی پھر باطنی علوم حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے شام سے صبح تک عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ طریقت میں حضرت سید حامد بخش کلاں (وفات ۹۷۵ھ (۱۵۶۷ء) سجادہ نشین سید محمد غوث حلبی اوچی کے خلیفہ تھے۔ سنہ ۹۸۲ھ (۱۵۷۴ء) میں فوت ہوئے اور شیر گڑھ میں مدفون ہوئے کئی لوگوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا اور آپ کے بہت سے خلفاء ہوئے جن میں بعض کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

سید خیر الدین ابو المعالی

یہ بزرگ سید داؤد کے چچا رحمت اللہ کے فرزند تھے شیر گڑھ میں سنہ ۹۶۰ھ (۱۵۵۳ء)

میں تولد ہوئے اپنے والد اور چچا سے تعلیم و تربیت حاصل کی اور اپنے چچا سید داؤد کے زیر ہدایت روحانیت کی منازل طے کیں۔ بڑی ریاضتیں اور مجاہدے کئے اپنے چچا اور پیر سید داؤد کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ نامزد ہوئے۔ ۲۹ سال تک وہیں رہے اس کے بعد اپنے پیر کے روحانی ارشاد کے مطابق خلافت ان کے بیٹے عبداللہ کے حوالے کی اور خود ۱۰۱۱ (۱۶۰۲ء) میں لاہور آگئے۔

شیر گڑھ سے جب لاہور آئے تو کئی جگہوں پر کنویں تالاب اور باغ بنائے جو شاہ ابو المعالی کی جھوک کے نام سے مشہور ہوئے شیر گڑھ چھوڑنے سے پہلے وہ ایک مرتبہ دہلی بھی گئے اور ایک مرتبہ ٹھٹہ بھی گئے تھے جہاں بابا شاعر نیازی سے ان کی ملاقات ہوئی تھی۔

شاہ صاحب جب لاہور پہنچے تو ان کی فقیری' درویشی' پاک بینی اور دیدہ وری کی بہت شہرت ہوئی اور لوگ دور دراز سے فیض پانے کے لئے حاضر ہونے لگے اور مرید ہوتے گئے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی جو خود بھی عالم فاضل' شاعر اور صوفی تھے آپ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے عبدالقادر بدایونی اور ملک الشعراء فیضی بھی آپ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب کو اپنے پیر سید داؤد سے عشق کی حد تک محبت تھی۔ قادریہ سلسلہ کے بانی حضرت سید عبدالقادر جیلانی سے آپ کو والہانہ عقیدت تھی۔

حضرت شاہ صاحب کو شعرو شاعری اور تصنیف و تالیف سے بھی دلچسپی تھی آپ کا مکمل دیوان موجود ہے اس کے علاوہ دوسری کتابوں میں بھی بعض جگہ آپ کے اشعار ملتے ہیں۔ آپ کے تالیفات میں مندرجہ ذیل نام ملتے ہیں۔

(۱) تحفہ قادریہ (۲) رسالہ شوقیہ (۳) مونس جان (۴) زعفران زار (۵) گلدستہ باغ ارم (۶) روضتہ الاوراد (۷) اصول صوفیہ (۸) رسالہ نوریہ (۹) ہشت محفل (ملفوظات)

تحفتہ القادریہ: میں آپ نے حضرت سید عبدالقادر جیلانی کی سوانح مرتب کی ہے۔

رسالہ شوقیہ: میں طالبان حق کی محفل میں جو گریہ و زاری ہوتی ہے اس کی وضاحت کی ہے۔

گلدستہ باغ ارم: لطائف و ظرافت اور نکات و حکم پر مشتمل ہے آپ نے بتایا ہے کہ روحانی قبض کی حالت میں لطائف اکثر بساط انگیز ہوا کرتے ہیں۔

زعفران زار: اس میں آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطائبات' صحابہ کرام کے وہ لطائف جو رسول خدا کے روبرو ہوئے اور وہ لطائف جو اصحاب و احباب کے درمیان واقع ہوئے' بیان کئے ہیں۔ ان کے علاوہ برمحل اشعار بھی دیئے ہیں۔

مونس جان: اس میں وہ حکایات ہیں۔ جو راحت دل کا باعث ہو سکتی ہیں۔

روضتہ الاوراد: اس میں قادریہ سلسلہ کے اوراد ہیں۔ اس میں شب بیداری اور ذکر و شغل کے لئے اور اوراد وظائف بتائے گئے ہیں۔

اصول صوفیہ: اس مختصر رسالہ میں فقرو سلوک کے اصول بتائے گئے ہیں۔

رسالہ نوریہ: میں طریقت کی بنیادی باتوں کی تلقین کی گئی ہے۔ بظاہر یہ رسالہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی کے اقوال پر مشتمل ہے۔ اقوال عربی میں ہیں۔ شاہ صاحب نے ان کا فارسی میں ترجمہ دیا ہے اور تشریحی اضافے بھی کئے ہیں۔ جابجا اشعار بھی داخل کئے گئے ہیں۔

ترجمہ یازدہ ابیات قصیدہ الصابیہ: یہ قصیدہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی کا ہے۔ جس کا پہلا شعر اس طرح ہے۔

مانی الصبابۃ منہل و منعب　　الا ولی فیھا الا لنا لا طب

شاہ صاحب نے اس کا ترجمہ اور شرح کی ہے۔

دیوان: شاہ صاحب شاعر بھی تھے۔ آپ کا مکمل دیوان موجود ہے۔ غزلیات کے علاوہ آپ کے قصیدے' رباعیات اور قطعات بھی ملتے ہیں۔ آپ "غربتی" تخلص کرتے تھے' بعض جگہ "مسلمی" تخلص بھی کیا ہے۔ آپ کی شاعری سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کی نظر میں عشق کے بغیر انسان کامل نہیں ہوتا۔ فرماتے ہیں:

غربتی ساں ہر کری سوزد عشق　　در کلامشی سوز و ساز دیگراست
تازگی دارد دگر ایں بار عشق غربتی　　زانکہ میلش باجواں تازہ ای نوخیز بود

ہشت محفل: آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے' جو آپ کے فرزند سید محمد باقر نے مرتب کیا۔ اس میں کسی سال کے رمضان کی آٹھ محفلوں کا ذکر ہے۔ نمونہ کے طور پر چند اقوال پیش کئے جاتے ہیں:

○ ایک شخص آیا اور اس نے پوچھا: **الفقر سواد الوجه فی الدارین** کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا: علمائے ظاہری فقر کو اضطراری سمجھتے ہیں اور صوفیہ اس کو اختیاری۔ حضرت غوث الثقلین نے فرمایا ہے۔ کمال فقر یہ ہے کہ مرتبہ فنا حاصل ہو۔ دنیا و مافیها اس مقام کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ فقیر کو اپنے نور کی چادر سے ڈھانپ لیتا ہے۔

○ ایک شخص کو مرید بنانے کے بعد فرمایا: تم پر فرض ہے سچ بولو' حلال کھاؤ اور ہر حالت میں اخلاص سے کام لو۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے دل کی اصلاح تقویٰ' توکل' توحید اور اخلاص سے ہوتی ہے۔ اور اس کی خرابی ان چیزوں کے نہ ہونے سے ہوتی ہے۔

○ فرمایا: ولی وہ شخص ہے' جو ذات و صفات الٰہی کا عارف ہو' فرامین الٰہی کا پابند ہو' گناہوں سے بچتا ہو۔ شہوات سے پرہیز کرتا ہو۔

حضرت شاہ صاحب نے اپنے ملفوظات میں حضرت سید عبدالقادر جیلانی کے قول کثرت سے نقل کئے ہیں' محفل اول کی شروعات ہی اس طرح ہوتی ہے:

"کسی نے حضرت غوث الثقلین سے درخواست کی کہ ہمیں نصیحت فرمایئے۔ انہوں نے کہا: قرآن پڑھو' امرونہی کا خیال رکھو' اگر تمہارے پاس فقیر یا مسافر آئے تو اسے ماحضر پیش کرو۔ غیر حاضری میں بھی سامنے بھی ہمیشہ سچ کہو۔ منافقت سے بچو' ہمیشہ باوضو رہو' جو میرا نائب ہے' اس کی تعظیم کرو' راضی بہ رضا رہو۔"

حضرت شاہ ابو المعالی ۱۶ ربیع الاول ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ء) کو فوت ہوئے اور لاہور میں مدفون ہوئے۔

شاہ علی محمد

حضرت شاہ علی محمد الملقب بہ "شیر شاہ" سنہ ۹۵۰ھ (۱۵۴۳ء) میں مشہد سے نقل مکانی کرکے یہاں آئے۔ حضرت سید محمد غوث بندگی گیلانی کے مرید ہوئے اور بارہ سال متواتر "چاہ شیر والا" پر لب دریا ریاضت و مجاہدوں میں مصروف رہے۔ ان کے چلہ کی وجہ سے وہ جگہ "چاہ چلہ والا" کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کے بے شمار مرید ہوئے۔ آپ غریبوں' مسکینوں' مسافروں اور فقراء کی بڑی خدمت کرتے تھے۔ روایت ہے کہ آپ کی عادت تھی کہ آپ روزانہ بعد نماز مغرب چالیس فقرا کے پاؤں دبایا کرتے تھے۔

آپ کے چھ فرزند ہوئے جن میں سے شاہ شیر محمد صاحب اولاد ہوئے۔ آپ کا مقبرہ دریائے چناب کے کنارے اکبر بادشاہ کے زمانے میں بمقام شیر شاہ تعمیر ہوا۔ دریا کی طغیانی کی وجہ سے مقبرہ گر چکا ہے۔ آپ کا تابوت نکال کر شیر شاہ کے نزدیک "چاہ شریفاں والا" پر دفن کیا گیا۔

میر محمد تقی نوشاہی پشاوری

شاہی منصب دار تھے۔ جب شیخ خردار عدل (متوفی ۱۱۴۰ھ = ۱۷۲۸ء) خلیفہ شیخ عبدالرحمان نوشاہی (جن کا ذکر آچکا ہے) سیرو سیاحت کرتے ہوئے پشاور آئے۔ تو میر محمد تقی انکی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کی شخصیت سے متاثر ہو کر خاندان نوشاہیہ کے عقیدت مند ہو گئے۔ اس کے بعد پا پیادہ ساہن پال (ضلع گجرات) پہنچے اور سلسلہ نوشاہیہ کے اس وقت کے پیر طریقت سید شاہ حشمت اللہ حمزہ پہلوان نوشاہی (متوفی ۱۱۳۷ھ = ۱۷۲۴ء) کے دست حق پرست پر بیعت کرکے روحانیت کی منازل طے کیں۔ آخر خلافت سے سرفراز ہو کر وطن واپس ہوئے اور پشاور میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ قریباً ۱۱۷۰ھ (۱۷۵۶ء) میں آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔

شاہ عبداللہ بیابانی

حضرت شاہ بلاق کے خلیفہ تھے' جو پیر محمد سچیار نوشہروی کے خلیفہ تھے۔ شاہ عبداللہ نے شاہ بلاق کی خدمت میں رہ کر ریاضتیں اور مجاہدے کئے۔ پیر کے ارشاد کے مطابق راولپنڈی کے علاقہ میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ ۱۱۹۰ھ (۱۷۷۶ء) میں وفات پائی۔ آپ کے خلیفہ شاہ ظہور الدین کابلی (وفات ۱۲۰۰ھ = ۱۷۸۵ء) آپ کا جنازہ لے کر پشاور آئے اور اس جگہ پر دفنایا' جہاں پشاور میں آپ کا مزار ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں جنگل و بیابان تھا' اس لئے "بیابانی" کہلائے۔ اب یہ جگہ پشاور کی آبادی میں آگئی ہے۔ جو کچہری دروازہ اور ریتی دروازہ کے باہر ہے۔

خواجہ فقیر محمد ملقب بہ خواجہ خضری

آپ کا سلسلہ نسب تیسری پشت میں حضرت قاری حافظ محمد عبداللہ سے ملتا ہے' جو اپنے زمانہ کے اہل دل بزرگ ہو گزرے ہیں۔ خواجہ فقیر محمد کی چونکہ خواجہ خضر علیہ السلام

سے ملاقات ہوئی تھی' اس لئے خضری کہلائے۔ خواجہ خضر کے اشارہ پر گنجھر (مظفر آباد آزاد کشمیر) میں آکر وہاں کے مشہور بزرگ حضرت محمد انور پاشا قادری کے مرید ہوئے اور سلسلہ قادریہ میں خرقہ خلافت حاصل کیا۔ اس کے بعد تمام عمر رشد و ہدایت' عبادت و ریاضت میں گزاری' ۹۲ سال کی عمر میں ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء) میں وفات کی۔ آپ کے فرزند شاہ عبدالرحمان چھوری صوبہ سرحد کے بہت بڑے بزرگ ہو گزرے ہیں۔

حضرت عبدالوہاب مشہور بہ پیر مانکی شریف

ان کے آبا و اجداد اکوڑہ خٹک (تحصیل نوشہرہ' ضلع پشاور) کے رہنے والے تھے۔ لیکن سکھا شاہی کے زمانہ میں سکھوں کے مظالم سے تنگ آکر حضرت عبدالوہاب کے والد بزرگوار مولانا ضیاء الدین نقل مکانی کرکے "بداشی" آئے' جو نوشہرہ چھاؤنی کے قریب ہے۔ حضرت عبدالوہاب نے حضرت اخوند سوات کے دست حق پرست پر سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے۔

۱۸۶۳ء میں انگریز فوج نے مالا کنڈ اور علاقہ سوات پر قبضہ کرنے کے لئے پیش قدمی کی' کیونکہ مجاہدین نے حادثہ بالا کوٹ کے بعد اس علاقہ کو اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں کا مرکز بنایا تھا۔ اخوند سوات' بنیر اور سوات کے مجاہدوں کے ساتھ جنگ امبیلہ میں انگریزوں کے ساتھ لڑے۔ اپنے پیر کے ساتھ حضرت عبدالوہاب نے بھی جہاد میں حصہ لیا اور بہادری کے جوہر دکھائے۔ حضرت اخوند نے انہیں اپنے خاص مریدوں میں شامل کر لیا۔

حضرت عبدالوہاب نے اپنے علاقہ میں توہمات کی بیخ کنی کرنے میں بڑی جدوجہد کی۔ انہوں نے لوگوں کو اخلاقی اقدار اور شریعت کا پابند بنانے میں سخت کوشش کی۔ آخر انہوں نے "مانکی شریف" کو اپنی رشد و ہدایت کا مرکز بنایا اور وہیں سکونت اختیار کی۔ یہی وجہ ہے کہ "پیر مانکی شریف" مشہور ہوئے اور بے شمار لوگ ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے۔

اخوند سوات کے مریدوں میں دو بزرگ بہت مشہور تھے' حضرت عبدالوہاب پیر مانکی شریف اور "اڈے ملا صاحب" فروعی مسائل میں ان دو پیر بھائیوں میں اختلاف ہوگیا' جس نے شدت اختیار کی۔ پیر مانکی شریف کا کہنا تھا کہ نماز میں قعدے کی حالت میں تشہد کے وقت انگلی اٹھانا حرام ہے۔ اڈے ملا صاحب کی تحقیق کے مطابق انگلی اٹھانا سنت ہے۔ دونوں میں اس مسئلہ پر مناظرہ بھی

حضرت پیر عبدالوہاب مغربی تہذیب سے متنفر تھے۔ ۱۹ شعبان ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۴ء) کو فوت ہوئے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے عبدالحق ثانی سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کے خلفاء میں سے آپ کے فرزندوں کے علاوہ صاحبزادہ صاحب خوشگی' کابل ملا صاحب' میاں صاحب کا کڑک (افغانستان) گنڈیری ملا صاحب رانی زے' دکن ملا صاحب' یار حسین ملا صاحب' عبدالمنان' حاجی صاحب بنوں' قاشقار ملا صاحب' مولانا تاج الدین' سلمان ملا صاحب' اچنی ملا' تیرا ملا' جنت شاہ ملا باجوڑ' ملا محمد اعظم کے نام قابل ذکر ہیں۔

حضرت عبدالوہاب کی تصانیف میں سے احکام المذاہب اور ہدایت الابرار مشہور ہیں۔

جام ماںجھی سلطان

یہ بزرگ قوم کے سرائی تھے۔ اور میاں نصیر محمد کلہوڑہ کے مرید اور سہروردی مہدوی سلسلہ سے وابستہ تھے۔ جب حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش سیر و سیاحت کی غرض سے سندھ میں آئے' تو میاں ماںجھی کی ان سے ملاقات ہوئی' میاں ماںجھی ان سے بہت متاثر ہوئے اور ان کے مرید ہو گئے۔ میاں نصیر محمد کے جد امجد میاں آدم شاہ کلہوڑہ کا شجرہ طریقت میراں محمد جونپوری (ولادت ۸۴۷ھ' وفات فراہ (قندھار) ۹ ذوالقعد ۹۱۰ھ = ۱۵۰۵ء) سے ملتا ہے۔ میاں نور محمد کلہوڑہ نے منشور الوصیت میں لکھا ہے کہ کلہوڑہ خاندان کا سلسلہ طریقت سہروردی ہے اور میراں محمد جونپوری سے ملتا ہے۔ انہوں نے اپنا شجرہ طریقت اس طرح درج کیا ہے۔

"میاں ماںجھی مرید میاں نصیر محمد سندھی کے وہ مرید شاہ علی محمد (شاہل محمد) کے' وہ مرید شیخ الیاس ثانی کے' وہ مرید شیخ داؤد شاہ کے' وہ مرید شیخ الیاس کے' وہ مرید شیخ محمد شاہ کیری کے' وہ مرید شیخ آدم شاہ کے' وہ مرید شیخ ابوبکر جتوئی کے' وہ مرید میاں عیسیٰ شاہ قوم پلسرہ نومزیہ ساکن روہڑی' سکھر کے وہ مرید میراں شاہ مشہدی جونپوری سہروردی (میراں محمد جونپوری) کے' (۳) سید شرافت نوشاہی نے مزید یہ بھی لکھا ہے۔ کہ میاں عیسیٰ شاہ پہلے عبداللہ شاہ گوڑیہ کے مرید تھے۔ پھر ان کے پیر سید میراں شاہ مشہدی (مہدی) کے بلاواسطہ مرید ہو گئے۔ انہوں نے میاں عیسیٰ کو خلافت دے کر روہڑی۔ سکھر پر مامور کیا اور ہدایت کی کہ سرائی لوگوں (کلہوڑوں) کو مسخر کرکے حکومت حاصل کرنے کی کوشش

کرنا۔(۴)

جب حضرت نوشہ صاحب میاں ماجھی کو فیض دے کر واپس پنجاب چلے گئے' تو بعد میں ماجھی کو اپنے مرشد کی زیارت کا شوق غالب ہو گیا۔ چنانچہ پنجاب کی طرف روانہ ہو گئے۔ "نوشہرہ مغلاں" میں بیجار صاحب سے ان کی ملاقات ہوئی اور بیجار صاحب کو روحانی فیض سے مستفیض کیا۔ نوشہرہ سے حضرت بیجار صاحب کے ساتھ حضرت نوشہ صاحب کی خدمت میں آئے۔ حضرت نوشہ صاحب نے' حضرت بیجار صاحب سے فرمایا۔ "میاں پیر محمد! اس یار کو میری مثل سمجھنا' اس روز سے بیجار صاحب میاں ماجھی صاحب کا ادب حضرت نوشہ صاحب سے کم نہیں کرتے تھے۔ (۵)

فقیر سید غلام محی الدین نے "شریف الفقراء" میں لکھا ہے۔ کہ "حضرت ماجھی کامل مرد تھے۔ شریعت کے لباس سے آراستہ اور طریقت کے زیور سے پیراستہ' ہمیشہ روزہ رکھنے والے' ساری رات عبادت کرنے والے' نماز کی محبت والے' شریعت کے پابند' پرہیزگار تھے۔ آپ کو حضرت بلالؓ سے بہت محبت تھی۔ کہتے تھے کہ ہم لوگ حضرت رسول کریمؐ کے غلام حضرت بلالؓ کے غلام ہیں۔ انہی سے منسوب ہیں۔ اور انہی کے ساتھ قیامت کو اٹھیں گے۔"

فقیر سید غلام محی الدین بخاری لاہوری نے مزید لکھا ہے کہ "حضرت میاں ماجھی حضرت خضر علیہ السلام کی طرح زندہ ہیں۔ اور میری ان سے ملاقات ہوئی تھی۔"

یہ بھی لکھا ہے کہ میاں ماجھی سے ایک نیا طریقہ جاری ہوا' جس میں دو خاندانوں کی نعمتیں تھیں۔ (یعنی سہروردی مہدوی اور نوشاہی)۔ آپ کے بہت سے طالب اور مرید ہوئے۔ وہ خود کو "نوشاہی سرائی" کہلاتے ہیں۔ اور پرہیزگاری سے موصوف ہیں۔ (۱)

صاحب شریف الفقراء نے نوشاہی سرائی گروہ کے معمولات کے متعلق لکھا ہے کہ "ہم سرائی لوگ میاں ماجھی کا گروہ ہیں۔ ہم ان کے طریقہ کے مطابق شریعت پر عمل کرتے ہیں۔ اور نماز' روزہ اور دوسرے فرائض اور واجبات اور سنتوں پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ دوسرے بدعتی سرائیوں کے ہم مطابقت نہیں کرتے۔ یہ جو سرائی لوگ سر پر بال رکھنے کو لازم سمجھتے ہیں۔ اور بالوں کو بالکل نہیں کٹواتے' یہ ان کی جہالت کے باعث ہے۔ یہ طبقہ عالیہ جو نوشاہی سرائی ہے' یہ حضرت رسولؐ کے قدم بہ قدم ہے۔ حضور علیہ السلام

نے تمام عمر سر پر بال رکھے ہیں۔ اور سنت ابراہیمی کے مطابق حج اور عمرہ کے موقع پر منڈوائے یا کٹوائے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر بال کبھی آدھے کانوں تک کبھی کانوں کی لو تک اور کبھی مونڈھوں تک ہوتے تھے۔ میاں ماجھی صاحب کا بھی یہی معمول تھا اور ان کے یاروں کا بھی اسی پر عمل تھا بلکہ آپ کا حکم تھا کہ سب ماجھیانہ لوگ (یعنی میاں ماجھی کے مرید) عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد بالوں کو منڈوانہ یا کٹوانہ اپنے آپ پر لازم جانیں' تاکہ سنت پر عمل ہو جائے۔ اور از روئے شریعت امام تشریع میں بالوں کو منڈوانا یا کٹوانا قربانی کرنے کے ثواب کا موجب ہے۔ "شریف الفقراء" میں دوسری جگہ آیا ہے۔" اے دوستوں! ہمارے مرشد صاحب میاں ماجھی کا طریقہ مرشد الابرار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ارشاد خذما معاد دع ماکدر کے مطابقت ہے۔ کہ جو کچھ طریقہ نوشاہیہ میں پسندیدہ افعال تھے۔ وہ آپ نے لے لئے اور جو اچھے نہ تھے' ان کے طالبوں کے لئے چھوڑ دیئے۔

سندھ کی کتابوں میں میاں ماجھی اور ان کے پیروکاروں کے متعلق مزید احوال نہیں ملتا۔ حضرت فقیر سید غلام محی الدین بخاری لاہور نے شریف الفقراء میں اعتراف کیا ہے۔ کہ "میں نوشاہیہ برقداریہ سلسلہ میں مرزا شاہ امانت صاحب کا مرید ہوں۔ اور سرائی سلسلہ میں میاں ماجھی صاحب کا مرید ہوں۔"

مذکورہ بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ میاں ماجھی گیارہویں صدی ہجری اور بارہویں صدی ہجری کے شروع میں ہو گزرے ہیں۔ ان کے مرید سندھ کے علاوہ پنجاب میں بھی تھے' جن سے ایک نام صاحب "تشریف الفقراء" "سید غلام محی الدین لاہوری" کا کتابوں میں محفوظ رہ گیا ہے۔

فصل پنجم

پیران پاگارہ

سندھ کے پیران پاگارہ کا خاندان راشدیہ خاندان کے نام سے مشہور ہے۔ یہ خاندان سندھ کے لکیاری سادات کی ایک برگزیدہ شاخ ہے اور ان کا شجرہ نسب حضرت امام علی بن موسیٰ رضا سے ملتا ہے' جو ایران کے شہر مشہد مقدس میں مدفون ہیں۔ ان کی اولاد میں سے سید علی مکی چوتھی صدی ہجری میں سندھ آئے۔ ان کی اولاد میں سے شاہ صدر بہت بڑے بزرگ ہو گزرے ہیں۔ ان کا مقبرہ سیوھن کے قریب "لکی" میں ہے۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے ملفوظات "انیس الارواح" حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے ملفوظات "دلیل العارفین" اور حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کے ملفوظات "اسرار الاولیاء" اور "راحت القلوب" میں حضرت شاہ صدر کا ذکر ملتا ہے۔ ان بزرگوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ بڑے متقی' عابد اور زاہد تھے۔ حضرت سید عثمان مرندی قلندر شہباز نے بھی ان سے ملاقات کی تھی۔

لکیاری خاندان میں سے "کھٹن شاہ" اپنے عزیزوں سے ناراض ہو کر "لکی" (نزد سیوہن' سندھ) سے نقل مکانی کر کے گنبٹ (ضلع خیرپور سندھ) کے قریب "رسولپور" "عرف سائدی" میں متوطن ہوئے شجرہ نسب اس طرح ہے۔ "سید کھٹن شاہ بن سید سنجر بن سید بولن شاہ بن سید حسین بن سید میر علی بن سید ناصر الدین بن سید شاہ عباس بن سید فضل اللہ بن سید شاب الدین بن سید بہاؤالدین بن سید محمود بن سید محمد بن سید حسین بن سید چھکن' بن سید علی مکی بن سید عباس بن سید زید بن سید اسد اللہ بن سید عمر بن سید حمزہ بن سید ہارون بن سید عبداللہ بن سید حسین بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن حضرت امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام علی زین العابدین بن حضرت امام حسین بن [illegible] علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ"

پیر محمد بقا "پٹ دھنی"

سید کھٹن شاہ کی اولاد میں سے پیر محمد بقا۔ شعبان ۱۱۳۵ھ (۱۷۲۳ء) کو تولد ہوئے۔ سید کھٹن شاہ سے آپ کا شجرہ نسب اس طرح ملتا ہے۔ "سید محمد بقا بن سید محمد امام بن سید [illegible] محمد بن سید شکر اللہ بن سید عثمان بن سید کھٹن شاہ"

سید محمد بقا نے دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے "پریا لوء" (ضلع خیرپور) کے نقشبندی [illegible]زرگ مخدوم محمد اسمٰعیل کے ہاتھ پر بیعت کی انہوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ جا کر سید عبدالقادر شاہ کے ہاتھوں پر قادری طریقہ میں بیعت کریں اور ان سے روحانی فیض حاصل کریں۔ کچھ دنوں کے بعد روہڑی (سندھ) میں آپ کی ملاقات سید عبدالقادر شاہ جیلانی ثالث سے ہوئی۔ جو روہڑی میں نبی کریمؐ کے وار مبارک کی زیارت کے لئے آئے تھے۔ آپ نے ان کے ہاتھ پر قادری طریقہ میں بیعت کی۔ ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد حضرت پیر محمد بقا نے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ اور روحانی فیض کے ذریعہ کئی لوگوں کی زندگی میں تبدیلی پیدا کی اسلام کی تبلیغ اور لوگوں کے روحانی' اخلاقی اور سماجی اصلاح کے لئے آپ نے سندھ کا سیرو سفر بھی کیا۔ ایک مرتبہ سفر میں آپ کو ڈاکو ملے۔ آپ کے سر پر کتابوں کی گٹھری دیکھی تو سمجھا کوئی مال ہے اچانک حملہ کر کے زخمی کر دیا۔ محمد بقا نے اپنے فرزندوں کو بلا کر ان کے سامنے ڈاکوؤں کو معاف کر دیا۔ آپ زخموں کی تاب نہ لا کر ۱۰ محرم ۱۱۹۸ھ (۱۷۸۳ء) کو جام شہادت نوش کیا۔

حضرت پیر محمد بقا عالم' فاضل اور عارف ہونے کے ساتھ سندھی زبان کے بلند پایہ کے شاعر بھی تھے۔ آپ کے کچھ سندھی ابیات ملتے ہیں۔ آپ کو چار فرزند ہوئے: "سید عبدالرسول شاہ' سید محمد سلیم شاہ' سید محمد راشد شاہ' سید علی مرتضیٰ شاہ۔ روایت ہے کہ روحانی طور پر آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پگ (دستار) عطا کی تھی اور فرمایا تھا کہ یہ "پگ" آپ کے ایک فرزند کے لئے ہے' جو زمانہ کے قطب ہوں گے حضرت پیر محمد بقا نے وہ روحانی آثار' جن کے طرف نشاندہی کی گئی تھی' حضرت پیر محمد راشد میں دیکھے اور پگ ان کی سر پر رکھی۔ یہی وجہ تھے کہ حضرت پیر محمد راشد کے سجادہ نشین "پاگارہ" کہلائے۔

پیر محمد راشد المعروف روضے دھنی (صاحب روضہ)

آپ کی ولادت سنہ ۱۱۷۰ھ (۱۷۵۷ء) میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سید محمد بقا کے لائق مرید حافظ زین الدین سے حاصل کی۔ اس کے بعد مخدوم فقیر اللہ علوی (شکار پور، سندھ) کے مدرسہ میں داخل ہوئے۔ وہاں چونکہ علوی خاندان نے آپ کے لئے بڑے آرام سے رہنے کا انتظام کیا تھا۔ اس لئے آپ کے والد بزرگوار نے آپ کو وہاں سے بلوا کر کوڑی کبیر میں مخدوم میاں یار محمد کے پاس بھیجا اس کے بعد باقی علوم کی تحصیل مولانا محمد عاریجوی (ضلع لاڑکانہ) کے مدرسہ میں کی۔

آپ بڑی ریاضتیں اور مجاہدے کئے طریقت میں اپنے والد بزرگوار کے ہاتھ پر بیعت کی۔ والد کی وفات کے بعد ۲۸ سال کی عمر میں سجادہ نشین ہوئے۔ آپ نے رشد و ہدایت، تبلیغ اسلام، اصلاح معاشرہ، دینی غیرت اور جذبہ جہاد کو ابھارنے کے لئے سندھ، بلوچستان، کچھ اور راجپوتانہ کے کئی سفر کئے اور ہزاروں مریدوں اور معتقدوں کو روحانی فیض سے مالا مال کیا آپ کی پر اثر اور پرکشش شخصیت کی وجہ سے سرفروشوں کی بڑی جماعت تیار ہو گئی جو انگریزوں کے زوال تک برسرپیکار رہی۔

بلوچستان کے سفر کے دوران آپ کی ملاقات احمد شاہ ابدالی کے پوتے زمان شاہ ولد تیمور شاہ سے ہوئی، جنہوں نے نذرانہ کے طور پر عمدہ علم پیش کیا جو آپ نے اپنے فرزند سید یاسین شاہ کو عطا کیا اسی وجہ سے سید پیر یاسین شاہ اور ان کی اولاد "جھنڈا (علم) والے پیر" مشہور ہوئے۔ اور ابھی تک پاگارا خاندان سے الگ "جھنڈا والے پیر" مشہور ہیں۔

آخری وقت میں راجپوتانہ کے سفر کے دوران قلعہ جیسلمیر کے مشرق میں موضع "لاٹھی" میں آپ کو سردرد کی تکلیف ہوئی۔ وہاں سے واپسی کے بعد ا۔ شعبان ۱۲۳۳ھ (۱۸۱۸ء) میں آپ کی وفات ہوئی۔ پہلے آپ کے مزار قریہ "رحیم ڈنہ کلہوڑہ" میں قدیم درگاہ میں تھی۔ بعد میں پیر علی گوہر شاہ اصغر "بنگلہ دھنی" نے آپ کی صندوق اپنے والد پیر صبغت اللہ شاہ کے صندوق کے ساتھ نکلوا کر قریہ موجودہ کنگری روضہ میں دفن کروائی۔ قریہ کنگری بعد میں آپ کے روضہ اور درگاہ کی وجہ سے "پیر گوٹھ" (ضلع خیرپور سندھ) کے نام سے مشہور ہوا۔ حضرت محمد راشد روضہ دھنی کو اٹھارہ فرزند ہوئے۔

(۱) حسن شاہ (۲) صبغت اللہ شاہ (۳) احسن شاہ (۴) محمد کریم شاہ (۵) یاسین شاہ (۶) مہدی شاہ (۷) محمد بقا شاہ المعروف نالے وڈو (۸) ہدایت اللہ شاہ (۹) شاہ نواز شاہ (۱۰) غلام محی الدین شاہ (۱۱) صادق شاہ (۱۲) مبارک شاہ (۱۳) حامد شاہ (۱۴) اسمٰعیل شاہ۔

ان سب میں سے شاہنواز شاہ، صادق شاہ، حامد شاہ اور اسمٰعیل شاہ ان کی زندگی میں ہی وفات پا گئے۔ بعد میں آپ کو جو چار فرزند ہوئے۔ ان پر اپنے فوت شدہ فرزندوں کے نام رکھے۔ آپ کے فرزندوں میں سے یاسین شاہ نقل مکانی کرکے ضلع حیدر آباد میں اپنا گاؤں آباد کیا، جو "پیر جھنڈو گوٹھ" کے نام سے مشہور ہوا۔ حضرت یاسین شاہ کو چونکہ حضرت پیر محمد راشد نے علم (جھنڈا) عطا کیا تھا۔ اس لئے وہ اور ان کے خاندان کے افراد "پیر جھنڈے والے" کہلائے۔

تعلیمات: حضرت پیر محمد راشد سندھی اور فارسی زبان کے بلند پایہ شاعر تھے، آپ نے اشعار میں تصوف کی تعلیم بیان کی ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے ملفوظات بھی مرتب کئے گئے ہیں۔

آپ کے ملفوظات کے ایک مجموعہ "مجمع الفیوضات" فارسی زبان میں آپ کے ایک خلیفہ محمود فقیر کڑیہ والے نے مرتب کئے۔ جو ۲۳ ابواب ایک مقدمہ اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ اس میں دو ہزار حکایتیں ہیں۔ اس کا سندھی نثر میں ایک ترجمہ حاجی محمد عثمان ولد حاجی احمد صباح ساکن مغلبھین نے کیا۔ اور اس کا نام "توفیق الطالبین" رکھا۔ اس کا ایک اور سندھی ترجمہ فتح محمد نظامانی نے بھی کیا۔ اس کا تیسرا ترجمہ حضرت مولانا محمد قاسم مشوری (ساکن قریہ مشوری، متصل لاڑکانہ) نے کیا۔

پیر محمد راشد کے ملفوظات کا دوسرا مجموعہ "المحبوبیہ الحمودیہ" کے نام سے ملتا ہے۔ جو محمود فقیر کڑیہ والے نے مرتب کیا۔ آپ کے ملفوظات کا تیسرا مجموعہ ملفوظات کے نام سے آپ کے خلیفہ محمد حسین میسر ناڑیوال (ساکن بلوچستان) نے مرتب کیا۔

آپ کے ملفوظات "مجمع الفیوضات" میں سے چند باتیں یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

بری صحبت سے پرہیز: آپ نے ایک بار فرمایا ان چار شخصوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ (۱) مجذوب (۲) عورت (۳) بچہ (۴) مجہول

سنت کی متابعت: ایک مرتبہ آپ اپنے مریدوں کی ایک جماعت کے ساتھ دریا کی طرف

جا رہے تھے۔ تاکہ مسجد کی چھت کے لئے سرکنڈے کٹوائے جائیں۔ آپ نے عاقل (سید مرتضیٰ شاہ) کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام کر فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات اپنے صحابہ کرام کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر سفر کیا کرتے تھے۔ آؤ آج ہم بھی اس سنت کی مطابقت کریں۔ یہ ارشاد کرنے کے بعد میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے تقریباً" ایک میل سفر کیا۔

معرفت: آپ سے جامع ملفوظات نے دریافت کیا کہ مندرجہ ذیل بیت کے کیا معنی ہیں۔

ہزار بار مشویم دھن مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

آپ نے فرمایا کہ اس کی ظاہری معنی تو یہ ہے کہ اگر میں ہزار مرتبہ بھی اپنے دہن کو مشک و گلاب سے صاف کروں، پھر بھی آپ کا نام اپنی زبان پر لانا کمال بے ادبی سمجھتا ہوں۔

یعنی کوئی آدمی ہزار مرتبہ بھی مشک و گلاب سے دہن صاف کرکے، اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک اپنی زبان پر لائے اور اپنی موہوم ہستی کے ساتھ اسم مبارک کا ورد کرے، تو یہ کمال بے ادبی ہے۔ اگر وہ اپنی ہستی موہوم کو مٹا کر، بیخود ہو کر، اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کا ذکر کرے، تو مشک و گلاب سے دہن صاف کرنے سے بہتر ہے اور یہ کمال ادب ہو جائے گا۔ جیسا کہ ایک بزرگ نے فرمایا ہے:

باخودی کفر بے خودی دین ست
ہرچہ گفتیم مغز او این ست

یعنی اپنی خودی اور ہستی کے ساتھ ہونا کفر ہے۔ اپنی ہستی کو مٹا کر بیخود ہونا دین ہے۔ ہم نے جو گفتگو کی اس کا مغز بنیادی مقصد یہی بات ہے۔

وحدت الوجود: آپ وجودی فکر کے قائل نہیں تھے، بلکہ مخالفت تھے، اسی وجہ سے شاہ عنایت شہید جھوک والے اور ان کے خلفاء کے نظریاتی مخالف تھے۔

پیر صبغت اللہ شاہ "تجر دھنی" (صاحب تجر)

آپ کی ولادت سنہ ۱۱۸۳ھ (۱۷۶۹ء) میں ہوئی۔ اپنے والد بزرگوار پیر محمد راشد کے بعد

سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کے زمانہ میں سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل، جماعت مجاہدین کے ساتھ سرحد میں سکھوں اور انگریزوں سے جہاد کے غرض سے نکلے۔ وہ سندھ اور بلوچستان سے گزر کر منزل مقصود پر جانا چاہتے تھے۔ سنہ ۱۲۴۱ھ (۱۸۲۵ء) میں وہ دہلی سے روانہ ہوئے۔ تھانیسر، مالیہ کوٹلہ، بہاولپور اور راجپوتانہ کے ریگستان سے ہوتے ہوئے پہلے حیدر آباد سندھ پہنچے، جہاں سندھ کے حکمران میر صاحبان نے آپ کا خیر مقدم کیا اور کچھ نقد رقم اور ہتھیار ہدیتہً پیش کئے۔

انہوں نے حضرت پیر صبغت اللہ شاہ کے غازیانہ اور مجاہدانہ عزائم سن رکھے تھے۔ اس لئے حیدر آباد سے پیر گوٹھ آئے۔ حضرت پیر پاگارہ نے بڑی فراخ دلی سے آپ کی مہمان نوازی کی۔ آپ نے اس جماعت مجاہدین کی مالی مدد بھی کی اور اپنے مریدین میں سے جہاد کے لئے پانچ سو غازیوں کی ایک جماعت حرب و ضرب کے سازو سامان سے لیس کر کے ساتھ کردی۔ اس کے علاوہ ان کے اہل و عیال پیر گوٹھ میں ٹھہرا کر ان کی کفالت بھی کی۔

حضرت پیر صاحب نے جو جماعت سید احمد شہید کے ساتھ جہاد کے لئے روانہ کی اسے "جماعت احرار" کا خطاب دیا گیا۔ اس کے بعد پاگارہ خاندان کے مریدوں کو ان کی جانبازی، سرفروشی اور جان نثاری کی وجہ سے "حر" کہا جانے لگا سید احمد شہید اپنی جماعت کے ساتھ پیر گوٹھ سے شکارپور روانہ ہوئے۔ شکارپور میں بھی لوگوں نے آپ سے تعاون کیا اور مالی مدد کی۔ حضرت پیر صبغت اللہ شاہ بعد میں بھی سید احمد شہید کو وقتاً" فوقتاً" غازیوں اور مجاہدوں کی کمک بھیجتے رہے۔ اس میں پیر صاحب کے مریدوں (حروں) کے علاوہ آپ کی کوشش سے دیگر مسلمانان سندھ بھی شریک ہوتے تھے، جن میں علماء کرام بھی ہوتے تھے۔ یہ کمک صرف غازیوں اور مجاہدوں پر مشتمل نہیں ہوتی تھی بلکہ اس میں روپیہ، رسد، کپڑا اور سامان حرب بھی شامل ہوتا تھا۔

سید احمد شہید کی شہادت کے بعد نواب ٹونک کی طلب پر حضرت پیر پاگارہ نے سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل کا اہل و عیال عزت و احترام اور مال و دولت کے ساتھ واپس بھیج دیا۔

حضرت پیر صبغت اللہ شاہ علم و عرفان کے ساتھ صاحب سیف و قلم بھی تھے۔ آپ نے اپنے مریدوں کو روحانی اور اخلاقی فیض کے ساتھ جہاد کا عملی درس دیا اور ان کو جہاد

آزادی کے لئے تیار کیا۔ آپ کے تیار کردہ سرفروش مجاہدین کی جماعت بعد میں آپ کے سجادہ نشینوں کے احکام پر انگریزوں سے برسرپیکار رہی اور انگریز فوج سے باقاعدہ لڑتی رہی اس جہاد میں حروں کے بیشمار مجاہد بڑی خوشی' دلیری' جذبہ جہاد سے سرشار رہے اور جان کی قربانی دیتے رہے۔ غرض یہ کہ آپ کی روشن کی ہوئی شمع کی روشنی ۱۹۴۷ء تک غلامی کی تاریکیوں میں رہنمائی کرتی رہی۔

حضرت پیر صاحب کے جذبہ جہاد کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ آپ کو ہمیشہ ایک تلوار زیب تن ہوتی تھی' آپ ۵۔ رمضان ۱۲۴۶ھ (۱۸۳۱ء) کو فوت ہوئے اور درگاہ پیر گوٹھ میں مدفون ہوئے۔ آپ کو سات فرزند ہوئے۔ جن میں سے پیر علی گوہر شاہ اصغر سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کے ملفوظات پیر علی گوہر شاہ اصغر نے "خزانۃ المعرفت" کے نام سے مرتب کیا۔

دوسرے سجادہ نشین: حضرت پیر صبغت اللہ شاہ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند پیر علی گوہر شاہ اصغر "بنگلہ دھنی" سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے ولادت ۴۔ رجب ۱۲۳۱ھ (۱۸۱۶ء) میں ہوئی۔ اور ۱۱ جمادی الاول ۱۲۶۳ھ (۱۸۴۶ء) کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ سندھی زبان کے باکمال شاعر تھے۔ آپ کے زمانہ میں بھی تحریک مجاہدین کی ایک جماعت مولوی سید نصیر الدین دھلوی (خلیفہ سید احمد شہید) کی سرکرگی میں ۱۸۵۳ء میں دہلی سے روانہ ہوئی اور آزاد علاقہ کو جاتے ہوئے پیرگوٹھ میں آئی۔ اس سے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ تحریک آزادی اور قیام حکومت الہیہ کے سلسلہ میں پیرگوٹھ (سندھ) کو مرکزی مقام سمجھا جاتا تھا۔

پیر علی گوہر شاہ اصغر کی وفات کے بعد آپ کے فرزند سید حزب اللہ شاہ الملقب بہ "تخت دھنی" سجادہ نشین ہوئے۔ آپ بھی فارسی اور سندھی زبان کے بلند پایہ شاعر تھے اور مسکین تخلص کرتے تھے۔ آپ نے ۲ محرم سنہ ۱۳۰۸ھ (۱۸۹۰ء) میں وفات پائی اس کے بعد ان کی فرزند پیر علی گوہر شاہ ثانی سجادہ نشین ہوئے۔ پیر علی گوہر شاہ ثانی لاولد فوت ہوئے۔ اس لئے آپ کے بھائی پیر شاہ مردان شاہ اول "کوٹ دھنی" سجادہ نشین ہوئے۔ ۷۔ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ (۱۹۲۱ء) کو آپ کا انتقال ہوا۔

اس زمانہ میں انگریزوں کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے حر مجاہدین نے کھپرو' سانگھڑ اور شہداد پور کی تحصیلوں میں انگریزوں کے خلاف زبردست گوریلا جنگ چھیڑ دی۔ وہ بڑے

عرصہ تک لڑتے رہے۔ اس لڑائی میں پولیس کی مدد کے لئے فوج بھی بھیج دی۔ بے شمار حر مجاہدین معرکوں میں شہید ہوئے۔ کئی حر گرفتار ہوئے ان کے ساتھ نہایت ظالمانہ سلوک کیا گیا اور ان کو پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ غرضیکہ انگریز نے اس جماعت کو کچلنے میں کوئی دریغ نہ کیا۔ اس گوریلا جنگ میں بچو فقیر نے نمایاں طور پر زبردست چھاپے مارے۔ حالات کو دیکھ کر حضرت پیر شاہ مرداں شاہ نے حروں کو معرکہ آرائی سے گریز کرنے کی ہدایت کی۔ چنانچہ پیر صاحب کی ہدایت پر حروں کی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں۔ ان حالات میں انگریزوں نے عہد شکنی کرکے حروں پر بڑے مظالم ڈھائے بے شمار لوگ پھانسی پر چڑھا دیئے گئے اور کئی لوگوں کو جہاں دیکھا گولی مار دی گئی۔

حضرت پیر شاہ مرداں شاہ اول کی وفات کے بعد سید صبغت اللہ شاہ ثانی سجادہ نشین ہوئے۔ آزادی کی تڑپ ان کو اپنے آباء و اجداد کی طرف سے ورثہ میں ملی تھی۔ آپ کو انگریزوں سے سخت نفرت تھی۔ تحریک آزادی کے لئے آپ نے حر تحریک کی نئی طرح تنظیم شروع کی۔ آپ کے خلاف جھوٹا مقدمہ بنا کر آپ کو دس سال سزا دی اور رتناگری جیل میں نظربند رکھا۔ جیل میں آپ نے کتابوں کا مطالعہ کیا اور غور و فکر کے بعد گوریلا جنگ کی اسکیم تیار کی۔ آزاد ہونے کے بعد اس اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنے مریدوں کی اصلاح و تربیت اور تنظیم کی طرف پوری پوری توجہ دی۔ سانگھڑ کے قریب گڑنگ بنگلہ کو مرکز بنایا اور سرفروش غازیوں کی ایک جماعت تیار کی۔ تحریک کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت تھی' ان کا انتظام بھی کیا۔

اس گوریلا جنگ میں حر جماعت کے سرفروش مجاہد انگریز فوج سے اس دلیری اور جوانمردی سے لڑے کہ انگریز حکومت جیسی بڑی طاقت کو ہلا کر رکھ دیا۔ جنگ کے دوران ایک حر مجاہد' انگریز فوج کے سینکڑوں آدمیوں کو گولیوں کا نشانہ بنا دیتا تھا۔ اس جہاد آزادی میں حر تحریک کے کئی لوگ شہید ہوئے۔ ان پر بڑے مظالم ڈھائے گئے لیکن ان کی جرات' ہمت اور عزم میں کوئی فرق نہیں آیا۔ انھوں نے بہادری' دلیری' سرفروشی' ثابت قدمی' سچائی اور پختہ عزم کی ایسی مثالیں قائم کیں کہ تحریک آزادی کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتیں۔

آخر پیرگوٹھ کی درگاہ کے قلعہ کو بارود کے ذریعہ منہدم کیا گیا اور گڑنگ بنگلہ پر بمباری

شدید نفرت اور سنت نبوی کی اتباع۔ چونکہ آپ نے شادی نہیں کی' اس لئے آپ کی وفات کے بعد آپ کے بھتیجے حافظ عبداللہ (وفات ۲۵ ۔ رجب ۱۳۴۶ھ = ۱۹۲۷ء) سجادہ نشین ہوئے۔

آپ کے خلفاء میں سے مولانا غلام محمد دین پوری (ضلع رحیم یار خان) وفات ۱۳۵۴ھ =۱۹۳۵ء)' مولانا تاج محمود امروٹی (ضلع شکارپور' سندھ وفات ۱۹۲۹ء) دلمراد (گگوانی' ضلع جیکب آباد' سندھ)' ربڈنہ بکاہ (ضلع لاڑکانہ)' ابوالخیر (کوئٹہ)' محمد عمر شاہ عراق' عبدالعزیز کالا باغ' عبدالرحمٰن کابلی اور مولانا عبید اللہ سندھی کے نام قابل ذکر ہیں۔ حضرت مولانا تاج محمود امروٹی' مولانا غلام محمد دین پوری اور مولانا عبیداللہ سندھی نے ریشمی رومال تحریک' خلافت تحریک اور تحریک آزادی میں بہت اہم کردار ادا کیا۔

مولانا تاج محمود امروٹی: اس مرد مجاہد نے بڑی جرات' دلیری' ہمت اور پختہ عزم سے ہر محاذ پر انگریزوں سے سخت مقابلہ کیا انہوں نے اپنے شاگردوں' مریدوں اور ساتھیوں کے ساتھ جہاد آزادی میں حصہ لیا۔

حضرت امروٹی کی تحریک کے مختلف پہلو تھے۔ ایک طرف وہ اپنی جماعت تیار کر کے انگریزوں سے آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے۔ مولانا عبید اللہ سندھی کی تربیت آپ کے زیر سایہ ہوئی۔ اور انہوں نے تحریک آزادی میں جو کردار ادا کیا' وہ اظہر من الشمس ہے۔ حضرت امروٹی او . مولانا عبید اللہ سندھی نے جو کارنامے انجام دیئے ان کی تفصیل طوالت کا باعث ہوگی۔

دوسرے طرف حضرت امروٹی تبلیغ اسلام کے لئے سرگرم رہے۔ بیشمار لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ اسی وجہ سے آپ کا ہندوؤں سے مقابلہ ہوتا رہا۔ بدعت کی بیخ کنی کرنے کے لئے بھی آپ نے عملی جدوجہد کی اور اس مقصد کے لئے اپنے خلفاء کو پھیلا دیا۔ رشد و ہدایت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ سندھ اور بلوچستان کے بیشمار لوگ آپ کے مرید تھے' جو نہ صرف عبادت اور ذکر میں مشغول رہے' بلکہ جہاد آزادی میں بھی بھرپور عملی حصہ لیا۔ حضرت امروٹی نے سنہ ۱۹۲۹ء میں وفات پائی۔

خلیفہ محمود فقیر نظامانی: آپ حضرت پیر محمد راشد کے بڑے خلفاء میں سے تھے۔ قریہ "کڑیو گھنور" (تحصیل گونی ضلع ٹنڈ) کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد کا نام گھنور تھا'

کی گئی۔ پیر صاحب کو مع ان کے اہل و عیال نظر بند کیا گیا۔ آپ کے خلاف بغاوت کا مقدمہ چلایا گیا اور لوگوں سے زبردستی شہادتیں لے کر آپ کو سزائے موت دی گئی۔ ۲۰ مارچ ۱۹۴۳ء کو اس سرفروش مجاہد نے شہادت کا جام نوش کیا۔ انہوں نے اپنی اور اپنے مریدوں کی جانی قربانی دے کر آزادی کی راہ ہموار کی انہوں نے انگریز حکومت کو اتنا پریشان کیا کہ وہ چین سے بیٹھ نہیں سکے۔ آخر پیر صاحب کی شہادت کے چار سال بعد وہ اس برصغیر کو آزادی دے کر چلے گئے۔

پیر محمد راشد کے خلفاء

حضرت پیر محمد راشد نے اپنی تحریک کو پھیلانے اور مقصد کو کامیاب بنانے کے لئے' سندھ' بلوچستان اور راجپوتانہ میں گیارہ سو خلفاء کی ایک جماعت قائم کی' جو اس روحانی اخلاقی اور انقلابی تحریک کے لئے جدوجہد کرتی رہے۔ آپ کے خلفاء میں سے کچھ بزرگوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

سید محمد حسن شاہ جیلانی: پیر صاحب کے خلفاء میں سے نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔ آپ' مرشد کی ہدایت پر ڈھرکی (ضلع سکھر' سندھ) کے قریب ایک گمنام بستی "سوئی" میں آکر خیمہ زن ہوئے اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ آپ نے سندھ اور پنجاب میں شمع ہدایت روشن کی اور بیشمار لوگ آپ سے مستفیض ہوئے۔ آپ نے سنہ ۱۲۵۴ھ (۱۸۳۸ء) میں وفات کی۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے میاں محمد حسین سجادہ نشین ہوئے۔

حافظ محمد صدیق بھرچونڈی والے: سید محمد حسین جیلانی کے خلفاء میں سے حافظ محمد صدیق بھرچونڈی والے (نزدیک گھوٹکی' ضلع سکھر' سندھ) کا نام قابل ذکر ہے۔ انہوں نے اپنے علاقوں میں علم و معرفت کی روشنی پھیلائی اور بیشمار لوگ اس چشمہ عرفان سے اپنی پیاس بجھانے کے لئے آنے لگے۔ بیشمار لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور اپنے عمل اور کردار میں پاکیزگی' خدا خوفی اور جذبہ حریت پیدا کی۔ آپ کی ولادت سنہ ۱۲۳۴ھ (۱۸۱۹ء) میں ہوئی۔ اور ۱۰ جمادالثانی ۱۳۰۸ھ (۱۸۹۱ء) کو واصل بحق ہوئے۔ آپ کو انگریزوں سے شدید نفرت تھی۔ آپ نے اپنی زندگی کے دو مقاصد بارہا بیان کئے: انگریزوں سے

عالم فاضل اور اہل دل بزرگ تھے۔ آپ نے اپنے پیر کے ملفوظات مرتب کیے، جن کا ذکر آچکا ہے۔ ان کے علاوہ دوسری کتابیں بھی تصنیف اور تالیف کیں، مثلاً: "اوراد محمودیہ محبوبیۃ المحمودیہ"، گلشن اولیاء سندھ وغیرہ۔ آپ کے ملفوظات کا مجموعہ "کنز المعرفت" کے نام سے موجود ہے، جو سندھی زبان کے پہلے صاحب دیوان شاعر خلیفہ گل محمد ہالائی نے مرتب کیا۔ خلیفہ محمود فقیر نے ۹۔ ربیع الاول ۱۲۶۷ھ (۱۸۵۱ء) کو فوت ہوئے۔ ان کے بعد ان کے فرزند میاں عبداللہ سجادہ نشین ہوئے۔ انہوں نے بھی درگاہ پیر پاگارہ سے اپنی عقیدت اور ارادتمندی کے تعلقات قائم رکھے۔

خلیفہ نبی بخش لغاری: حضرت پیر پاگارہ کے خلیفہ تھے۔ ان کی سکونت قریہ "مٹھی" (تحصیل ٹنڈو باگو) میں تھی۔ سندھی زبان کے باکمال شاعر تھے۔ آپ کا کلام شاہ لطیف کے "رسالو" کے طرز پر مکمل "رسالو" کی صورت میں ہے اور شائع ہو چکا ہے۔ اس رسالو کے "سرکیڈارو" میں ان سندھی بہادروں کی تعریف کی گئی ہے، جو تالپور دور حکومت میں سکھر کے قریب افغان لشکر سے دلیری اور جرات مندی سے لڑے۔ خلیفہ نبی بخش لغاری کی وفات سنہ ۱۸۶۳ء میں ہوئی۔

فقیر حمل خان لغاری: سندھی زبان کے بلند پایہ شاعر تھے۔ آپ کا کلام "کلیات حمل" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ خلیفہ نبی بخش لغاری سے آپ کے گہرے مراسم تھے۔ ایک دوسرے کو اپنا شعر بھی سناتے تھے۔ آپ مرید تو نقشبندی طریقہ میں لنواری والے بزرگوں کے تھے۔ لیکن پیر صاحب پاگارہ سے بڑی محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔ سنہ ۱۲۹۶ھ (۱۸۷۹ء) میں آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کا مزار ضلع نواب شاہ میں ہے۔

خلیفہ گل محمد ہالائی: حضرت پیر پاگارہ کے خلیفہ تھے۔ ہالا (ضلع حیدر آباد) کے رہنے والے تھے۔ سنہ ۱۲۲۶ھ (۱۸۱۱ء) میں ان کی ولادت ہوئی اور سنہ ۱۲۷۲-۷۳ھ (۱۸۵۶ء) میں عربستان میں وفات پائی۔ عالم، فاضل اور سندھی زبان کے باکمال شاعر تھے۔ آپ سندھی زبان کے پہلے صاحب دیوان شاعر ہیں۔

فقیر عبداللہ کاتیار: حضرت پیر پاگارہ کے خلیفہ تھے۔ تمام عمر درگاہ پر گزار دی۔ آپ کا مزار بھی درگاہ کے صحن میں ہے۔ آپ پیر پاگارہ علی گوہر شاہ اصغر کی صحبت اور خدمت میں رہتے تھے۔ سندھی "کافی" کے باکمال شاعر تھے۔ آپ کی کافیاں سندھی میں بہت مشہور اور مقبول رہی ہیں۔ ان کے کلام میں عرفان اور ایقان کے مضامین ملتے ہیں۔

فصل ششم

سید عبدالقادر جیلانی کی اولاد

(۱) حضرت شاہ کمال قادری کیتھلی
اور ان کے ہم سفر ساتھی

حضرت سید عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے دوسرے افراد بھی وقت بوقت برصغیر پاک و ہند میں آتے رہے۔ ان میں سے حضرت شاہ کمال کیتھلی بھی تھے۔ جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ برصغیر میں وارد ہوئے۔ ان کا تعارف یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت شاہ کمال قادری کیتھلی

آپ حضرت سید عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے تھے، آپ کا شجرہ نسب بارہویں پشت میں سید عبدالقادر جیلانی سے جا ملتا ہے۔ حضرت شاہ فضیل قادری عرف زندہ پیر سے بیعت تھے۔ جن کا شجرہ طریقت حضرت سید عبدالقادر جیلانی سے اس طرح جا کر ملتا ہے۔

"حضرت شاہ کمال مرید حضرت شاہ فضیل کے، وہ مرید گدا رحمٰن ثانی کے، وہ مرید شمس الدین کے، وہ مرید شاہ رحمٰن گدا اول کے، وہ مرید شاہ شمس الدین صحرائی کے، وہ مرید شاہ عقیل کے، وہ مرید شاہ بہاؤالدین کے، وہ مرید عبدالوہاب کے اور وہ مرید حضرت عبدالقادر جیلانی کے۔"

حضرت شاہ کمالؒ کی ولادت بغداد میں سنہ ۸۹۵ھ (۱۴۹۰ء) میں ہوئی۔ آپ نے سخت ریاضتیں اور مجاہدے کیے اور بڑے عرصہ تک صحرا نوردی اور دشت پیمائی کرتے رہے۔ سنہ ۹۲۰ھ میں آپ نے حضرت شاہ فضیل سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ مرشد کے ارشاد کے مطابق ہندوستان آئے۔ یہاں پہنچ کر نہ صرف سلسلہ قادریہ کو ترقی و ترویج بخشی، بلکہ ہندوؤں کی ایک بہت بڑی تعداد کو مشرف بہ اسلام کیا۔

آپ عراق سے ایران آئے اور مشہد' نجف اشرف' تبریز اور اصفہان سے ہوتے ہوئے درہ گومل کی راہ سے موجودہ پاکستان میں وارد ہوئے۔ غالباً" ۹۲۷ھ - ۹۲۸ھ کے مابین یہاں آئے۔ موجودہ پاکستان کی سیاحت کرتے ہوئے۔ ٹھٹہ (سندھ) آئے اور یہیں قریباً" دو سال تک قیام کیا۔ کئی دفعہ چلہ کشی کی اور ریاضتیں اور مجاہدے کئے۔ کئی لوگوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ یہاں کے مریدوں میں خاص طور پر ملا سید محمد مدرس کا نام قابل ذکر ہے' جو بہت بڑے عالم تھے۔

ٹھٹہ میں دو سال رہنے کے بعد ملتان آئے۔ ملتان میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد لدھیانہ آئے اور لدھیانہ اور گرد و نواح کے بیشمار لوگوں کو روحانی فیض سے مستفیض کیا۔ تقسیم سے قبل یہاں آپ کی یاد میں ایک میلہ منعقد ہوتا تھا۔ جسے مقامی زبان میں "بڑے پیر کی روشنی" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد لدھیانہ کو الوداع کہہ کر پایل (سرہند) آئے۔ یہاں حضرت مجدد الف ثانی کے والد بزرگوار کے یہاں قیام پذیر تھے۔ جنہوں نے آپ سے بیعت کی اور خلافت سے مشرف ہوئے۔ پایل میں کچھ دن رہنے کے بعد "کیتھل" آئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کی "کیتھل" مشرقی پنجاب (ہندوستان) کے ضلع کرنال کی ایک تحصیل ہے۔ اور دہلی سے ۱۴۴ میل کے فاصلہ پر ہے۔ مشہور تاریخی مقام تھانیسر اور پانی پت اس کے نزدیک ہیں۔

حضرت شاہ کمال بہت بڑے عالم اور فاضل تھے۔ اور اہل اللہ بھی' تذکروں میں آپ کی ایک کتاب "صغیر الحدود" اور خطوط کا ذکر ملتا ہے۔ آپ نے کیتھل میں وفات کی اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپ کے سال وفات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض تذکروں میں سال وفات ۹۷۱ھ اور بعض میں ۹۸۱ھ ملتا ہے۔ زیادہ صحیح ۹۸۱ھ ہے۔ آپ کے ملفوظات میں سے چند مقولے نمونہ کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں فقر سے بڑھ کر کوئی متابعت نہیں ہے۔
۲۔ اہل و عیال سے دور رہنا اور ان سے بھاگنا ناقصوں کا کام ہے۔
۳۔ جو لوگ ظاہری احکام شریعت سے بے خبر ہیں۔ باطن کی صفائی کو وہ کہاں پہنچ سکتے ہیں۔
۴۔ جو علم و عمل سے خالی ہو' وہ یوں ہے جیسے دیگ بے نمک یا کھوٹا سکا کسوٹی کا محتاج۔
۵۔ انسان اس کو کہتے ہیں' جو باری تعالیٰ کی صفات سے مستفیض ہو اور حق تعالیٰ کا عاشق

صادق ہو' جو زیر و زبر سے محفوظ اور بلندی کا مشتاق ہو۔
۶۔ اگر کسی نے ساحل پر بیٹھے بیٹھے وقت گزار دیا تو وہ مچھلی کا حقدار ہے۔ اور اگر غواص کی طرح سمندروں کی گہرائیوں میں غوطہ لگایا تو در آبدار کا حقدار ہے۔
۷۔ بے خودی کے مکتب میں پڑھنا شروع کر جب تک یہاں کی الف بے نہیں پڑھے گا۔ تب تک عاشقوں کے راز کو نہیں پائے گا۔
۸۔ مردان خدا کا کمال یہ ہے کہ جب وہ عرفان وصال سے بہرہ ور ہو کر بلند مرتبہ پر پہنچتے ہیں' تو توحید میں گم ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتے ہیں۔ پھر جب حق تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے۔ تو بندگان خدا کے لئے ہوش میں آجاتے ہیں۔

خلفائے کرام: سیر و سیاحت کے دوران ہر جگہ آپ کے کئی مرید اور خلیفہ ہوئے۔ آپ کے چند خلفا کے نام یہ ہیں:

۱۔ حضرت شیخ عبدالاحد سرہندی (والد بزرگوار حضرت مجدد الف ثانی)
۲۔ حضرت شاہ سکندر محبوب الٰہی (حضرت شاہ کمال کیتھلی کے پوتے۔ وفات ۱۰۲۵ھ)
۳۔ حضرت شاہ موسیٰ ابو الکلام (حضرت شاہ کمال کے منجھلے صاحبزادے۔ وفات ۹۸۵ھ)
۴۔ **حضرت شاہ یوسف بکھری:** بکھر (سندھ) کے رہنے والے تھے' حضرت شاہ کمال جب علاقہ ملتان کے "پرگنہ سنگھر" میں تھے' تو یہ بزرگ آپ کے مرید ہوئے اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد وہاں سے چل کر ملتان کے علاقہ "اودے پور" میں اپنے ایک پرانے واقف کار دوست فتح خان لانگاہ کے یہاں مقیم ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد فتح خان پر حملہ ہوا۔ شاہ یوسف اس لڑائی میں شہید ہو گئے۔ آپ کا مزار بکھر میں دریا کے کنارے پر ہے۔
۵۔ **حضرت شیخ جلال الدین کھکھہ** (وفات ۹۸۳ھ = ۱۵۷۵ء)
۶۔ **حضرت ہاشم بنوتری:** پرگنہ بنوت علاقہ گجرات (کاٹھیاواڑ) کے رہنے والے تھے۔
۷۔ **حضرت ملا مدرس سندھی:** ٹھٹہ (سندھ) کے رہنے والے تھے۔ عالم اور فاضل تھے۔ جب شاہ کمال ٹھٹہ میں تھے' تو حضرت ملا مدرس آپ سے متاثر ہو کر مرید اور خلیفہ ہوئے۔

۸۔ **حضرت شیخ بجن:** حضرت شاہ کمال کے لنگر خانہ کے داروغہ تھے۔ آپ کا مزار حضرت کمال کے مقبرہ کے قریب ایک احاطہ میں واقع ہے۔

۹۔ **حضرت قاضی عبدالرحمان دیپالپوری:** ۹۹۵ھ (۱۵۸۷ء) میں دیپالپور میں فوت ہوئے۔

۱۰۔ **حضرت باوا سیتل پوری:** حضرت شاہ کمال کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ اور آپ سے فیض حاصل کر کے روحانیت کی منازل طے کیں۔ سنہ ۹۸۳ھ (۱۵۷۵ء) میں فوت ہوئے۔

۱۱۔ **حضرت شیخ نور جمال:** ملتان کے حاکم نواب علی قلی خان شیبانی کے امرا میں سے تھے۔ حضرت شیخ نور جمال کی وجہ سے ہی نواب علی قلی خان بھی حضرت شاہ کمال کے معتقد ہوئے۔ شیخ نور جمال ملتان کے نواح میں ۸۹۹ھ (۱۴۹۳ء) میں تولد ہوئے اور ۹۸۴ھ (۱۵۷۶ء) میں فوت ہوئے۔

۱۲۔ **شیخ محمد طاہر لاہوری قادری و نقشبندی:** آپ نے پہلے حضرت شاہ کمال کیتھلی کے پوتے شاہ سکندر کیتھلی کی صحبت میں رہ کر روحانی تعلیم حاصل کی اور ان کے خلیفہ ہوئے۔ اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں حاضر ہو کر روحانی فیض حاصل کیا اور ان کے ارشاد کے مطابق لاہور آکر ہدایت خلق میں مصروف ہو گئے۔ ہزاروں لوگ ان کی روحانی تربیت سے روحانیت کے اعلیٰ مرتبہ کو پہنچے۔ تمام عمر کسی دولتمند کے پاس نہ گئے۔ احادیث اور تفاسیر کی کتابت کر کے گزارہ کرتے تھے۔ تمام رات طالبان حق کی تلقین اور عبادت میں گزارتے تھے۔ سید آدم بنوری مجددی نقشبندی نے جب ان کا شہرہ سنا' تو پاپیادہ بنور سے لاہور آئے اور فیضیاب ہوئے۔ ۸ محرم ۱۰۴۰ھ (۱۶۳۰ء) میں فوت ہوئے۔

حضرت شاہ کمال کے ہم سفر ساتھی: حضرت شاہ کمال جب سفر کرتے ہوئے سنہ ۹۲۷ء میں ٹھٹہ (سندھ) میں آئے' تو آپ کے ساتھ تین اور بزرگ بھی تھے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ سید شکر اللہ شیرازی' سید شاہ مبین عرف منبہ اور سید عبداللہ شاہ۔ کمال تو کچھ عرصہ ٹھٹہ میں رہ کر چلے گئے' لیکن یہ تینوں بزرگ ٹھٹہ میں مقیم ہو گئے۔ ان کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

قاضی سید شکر اللہ شیرازی: کا شجرہ نسب امیر سید فضل اللہ المحدث الحسینی الدشتی الشیرازی سے ملتا ہے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام سید وجہ الدین تھا۔ آپ ہرات سے قندھار آئے اور وہاں سے سید شاہ مبین' سید کمال اور سید عبداللہ کے ساتھ ۹۲۷ھ میں ٹھٹہ آئے۔ ٹھٹہ میں انصاروں کے محلہ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کی فرزند میر ظہیرالدین والا سلام بھی ساتھ آئے۔ جن کی شادی انصاروں میں کرائی۔ ان سے ٹھٹہ کے سادات شکر الٰہی کی نسل قائم ہوئی۔ اس خاندان سے باکمال مورخ بے مثل تذکرہ نگار ادیب بے بدل شاعر میر علی شیر قانع (وفات ۱۲۰۳ھ = ۱۷۸۸ء) تولد ہوئے۔ جن کی تاریخ سندھ پر لکھی ہوئی کتاب "تحفتہ الکرام" تاریخ سندھ پر اہم کتاب ہے۔ سید شکر اللہ کے مراسم شاہ بیگ ارغون کے خاندان سے ہرات میں ہی پیدا ہوئے تھے۔ جب آپ ٹھٹہ آئے' تو سندھ میں شاہ بیگ ارغون کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ شاہ بیگ اور ان کے فرزند شاہ حسن ارغون نے آپ کی قدر افزائی' مالی مدد کی اور شیخ الاسلام کا منصب دیا۔

قاضی سید شکر اللہ شیرازی' سید کمال کے مرید نہیں تھے' بلکہ شیعت کی طرف مائل تھے۔ البتہ بقول میر علی شیر قانع (تحفتہ الکرام (جلد سوم) ان چاروں احباب میں ایک خاص اتحاد تھا۔ سید شکر اللہ نے وفات کے وقت اپنے فرزند کو وصیت کی تھی کہ "اپنی اولاد کو یہ تاکید کرنا کہ انہیں اگر کوئی مشکل پیش آئے۔ تو وہ میرے ان تین دوستوں میں سے کسی سے رجوع کریں۔ چنانچہ اس وصیت کے مطابق سید شکراللہ ثانی کی دو فرزندوں: سید محمد حسین اور سید ظہیرالدین ثانی کی اولاد' سید مبین عرف منبہ سے تعلق رکھتی آئی۔ تیسرے فرزند سید نور محمد کے بیٹے سید نظام الدین کی اولاد سید کمال سے وابستہ رہی۔ اور سید عبدالرحمٰن کی اولاد سید عبداللہ سے متعلق ہے۔

سید شکراللہ کی مزار مکلی پر سید عبداللہ کی درگاہ کے مغرب میں ہے۔

سید شاہ مبین عرف منبہ: سید عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے تھے۔ جب ٹھٹہ آئے تو ایک مرید کے گھر میں مقیم ہوئے۔ اور تجرد اور پرہیزگاری کے ساتھ اپنی عمر گزار گئے۔ اس گھر میں ماں اور بیٹے رہا کرتے تھے۔ قاضی سید شکر اللہ کے ساتھ آپ کی خصوصی صحبت رہا کرتی تھی۔

سید عبداللہ: سید عبداللہ کی ٹھٹہ آمد کے سلسلہ میں تین روایتیں ملتی ہیں۔ روایت ہے کہ

آپ سید کمال، سید شکر اللہ شیرازی اور سید مبین کے ساتھ ٹھٹھ آئے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ آپ تنہا بغداد سے ٹھٹھ آئے۔ تیسری روایت کے مطابق یہ بزرگوار شاہ بیگ ارغون کے زمانے میں ٹھٹھ آئے اور پہاڑی کے اس مقام پر آکر گوشہ نشین ہوئے۔ جہاں اب ان کا مزار واقع ہے۔ چونکہ سید کمال، سید مبین، سید شکر اللہ شیرازی اور سید عبداللہ میں دوستی تھی، اس لئے صحیح یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ مذکورہ چار دوستوں کے ساتھ ٹھٹھ آئے اور مقیم ہو گئے۔ مکلی پر آپ کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے اور آپ عبداللہ شاہ صحابی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا شجرہ نسب حضرت سید عبدالقادر جیلانی سے جا ملتا ہے آپ کا شجرہ نسب اس طرح ہے:

"حضرت سید عبداللہ بن سید محمود بن سید عبدالقادر بن سید عبدالباسط بن سید حسین بن سید احمد بن سید شرف الدین قاسم بن سید بدر الدین بن سید علاؤ الدین علی بن سید شمس الدین بن سید شرف الدین یحییٰ بن سید شہاب الدین بن سید ابو صالح النصر بن سید عبدالرزاق بن حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ"

سید حسن: ایک روایت کے مطابق سید عبداللہ نے ٹھٹھ میں مجرد زندگی گزاری اور دوسری روایت کے مطابق سید عبداللہ نے ٹھٹھ میں سکونت پذیر ہونے کے بعد ٹھٹھ کے صحیح النسب سادات کے ہاں سے شادی کرلی۔ آپ کے دو فرزند ہوئے۔ سید حسن اور سید محمد فاضل۔ سید عبداللہ شاہ کی وفات کے بعد ان کے فرزند سید حسن اپنے چھوٹے بھائی سید محمد فاضل کے ہمراہ ٹھٹھ چھوڑ کر سیاحت کرتے ہوئے ہندوستان میں آئے۔ ہندوستان کے مختلف شہر اور گاؤں گھومتے ہوئے شاہجہان آباد آئے۔ پھر وہاں سے لاہور پہنچے۔ لاہور میں حضرت میاں میر سے ملاقات کی اور کچھ دن ان کی صحبت میں رہے۔ لاہور سے گجرات آئے اور شاہ دولہ سے ملاقات کی اور چند روز ان کے یہاں رہے۔ وہاں سے پوٹھوہار کے علاقہ میں پہنچے اور شاہ عبداللطیف بری سے ملاقات کی اور کچھ دن ان کے یہاں رہے۔ پھر رخصت ہو کر پشاور پہنچے۔ پشاور شہر کے باہر ایک باغ تھا۔ جسے سلطان پور کہتے تھے۔ اس میں قیام کیا۔ لوگوں نے جب آپ کو دیکھا، تو نہایت ہی عقیدت کے ساتھ ملے۔ کئی لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی وہ باغ ایک پٹھان سردار کی ملکیت تھا۔ وہ بھی مرید ہو گئے۔ اور وہ باغ آپ کے نذر کردیا۔

ایک پٹھان سردار نے اپنی لڑکی آپ کے نکاح میں دی، جس سے آپ کو زین العابدین نامی فرزند ہوا۔ اس کے بعد قصبہ کنٹر کے سادات کے ہاں آپ کی دوسری شادی ہوئی۔ یہ سادات سید علی ہمدانی کی اولاد میں سے تھے۔ اس بیوی کے بطن سے دو لڑکے پیدا ہوئے: سید شاہ محمد غوث اور سید علی، سید حسن نے تمام عمر عبادت و ریاضت اور تلقین و ارشاد میں صرف کی۔

سید حسن کا یہ احوال سید شاہ محمد غوث کے پوتے حضرت میر محی الدین المعروف شاہ غلام (کشمیر) بن حضرت سید محمد عابد قادری خانیاری (کشمیر) بن حضرت شاہ محمد غوث قادری پشاوری ثم لاہوری کی لکھی ہوئی کتاب سے ماخوذ ہے (۱) لیکن تحفۃ الکرام میں مذکورہ ہے کہ سید عبداللہ نے ساری زندگی مجرد رہتے ہوئے یاد الٰہی میں بسر کی (۲) حدیقۃ الاولیاء میں بھی سید حسن پشاوری قادری گیلانی کو سید عبداللہ گیلانی کا فرزند اور مرید دکھایا گیا ہے (۳) اس کے ساتھ سید حسن کی تاریخ وفات ۱۱۱۵ھ (۱۷۰۳ء) درج ہے اور حواشی میں تاریخ ولادت ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ء) دی گئی ہے۔(۴) سید عبداللہ کی تاریخ وفات کہیں درج نہیں ہے۔ لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ کہ سید عبداللہ سنہ ۹۲۷ھ میں ٹھٹھ میں آئے۔ (۵) پھر یہ کیسے ممکن ہے۔ کہ سید حسن جن کی ولادت سنہ ۱۰۲۳ھ میں ہوئی سید عبداللہ شاہ کے فرزند ہوں۔ میر علی شیر قانع نے تحفۃ الکرام میں کہیں بھی سید عبداللہ شاہ کی اولاد کا تذکرہ نہیں کیا، حالانکہ میر قانع سید عبداللہ شاہ سے اپنے خاندان کے مراسم کا ذکر کرتے ہیں۔ (۶) ان حقائق کی روشنی میں سید عبداللہ شاہ کی فرزندگی کی حیثیت مشکوک ہو جاتی ہے البتہ اگر یہ مان لیا جائے کہ سید عبداللہ کی اولاد تھی، تو یہ ہو سکتا ہے کہ سید حسن، سید عبداللہ شاہ کی اولاد میں سے ہوں۔

(۱) خوارق العادات ورحالات ومقامات سید حسن پشاوری، غلام میر کشمیری (فارسی)، اردو و ترجمہ محمد امیر شاہ، پشاور ص ۱۵ تا ۳۹

(۲) تحفۃ الکرام: میر علی شیر قانع، اردو ترجمہ، سندھی ادبی، ۱۹۵۹ء، ص ۷۵۸

(۳) حدیقۃ الاولیاء: مفتی غلام سرور لاہوری ص ۶۰

(۴) ایضاً" ص ۶۰ اور حواشی ص ۶۱

(۵) تحفۃ الکرام ص ۱۵۹۔ الکمال: سید خورشید حسین بخاری ص ۳۸

(۶) تحفۃ الکرام' اردو ترجمہ ۷۵۸

شاہ محمد غوث گیلانی: سید حسن پشاوری کے فرزند تھے۔ جامع علوم ظاہر و باطن تھے۔ خرقہ خلافت اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں کی سیروسیاحت کی اور کئی بزرگوں سے ملے' مثلاً "سید میران بھیکہ چشتی' عبدالغفور نقشبندی وغیرہ' حضرت نوشہ گنج بخش کے خلیفہ پیر محمد سچیار نوشہری سے ملے اور فیض پایا۔ سنہ ۱۱۵۲ھ (۱۷۳۹ء) میں وفات پائی اور لاہور میں مدفون ہوئے۔

سید محمد عابد قادری: حضرت شاہ محمد غوث کے بڑے صاحبزادے تھے۔ دینی تعلیم کی تکمیل کے بعد اپنے والد بزرگوار کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ کئی لوگ آپ سے مستفیض ہوئے۔ کشمیر کے حکام آپ سے اتنے متاثر تھے کہ آپ کو تیرہ گاؤں بطور جاگیر دیئے۔ مختلف علاقوں کے حکام کو جب کوئی مشکل پیش آتی' تو آپ سے مشورہ کرتے۔ جب درانی دور ختم ہوا' سکھوں کی حکومت قائم ہوئی۔ تو رنجیت سنگھ نے آپ کی تمام جاگیریں ضبط کر لیں۔ ۱۳۔ ربیع الاول سنہ ۱۱۹۳ھ (۱۷۷۹ء) میں فوت ہوئے اور کشمیر میں شیخ عبدالرشید قادری چکن پوش کے صحن میں مدفون ہوئے۔

آپ کے فرزند سید غلام شاہ قادری نے اپنے پیر دادا سید حسن کی سوانح کی متعلق "خوارق العادات" نامی کتاب لکھی۔ سید غلام شاہ کا مرزا سرینگر کشمیر میں ہے۔ آپ صاحب دیوان شاعر بھی تھے۔

(۲) سید بہاؤالدین گیلانی المشہور بہ بہاول شیر قلندر حجروی

آپ کا شجرہ نسب حضرت سید عبدالقادر جیلانی سے اس طرح ملتا ہے۔

"سید بہاول شیر بن سید محمود بن سید علاؤ الدین المشہور زین العابدین بن سید مسیح الدین فتح اللہ بن سید صدر الدین بن سید ظہیرالدین بن سید شمس الدین بن سید مومن بن سید مشتاق بن سید علی بن سید صالح بن سید قطب آفاق بن سید عبدالرزاق بن حضرت غوث الاعظم محی الدین سید عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ"

سید بہاول بغداد میں تولد ہوئے' پھر اپنے والد اور پھوپھی کے ساتھ ہندوستان میں آکر

بدایوں میں سکونت پذیر ہوئے' وہاں تھوڑے عرصہ کے بعد ان کے والد بزرگوار فوت ہو گئے۔ اس کے بعد ان کی پھوپھی جو رابعہ عصر تھی' نے ان کی روحانی تربیت کی۔ حضرت سید بہاول نے تمام عمر عبادت اور ریاضت' سکرو جذب اور شوق و ذوق میں گزاری' بڑے مست و مجذوب بزرگ تھے۔ دو سو پچاس برس عمر پائی۔ تین مرتبہ بارہ بارہ سال کی خلوت میں بیٹھے اور عبادت کرتے رہے۔ ایک مرتبہ ایک غار میں چالیس برس بحالت سکرو جذب ایک ہی جگہ پر بیٹھے رہے۔ آپ کی پشت مبارک ایک پتھر کے ساتھ چمٹ گئی۔ جب وہاں سے اٹھے تو پشت کا چمڑہ اس پتھر کے ساتھ رہ گیا۔ اس غار سے نکل کر اس جگہ آئے جہاں اب قصبہ "حجرہ" آباد ہے۔ اس جگہ آبادی ہو گئی اور کئی لوگ آپ کے مرید ہو گئے۔ ۱۸۔ شوال ۹۷۳ھ (۱۵۶۶ء) کو فوت ہوئے اور "حجرہ" میں مدفون ہوئے۔

سید محمد نور: سید بہاول شیر گیلانی کے بڑے صاحبزادے تھے۔ اہل دل بزرگ تھے۔ کئی لوگوں کو مستفیض کیا سنہ ۹۸۸ھ (۱۵۸۰ء) میں فوت ہوئے۔

سید محمد مقیم محکم الدین: شاہ ابو المعالی بن سید محمد نور بن سید بہاول شیر گڑھے کے فرزند تھے۔ جب آپ کے والد کی وفات پائی۔ تو آپ چھوٹی عمر کے تھے۔ ظاہری تعلیم حاصل کرنے کے بعد باطنی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ لاہور میں جب قبرستان "میانی" میں آئے اور مراز شیخ محمد طاہر لاہوری کے مزار کے قریب حیات المیر کو ایک حجرہ میں پایا۔ تو ان کی خدمت میں حاضر ہو کر روحانی فیض حاصل کیا۔ شیخ جمال اللہ عرف حیات المیر حضرت سید عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت سید محمد مقیم ۱۰۵۵ھ (۱۶۴۵ء) میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار "حجرہ" میں ہے۔

(۳) رانیپور (سندھ) کے جیلانی سید

حضرت سید عبدالقادر جیلانی کے فرزند سید عبدالعزیز لقب شمس الدین کنیت ابو محمد کو دو فرزند تھے: سید عبداللہ اور سید محمد ھتاک۔ سید محمد ھتاک خانوادے سے سید ابو صالح بغدادی کے دو فرزند سید محمد اور سید احمد تبلیغ کے لحاظ سے سندھ میں آئے۔ اس زمانہ میں سندھ پر کلہوڑہ خاندان حکومت کر رہا تھا۔ سندھ کے حاکم ان دو بھائیوں کی خاندانی وجاہت' شخصیت اور روحانی کمالات سے بہت متاثر ہوئے۔ اور ان کے ساتھ عزت اور احترام سے

پیش آئے۔ ان کو سندھ میں رہنے اور تبلیغ کرنے کی اجازت دے دی۔ دونوں صاحبزادے حیدر آباد' خدا آباد سے تبلیغ کرتے ہوئے۔ کھڑا (ضلع خیر پور میرس) میں آئے اور اس زمانہ کے بہت بڑے بزرگ اور عالم مخدوم احمدی سے ملے اور ایک سال تک ان کے مہمان رہے۔ بعد میں کھڑا کے قریب گمبٹ اور رانیپور میں روحانی مرکز قائم کر کے سکونت پذیر ہو گئے۔ ان کے روحانی فیض سے بیشار لوگ مستفیض ہوئے اور کئی غیر مسلم ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ انھوں نے ونڈیر خاندان میں سے شادیاں کیں سید محمد لاولد فوت ہوئے اور گمبٹ میں مدفون ہوئے ان کے بھائی سید احمد رانیپور میں آکر رہے ان کو چار فرزند ہوئے: سید صالح شاہ' ابراہیم شاہ' عبدالرحیم شاہ' عبدالعزیز شاہ عرف عبدالغفار شاہ۔

سید صالح شاہ کی اولاد' رانیپور کے جیلانی سادات ہیں' گمبٹ کے جیلانی سادات' سید ابراہیم شاہ کی اولاد ہیں۔ "خالد" کے جیلانی سید عبدالرحیم کی اولاد ہیں۔ سید عبدالعزیز شاہ لاولد فوت ہوئے۔ سید صالح شاہ والد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ سید ابراہیم شاہ گمبٹ میں جا کر اپنے چچا سید احمد کے سجادہ نشین ہوئے اور سید ابراہیم شاہ کے فرزند سید شیر محمد شاہ عرف پیر شیر اپنے نانا کے خاندان میں لاڑکانہ کے طرف "خالد" میں جا کر رہے۔ ان کا مقبرہ لاڑکانہ کے قریب ہے۔ سید محمد اور سید احمد کا شجرہ نسب اس طرح ہے۔

"سید محمد (اور سید احمد) بن سید ابو صالح ابن سید عبدالرحیم ابن سید نور الدین ابن سید محمد درویش کلاں ابن سید شرف الدین ابن سید شمس الدین ابن سید محمد ھتاک ابن ابو محمد عبدالعزیز ابن سید عبدالقادر جیلانیؒ"۔

سید احمد کے سجادہ نشین سید صالح شاہ سخی اور روحانی کمالات کے صاحب تھے۔ سندھ' بلوچستان' پنجاب اور افغانستان کے بے انداز لوگ ان کے مرید ہوئے۔ سید صالح شاہ کی وفات کے بعد ان فرزند پیر غلام محی الدین شاہ سجادہ نشین ہوئے جو بڑے متقی اور اہل دل بزرگ ہو گزرے ہیں۔ سرائیکی زبان کے باکمال شاعر اور چشتی سلسلہ کے بزرگ حضرت خواجہ غلام فرید ان کے بہت گہرے دوست تھے۔ کبھی کبھی ایک دوسرے کو سرائیکی شعر کی صورت میں پیغام بھیجتے تھے۔ ایک مرتب حضرت پیر محی الدین شاہ اپنے مرید احمد شاہ کے یہاں "حاجی پور" پنجاب آئے۔ حضرت خواجہ صاحب "حاجی پور" جا کر پیر صاحب سے ملے

اور ان کو اپنے یہاں لے آئے۔ تین دن ان کی خدمت کی۔ نذرانہ پیش کیا اور تین آدمی خدمت کے لئے آپ کے ساتھ روانہ کئے۔ ان کے نام یہ ہیں: مولوی فتح محمد' مولوی محمد صادق اور گامن خان گوپانگ۔

پیر غلام محی الدین نے اپنے وقت کے حکمرانوں' بزرگوں' علماء' اور فقراء کے ساتھ بڑے اچھے تعلقات قائم رکھے۔ سن ۱۳۲۶ھ (۱۹۰۸ء) میں فوت ہوئے۔ ان کو تین فرزند ہوئے: سید پیر صالح شاہ ثانی' سید علی شاہ' سید غلام علی شاہ۔ سید پیر صالح شاہ ثانی سجادہ نشین ہوئے۔ جو بڑے بزرگ اور سندھی زبان کے بلند پایہ شاعر ہو گزرے ہیں۔ انہوں نے سنہ ۱۹۳۵ء میں وفات کی۔ سید احمد شاہ ثانی ان کے سجادہ نشین ہوئے۔ جو بڑے با اثر پیر ہو گزرے ہیں۔ سنہ ۱۹۶۳ء میں فوت ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد پیر میراں سائیں سجادہ نشین ہوئے۔

(۴) گھوٹکی (سندھ) اور چک جعفر شاہ (پنجاب) کے جیلانی سادات

یہ جیلانی سادات حضرت سید عبدالقادر جیلانی کے فرزند سید عبدالجبار کی اولاد ہیں' سید عبدالجبار کو چار فرزند تھے: سید عبدالرحمان' سید عبدالجلیل' سید ابوالحسن علی اور سید فرح۔ برصغیر پاک و ہند میں ان میں سے سید عبدالجلیل اور سید ابوالحسن کی اولاد آباد ہے۔ احمد آباد (گجرات) کے جیلانی سادات سید ابوالحسن علی کی اولاد میں سے ہیں۔ گجراتی جیلانی سادات میں سے مخدوم سید غیاث الدین احمد آبادی مشہور بزرگ ہو گزرے ہیں۔ انہوں نے احمد آباد میں آکر سکونت اختیار کی اور وہیں پر وفات پائی۔ ان کی اولاد بھی وہیں رہتی ہے۔ ان کا شجرہ نسب اس طرح ہے "سید غیاث الدین بن سید عبدالوہاب بن سید شاہجو بن سید غیاث الدین کبیر بن سید شاہجو بن سید محمد بن سید شہاب الدین بن سید عبداللہ بن عبدالجلیل بن سید حسن بن سید ابوالحسن علی بن سید عبدالجبار سراج الدین بن شیخ عبدالقادر جیلانیؒ"۔

گھوٹکی کے جیلانی سادات کے مؤسس اعلیٰ اور جد امجد ابو جعفر محمد مبارک شاہ جیلانی' عادلپوری ہیں' جن کا شجرہ نسب اس طرح ہے۔ "سید مبارک شاہ عادلپوری بن سید حسین دہلوی بن سید محمد عربی المکی بن سید یونس بن سید احمد بن سید جعفر بن سید عبدالقادر ثانی

بن سید حسین بن سید ابو نعمان بن سید حمید الدین بن سید علی بغدادی بن سید عبدالجلیل بن سید عبدالجبار بن سید شیخ عبدالقادر جیلانیؒ"۔

سید مبارک شاہ کا مقبرہ عادلپور میں زیارت گاہ خاص و عام ہے' عادلپور' گھوٹکی کے جنوب میں تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ سید مبارک شاہ کے دادا سید محمد عربی مکی اپنے فرزند سید حسین کے ساتھ ہندوستان آئے۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں اور بنگال کی سیروسیاحت کرتے ہوئے پنجاب آئے اور لاہور کے گرد و نواح میں دیپالپور نامی گاؤں میں آکر رہے۔ وہاں ان کی وفات ہوئی اور وہیں ان کا مقبرہ ہے۔ ان کے فرزند والد کی وفات کے بعد دہلی چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کی۔ وہاں سید حسن دہلوی کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کی شادی سید غیاث الدین جیلانی گجراتی کے خاندانی میں سے ہوئی۔ سید حسن کو دو فرزند ہوئے۔ سید جمال الدین اور سید مبارک شاہ۔ سید حسن نے دہلی میں وفات پائی۔ ان کا مقبرہ پرانی دہلی میں لال دروازہ کے قریب ہے۔

سید مبارک شاہ نے تجرد اور درویشی کی زندگی اختیار کی۔ یہ ہمایوں کا دور حکومت تھا۔ اس زمانہ میں سید مبارک شاہ سیرو سیاحت کرتے ہوئے پہلے گجرات آئے اور وہاں سے سندھ میں آئے اور عادلپور میں آکر سکونت اختیار کی۔ ان کی وفات گیارھویں صدی ہجری میں ہوئی۔ ان کو تین فرزند ہوئے: سید جعفر شاہ' سید جمال شاہ اور کمال شاہ ان تینوں بھائیوں کی اولاد جعفرانی' جمالانی اور کمالانی سادات کے نام سے مشہور ہیں اور سندھ اور پنجاب کے مندرجہ ذیل شہروں میں سکونت پذیر ہے۔ "چک جعفر شاہ' لوہ صاحباں (گھوٹکی)' غوث پور' ہیبت رحمو والی' ملوک والی' حسین بیلی' قادر پور' جمال جھوک' دائم شاہ' سنجر پور' حاجی پور وغیرہ۔"

سید مبارک شاہ کی وفات کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے سید جعفر شاہ سجادہ نشین ہوئے۔ وہ علم' عمل' شرافت' سخاوت اور روحانیت کے صاحب ہو گزرے ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد عادلپور سے نقل مکانی کرکے ملتان کے نواح میں "ہمشیرہ" میں آکر رہے اور وہیں سکونت اختیار کی۔ سنہ ۱۰۴۰ھ (۱۶۳۰ء) میں ان کی وفات ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔ اب "ہمشیرہ" کی جگہ "سید" نامی گاؤں آباد ہے۔ سید جعفر شاہ کے پوتے سید جعفر شاہ ثانی بن سید حیدر شاہ بن سید باغ علی شاہ بن سید جعفر شاہ کی اولاد "چک جعفر شاہ" (پنجاب) میں

آباد ہے۔

سید موسیٰ شاہ گھوٹکی والے: سید مبارک شاہ کے چھوٹے صاحبزادے کا نام شاں اور کمال تھا۔ ان کی وفات ۱۰۴۷ھ (۱۶۳۷ء) میں ہوئی اور ہمشیرہ میں مدفون ہوئے۔ ان کو چار فرزند ہوئے: سید شاہ محمد' عبدالجلیل شاہ' سید حسن اور سید عبدالرحیم۔ سید عبدالجلیل علم' شریعت' طریقت زہد اور تقویٰ کے صاحب ہو گزرے ہیں۔ سنہ ۱۰۷۰ھ (۱۶۶۰ء) میں فوت ہوئے۔ ان کو تین فرزند ہوئے: سید محمد شجاع المعروف بہ سوجھرو شاہ' سید محمد عابد اور سید کمال شاہ ثانی سید محمد عابد شاہ کو چار فرزند ہوئے: سید حمید الدین' سید عاقل' مخدوم سید شیخ محی الدین ثانی ابو صالح موسیٰ شاہ اور سید سلطان' سید محمد عابد کا مقبرہ بھی "ہمشیرہ" میں ہے۔

حضرت سید موسیٰ شاہ اپنے والد کی وفات کے بعد اپنے بھائیوں کے ساتھ ہمشیرہ سے نقل مکانی کرکے گھوٹکی (سندھ) میں آکر سکونت پذیر ہوئے' عبادت اور ریاضت کے ساتھ حلال رزق کے حصول کے لئے زراعت بھی کرتے تھے۔ روحانی فیض حاصل کرنے کے لئے بے شمار لوگ آپ کے پاس آنے لگے اور گرد و نواح اور دور دراز علاقوں کے لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ سنہ ۱۱۴۸ھ (۱۷۳۵ء) میں آپ نے گھوٹکی میں ایک شاندار مسجد تعمیر کروائی' جو تعمیر کا بے نظیر نمونہ ہے۔

طریقت میں سید موسیٰ شاہ' قادری سلسلہ کے بزرگ سلطان باہو کے مرید تھے۔ ان کا ذکر بعد میں آئے گا۔ حضرت سید موسیٰ شاہ نے ۸ ذوالحج ۱۱۷۳ھ (۱۷۶۰ء) میں وفات کی۔ آپ کا مزار جامع مسجد کے قریب زیارتگاہ خاص و عام ہے۔ آپ کے وجود کی وجہ سے گھوٹکی والے علاقہ کو "لوہ صاحباں" بھی کہا جاتا تھا۔

سید موسیٰ شاہ کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے سید شرف الدین محمد صالح شاہ سجادہ نشین ہوئے۔ یہ بزرگ بھی زہد و تقویٰ' شریعت و طریقت کے صاحب ہو گزرے ہیں۔ والد بزرگوار کی طرح یہ بزرگ بھی سلطان باہو کے مزار کی زیارت کو جاتے تھے۔ ۱۱ شوال سنہ ۱۱۸۲ھ (۱۷۶۸ء) کو فوت ہوئے۔ ان کے بعد ان کے فرزند سید سراج الدین جمال محمد جانشین ہوئے اور سنہ ۱۱۹۱ھ (۱۷۷۷ء) میں ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے سید محمد مبارک سجادہ نشین ہوئے۔ وہ بڑے عالم' فاضل اور اہل دل بزرگ تھے۔ تفسیر' فقہ اور

حدیث میں ان کو بڑی دسترس حاصل تھی۔ سنہ ۱۱۹۵ھ (۱۷۸۱ء) میں اس خاندان کو قلات کی حاکم میر نصیر خان بروہی کی طرف سے علاقہ کچھی (بلوچستان) میں جاگیریں ملیں۔ ۲ رمضان ۱۲۱۴ھ (۱۸۰۰ء) میں سید مبارک شاہ فوت ہوئے ان کے بعد ان کے فرزند سید محمد صالح ثانی سجادہ نشین ہوئے، جنہوں نے ۱۲۵۹ھ (۱۸۴۳ء) میں وفات کی۔ ان کے بعد سید مبارک ثانی (وفات ۱۲۷۴ھ = ۱۸۵۸ء) سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے بعد ان کے فرزند سید مبارک شاہ اصغر سجادہ نشین ہوئے۔ اس خاندان میں سجادہ نشینوں کے علاوہ اور بھی کئی اہل دل بزرگ گزرے ہیں۔ مثلاً" سید محبوب شاہ (وفات ۱۲۶۷ھ - ۱۸۵۱ء) سید محمد بخش شاہ (وفات ۱۲۸۶ھ - ۱۸۶۹ء) سید محمد عابد شاہ ثانی (وفات ۱۲۱۴ھ - ۱۷۹۹ء) سید فیض اللہ شاہ ثانی (وفات ۱۲۴۶ھ - ۱۸۳۱ء) سید کرم اللہ شاہ بن سید فیض اللہ شاہ (وفات ۱۲۶۰ھ - ۱۸۴۴ء)، سید موسیٰ شاہ ثانی بن سید محمد عابد شاہ (وفات ۱۲۸۱ھ - ۱۸۶۵ء) وغیرہ۔

اس خاندان نے شمالی سندھ، پنجاب اور بلوچستان میں لوگوں کی روحانی اصلاح کے سلسلہ میں بڑی کوششیں کیں اور کئی لوگ ان کے رشد و ہدایت کے ذریعہ راہ راست پر آئے۔ کئی لوگ ان کے پاس آتے رہتے تھے اور روحانی فیض سے مستفیض ہوتے رہتے تھے۔ وہ لوگوں کو شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کی تلقین کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے یہاں درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ جس سے کئی لوگوں نے علمی فیض حاصل کیا۔

(۵) دوسرے جیلانی بزرگ

ان کے علاوہ اور بھی کئی جیلانی سادات یہاں آکر سکونت پذیر ہو گئے اور یہاں کے لوگوں کو روحانی فیض سے مستفیض کیا۔ چند بزرگوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے:

شاہ قادری: سید عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے تھے۔ ان کا مزار سندھ میں بدین کے قریب ہے۔ ان کا اس سے زیادہ احوال نہیں ملتا۔

علی اصغر: سندھ کے ایک قدیم گاؤں "نورائی" کے رہنے والے تھے اور سید عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے تھے۔

سید نور شاہ: سید عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے تھے۔ پہلے ٹھٹہ (سندھ) کے قریب ایک گاؤں میں آکر رہے۔ پھر ٹھٹہ میں سکونت پذیر ہو گئے۔

شیخ محمود المعروف بہ سیتان قادری: سید عبدالقادر جیلانیؒ کے پوتے مشہور ہیں۔ آپ کا مزار نصرپور (سندھ) میں زیارتگاہ خاص و عام ہے۔

شاہ حبیب: حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کے فرزند حضرت سید عبدالرزاق کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کے والد سید فتح اللہ بغداد میں رہتے تھے اور بزرگی کی وجہ سے مشہور تھے۔ شاہ حبیب کی ولادت بھی بغداد میں ہوئی۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد بڑی ریاضتیں اور مجاہدے کئے۔ شاہ جہان کے زمانہ میں نقل مکانی کرکے یہاں آئے اور پنجاب میں سندھ کے قریب سکونت اختیار کی۔ یہاں بھی آپ نے بارہ برس عبادت اور چلہ کشی میں گزارے مغلیہ حکومت سے آپ کو جاگیر ملی، جس میں موضوع بغداد آباد کیا۔ آپ کا مزار بھی وہیں پر ہے۔

پیر یوسف الدین جیلانی: سید امیر الدین نزہت نے اپنی کتاب "ابراز الحق" میں لکھا ہے کہ سنہ ۸۳۸ھ (۱۴۳۴ء) میں عراق سے پیر یوسف الدین، جو حضرت سید عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے تھے تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں سندھ میں آئے۔ ان کے ٹھٹہ کے قیام کے دوران "لوہانہ" قوم کے ۸۴ جاتیوں میں سے سو خاندانوں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ان نو مسلموں کو "مومن" کہا گیا، جو بعد میں "میمن" ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ۱۴۸۱ء میں پیر صاحب واپس بغداد چلے گئے۔

یہ بیان تحقیق طلب ہے، کیونکہ موجودہ تحقیق کے مطابق اس سے پہلے عرب دور میں "لوہانہ" قوم کے لوگ مسلمان ہو کر "مومن" خطاب حاصل کر چکے تھے۔ جب اسماعیلی داعی تبلیغ کر رہے تھے، تو وہ لوگ جو ان کے مذہب میں داخل ہوتا تھا، اس کو "خواجہ" کا لقب دیتے تھے۔ وہ بھی زیادہ تر "لوہانہ" قوم کے افراد تھے۔ اس کے مقابلہ میں جب عرب دور میں ہی علماء کرام نے "لوہانہ" قوم کے افراد کو اسلام میں داخل کیا تو ان کو "مومن" کا خطاب دیا۔ جو بعد میں "میمن" ہو گیا۔

البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ پیر یوسف الدین نے سندھ میں آکر میمن برادری کی روحانی اصلاح کی ہو اور ان کا اپنا معتقد بنا لیا ہو۔

بہرحال ابراز الحق کا بیان میمن برادری کے اسلام قبول کرنے کے سلسلے میں مختلف کتابوں میں نقل کیا گیا ہے۔ مثلاً" بمبئی گزیٹیئر۔ اشاعت اسلام (آرنولڈ) وغیرہ۔

فصل ہفتم

اس میں ان قادریہ سلسلہ کے بزرگوں کا تعارف پیش کیا جائے گا، جو اوچ کی درگاہ سے وابستہ نہیں تھے، اور ان کا سلسلہ طریقت سید عبدالقادر جیلانی کے فرزند سید عبدالرزاق سے ملتا ہے۔

سید ابو الفتح مخدوم محمد ملتانی بدری

اس بزرگ کا زیادہ حال تو معلوم نہیں ہے۔ البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ملتان میں رہتے تھے اور سلسلہ عالیہ قادریہ ملتانیہ کے بانی تھے۔ بعد میں نقل مکانی کرکے بدر (حیدر آباد۔ دکن) میں جا کر آباد ہو گئے۔ آپ کے والد کا نام فتح اللہ تھا۔ خواجہ بہاؤ الدین ابراہیم انصاری قادری کے خلیفہ تھے، جن کا مزار بخارا میں ہے۔ آپ کا شجرہ طریقت اس طرح ہے۔

"سید ابو الفتح مرید خواجہ بہاؤ الدین ابراہیم انصاری کے وہ مرید سید احمد جیلی مغربی قادری (مزار سرحد شام اور یمن) کے وہ مرید سید حسن مغربی (مزار سرحد شام) کے، وہ مرید سید موسیٰ قادری (ایران) کے، وہ مرید سید علی قادری (مدایہ۔ ایران) کے، وہ مرید سید محمد بغدادی (بغداد) کے، وہ مرید سید حسن بغدادی کے، وہ مرید سید صنوبر احمد قادری کے، وہ مرید سید ابونصر محی الدین قادری کے، وہ مرید سید ابوصالح نصر قادری کے، وہ مرید سید عبدالرزاقؒ کے، وہ مرید حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کے" اس ملتانی سلسلہ قادریہ کے سلسلہ طریقت کے بزرگ شاہ عبیداللہ اپنے بھائیوں: شاہ کلیم اللہ اور شاہ عبدالملک کے ساتھ سندھ سے گزرتے ہوئے ہندوستان گئے۔ سندھ کے عظیم شاعر سچل سرمست کے جد امجد خواجہ محمد حافظ شاہ عبید اللہ کے مرید ہوئے۔ شاہ عبیداللہ سندھ سے ہوتے ہوئے اجمیر شریف پہنچے اور ہیں وفات پائی۔ آپ کا مزار بھی درگاہ اجمیر شریف میں ہے۔ شاہ کلیم اللہ

اور شاہ عبدالملک حیدر آباد دکن چلے گئے۔ شاہ عنایت اللہ شہید جھوک میراں پور (سندھ) والے شاہ عبدالملک کے مرید اور خلیفہ تھے۔

سید اسماعیل قادری ملتانی: سید ابوالفتح ملتانی نے بدر میں متوطن ہو کر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ آپ سے اور آپ کی اولاد سے بے شمار لوگوں نے روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ کی اولاد میں سے سید اسماعیل قادری ملتانی بارھویں صدی ہجری میں مشہور بزرگ ہو گزرے ہیں۔ سید ابو الفتح ملتانی بدری سے آپ کا شجرہ طریقت اس طرح ملتا ہے۔

"سید اسماعیل قادری مرید شاہ احمد قادری ملتانی کے، وہ مرید اسماعیل قادری ملتانی المعروف بہ حضرت پیر بادشاہ قادری بدری گوشہ نشین کے، وہ مرید سید شاہ عبدالرزاق قادری ملتانی کے، وہ مرید شاہ ولی محمد قادری ملتانی کے، وہ مرید شاہ مرتضیٰ اکبر قادری ملتانی کے، وہ مرید شاہ محمد اکبر قادری ملتانی کے، وہ مرید شاہ حسین قادری ملتانی کے، وہ مرید حضرت ابراہیم مخدوم جی قادری، ملتانی کے، وہ مرید حضرت ابوالفتح مخدوم محمد قادری ملتانی بدری کے"۔

سید اسماعیل قادری ملتانی نے بھی اپنی آباو اجداد کے طریقہ پر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند شاہ سید احمد سجادہ نشین ہوئے۔ جو "نکتہ نما شاہ" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ان کا مزار امام پورہ (حیدر آباد دکن) میں ہے۔

حضرت سید اسماعیل قادری نے تصوف کے متعلق ایک مختصر مگر جامع کتاب "نور الحقیقت" کے نام سے لکھی ہے، جس میں تصوف کے مسائل فلسفیانہ رنگ میں بیان کئے گئے ہیں۔ کتاب کا موضوع "تنزلات ستہ" ہے۔ تنزل تصوف کی ایک اصطلاح ہے اور تصوف میں اس کا مفہوم اس کی لغوی معنی سے مختلف ہے۔ لغت میں کسی کا اوپر کی منزل سے نیچے آنے کو تنزل کہتے ہیں۔ اس طرح جو آدمی اوپر سے نیچے آیا، تو اس کی منزل اس سے خالی ہو گئی اور نیچے کی منزل پر ہو گئی۔ لیکن صوفیانہ اصطلاح میں اس کا یہ مفہوم نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وجود جیسا تھا ویسا ہی ہے۔ تمام تغیرات شہودی اور اعتباری ہیں، وہ خواہ علمی ہوں یا عینی۔ یعنی تنزلات شہود میں واقع ہوئے ہیں اور نہ وجود میں۔ اب یہی وجہ ہے کہ تنزلات اعتباری ہیں، نہ کہ حقیقی۔ ان تنزلات کو تعینات، تجلیات، تقیدات اور اعتبارات بھی کہتے ہیں۔

عوالم اور اشیاء۔ یہی اسماء اور صفات کے مظاہر ہیں۔

تنزل ثانی: واحدیت: یہ ذات حق کا ایک مرتبہ ہے۔ اس مرتبہ میں ذات نے اپنی ہر صفت اور ہر قابلیت کو علیحدہ علیحدہ جانا۔ غرض یہ کہ یہاں ذات تمام اسماء اور صفات کی جامع ہے، خواہ وہ اسماء کلی ہوں یا جزئی۔ یوں ہر اسم دوسرے اسم سے جدا ہوا۔ اسم عبارت ہے ایک ذات سے جو ایک صفت سے متصف ہے، مثلاً ذات کی صفت سماعت کے ساتھ سمیع، صفت کلام کے ساتھ کلیم۔ یعنی مرتبہ واحدیت، مرتبہ اسماء و صفات ہے۔

تنزل ثالث: تیسرا تنزل تعین مظہر، ارواح کا ہے۔ ارواح، اجسام کے مادے ہیں اور عوارض سے پاک اور الوان و اشکال نہیں رکھتے۔ یعنی عالم ارواح، شکل، رنگ و وزن اور زمان و مکان سے پاک ہے۔ ان کا پیدا ہونا یا کمال کو پہنچنا تدریجاً نہیں، بلکہ دفعتہً "امر "کن" سے ہوتا ہے۔

تنزل رابع: چوتھا تنزل، عالم مثال ہے۔ یہ عالم لطیف ہے اور اجسام اور ارواح کے درمیان واسطہ ہے۔ اس کو عالم برزخ، عالم خیالی اور عالم دلی بھی کہتے ہیں۔ یہ عالم روحانی ہے، جو ہر نورانی ہے۔ محسوس اور مقداری ہونے میں جو ہر جسمانی کے مماثل ہے اور خود نورانی ہونے کی وجہ سے جوہر مجرد عقلی کے مماثل ہے۔ یعنی عالم مثال امتداد اور شکل و صورت ہوتی ہے اور اس وجہ سے مکان کے مثل ہوتا ہے، لیکن مکان سے پاک ہوتا ہے۔

تنزل خامس: پانچواں تنزل عالم اجسام ہے، جس کو عالم شہادت بھی کہتے ہیں۔ یعنی یہ چشم ظاہری کے مشاہدہ میں آتا ہے اور اس کو ہر شخص دیکھ رہا ہے۔ اس میں اجسام و اشیاء شکل و صورت، رنگ و وزن رکھتے ہیں۔

تنزل سادس: چھٹا تنزل "انسان" ہے۔ انسان ہی کے ذریعہ ذات مطلق نے جملہ موجودات کے اسرار ظاہر کئے ہیں۔ بزرگ فرماتے ہیں: "مظہر کلی انسان ہے، جو ذات مطلقہ کی مظہریت اور اسماء و صفات اور افعال کی مظہریت کے درمیان جامع ہے اور حقائق وجوبی، اسمائے الہیہ کی نسبتوں اور حقائق امکانی و صفات خلق کے درمیان جامع

سید اسماعیل نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ وجود مطلق نے مرتبہ اولیٰ یا مرتبہ لاتعین سے علی الترتیب نزول فرما کر اس کائنات میں ہمہ رنگی پیدا کی ہے۔ نزول کے ان زینوں کو وہ "تنزلات" کہتے ہیں، جو تعداد میں چھ ہیں۔ انہوں نے ان چھ تنزلات کی وضاحت کی ہے۔ ان کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

تنزل اولیٰ

احدیت: جب کوئی چیز نہ تھی، تب ایک حقیقت اپنے آپ موجود تھی۔ اس مرتبہ میں وہ حقیقت تمام قیود سے پاک تھی اور اس کے تمام صفات و کمالات پوشیدہ تھے۔ وہ اپنے کمال کے سبب کسی جانب متوجہ نہ تھی۔ اپنے آپ پر حاضر تھی۔ اپنے غیر کی طرف متوجہ نہ تھی۔ کیونکہ اس کا غیر تھا ہی نہیں۔ اس مرتبہ اولیٰ کو بزرگ "احدیت" کہتے ہیں۔ یعنی احدیت ذات حق کا ایک مرتبہ ہے، جو وہم و گمان سے پاک ہے۔ اس میں کثرت کی گنجائش نہیں ہے۔

وحدت: حدیث قدسی ہے۔

کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف مخلقت الخلق

(میں مخفی خزانہ تھا، پھر میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں پس میں نے مخلوق پیدا کی۔)

یہ حدیث قدسی صوفیاء کرام میں مشہور ہے۔ حضرت امام غزالی، حضرت محی الدین ابن عربی اور دوسرے اکابر صوفیہ کرام نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ملا علی قاری نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث قدسی کا مفہوم اس آیت کریمہ کے مطابق ہے:

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ (الذریات ۵۱:۵۶)

(اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی بندگی کے لئے پیدا کیا ہے)

حضرت سید اسماعیل نے تنزل اول سے مرتبہ ثانیہ کو "وحدت" کا نام دیا ہے، اور اس کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے مندرجہ بالا حدیث قدسی دی ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ حقیقت کا یہی ظہور ہے، جو مجالی یعنی تعینات میں پایا جاتا ہے اور عارفوں کے مشاہدے میں آتا ہے۔

مجالی، "مجلا" کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں جلوہ گاہیں۔ اس کے مراد ہیں کائنات،

خواجہ محمد حافظ درازی

آپ کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے۔ آپ کے جد امجد محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ میں آئے اور سیوھن میں آکر متوطن ہو گئے۔ بعد میں گاؤں درازا (ضلع خیرپور۔ میرس) میں آکر رہے۔ آپ کے آباؤ واجداد میں سے مخدوم نور الدین بن وحید الدین کے دو فرزند: مخدوم ابو سعید اور مخدوم بدر الدین سنہ ۶۶۵ھ میں حضرت غوث بہاؤالدین زکریا ملتانی کے خلیفہ مخدوم شاہ جمار کے مرید ہوئے۔ اس طرح آپ کے خاندان کا تعلق سہروردیہ سے رہا۔ لیکن حضرت خواجہ محمد حافظ بن میاں عبدالوہاب شاہ' عبیداللہ جیلانی کے مرید ہو کر سلسلہ قادریہ سے وابستہ ہوئے۔

حضرت خواجہ محمد حافظ سنہ ۱۱۰۱ھ (۱۶۹۰ء) میں تولد ہوئے۔ آپ کو صاحب ڈنو بھی کہا جاتا تھا۔ مروجہ فارسی اور عربی تعلیم حاصل کر کے سرکاری ملازمت اختیار کی اور دیسہ مورہ میں فصلی ضابطہ کے ممتاز عہدہ پر فائز تھے۔ ایک مرتبہ راستہ میں "کوڑی کبیر" اور "ڈیونی" کے درمیان آپ کو ایک مجذوبہ عورت ملی' جس نے آپ کا راستہ روک کر آپ کو مخاطب کر کے کچھ سندھی ادبیات کہے' جن کا مفہوم یہ تھا کہ "خدا کو تمہاری تلاش ہے اور تم کس کو ڈھونڈھ رہے ہو۔" یہ سن کر آپ کی حالت بدل گئی' ملازمت چھوڑ کر جنگل میں جا کر چلہ کشی میں مصروف ہو گئے۔ اسی حال میں آپ کی ملاقات شاہ عبیداللہ سے ہوئی' جو سید عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے تھے اور اپنے دو بھائیوں شاہ کلیم اللہ اور شاہ عبدالملک کے ساتھ ملتان سے سندھ میں آئے تھے۔ شاہ عنایت اللہ صوفی شہید' جھوک میراں پور (سندھ) والے شاہ عبدالملک کے مرید اور خلیفہ تھے۔ حضرت خواجہ محمد حافظ' شاہ عبیداللہ سے متاثر ہوئے اور ان کے دست پر بیعت کی۔ شاہ عبیداللہ' خواجہ محمد حافظ سے صحبتیں کر کے اجمیر شریف چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ آپ کا مزار خواجہ معین الدین اجمیری کی درگاہ میں ہے۔ حضرت خواجہ محمد حافظ سے چلہ کشی والے زمانہ میں سندھی زبان کے عظیم شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی بھی آکر ملے۔ حضرت خواجہ محمد حافظ نے سنہ ۱۱۹۲ھ (۱۷۷۸ء) میں وفات پائی۔ آپ کے دو فرزند

ہوئے: صلاح الدین اور عبدالحق۔ خواجہ عبدالحق مسند نشین ہوئے۔ حضرت خواجہ صاحب سے سندھ کے کئی شہروں کے بے شمار لوگوں نے روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ نے سندھی اور فارسی زبان میں شعر بھی کہے ہیں' جن میں تصوف کے اسرار و رموز بیان کئے ہیں۔

خواجہ عبدالحق نے بھی روحانی پیغام کو پھیلانے میں بڑی کوشش کی۔ سنہ ۱۲۱۳ھ (۱۷۹۸ء) میں آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند سخی قبول محمد اول (ولادت ۱۱۸۱ھ۔ وفات ۱۲۴۵ھ) سجادہ نشین ہوئے۔ سندھ کے ہفت زبان شاعر حضرت سچل سرمست' حضرت خواجہ عبدالحق کے بھتیجے اور مرید تھے۔ ان کی شاعری کا جائزہ الگ فصل میں پیش کیا جائے گا۔

اس صوفی خاندان کے مریدوں میں کئی صوفی بزرگ سندھی اور سرائیکی زبانوں کے بلند پایہ شاعر ہو گزرے ہیں' جنہوں نے شعر کے ذریعہ روحانی پیغام اور وجودی فکر کو سندھ کے کونہ کونہ میں پھیلایا۔

شاہ عنایت اللہ شہید جھوک میراں پور والے

شاہ عنایت اللہ صوفی' قوم کے لانگاہ تھے اور مخدوم صدو لانگاہ کی اولاد میں سے تھے۔ مخدوم صدو لانگاہ اپنے وقت کے بزرگ ہو گزرے ہیں۔ ان کا مزار ضلع ٹھٹہ کے قدیم گاؤں "نصریہ" میں ہے۔ شاہ عنایت اللہ کا ان سے سلسلہ نسب اس طرح ملتا ہے:

"شاہ عنایت اللہ بن مخدوم فضل اللہ بن ملا یوسف بن ملا شہاب الدین بن ملا آجب بن مخدوم صدو لانگاہ۔"

سندھ کے اس لانگاہ خاندان کے تعلقات ملتان کے لانگاہ خاندان سے قدیم زمانہ سے تھے۔ مخدوم فضل اللہ نے شادی بھی علاقہ ملتان کے لانگاہوں میں سے کی۔ اسی وجہ سے کچھ عرصہ کے لئے ملتان میں بھی جا کر رہے۔ شاہ عنایت اللہ کی ولادت ملتان میں سنہ ۱۰۶۵ھ (۱۶۵۵ء) میں ہوئی۔ کچھ عرصہ ملتان میں ایک بزرگ شمس شاہ کی صحبت میں رہے اور ان سے علمی اور روحانی فیض حاصل کیا۔ اس کے بعد جستجوئے حق کے لئے بڑی سیر و سیاحت کی۔ آخر میں دکن میں جا کر شاہ عبدالملک کے قادری طریقہ میں

مرید ہوئے' جن کا ذکر آچکا ہے' شاہ عنایت نے شاہ عبدالملک کی صحبت میں کچھ عرصہ رہ کر روحانی فیض حاصل کیا۔ اس کے بعد دہلی آئے اور وہاں کے ایک عالم غلام محمد کے پاس رہ کر ان سے ظاہری علوم کی تعلیم حاصل کی۔

غلام محمد نے آپ کو ظاہری علوم کی تعلیم دی' لیکن آپ کے روحانی مرتبہ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ کو اپنا مرشد سمجھنے لگے۔ جب شاہ عنایت اللہ دہلی سے ٹھٹہ روانہ ہوئے' تو غلام محمد بھی آپ کے ساتھ تھے۔ ٹھٹہ اس زمانہ میں علم و عرفان کا بہت بڑا مرکز تھا۔ شاہ غلام محمد چونکہ شاہ عنایت اللہ کے طفیل روحانی کمال پر پہنچ چکے تھے' اس لئے وہ شاہ عنایت اللہ کی خدمت میں اس قدر عجز و نیاز اختیار کرتے تھے کہ ٹھٹہ کے علماء نے انہیں تعزیر کے لئے شرعی عدالت میں پیش کر دیا۔ شاہ غلام محمد اپنے مرشد شاہ عنایت اللہ کے سامنے سجدہ تعظیمی بجا لانے کی وجہ سے شرعی عدالت کا تعزیر برداشت کرکے اپنے مرشد کے حسب ارشاد دہلی چلے گئے۔ وہاں انہوں نے اپنی خانقاہ قائم کی اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ کافی عرصہ تک خانقاہ درویشی قائم رکھنے کے بعد انتقال کرگئے۔ ان کے فیض سے ہزاروں افراد مستفیض ہوئے۔

ٹھٹہ کے علماء' شاہ عنایت اللہ کے نظریات کی وجہ سے ان کی مخالفت کرنے لگے۔ شاہ عنایت انقلابی ذہن رکھتے تھے اور عوام میں خود اعتمادی' خود داری' عزت نفس اور بیداری پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے حکمران طبقہ بھی آپ سے ناراض ہوگئے۔ آپ کی تحریک' روحانی تحریک کے ساتھ انقلابی تحریک بھی تھی' اس لئے آپ نے ضروری سمجھا کہ اس کے مرکز کے لئے ٹھٹہ مناسب جگہ نہیں ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ٹھٹہ کو چھوڑ کر اپنے جد امجد مخدوم صدر الدین عرف صدو لانگاہ کی مزار سے ڈیڑھ میل جنوب کی طرف میراں پور میں سکونت اختیار کی' جو "جھوک" یا "جھوک میراں پور" کے نام سے مشہور ہے۔ "جھوک" میں آپ نے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا اور اپنے نظریات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنے طریقہ کو ایک تحریک کی صورت دی۔ غریبوں اور محنت کشوں سے محبت ان کے دکھ درد میں ان کی مدد کرنا' ان کو استحصالی قوتوں سے بچانا' انسان دوستی' محبت' رواداری' اخوت' اتحاد اور سرفروشی اس تحریک کے ترکیبی تھے۔ ہزاروں لوگ آپ کے پاس آنے لگے اور آپ کے دست پر بیعت

کرکے آپ کی تحریک میں شامل ہو گئے۔ آپ نے ان کو خود داری کا درس دیا اور اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرنا سکھایا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اب استحصالی قوتوں سے خوفزدہ نہیں تھے۔ وہ سمجھنے لگے کہ اسلام میں مساوات صرف عبادات تک محدود نہیں ہے' بلکہ اسلام نے سماجی اور معاشی مساوات کا درس بھی دیا ہے۔

شاہ عنایت اللہ کی اس تحریک کی وجہ سے لوگوں میں بیداری پیدا ہو گئی اور وہ زمینداروں' پیروں اور حکمران طبقہ کے انسان دشمن رویہ اور طبقاتی نظام پر احتجاج کرنے لگے۔ یہ حال دیکھ کر پیر اور زمیندار مشتعل ہو گئے' کیونکہ شاہ عنایت کے فقیروں کی جماعت ان کو آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگی تھی۔ اس علاقہ کے پیروں اور زمینداروں نے آپس میں مشورہ کرکے فقیروں سے چھیڑ چھاڑ اور جھگڑا فساد شروع کر دیا اور انہوں نے حکمران طبقہ کو یہ تاثر دیا کہ شاہ عنایت اپنی خود مختار ریاست قائم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس وقت ٹھٹہ میں مغلیہ گورنر میر لطف علی تھے۔ پیروں اور زمینداروں نے اس کو بھی اپنا ہمنوا بنا لیا۔

آخر پیروں اور زمینداروں نے مل کر اچانک فقیروں پر ہلہ بول دیا' جس میں شاہ عنایت کے ۳۵ فقیر شہید ہو گئے۔ فقراء نے مشتعل ہو کر اپنے پیر سے جوابی کارروائی کی اجازت طلب کی' لیکن شاہ عنایت نے انہیں صبر و تحمل اور نظم و ضبط کی تلقین کی۔ اس کے بعد گورنر ٹھٹہ کی طرف فقراء کا ایک وفد بھیجا گیا' جس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اس کے بعد وفد دہلی بھیجا گیا' جو دہلی میں اپنے ہمدردوں کے تعاون سے بادشاہ سے ملے اور اپنی فریاد پیش کی۔ ان کی داد رسی ہوئی۔ قانون کے مطابق شہداء کے قاتلوں کی زمینیں ان کے حوالے کی گئیں۔ اس کے بعد کتنے ہی غریب اور دوسرے لوگ ہندوستانی عمال کے مظالم سے بھاگ کر شاہ عنایت کے فقیروں کے دامن عاطفت میں آباد ہو گئے۔

ان باتوں نے ٹھٹہ کے مغلیہ گورنر اور علاقہ کے پیروں اور زمینداروں کو اور زیادہ مشتعل کر دیا اور وہ شاہ عنایت اور ان کے فقیروں کو کچلنے کے لئے سازش تیار کرنے لگے۔ اس کے مطابق انہوں نے مل کر شاہ عنایت اور ان کے فقیروں کی تحریک کو بغاوت ظاہر کرکے' شاہی دربار سے ان کی بیخ کنی کے لئے حکم جاری کرا لیا۔ اس کے

بعد سندھ کے تمام پرگنوں کی فوجیں جمع کرکے' شاہ عنایت پر حملہ کردیا۔ فقیروں نے بڑی دلیری اور بہادری سے اس کا مقابلہ کیا۔ جب حملہ آوروں نے دیکھا کامیابی نہیں ہوئی تو انہوں نے شاہ عنایت کو جنگ بندی اور صلح کی پیش کش کی اور قرآن حکیم اٹھا کر یقین دلایا کہ کوئی دھوکہ نہیں ہوگا۔ شاہ عنایت ایک صوفی اور انسان دوست تھے۔ انہوں نے خون خرابہ کو روکنے کے لئے پیش کش قبول کی۔ اپنے چند فقیروں کا وفد لے کر حملہ آوروں کے سرکردہ آدمیوں کے ساتھ ۹۔ صفر ۱۱۳۰ھ (۱۷۱۸ء) کو میراں پور سے باہر آئے۔ جب یہ قافلہ گورنر ٹھٹہ اعظم خان کے خیمہ کے قریب آیا' تو حکمران طبقہ کے آدمیوں نے شاہ عنایت اور ان کے ساتھیوں کا گھیراؤ کرکے' شاہ عنایت کو قید کردیا اور آپ کے ساتھیوں کو اسی وقت شاہ عنایت کے سامنے شہید کردیا اس کے بعد شاہ عنایت کو گورنر کے سامنے لایا گیا اور اس نے آپ کو شہید کرنے کا حکم صادر کیا۔ ۱۶ صفر ۱۱۳۰ھ کو جلاد نے آپ کا سرتن سے جدا کردیا۔ آپ نے شہادت کے وقت یہ شعر پڑھا:

رہا نیدی مرا از قید ہستی
جزاک اللہ فی الدارین خیرا

صوفی فضل اللہ قلندر: شاہ عنایت کی شہادت کے بعد ان کے فرزند شاہ عزت اللہ سجادہ نشین ہوئے۔ ۱۱۸۶ھ (۱۷۷۲ء) میں ان کی وفات ہوئی۔ اس کے بعد شاہ عزت اللہ کے داماد زاہد شاہ بن شاہ ابراہیم صوفی سجادہ نشین ہوئے۔ شاہ ابراہیم ڈب والا بن "تالے جنگ" شاہ عنایت شہید کے بردار زادہ تھے۔ اور شاہ عنایت کے خلیفہ مخدوم سید اسماعیل شاہ (ٹھٹہ) کے مرید تھے۔

اس کے بعد شاہ زاہد کے فرزند شاہ فضل اللہ سجادہ نشین ہوئے۔ جس نے زہد و عبادت' فیض و ہدایت سے شاہ شہید کی درگاہ کا نام روشن کیا۔ قلندری صفات کی وجہ سے آپ کو قلندر کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ انہوں نے صوفی قادری طریقہ کی روشنی میں اسلامی اخوت' مساوات' اور محبت کی تعلیم کو عام کیا۔ دور دراز علاقوں سے لوگ آکر آپ کے فیض سے مستفیض ہوئے۔ ۲۷۔ جمادی الثانی ۱۲۴۳ھ (۱۸۲۷ء) کو آپ کی وفات ہوئی۔

آپ کے خلفاء میں سے محمد صدیق سومرو' حافظ عبداللہ' فتح الدین' شاہ جانیاں پوترہ اور موٹیو حجام کے نام قابل ذکر ہیں۔ محمد صدیق سومرو (۱۲۶۵ھ۔ ۱۸۴۹ء) سندھ کے باکمال شاعر تھے۔

میرجان اللہ شاہ رضوی: روہڑی کے رضوی خاندان سے تھے' جن کا جدامجد سید علی مکی سندھ میں وارد ہو کر بکھر میں آباد ہو گئے تھے۔ ان کا اور ان کے اولاد کا ذکر سہروردیہ سلسلہ کے بزرگوں میں موجود ہے۔ میرجان اللہ شاہ' شاہ عنایت شہید کے خلیفہ اعظم تھے۔ وہ فارسی زبان کے باکمال شاعر تھے۔ ان کی اولاد میں سے بھی بعض افراد سندھی اور فارسی زبان کے بلند پایہ شاعر ہوئے۔ فارسی' سندھی' سرائیکی اور اردو کے باکمال شاعر' ادیب' نثرنویس' صوفی اور اہل دل بزرگ قادر بخش بیدل (روہڑی) کی طریقت کا سلسلہ بھی میرجان اللہ شاہ سے ملتا ہے۔ میرجان اللہ شاہ نے ۵۔ ربیع الاول ۱۱۶۷ھ (۱۷۵۳ء) میں وفات کی۔

سید رکھیل شاہ صوفی: جیلانی سید تھے اور قریہ فتح پور' علاقہ ناڑی ضلع کچھی' بلوچستان کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے درگاہ جھوک کے سجادہ نشین شاہ عبدالستار سے روحانی فیض حاصل کیا۔ اس کے بعد بلوچستان کے خطہ ناڑی کے گاؤں فتح پور' تحصیل گنداوا' ضلع کچھی (بلوچستان) میں روحانی فیض کا سرچشمہ جاری کیا۔ بلوچستان اور شمالی سندھ کے بے شمار لوگ آپ سے مستفیض ہوئے۔ بے شمار ہندو بھی آپ کے معتقد تھے۔ آپ نے سنہ ۱۹۴۰ء میں وفات کی۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند چیزل شاہ سجادہ نشین ہوئے۔ سید چیزل شاہ اور ان کے فرزند رکھیل شاہ سندھی اور سرائیکی زبانوں کے بلند پایہ شاعر تھے۔

فصل ہشتم

میاں میر لاہوری سیوھانی اور ان کے خلفاء

حضرت میاں میر مغلیہ دور حکومت میں قادریہ سلسلہ کے بہت بڑے بزرگ ہو گزرے ہیں، جس نے اپنی زندگی فقر میں گزاری، لیکن اپنی شخصیت اور کردار سے بادشاہوں کو متاثر کیا اور وہ ان کی خدمت گزاری میں فخر محسوس کرنے لگے۔ ان کے روحانی فیض سے سندھ، پنجاب اور دوسرے علاقوں کے کئی لوگ مستفیض ہوئے۔ جہانگیر ان کی گفتگو سے اتنے متاثر ہوئے کہ بقول دارا، جہانگیر آپ کو کہنے لگے: "سلطنت، جاہ و حشمت، مال و جوہر جو کچھ میرے پاس موجود ہے، میری نظر میں سنگ و خس کے برابر ہے۔ اگر حضرت توجہ فرمائیں تو میں علائق دنیا کو ترک کر دوں۔" لیکن حضرت میر صاحب نے اس کو منع فرمایا اور خلق خدا کی پاسبانی اور عدل و انصاف کے سلسلہ میں ہدایت دیں۔"

جہانگیر کے بعد شاہجہان ان کے آستانہ پر حاضری دینے آئے۔ بادشاہ جب بزرگ کے حجرے میں داخل ہوئے۔ تو اس کو مخاطب کرکے فرمایا۔ بادشاہان عادل کے لئے لازم ہے کہ رعیت اور مملکت کی خبرگیری کریں اور اپنی ولایت کی آبادی اور خوشحالی میں تندہی سے مصروف رہیں۔ کیونکہ اگر رعیت خوشحال اور ملک آباد ہوگا۔ تو سپاہ آسودہ اور خزانہ معمور ہوگا۔" دارا لکھتے ہیں۔ کہ ان باتوں کے بعد دین و ملت کے مسئلے پر گفتگو ہوتی رہی۔ شاہ جہاں دو مرتبہ آپ کی خدمت میں آئے۔ چونکہ آپ بادشاہ اور امراء سے مال لینا قبول نہیں فرماتے تھے، اس لئے شاہجہان نے خرما کی ایک تسبیح بطور نذر پیش کی۔ شاہجہان کے بڑے فرزند دارا اور شاہجان کی صاحبزادی بھی آپ کے معتقد اور مرید تھے۔ آپ نے روحانی فیض شیخ خضر سیوستانی سے حاصل کیا۔

شیخ خضر سیوستانی: قادری طریقہ کے بہت بڑے بزرگ تھے۔ تارک الدنیا تھے۔ پہلے

سیوھن کے قبرستان میں رہتے تھے۔ موسم سرما لوگوں سے الگ اور پوشیدہ رہ کر سیوھن کے پہاڑ میں بسر کرتے۔ شہر کا رخ نہیں کرتے۔ البتہ سال میں ایک دوبار شہر میں آتے، وہ بھی گھومنے پھرنے کے لئے، حق سبحانہ و تعالی کے سوائے کسی سے آشنائی نہ رکھتے۔

ایک مرتبہ حاکم سیوھن آپ کی خدمت میں آیا تو دیکھا کہ حضرت دھوپ میں ایک پتھر پر عالم محویت میں بیٹھے ہیں۔ وہ ان کے قریب آکر کھڑا ہوگیا۔ اس کا سایہ آپ پر پڑا تو اس کی موجودگی کا احساس ہوا۔ سر اٹھا کر فرمایا کہ کیسے آنا ہوا؟ اس نے جواب میں کہا۔ "میری التماس ہے کوئی خدمت فرمایئے کہ میں بجا لاؤں۔" حضرت نے فرمایا "پہلی خدمت یہ ہے کہ اپنا سایہ ہٹا لو۔ اس نے ایسا ہی کیا اور پھر استدعا کی کہ میرے لئے دعائے خیر کریں۔ فرمایا:" حق تعالی وہ وقت نصیب نہ کرے کہ غیر کا خیال تمہارے دل میں آئے۔" یہ سن کر حاکم شرمسار ہوا اور واپس چلا گیا۔

حضرت میاں میر سیوھانی نے حضرت شیخ خضر سے روحانی فیض حاصل کیا۔ حضرت میاں میر نے حضرت شیخ خضر سے اپنی پہلی ملاقات کا ذکر اس طرح کیا کہ "جب میں والدہ سے رخصت ہو کر غلبہ شوق میں گھر سے نکلا تو جنگل کا رخ کیے بے اختیار چلا جاتا تھا، یہاں تک کہ کوہ سیوستان پہنچا۔ وہاں دیکھا کہ ایک طرف کو تنور ہے، جو اوپر سے ڈھکا ہوا ہے۔ تنور کھولا تو اس میں ایک بڑا سا پتھر نظر آیا۔ تنور گرم تھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ کسی بزرگ نے اپنے لئے یہ جگہ بنائی ہے کہ سردی سے اپنا بچاؤ کرسکیں۔ تنور دیکھ کر مجھے اسے بزرگ سے ملنے کی خواہش ہوئی۔ اور فیصلہ کیا کہ جب تک انہیں دیکھ نہ لوں گا، واپس نہیں جاؤں گا۔ تین دن وہاں بھوکے پیاسے اور حیرانی کے عالم میں گزرے۔ ہوا بڑی سرد تھی۔ جی چاہتا تھا کہ تنور میں بیٹھ جاؤں، لیکن یہ خیال آتا کہ یہاں بیٹھنا خلاف ادب ہوگا۔ تین دن رات کے بعد حضرت شیخ وہاں آئے۔ میں نے آگے بڑھ کر انہیں سلام کیا۔ آپ نے فرمایا: "وعلیکم السلام یا میر محمد!" ان کی زبان سے اپنا نام سنا تو اعتقاد اور بھی زیادہ ہوگیا۔ آپ نے فرمایا: "کہو کب آئے" میں نے عرض کیا: "تین دن رات سے آپ کی تشریف آوری کا منتظر ہوں۔" فرمایا: "میں تو یہاں سے آج ہی گیا تھا۔ لیکن تمہیں کہیں دیکھا نہیں۔" بہرحال انہوں نے مجھے اپنی مریدی کی سعادت بخشی اور ذکر الٰہی میں مشغول کر دیا۔

اس کے بعد حضرت میاں میر عبادت اور ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑی ہی مدت میں درجات بلند اور مقامات عالیہ کو پہنچا اور ماسوائے اللہ سے دل ہٹ گیا۔ اس کے بعد حضرت شیخ خضر نے آپ کو فرمایا کہ اب تمہیں کوئی ضرورت نہیں، جہاں چاہو جاؤ اور جہاں خواہش ہو وہاں قیام کرو۔ اس کے بعد حضرت میاں میر سیرو سیاحت کرتے ہوئے لاہور آئے۔

حضرت شیخ خضر سے متعلق زیادہ احوال نہیں ملتا۔ آپ کے متعلق مذکورہ احوال دارا شکوہ کی کتاب "سکینۃ الاولیاء" میں ملتا ہے۔ مفتی غلام سرور لاہوری کی کتاب "خزینۃ الاصفیاء" میں آپ کا سن وفات ۹۹۴ھ (۱۵۸۶ء) درج ہے۔ اور قطع تاریخ اس طرح دی ہے:۔

کرد چوں رحلت ازیں دارالفنا　　سال وصال آں ولئ جنتی

آفتاب عارفاں حق بکر (۹۴۰ھ)　　نیز سالک متقی نورالولی

(۹۹۴ھ)

سوانح حیات میاں میر سیوھانی: حضرت میاں میر عرف میاں جیو کی ولادت سندھ کے شہر سیوھن میں سنہ ۹۳۸ھ (۱۵۳۱ء) میں ہوئی۔ آپ کا سلسلہ نسب ۲۸ واسطوں سے حضرت عمر فاروقؓ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے والد بزرگوار بھی اہل دل بزرگ تھے۔ جب آپ سات سال کے ہوئے، تو آپ کے والد نے وفات کی۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام بی بی فاطمہ تھا۔ جو سندھ کے بہت بڑے عالم، فاضل صوفی بزرگ اور سندھی زبان کے شاعر قاضی قاضن کی دختر نیک اختر تھیں۔ حضرت میاں میر کی والدہ نے طریقہ شغل اپنے والد بزرگوار سے سیکھا تھا اور اپنے وقت کی رابعہ تھیں۔ حضرت میاں میر کے چار بھائی اور دو بہنیں تھیں، جن کے نام یہ ہیں۔ "قاضی بولن، قاضی عثمان، قاضی طاہر، قاضی محمد، بی بی جمال خاتون اور بی بی بادی۔"

حضرت میاں میر ابھی سات سال کے تھے، تو ان کے والد نے وفات کی۔ اس کے بعد آپ کی تعلیم اور تربیت کی ذمہ داری آپ کی والدہ نے سنبھالی۔ جب بارہ سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ نے آپ کو روحانی تعلیم دینی شروع کی۔ بعد میں اپنی والدہ کی اجازت سے دنیوی تعلقات چھوڑ کر والدہ سے رخصت ہو کر ریاضت اور مجاہدہ کے

غرض سے نکلے۔ سیوھن کے پہاڑوں میں جا کر حضرت شیخ خضر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان کی صحبت سے ادراک پا کر اور ریاضت اور مجاہدہ کرکے تھوڑے ہی عرصہ میں روحانیت کے درجہ کمال کو پہنچے۔ حضرت میاں میر نے ظاہر میں حضرت خضر سے بیعت ضرور کی۔ لیکن حقیقت میں وہ اویسی تھے۔ اور آپ کی روحانی تربیت براہ راست حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ نے کی۔ حضرت خضر کا شجرہ طریقت اس طرح ہے۔

"میاں میر مرید و خلیفہ شیخ خضر سیوستانی، وہ مرید احمد، وہ مرید سید احمد، وہ مرید سید عابد کبیر، وہ مرید سید ابوالقاسم، وہ مرید شیخ موسیٰ ملی، وہ مرید شاہ ابوبکر، وہ مرید شاہ داؤد، وہ مرید شیخ زید، وہ مرید شاہ سلیمان، وہ مرید شیخ قرشی، وہ مرید شیخ سید عبدالرزاق، وہ مرید اپنے والد بزرگوار سید عبدالقادر جیلانیؒ۔"(۱)

"تذکرۃ الفقراء" میں درج شجرۂ طریقت حضرت سید عثمان قلندر لعل شہباز کے ذریعہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی سے ملتا ہے:

"میاں میر سندھی، مرید شاہ خضر سیوستانی، وہ مرید شاہ اسکندر، وہ مرید شیر الاولیاء خواجہ حاتی، وہ مرید سید علی قادری، وہ مرید شاہ عثمان لعل شہباز قلندر، وہ مرید شاہ جمال مجرد، وہ مرید شیخ ابواسحاق ابراہیم، وہ مرید شیخ مرتضی سبحانی، وہ مرید احمد بن مبارک، وہ مرید حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی" (۲)

حضرت میاں میر حاجتمندوں کو دے دیتے تھے۔ دنیا داروں سے پرہیز کرتے تھے۔ زمانہ بھر کے سلاطین، امرا، خواص اور عوام آپ سے عقیدت رکھتے تھے۔ اور نذر و نیاز لے کر آپ کی خدمت میں آتے۔ لیکن سلاطین اور امرا کی کوئی نذر قبول نہ فرماتے۔

حضرت میاں میر کی عبادت اور ریاضت کا طریقہ اتنا سخت تھا، کہ ہر ایک کا کام نہیں تھا۔ مثلاً " آپ کے رہنے کا طریقہ یہ تھا کہ سالہا سال تک چارپائی پر نہیں سوئے۔ آپ کا معمول تھا کہ تمام رات ایک ہی دم میں گزارتے تھے۔ جب آپ کی عمر مبارک اسی برس ہوئی اور ضعیفی اور پیری نے آپ کے جسم میں کمزوری پیدا کی، تب بھی آپ کے معمول میں فرق نہیں آیا۔ البتہ ایک دم کے بجائے چار دموں میں رات گزارتے تھے۔ غرضیکہ ایک لحظہ بھی حق کی یاد سے غافل نہیں رہے۔ اکثر یہ شعر پڑھا

کرتے تھے:

۱۔ حدیقۃ الاولیاء: مفتی غلام سرور لاہوری' اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۷۴ء ص ۴۸

۲۔ تاریخ مظہر شاہجہانی: یوسف میرک حواشی' حسام الدین راشدی ۱۹۶۲ء حواشی ۶۳ -- ۲۶۴

کسے کو غافل از حق یک زمانست
در آندم کافراست اما نہا نست

(جو شخص حق تعالیٰ سے گھڑی بھر غافل ہے' اس وقت وہ کافر ہوتا ہے۔ لیکن پوشیدہ)

کبھی یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

یک نفس بے اوبر آوردن خطا است
چہ بہ کج زو' بازمانی' چہ براست
چوں ترا خود اندک آمد بند راہ
چہ بہ کوہی بازمانی چہ بہ کاہ

(اس کے بغیر سانس لینا بھی خطا ہے۔ خواہ اس کی طرف منہ موڑ دیا کہ اس کی طرف منہ کرو جب تمہارے لئے راستہ بند ہے۔ تو خواہ پہاڑ کی وجہ سے بند ہے۔ یا تنکے کی وجہ سے)۔

کبھی کبھی یہ شعر زبان پر آتا:

گردش عالم پر از خون مالا مال
کہ خورد مرد خدا الا حلال

(اگر جہاں خون سے پر اور مالا مال ہو جائے تو بھی مرد خدا حلال کے سوا اور کچھ نہیں کھاتا۔)

حضرت میاں میر شریعت کے پابند تھے۔ فرض اور موکدہ سنن پڑھتے اور تہجد گزار تھے۔ روزے بھی رکھتے تھے۔ آپ کے اصحاب کا بھی یہی طریقہ تھا۔ آپ کے پاس جو لوگ آتے تھے' تو ان کو پند و نصیحت فرماتے رہتے تھے' لیکن عام لوگوں کو وہ باتیں نہیں سناتے تھے۔ ہندی راگ خوب سمجھتے تھے اور اسے بہت پسند کرتے تھے۔ قوال آپ کے پاس آتے تو ان سے سماع سنتے تھے۔ لیکن وجد اور رقص نہیں کرتے تھے۔ آپ خلق

محمدی پر عمل پیرا تھے۔ جو شخص بھی آپ کے پاس آتا' اس پر اتنی توجہ اور شفقت فرماتے کہ وہ سمجھتا جس قدر لطف و عنایت اس پر ہوئی' کسی دوسرے پر نہیں۔ اس کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر باتیں کرتے البتہ اتنا تھا کہ جو بھی آپ کی خدمت میں آتا اسی وقت اس کے حق میں دعا کرکے اسے رخصت کر دیتے۔ آپ فقراء اور درویشوں کا سا لباس نہیں پہنتے تھے۔ سادے کپڑے کی سفید دستار سر پر کھدر کا کرتہ زیب تن کرتے تھے۔

حضرت میاں میر ہمیشہ لوگوں کی صحبت اور میل جول سے پرہیز کرتے تھے۔ جنگل میں جا کر عبادت کرتے' یا کسی ویران جگہ پر بیٹھ کر عبادت کرتے۔ رات کو حجرہ بند کرکے شب بیداری کرتے تھے۔ کئی سال نہ دن کو سوئے نہ رات کو۔

حضرت میاں میر اپنے مرشد کے ارشاد کے مطابق ۲۵ برس کی عمر میں سیرو سیاحت کرتے ہوئے لاہور پہنچے۔ لاہور میں پہنچ کر مساجد میں وقت گزارنے لگے۔ کچھ عرصہ مولانا سعد اللہ کے حلقہ درس میں گزارا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں عقلی و نقلی علوم میں درجہ کمال کو پہنچے۔ ان کے علاوہ اخوند مولانا سعد اللہ کے شاگرد مولانا نعمت اللہ سے بھی تحصیل علم کی۔ لاہور میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد سرہند گئے۔ سال بھر سرہند میں رہنے کے بعد واپس لاہور آئے۔ محلہ باغباں میں قیام کیا۔ جو "خانی پورہ" کے نام سے مشہور تھا۔ زندگی کے آخری دنوں تک یہیں رہے۔ اب کے دفع آپ کی بزرگی کا چرچہ ہوا۔ کئی لوگوں نے آپ کی طرف رجوع کیا۔ اور بے شمار طالب آپ کی تربیت اور نظر فیض اثر کی وجہ سے منزل مقصود کو پہنچے۔ اور لوگوں کی روحانی اصلاح کے باعث بنے۔

لاہور میں قیام کرنے کے بعد جب لوگ آپ کے پاس آنے لگے' تو آپ کا طریقہ تھا کہ جب کوئی شخص خدمت میں حاضر ہوتا' تو دریافت فرماتے کہ کیسے آیا ہے؟ اور کیا کام ہے؟ اگر وہ کہتا کہ حضرت کی ملاقات کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ تو اس کی دلجوئی کرتے اور فرماتے: "آؤ' بیٹھو! کچھ وقت کے بعد ہاتھ اٹھا کر کہتے کہ دعا کرو اور جاؤ۔" لیکن اگر وہ کہتا کہ طالب حق کے خیال سے حاضر ہوا ہوں تو اس کی طرف سے منہ پھیر لیتے۔ اسے پاس نہ بٹھاتے' واپس چلے جانے کو کہتے اور فرماتے:

"بابا' حق تعالیٰ کی طلب آسان نہیں' یہ بہت جان جوکھوں کا کام ہے' جب تک

اس کی طلب اور جستجو میں یگانہ نہ ہو جائے اسے نہیں پا سکتے اس کے لئے مجرد ہونا اور علایق کو چھوڑنا پڑتا ہے۔"

میاں میر کا طریقہ یہ تھا کہ تجرد' توکل اور استغنا کی زندگی گزارتے۔ ہفتہ ہفتہ تک بھی بھوکے رہتے اور اپنا حال کسی پر ظاہر نہ ہونے دیتے۔ قلیل مقدار میں فتوح قبول کر لیا کرتے۔ اس کا بھی کچھ حصہ اپنے لئے صرف کرتے' باقی حاجت مندوں کو دے دیتے۔ جب آپ کے کپڑے میلے ہو جاتے' تو دریا کے کنارے جا کر خود دھوتے۔ صاف اور پاک کپڑے پہننے کی تاکید فرماتے تھے۔

لاہور میں ساٹھ سال زندگی گزارنے کے بعد ۷ ربیع الاول سنہ ۱۰۴۵ھ (۱۶۳۴ء) میں آپ کا وصال ہوا۔ ایک روایت کے مطابق آپ کی ولادت سنہ ۹۳۸ھ میں ہوئی اور اس کے مطابق آپ کی عمر ۱۰۷ سال تھی۔ دوسری روایت کے مطابق آپ کی عمر ۹۷ سال تھی۔ داراشکوہ نے یہ روایات بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ معتبر لوگوں کے بیان کے مطابق آپ کی ولادت ۹۵۷ھ میں ہوئی اور اس اعتبار سے آپ کی عمر ۸۸ سال ہوتی ہے۔

تعلیمات: داراشکوہ نے اپنی کتاب سکینۃ الاولیاء میں میاں میر کی سوانح کے ساتھ زندگی گزارنے کے طریقہ' آپ کے افکار' خیالات اور تعلیمات بیان کئے ہیں۔ ان میں سے کچھ باتیں یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) تسبیح: حضرت میاں میرؒ جیو اور آپ اصحاب تسبیح ہاتھ میں نہیں رکھتے تھے۔ اگر کسی کے ہاتھ میں حضرت میاں جیوؒ تسبیح دیکھتے تو ہندی کا شعر پڑھتے' جس کا مفہوم اس رباعی کے مطابق تھا:

تسبیح ز من عجب در آمد بہ زبان　　گفتا کہ مرا چرا کنی سرگردان ؟
گر دل بعوض ہمیں بگردانی تو　　دانی کہ برائے ست خلق الانسان

(تسبیح کو تعجب ہوا اور کہنے لگی' مجھے کیوں سرگردان کرتے ہو۔ اگر تم دل بھی اس طرح بدلتے رہتے ہو تو تم یہ نہیں جانتے کہ انسان کو کس لیے پیدا کیا گیا ہے۔)

(۲) شریعت کی پابندی: حضرت میاں جیوؒ حضرت سید الطائفہ شیخ جنید اور حضرت غوث الثقلین قطب ربانی محبوب سبحانی سید عبدالقادر جیلانیؒ کے طریقہ کے مطابق

شریعت شریف کی پابندی کرتے تھے۔ جس بات کا سمجھنا دوسروں کے لئے مشکل ہو' وہ کبھی آپ کی زبان سے نہیں نکلتی تھی۔

(۳) سماع: حضرت میاں جیو رحمتہ اللہ سماع بھی فرماتے تھے۔ ہندی راگ کو خوب سمجھتے تھے اور اسے بہت پسند کرتے تھے۔ قوال آتے تو ان سے سماع فرماتے لیکن ایسا نہیں تھا کہ قوال ہمیشہ ان کے پاس رہیں یا انہیں خود طلب فرمائیں۔ شریعت کی پیروی اور اپنے آپ پر ضبط ہونے کی وجہ سے وجد اور رقص ہرگز نہیں کرتے تھے۔

ایک شخص نے میاں جیو سے سماع و وجد کے بارے میں دریافت کیا۔ جواب میں آپ نے سعدی کے یہ شعر پڑھے:

سماع ای برادر بگویم کہ چیست ؟　　اگر مستمع رابدانم کہ کیست؟
گر ازاوج معنی پرد طیر او　　فرشتہ فروماند از سیر او
اگر مرد لہو است و بازی ولاغ　　فروں تر شود دیوش اندر دماغ

"اگر میں سماع کرنے والوں کو جان لوں کہ وہ کون ہے' تو اے بھائی میں تمہیں بتاؤں کہ سماع کیا ہے؟ اگر اس کا طائر خیال حقیقت کی بلندی سے پرواز کرے تو اس کی پرواز سے فرشتہ بھی عاجز آجاتا ہے۔ اور اگر اس کا مقصد لہو و لعب اور فریب کاری ہے۔ تو اس سے اس کے دماغ کا شیطان قوی ہو جاتا ہے۔"

(۴) خلق: جو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اگرچہ اسے تھوڑی دیر ہی پاس بٹھاتے' تاہم اس طرح توجہ فرماتے کہ وہ سمجھتا جس طرح لطف و عنایت اس پر ہوئی کسی دوسرے پر نہیں۔

سلوک کے مراتب: حضرت میاں جیو فرماتے ہیں۔ کہ سلوک کے مرتبوں بہ

پہلا مرتبہ شریعت ہے۔ سالک کے لئے لازم ہے کہ احکام شریعت کو پورا کرنے کی کوشش کرے۔ جب اپنی اہلیت کے مطابق کوشش کرلے اور شریعت کی پیروی میں مستحکم ہو جائے' تو احکام شریعت کی پیروی کی برکت سے اس کے دل میں طریقت کا مرتبہ کمال حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوگی۔ اور پھر جب طریقت کے فرائض درست طور پر ادا کرے گا تو حق سبحانہ تعالیٰ اس کے دل کی آنکھوں سے بشریت کا پردہ اٹھائے گا اور حقیقت کے معنی اس پر ظاہر ہو جائے گی' جس کا تعلق روح سے ہے۔ پس شریعت سے

روحانی تعلق کی نگہداشت ہوتی ہے۔ اور مرتبہ طریقت کے حاصل ہونے کا سبب بنتی ہے۔ اور طریقت بری خصلتوں سے باطن کو پاک کرنے، مقام حقیقت کو سمجھنے، فنائے وجود کی اصلیت کا ادراک کرنے، ماسواء اللہ سے دل کو خالی کرنے اور درجہ قرب میں واصل ہونے کا موجب ہے۔

یہ بھی جان لو کہ آدمی تین چیزوں کا مجموعہ ہے۔ نفس، دل اور روح ان میں سے ہر ایک کی اصلاح مندرجہ ذیل تین چیزوں سے ہوتی ہے۔

اصلاح نفس: شریعت کی پیروی سے

اصلاح دل: طریقت کے فرائض ادا کرنے سے

اصلاح روح: حقیقت کے مرتبوں کی حفاظت سے

بی بی جمال خاتون

حضرت میر کی ہمشیرہ تھیں، جو حالات و مقامات، ریاضت و مجاہدات اور ترک و تجرید میں یگانہ اور رابعہ وقت تھیں۔ وہ سیوھن میں ہی رہتی تھیں۔ شروع میں اپنی والدہ اور والد بزرگوار سے راہ حق کا درس لیا۔ بعد میں حضرت میاں میر نے اپنا طریقہ ذکر و اذکار اپنے بھائی طاہر کی وساطت سے انہیں کہلا بھیجا اور بی بی صاحبہ اس طریقہ سے مشغول حق ہوئیں۔ بی بی صاحبہ نے شادی بھی کی۔ لیکن اس کے باوجود ذکر حق میں مشغول رہتی تھیں۔ حضرت میاں میر نے جب سیوھن کو خیرباد کہا اور لاہور آئے، اس وقت سے نہ بی بی صاحبہ لاہور آکر بھائی سے ملیں اور نہ ہی میران سے ملنے گے۔ البتہ میاں میر کے پاس ان کی خیریت کی خبر آتی رہتی تھی۔ حضرت میاں میران کی تعریف کرتے تھے۔ حضرت بی بی جمال خاتون کی وفات ماہ ربیع الاول سنہ ۱۰۵۷ھ (۱۶۴۷ء) میں ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر ۶۷ سال سے زیادہ تھی۔

حضرت میاں میر کے مرید

حضرت میاں میر جب سندھ سے گئے، اس کے بعد کبھی سندھ نہ آئے۔ البتہ سیوھن سے ان کے بھائی قاضی طاہر اور بعض عزیز و اقارب ان سے ملنے لاہور جاتے رہتے تھے۔ اس لئے ان کے روحانی فیض سے سندھ کے لوگوں سے زیادہ پنجاب،

کشمیر اور ہندوستان کے لوگوں نے فائدہ حاصل کیا۔ مغل بادشاہ شاہجہان، اس کے فرزند داراشکوہ اور دارا کی ہمشیرہ جہان آرا آپ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ داراشکوہ نے آپ کی سوانح اور تعلیمات کے متعلق سکینۃ الاولیاء نامی کتاب لکھی ہے، اس میں انہوں نے آپ کے بعض مریدوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ یہاں آپ کے کچھ مریدوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

حاجی نعمت اللہ سرہندی: یہ بزرگ سرہند کے رہنے والے تھے۔ حضرت میاں میر جب لاہور سے سرہند آئے، تو بیمار ہوئے اور کئی دنوں تک سخت بیمار رہے۔ بیماری کے دوران قاضی نعمت اللہ نے آپ کی بڑی خدمت کی، جب حضرت میاں میر صحت یاب ہوئے، تو قاضی صاحب سے فرمایا:

"آپ نے ہماری بہت خدمت کی ہے۔ ہمارے پاس مال و دولت نہیں ہے۔ کہ آپ کو دیں۔ اگر آپ چاہیں، تو کچھ عرصہ میں راہ حق دکھا سکتا ہوں۔" حاجی نعمت اللہ نے اس کو اپنی خوش بختی سمجھی چنانچہ حضرت میاں میر نے توجہ فرمائی اور حاجی صاحب ہفتہ بھر میں درجہ کمال کو پہنچے، سرہند میں آپ کے پہلے طالب یہ حاجی صاحب تھے۔

حاجی نعمت اللہ سرہندی کی وفات سنہ ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ء) میں سرہند اور لاہور کے درمیان راستہ میں ہوئی جب آپ اپنے پیر سے ملنے سرہند سے لاہور آرہے تھے۔

میاں نتھا: آپ بھی سرہند کے رہنے والے تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد پیشہ کے لحاظ سے تیلی تھے۔ حضرت میاں میر کے کامل مریدوں میں سے تھے۔ حضرت میاں میر کی جوانی سے میاں آپ کی خدمت سے وابستہ ہوئے اور بڑی مدت تک آپ کے ساتھ رہے۔

حضرت میاں میر کے رشد و ہدایت کا یہ طریقہ تھا کہ جو بھی روحانی فیض حاصل کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں آتا اس کو کچھ دنوں کے لئے اپنے پاس رکھتے۔ جس سے اس کو فیض حاصل ہو جاتا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کو رخصت کر دیتے کہ خود جا کر مشغول ہو جاؤ۔ لیکن میاں نتھا کو کبھی جدا نہ کیا۔

میاں نتھو نے علائق دنیا کو ترک کر دیا تھا۔ ان پر اکثر استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ سنہ ۱۰۲۷ھ (۱۷۱۵ء) میں میاں نتھا نے حضرت میاں میر کی زندگی میں وفات پائی۔ ان کا مزار میاں میر کے روضہ کے قریب ہے۔

حاجی مصطفیٰ سرہندی: سرہند کے رہنے والے تھے۔ عابد و زاہد بزرگ تھے۔ ماہ صفر سن ۱۰۳۹ھ (۱۶۲۹ء) میں آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کا مزار میاں نتھا کے مزار سے متصل ہے۔

ملا حامد گجر: عالم و فاضل تھے۔ حضرت میر کے مرید ہونے کے بعد روحانی فیض سے بہرور ہوئے۔ ۱۷۔ رمضان ۱۰۴۴ھ (۱۶۳۵ء) کو فوت ہوئے۔

ملا روحی: آپ کا نام ابراہیم تھا۔ علم ظاہری کے عالم و فاضل تھے۔ حضرت میاں میر کے مرید ہونے کے بعد روحانیت میں کمال حاصل کیا۔ میوات ہرات اور نارنول کے کئے لوگ آپ سے فیضیاب ہوئے۔ سنہ ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ء) میں فوت ہوئے۔

ملا خواجہ کمال: لاہور کے گرد و نواح کے رہنے والے تھے۔ حضرت میاں میر کے مرید ہونے کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں درجہ کمال کو پہنچ گئے۔ ان کی وفات حضرت میاں میر کی زندگی میں ہی ہوئی۔

صالح کشمیری: کشمیر کے رہنے والے تھے اور حضرت میاں میر کے عزیز مریدوں میں سے تھے۔ جمادی الاول سنہ ۱۰۴۵ھ (۱۶۳۵ء) میں ان کی وفات ہوئی۔ ان کا مزار حضرت میاں میر کے گنبد کے باہر حضرت کے پائے مبارک کے بائیں جانب ہے۔

ملا عبدالغفور: عالم و فاضل تھے اور لاہور کے ایک مدرسہ میں مدرس تھے۔ حضرت میاں میر کے مرید ہونے کے بعد طریقت میں کامل ہو گئے۔ ان کی وفات حضرت میاں میر کی وفات سے پہلے ہوئی آپ کا مزار "کلا نور" میں ہے۔

ملا شاہ بدخشانی: آپ کا نام شاہ محمد تھا۔ حضرت میاں میر انہیں محمد شاہ کہتے تھے۔ اور ان کے اصحاب اور معتقدین انہیں "حضرت اخوند" کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ وہ خود کو لسان اللہ کے خطاب سے بھی سرفراز سمجھتے تھے۔ لیکن وہ ملا شاہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کا آبائی وطن بدخشان تھا، اس لئے وہ ملاشاہ بدخشی یا بدخشانی کہلائے۔ ان کے والد کا نام "ملا عبد احمد" تھا اور وہ "ارکسا" کے قاضی تھے۔ حضرت ملا شاہ بدخشی موضع ارکسا میں تولد ہوئے۔ ارکسا، بدخشان کے علاقہ روستاق کے مضافات میں ہے۔

ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں قریہ موسوارک کے ملا خوجہ علی سے حاصل کی۔ اوائل عمری میں ہی صوم صلوٰۃ کی کثرت، کم خوری، کم خوابی اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے مشہور ہوئے۔ دینی علوم کی تکمیل کے لئے اکیس برس کی عمر میں "بلخ" گئے اور ملا حسین قبادیانی سے تعلیم حاصل کی۔ اٹھائیس سال کی عمر میں ۱۰۲۳ھ میں معرفت حقیقی کی جستجو میں کشمیر آئے اور وہاں تین سال ملا جوہر سے ظاہری علوم کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد شیخ طریقت کی جستجو میں لاہور سے ہوتے ہوئے آگرہ گئے۔ ایک صوفی منش نے راستہ میں ان کو بتایا تھا کہ لاہور میں میاں میر بڑے بزرگ ہیں جو عارف باللہ ہیں۔ اور ترک و تجرید میں کمال رکھتے ہیں۔ چنانچہ آگرہ سے واپس لاہور آئے اور حضرت میاں میر کی خدمت میں پہنچے۔

تیس سال تک حضرت میاں میر کی خدمت میں رہ کر بہت ریاضت اور مجاہدہ کیا۔ اس کے بعد اپنے پیر کی اجازت سے کشمیر میں سکونت اختیار کی۔ سردیوں کے موسم میں اکثر اپنے پیر کی زیارت کے لئے لاہور آتے اور گرمیوں کے موسم میں اجازت لے کر کشمیر چلے جاتے۔ شاہجہان بادشاہ ان کے عقیدتمند تھے۔ شاہجہان نے نواحی کشمیر کے ایک پہاڑ کوہ ماران کے وسط میں ایک باغ بنوایا تھا، جس کا نام چشمہ شاہی رکھا تھا۔ ملا شاہ اس میں قیام پزیر تھے، دارالشکوہ اپنی کتاب سکینۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں:

"جب یہ فقیر (دارالشکوہ) کشمیر میں حضرت اخوند سلمہ اللہ تعالیٰ کی باسعادت خدمت میں مشرف ہوا تو بدرجہ کمال میری تربیت فرمائی اور انتہائی لطف و کرم کیا، جو تحریر و تقریر سے بالا تر ہے۔ مجھے آپ نے ذکر الٰہی میں مشغول کیا اور جو میں چاہتا تھا، وہ مجھے تھوڑے ہی عرصہ میں ان کی صحبت، خدمت اور ارشاد کی برکت سے میسر آگیا۔"

دارالشکوہ کی ہمشیرہ جہان آرا اپنے بھائی کی وساطت سے حضرت ملا شاہ کی مرید ہوئیں۔ وہ لکھتی ہیں کہ "پیر دستگیر اور مرشد کامل کے فیض سے مجھے ایمان حقیقی حاصل ہوا۔ جس کسی کو ذات مطلق سے عشق و محبت ہو وہ انسان کامل ہے، اگرچہ وہ عورت نہ ہو۔"

دارالشکوہ نے اپنی کتاب سکینۃ الاولیاء میں حضرت ملا شاہ کے زہد و عبادت کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

”تحقیق سے کہا جا سکتا ہے کہ جو اہل حقیقت اس لا انتہا ذات حقیقی تک یعنی اپنے مطلب اعلیٰ اور مقصد عالی پر پہنچتے ہیں۔ ان کی زبانوں پر مختلف کلمے آتے ہیں۔ مثلاً ”حضرت شیخ حسین بن منصور نے ”انا الحق“ شیخ بایزید کی زبان پر ”سبحانی ما اعظم شانی“ اور شیخ جنید ”لیس فی جبتی سوی اللہ“ (میرے جبہ میں سوائے خدا کے اور کچھ نہیں) بول اٹھے اور حضرت شیخ عبدالقادر کی زبان پر ”ھذا علی رقبتہ کل ولی اللہ (یہ تمام اولیاء کی گردن پر) ظاہر ہوا۔

ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ میں خود اپنی ذات میں حق ہوں۔ ان سب اولیاء اللہ کی بلند مرتبہ نظر اس وجود لا محدود پر پڑی ہے اور جب انہوں نے اپنی ذات کو اس بے حد لا انتہا اور بے پایاں وجود میں فنا کیا ہے تو اس صورت میں جب وہ اپنے آپ کو ”حق“ کہتے ہیں، تو اس سے خداوند تعالیٰ کا وجود مراد ہوتا ہے۔ ان کی نظر میں (خود اپنی ذات نہیں، بلکہ) اس ذات لا محدود کا نقشہ ہوتا ہے۔“ حضرت ملا شاہ کے مریدوں اور خلفاء میں سے چند بزرگوں کے نام یہ ہیں:

”دارا شکوہ، جہاں آرا، ملا محمد سعید، ملا سنگین (جن کو ہمیشہ دیوانہ کہہ کر خطاب کرتے تھے)، ملا محمد امین کشمیری، ملا عبدالغنی، حاجی عبداللہ وغیرہ“

ملا خواجہ بہاری: شہر حاجی پور (پٹنہ) کے رہنے والے تھے۔ علوم ظاہری کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد طریقت کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ کئی بزرگوں سے آپ کی ملاقاتیں ہوئیں۔ آخر حضرت میاں میر کے مرید ہوئے اور لاہور میں رہنے لگے۔ حضرت میاں میر کی وفات کے بعد آپ کو قبول عام حاصل ہوا۔ بیشمار لوگ آپ سے مستفیض ہوئے۔ لاہور میں آپ ملا فاضل کے مدرسہ میں رہتے تھے۔ بعد میں کہیں اور جگہ منتقل ہوگئے۔ سال وفات کی تصدیق نہیں ہو سکی۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔

میاں حاجی محمد بیتانی: شروع میں ملازمت کرتے تھے اور صدی منصب پر فائز تھے۔ ملازمت کے دوران چشتیہ طریقہ مطابق ذکر اذکار میں مشغول رہتے تھے۔ بعد میں حضرت میاں میر کے مرید ہوئے۔ اور تین سال تک ان کی خدمت میں رہے۔ روحانی فیض حاصل کرکے صاحب امتیاز ہوئے۔ ۷ رمضان ۱۰۳۵ھ (۱۶۲۴ء) کو فوت ہوئے۔ اور حضرت میاں میر کے مقبرہ کے قریب میاں نتھا کے پہلو میں دفن ہوئے۔ شاعر بھی تھے

شروع میں سات سال تک عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد صبح تک حبس دم کرتے اور ذکر خفی میں مشغول رہتے تھے۔ حبس دم کے طریقہ پر وہ کبھی کبھی دو سانس میں رات گزار دیتے تھے۔

حبس دم کے متعلق ملا شاہ نے دارا شکوہ کو بتایا کہ ”حبس دم دوسرے مشائخ بھی کیا کرتے تھے۔ لیکن ہمارا طریقہ حضرت غوث الثقلین کے زمانہ سے پہلے موجود نہ تھا۔“ دارا نے مزید لکھا ہے کہ ”بعض اصحاب حضرت میاں جیو کا یہ قول بیان کرتے ہیں۔ کہ یہ حضرت غوث الثقلین کا مخصوص طریقہ تھا۔“

دارا نے حضرت ملا شاہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ تیس سال تک دن رات میں ایک لمحہ اور ایک لحظہ کے لئے بھی نہیں سوئے۔ انہوں نے دارا کو بتایا کہ ایک دو سال ہوئے ہیں کہ ہم ٹانگیں دراز کرتے ہیں اور زمین پر لیٹ جاتے ہیں۔ لیکن نیند قطعاً“ نہیں آتی۔ یہ بھی آپ نے فرمایا: شروع میں قطعاً“ تکیہ استعمال نہیں کرتے تھے۔ اور نہ ٹانگیں ہی دراز کرتے تھے“

دارا لکھتے ہیں کہ کشمیر میں سردیوں کے زمانہ میں چلہ کے دوران اپنے طریقہ کے مطابق حبس دم کیا۔ جب سانس لیا تو اندرونی حرارت کی وجہ سے ان کے جسم پر پسینہ آگیا۔ جو برف کی مانند جسم پر جم گیا۔ پھر جب حبس دم کیا تو وہ پسینہ پگھل گیا۔ لاہور میں بھی سردیوں کے موسم میں ان کو پسینہ آجاتا تھا۔“

جہاں آرا لکھتی ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ کبھی ان کی نماز قضا نہیں ہوئی۔ انہوں نے ہمیشہ وقت پر باجماعت نماز ادا کی۔

ملا شاہ کا دستور تھا کہ امراء و سلاطین سے نذر نیاز قبول نہیں کرتے تھے۔ اپنے مریدوں سے معمولی قسم کا نذر قبول کرتے تھے۔ اور وہ بھی غریبوں اور مسکینوں پر صرف کرتے تھے۔ آپ کے ہاں کچھ بھی پکایا نہیں جاتا تھا۔ جو مرید لاتے تھے، وہی کچھ کھا لیتے تھے۔ اگر کچھ نہیں آتا تھا، تو دو دو تین تین دن بغیر کھانے کے گزار دیتے تھے۔ آپ کی طبیعت چونکہ گرم تھی، اس لئے آپ کو ٹھنڈی چیزیں مرغوب تھیں۔ آپ کی محفل میں شریعت اور طریقت کی باتیں ہوتیں تھیں۔ آپ کی شخصیت بڑی پرکشش تھی اور گفتگو میں بہت تاثیر تھی۔ کئی غیر مسلموں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ اور

اور لقائے تخلص کرتے تھے۔

شیخ احمد سنامی: قصبہ "سنام" کے رہنے والے تھے۔ سنہ ۱۰۵۹ھ (۱۶۴۹ء) میں وفات پائی۔

شیخ احمد دہلوی: حضرت ابراہیم ادھم کی اولاد میں سے تھے۔ اکثر سفر میں رہتے تھے۔ کبھی اپنے وطن چلے جاتے اور کبھی کانگڑہ کے پہاڑوں کی سیر کرتے تھے۔ حضرت میاں میر کے مرید تھے۔ محی الدین ابن عربی کے کتابوں فصوص الحکم اور فتوحات المکیہ کا انہوں نے گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اور ان کے درس دیتے تھے۔ داراشکوہ نے بھی فصوص الحکم کا کچھ حصہ ان سے پڑھا اور ان کی صحبت میں رہے۔

فصل نہم

سوانح حیات حضرت سلطان باہو

حضرت سلطان باہو قصبہ شور کوٹ میں ۱۰۳۹ھ (۱۶۳۱ء) میں تولد ہوئے۔ آپ کے والد بایزید محمد حافظ قرآن' عالم متشرع اور متقی بزرگ تھے۔ وہ اعوان قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ سلطان حامد بن سلطان غلام باہو' جو حضرت سلطان باہو کی اولاد میں سے تھے' اپنے آباؤ اجداد کے متعلق "مناقب سلطانی" کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں۔ کہ قبیلہ اعوان حضرت قطب شاہ کی نسل سے ہے۔ اور ان کا سلسلہ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فرزند امیر زبیر سے ملتا ہے۔(۱)

حضرت سلطان باہو کے والد سپاہی پیشہ تھے۔ اور بادشاہ دہلی کی جانب سے شور کوٹ ضلع جھنگ کا پرگنہ انہیں بطور جاگیر ملا تھا۔ آپ کی والدہ کا نام بی بی راستی تھا' جو ایک نیک اور پارسا خاتون تھیں۔ آپ کے بچپن میں ہی آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ حضرت باہو نے اپنی کتابوں میں اپنی والدہ کی تعریف کی ہے' جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کی والدہ نے ان کی تربیت بڑے اچھے طریقے سے کی۔

۱۔ مناقب سلطانی : سلطان حامد' اللہ والے کی قومی دکان' ۱۳۴۵ (۱۹۲۶ء) ص ۶

حضرت باہو نے تعلیم حاصل کی' لیکن اس پر کم توجہ دی۔ تعلیم کو چھوڑ کر مرشد کی تلاش میں نکلے اور تیس سال تک پھرتے رہے۔ پہلے حضرت غوث بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے مزار کی زیارت کرنے گئے اور وہاں چلہ کشی کی۔ اس کے بعد کئی شہروں میں گئے۔ اور بزرگوں کے مزارات کی زیارت کی۔ راوی کے کنارے گڑھ بغداد میں شاہ حبیب اللہ قادری کی خدمت میں گئے اور کچھ دن وہاں رہ کر ان سے روحانی فیض حاصل کیا۔ اس کے بعد شاہ حبیب اللہ قادری کی ہدایت پر دہلی جا کر سید عبدالرحمن

قادری سے مستفیض ہوئے۔ ان کے دست حق پرست پر بیعت کی اور سلسلہ عالیہ قادریہ میں اجازت و خلافت حاصل کی۔ پھر انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے باطنی طور پر روحانی فیض حاصل کیا۔ جب انہیں مجلس محمدی میں حضوری حاصل ہوئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہاتھ سید عبدالقادر جیلانی کے ہاتھ میں دیا۔ چنانچہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے سروری اور سید عبدالقادر جیلانیؒ کی نسبت سے قادری کہلائے۔

بعدازاں آپ نے اپنے آبائی وطن میں آکر رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ پنجاب، سندھ اور بلوچستان کے بے شمار لوگ آپ کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے۔ پنجاب کے علاوہ شمالی سندھ اور بلوچستان میں آپ کے مرید اب بھی موجود ہیں۔ آپ کی وفات جمادی الثانی ۱۱۰۲ھ (۱۶۹۱ء) میں ہوئی اور قہرگان کے پرانہ قلعہ میں مدفون ہوئے۔ دریائے چناب کی طغیانی کی وجہ سے مزار کو خطرہ ہوا، تو میت کی صندوق کو نکال کر اونچی جگہ پر منتقل کیا گیا۔ آپ کی وفات کے بعد سلطان صالح محمد سجادہ نشین ہوئے۔

تصانیف: اگرچہ حضرت سلطان باہو نے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی، لیکن یہ بھی نہیں ہے کہ انہوں نے تعلیم حاصل ہی نہیں کی۔ البتہ ان کی نظر میں علوم ظاہری کو کوئی وقعت نہیں ہے۔ صوفیانہ تعلیم کے سلسلہ میں انہوں نے کتابیں لکھی ہیں، جن میں اپنے افکار، خیالات اور تعلیمات کو سمجھانے اور ذہن نشین کرانے کے لئے قرآن حکیم کی آیات اور احادیث نبوی بھی دی ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے تصوف کے متعلق کتابیں پڑھی ہیں۔ اور بزرگوں سے اقوال اور احوال سن کر ان کو احسن طریقہ پر پیش کیا ہے۔ سلطان حامد اپنی کتاب مناقب سلطانی میں لکھتے ہیں۔ کہ ان کی تصنیفات کی تعداد ایک سو چالیس سنی ہے، لیکن مندرجہ ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں:

(۱) عین الفقر کبیر (۲) عین الفقر صغیر (۳) عین الفقر متوسط (۴) عقل بیدار کبیر (۵) عقل بیدار صغیر (۶) تلمیذ الرحمٰن (۷) مجالسۃ النبی (۸) حجت الاسرار (۹) اسرار القادری (۱۰) توفیق الہدایت (۱۱) تیغ برھنہ (۱۲) مجموعۃ الفضل (۱۳) محک الفقرا کبیر (۱۴) محک الفقرا صغیر (۱۵) فضل اللقا (۱۶) شمس العارفین (۱۷) دیوان باہو کبیر (۱۸) دیوانہ باہو صغیر (۱۹) رسالہ روحی (۲۰) اورنگ شاہی (۲۱) امیر الکونین (۲۲) جامع الاسرار (۲۳)

مفتاح العاشقین (۲۴) قرب دیدار (۲۵) نور الہدیٰ (۲۶) عین النساء قطب الاقطاب (۲۷) محکم الفقراء (۲۸) کشف الاسرار (۲۹) شمس العاشقین

مندرجہ ذیل کتابوں کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

(۱) کلید التوحید (۲) حجت الاسرار (۳) اسرار طریقت (۴) مفتاح العارفین

تعلیمات: آپ کی کتابوں میں صوفیانہ تعلیم کا ذکر موجود ہے۔ ان میں سے کچھ باتیں یہاں پیش کی جاتی ہیں، جن سے آپ کے خیالات، عقائد اور طریقہ سلوک پر روشنی پڑے گی:

۱۔ کسی صوفی کا ایک فعل شرح محمدی کے خلاف ہوگا، تو وہ صوفی نہیں، بلکہ شیطان ہوگا، اور اس سے کنارہ کشی کرنی چاہیے۔

۲۔ سخاوت کرنے سے اللہ کی مخلوق کا حق ادا ہوتا ہے۔

(۳) جو شخص اپنی شخصیت کے بھروسے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت چھوڑ کر رہبری پیشوائی کرے گا، وہ خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔

۴۔ ذکر، فکر۔ مراقبہ، مکاشفہ اور اوراد و وظائف سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ بس ایک مرشد کامل ایک ہی نظر سے طالب کو مجلس مصطفوی میں حضوری دے کر اس کے دل کو نور تجلی سے روشن کرتا ہے۔ جو مرشد ایسا نہیں کر سکتا، وہ مرشدی کے لائق نہیں ہے۔ وہ ناقص و خام ہے۔

۵۔ فقیر باوجود استغراق کے کسی فرض یا سنت کو قضا نہیں کرتا۔

۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندوں کی طرح اس جہان میں متصرف ہیں۔ اور جو شخص اخلاص سے آپ کی خدمت اقدس میں عرضداشت پیش کرتا ہے۔ آپ اس کو قبول فرما کر اس کی حاجت روائی کرتے ہیں۔

حضرت سلطان باہو کے نزدیک زندگی کا حقیقی مقصد فقیر کامل بننا ہے۔ ان کی نظر میں فقیر مالک دنیا و عقبیٰ ہے۔ وہ صاحب تصرف ہے۔ وہ عارف باللہ ہے، اسے حقیقت حق کی معرفت بھی حاصل ہے۔ اور اسے دنیوی خزانوں کا تصرف بھی حاصل ہے۔

حضرت سلطان باہو کی تعلیمات کا حقیقی محور اور مرکز فقر و درویشی ہے۔ انہوں نے اپنی تصانیف میں فقر اور فقراء کے متعلق بزرگوں کے اقوال و احادیث نبوی درج کی

ہیں۔ اس کے ساتھ انہوں نے اپنی کتابوں میں سلوک کے متعلق اصطلاحات کی توضیح اور تشریح بھی کی، مثلاً" علم اور اس کی قسمیں، تصور اور اس کی اقسام، نفس اور اس کی اقسام، ذکر، فکر، دم، توجہ، الہام، دعوت، شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت، مراقبہ، فنا فی الشیخ، فنا فی الرسول، فنافی اللہ تجلی اور اس کی اقسام، کشف اور اس کی اقسام وغیرہ، انہوں نے ترک علائق، ترک دنیا اور نفس کو ضابطہ میں رکھنے کی تلقین کی ہے۔ لکھتے ہیں:

"دنیا دار دنیا اور سیم و زر کے غلام ہیں۔ مگر یہ سیم و زر فقیر عارف باللہ کے غلام ہیں۔"

حضرت سلطان باہو نے فارسی نثر میں کتابیں لکھی ہیں، لیکن اس کی فارسی سادہ ہے۔ فارسی میں شعر بھی لکھا ہے۔ آپ کا فارسی دیوان ۵۱ غزلوں پر مشتمل ہے۔ اور فن اور زبان کے لحاظ سے آپ کا فارسی شعر بھی سادہ ہے۔ پنجابی زبان میں بھی آپ نے سہ حرفی کہی ہے، جو ۲۰۱ دوہڑوں پر مشتمل ہے اور "چھپے دی بوٹی" کے نام سے مشہور ہے۔ ہر دوہڑے کی ہر مصرع میں "ہو" ردیف کے طور پر آخر میں آیا ہے۔ آپ کے پنجابی کلام کا جائزہ بعد میں آئے گا۔

حضرت سلطان باہو کے خلفاء

آپ نے سندھ، پنجاب اور بلوچستان میں بے شمار لوگوں کو روحانی فیض پہنچایا، ان کی اخلاقی اصلاح کی اور ان کو اپنے خالق حقیقی کے عرفان کا راستہ بتایا۔ آپ کے خلفاء نے سندھ، پنجاب اور بلوچستان کے مختلف جگہوں پر رہ کے آپ کی تعلیمات کو پھیلایا اور لوگوں کی روحانی اخلاقی اور سماجی اصلاح کی۔ ان میں سے چند خلفاء کے نام یہ ہیں:

(۱) سلطان نورنگ کھیتران (ڈیرہ اسماعیل خان) (۲) ملامعالی میسوی (ڈھاڈھر، بلوچستان) (۳) موسن شاہ گیلانی گھوٹکی (سندھ) (۴) سلطان عبدالرحیم انب والا۔ موسن شاہ گیلانی کے خلیفہ تھے۔ تیس سال حرمین شریفین میں رہے۔ واپس آنے کے بعد کچھی (بلوچستان)، شکار پور، (سندھ) اور ڈیرہ غازی خان کے گرد و نواح میں رہے۔ آخر انب والا میں مقیم ہو گئے۔ مزار انب والا میں ہے۔ (۵) گل محمد سندھی (کوٹ مٹھن) (۶) حافظ محمد گوجر خان (ڈیرہ غازی خان) (۷) محمد صدیق (ڈیرہ اسمٰعیل خان اور لیہ کمال۔ بعد میں گھوٹکی سندھ کے قریب سکونت) (۸) مولوی تاج محمد میاں جوگوٹھ، نزد شکارپور (سندھ) (۹) خیر محمد درگاہ شاہ

باہو) (۱۰) الہ داد (کوہستان مغربی) (۱۱) سید بکھر شاہ بخاری (بہاولپور) (۱۲) محمود مستانہ چانڈیہ۔ ڈھانڈلہ گاؤں کے رہنے والے تھے۔ اور پیر موسن شاہ گیلانی کے مرید تھے۔

(۱۳۱۹ء) میں حضرت سید محمد بن مہدی سے قادریہ سلسلہ میں خلافت حاصل کی۔ آپ کا سلسلہ طریقت حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ تک اس طرح پہنچتا ہے: حضرت شاہ جلال الدین مرید سید محمد بن مہدی (وفات ۱۳ شعبان ۷۹۷ھ ۔ ۱۳۹۵ء۔ مدفن دریا گنج)، وہ مرید شیخ بہاؤ الدین اکبر (وفات ۱۳ صفر ۷۸۹ھ ۔ ۱۳۸۷ء۔ مدفن فیض آباد)، وہ مرید حضرت شاہ ابوالعباس بن محمود فقری (وفات ۱۶ شعبان ۷۰۳ھ ۔ ۱۳۰۴ء مدفن فیض آباد)، وہ مرید سید حسن شاہ (وفات ۱۴۔ ربیع الاخر ۶۹۹ھ ۔ ۱۲۹۹ء۔ مدفن عیدوپور)، وہ مرید سید موسیٰ بن داؤد (وفات ۲۲۔ رجب ۶۸۷ھ ۔ ۱۲۸۸ء۔ مدفن سرہند)، وہ مرید سید علی بن احمد (وفات ۱۶۔ ذوالحج ۷۰۰ھ ۔ ۱۳۰۰ء مدفن دہلی)، وہ مرید سید احمد بن نظام احمد (وفات ۱۶ شعبان ۶۹۷ھ ۔ ۱۲۹۸ء۔ مدفن عظیم آباد)، وہ مرید سید محمد بن محمود (وفات ۱۲ شعبان ۶۱۶ھ ۔ ۱۲۱۹ء۔ مدفن دمشق)، وہ مرید سید عبدالرزاق صاحبزادہ حضرت محبوب سبحانی سید عبدالقادر جیلانیؒ" وہ مرید حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ۔"

شاہ جلال الدین نے ۱۶ جمادی الاول ۷۹۹ھ (۱۳۹۷ء) میں لاہور کے قریب فوت ہوئے۔ لاہور اور دور دراز علاقوں کے کئی لوگوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ کے بیس خلفاء ہوئے۔ ان میں سے سید فرید بخش بکھری کا نام قابل ذکر ہے۔

سید فرید بخش بکھری: ۱۳ شعبان ۶۸۷ھ (۱۲۸۸ء) میں بکھر میں تولد ہوئے۔ ۱۵ رجب ۷۲۳ھ (۱۳۲۲ء) میں لاہور میں شاہ جلال الدین سے روحانی فیض حاصل کیا اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ کئی لوگوں نے آپ سے روحانی فیض پایا۔ ۱۳ شعبان ۸۱۵ھ (۱۴۱۲ء) کو فوت ہوئے اور بکھر میں مدفون ہوئے۔ آپ کے آٹھ خلفاء ہوئے، جن میں سے شاہ ابراہیم بکھری کا نام قابل ذکر ہے۔ شاہ ابراہیم بکھری کی ولادت ۱۲۔ ذوالحج ۶۹۳ھ (۱۲۹۳ء) میں ہوئی اور ۱۴ شوال ۸۷۱ھ (۱۴۶۷ء) میں بکھر میں فوت ہوئے اور بکھر میں ہی مدفون ہوئے۔ ان کے چھ خلفاء ہوئے، جن میں سے سید شاہ حسین برہانپوری کا نام قابل ذکر ہے۔ جنہوں نے بکھر میں آپ سے خلافت حاصل کی۔ سید حسین برہانپوری کا خلیفہ سید عبدالصمد (شاہجہان پوری) تھے۔ ان کے خلیفہ سید عبدالرزاق بالسوی تھے۔ ان کے خلیفہ مولوی نظام الدین لکھنوی تھے۔ اس طرح شاہ جلال الدین کا قادریہ سلسلہ کا فیض بکھر (سندھ) میں پہنچا اور سندھ سے برہانپور پہنچا۔

فصل دھم

سلسلہ قادریہ کے اور بھی کئی بزرگ ہو گزرے ہیں، جنہوں نے اس خطہ کو روحانی فیض سے منور کیا۔ یہاں ان میں سے چند بزرگان دین کا ذکر خیر پیش کیا جاتا ہے۔

سید علی سرور: آپ پہلے دہلی میں رہتے تھے۔ سنہ ۶۰۰ھ (۴-۱۲۰۳ء) میں دہلی سے ملتان آئے۔ آپ نے چھ حج کئے۔ حضرت غوث الاعظم کے خلیفہ لعل فرید کے مرید تھے۔ کچھ عرصہ ملتان میں رہنے کے بعد کروڑ میں اقامت اختیار کی اور وہیں فوت ہوئے۔ مقبرہ کروڑ میں ہے۔

عبدالرشید حقانی: حضرت غوث بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے عم زاد بھائی تھے۔ قادری سلسلہ کے بزرگ میراں سید علی کے خلیفہ تھے۔ تین سال اپنے پیر کے خدمت میں رہے اور ان کے حکم سے ہی ملتان سے جانب مشرق آکر قیام کیا اور اس مقام کا نام آپ کے نام سے مشہور ہوا۔ آپ نے چار شادیاں کیں۔ ایک حضرت زکریا کی ہمشیرہ سے، دوسری شاہ تغلق کی لڑکی سے تیسری "رائے لونا" کی بیٹی سے اور چوتھی قوم مزل کی لڑکی سے۔

آپ کے چار بیٹے ہوئے: مخدوم ابوبکر، مخدوم محمد، مخدوم حسن اور مخدوم شاہ صدر۔ حضرت عبدالرشید حقانی کے پوتے ایوب قتال کی خانقاہ دینار پور "(تحصیل لودھراں) کے مشرق کے جانب تین کوس کے فاصلہ پر ہے۔ مخدوم حسن کی خانقاہ کروڑ میں ہے، اور حضرت رشید حقانی کا مقبرہ موضوع مخدوم رشید (تحصیل ملتان) میں ہے۔ آپ سنہ ۶۶۹ھ (۱۲۷۰ء) میں فوت ہوئے۔ سلطان ایوب قتال سنہ ۷۶۶ھ (۱۳۶۴ء) میں فوت ہوئے۔

شیخ اسحاق: ابوالسناقب شیخ جمال کے فرزند تھے۔ شیخ جمال، عبداللہ کے مرید تھے، جو سید عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے تھے۔ شیخ جمال کے فرزند شیخ اسحاق سندھ میں اہل دل بزرگ ہو گزرے ہیں۔ ان کا مزار سندھ کے گاؤں "ا کھم" میں ہے۔

شاہ جلال الدین: ۱۲۔ شوال ۶۹۹ھ (۱۳۰۰ء) میں پشاور میں تولد ہوئے۔ ۱۷ رجب ۷۱۹ھ

سید عبدالملک بکھری: امیر تیمور جب ہندوستان سے واپس ہو ۔ گئے تو اس نے محمود تغلق کو معزول کر کے پنجاب کے حاکم سید خضر خاں کو سلطنت دہلی کا حاکم بنایا۔ اس ح ہندوستان پر سنہ ۸۱۷ھ (۱۴۱۴ء) سے سادات خانوادے کی حکومت شروع ہوئے۔ سید علاؤ الدین عالم شاہ اس خاندان کے آخری حکم ۔ سید عبدال بکھری اس زمانہ میں بکھر (سندھ) میں رہتے تھے اور بہت بڑے عالم اور قادری سلسلہ کے بزرگ تھے۔ عالم شاہ نے آپ کی شہرت سن کر آپ کو دہلی میں بلوایا اور بڑی عزت اور احترام سے آپ کے لئے دہلی میں رہائش کا بندوبست کیا۔ دہلی اور ہندوستان کے کئی لوگوں پ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ آخر سنہ ۸۵۵ھ (۱۴۵۱ء) میں اوڑیسہ کے علاقہ میں لڑائی میں شہید ہوئے۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے اپنی تاریخی قطعات ۔ مجموعہ "گنجینہ سروری معروف بہ اسم تاریخی گنج سروری" میں آپ کی شہادت کو قطعہ تاریخ اس طرح لکھی ہے:۔

مقتدی دو جہاں عبدالملک ۔ ہادی و مہدی امیں سید شریف
رحلتش ان مقتدا پیر زماں۔ نیز کامل امام دین سید شریف
(۸۵۵ھ)

سید عبدالواسع: سید عبدالملک بکھری کے فرزند تھے اور اپنے والد بزرگوار کے ۔ بکھر سے نقل مکانی کر کے دہلی آئے۔ اپنے والد کی شہادت کے بعد دہلی سے سرہند میں آکر سکونت پذیر ہوئے' وہیں وفات پائی اور مدفون ہوئے۔ مفتی لام سرور لاہوری نے آپ کی تاریخ وفات اس طرح دی ہے۔

سید عبدالواسع سید ہر دو سرئی۔ مقتدا و رہنما و متقی
شمع وصال پاک او۔ باز فرما سید مخلص ولی
(۸۸۰ھ)(۸۸۰ھ)(۸۸۰ھ)

یعنی سنہ ۸۸۰ھ (۱۴۷۵ء) میں آپ نے وفات کی۔

سید عبدالخالق: سید عبدالواسع کے فرزند تھے۔ سرہند سے نقل مکانی کر کے لاہور میں آکر سکونت پذیر ہو گئے۔ لاہور کے مشہور قادری بزرگ سید محمود لاہوری کے مریدی اور امادی کا شرف آپ کو حاصل ہوا۔ آپ نے لاہور میں ایک تالاب تعمیر کروایا' جس میں غسل کرنے سے مریض شفایاب ہوتے تھے۔ سنہ ۹۰۷ھ (۱۵۰۱ء) میں وفات پائی۔

سید محمود حضوری لاہوری: غور کے موسوی سادات کے نسل سے تھے۔ ان کے والد بزرگوار غور کے رہنے والے تھے۔ سید محمود والد کی وفات کے بعد غور سے لاہور آکر محلہ حاجی سوائی میں سکونت پذیر ہو گئے۔ سید عبدالقادر جیلانیؒ سے آپ کا سلسلہ طریقت اس طرح ملتا ہے۔ "سید محمود مرید اپنے والد شمس الدین کے اور وہ مرید سید یعقوب کے اور وہ مرید سید عبدالقادر کے اور وہ مرید سید علی کے اور وہ مرید سید مسعود کے اور وہ مرید سید احمد کے اور وہ مرید سید اصغر کے اور وہ مرید سید ابو فرح کے اور وہ مرید سید عبدالوہاب کے اور وہ مرید حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کے"

شاہ ابو اسحاق قادری لاہوری: سید شیخ داؤد کرمانی کے خلیفہ تھے۔ اپنے پیر کی اجازت سے لاہور آئے اور محلہ پیر مزنگ مغل میں سکونت پذیر ہو گئے۔ ہزاروں لوگ نے ان کی بیعت میں آکر روحانی فیض سے مستفیض ہوئے۔ کئی لوگوں نے آپ سے فقہ' حدیث اور تفسیر کی تعلیم حاصل کی۔ سنہ ۹۸۵ھ (۱۵۷۷ء) میں فوت ہوئے۔ آپ کا مقبرہ موضع مزنگ میں ہے' جو لاہور سے جنوب کی طرف دو میل پر واقع ہے۔

شاہ شمس الدین قادری لاہوری: حضرت شیخ ابواسحاق کے مرید اور خلیفہ تھے اور لاہور ہی میں سکونت رکھتے تھے۔ تدریس و تلقین میں مشغول رہے۔ جہانگیر بادشاہ ان کا معتقد تھا۔ سنہ ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ء) میں فوت ہوئے۔ مقبرہ لاہور میں ہے۔

سید شاہ بلاول لاہوری: حضرت شاہ شمس الدین قادری کے مرید اور خلیفہ تے۔ عابد' زاہد' متقی اور متشرع بزرگ تھے۔ ان کے خاندان کے بزرگ ہمایوں بادشاہ کے ساتھ ہرات سے ہند میں آئے۔ ہمایوں نے ان کو قصبہ شیخوپورہ میں جاگیر دی اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ شیخ بلال کی ولادت بھی اسی مقام پر ہوئی۔ آپ کے والد کا نام سید عثمان بن عیسیٰ تھا۔

حضرت شاہ بلال لاہوری اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور فاضل تھے۔ آپ نے ظاہری تعلیم مولانا ابوالفتح لاہوری سے حاصل کی اور روحانی تعلیم شاہ شمس الدین سے حاصل کی۔ شاہجہاں اور داراشکوہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔ ہزاروں لوگ ان کے مرید ہوئے۔ آپ نے اپنی خانقاہ میں لنگر جاری کیا' جس سے ہزاروں مسافر' غرباء اور مساکین دو وقت کھانا کھاتے تھے۔ ستر برس کی عمر میں ۱۰۴۶ (۱۶۳۶ء) میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار بھی لاہور کے دہلی دروازہ میں ہے۔

سید کامل شاہ لاہوری: اکبر بادشاہ کے زمانہ میں بخارا سے لاہور آئے۔ پہلے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی اور عبادت اور ریاضت کے بعد روحانیت کے اعلیٰ مرتبہ کو پہنچے بعد میں شیخ الہ داد مداری کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کیا۔ پنجاب میں کئی لوگ آپ سے مستفیض ہوئے اور آپ کو "دیوان کامل" کہتے تھے۔ موضع "بابو سابو" میں سکونت رکھتے تھے۔ سنہ ۱۰۰۵ (۱۵۹۶ء) میں فوت ہوئے۔

سید جان محمد حضوری: سید شاہ نور کے فرزند تھے اور سید محمود حضوری کے پوتے تھے' جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ کوہ غور سے لاہور آکر سکونت پذیر ہوئے۔ انہوں نے اپنے والد بزرگوار سے روحانی فیض حاصل کیا اور ان کی وفات کے بعد مسند ارشاد پر بیٹھے۔ ہزاروں لوگ ان کے حلقہ ارادت میں آئے۔ سنہ ۱۰۶۵ھ (۱۶۵۵ء) میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار لاہور کے قریب موضع "گڑھی شاہو" میں ہے۔

سید عبدالرزاق: عالم و فاضل بزرگ تھے اور علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ سید محمد غوثی اوچی کی اولاد میں سے تھے۔ سید محمود غوث سے آپ کا شجرہ نسب اس طرح ملتا ہے۔

"سید عبدالرزاق بن سید عبدالوہاب بن سید عبدالقادر ثالث بن محمد غوث بالا پیر بن زین العابدین بن سید عبدالقادر ثانی بن سید محمو غوث اوچی حلبی گیلانی" آپ کو سیرو سیاحت کا شوق تھا۔ حرمین شریفین بھی گئے۔ شاہ جہاں بادشاہ آپ کا معتقد تھا۔ ۲۲ ذوالقعد ۱۰۶۸ھ (۱۶۵۸ء) کو فوت ہوے۔ مقبرہ لاہور میں ہے۔

شاہ رضا قادری شطاری لاہوری: آپ کا نام محمد رضا تھا اور والد بزرگوار کا نام شیخ محمد فاضل تھا۔ آپ کا شجرہ نسب شاہ محمد گوالیاری سے ملتا ہے۔ شجرہ طریقت بھی ان ہی سے ملتا ہے' جو اس طرح ہے۔ "شاہ رضا مرید و خلیفہ اپنے والد شیخ محمد فاضل لاہوری کے وہ مرید شیخ الہ داو قادری اکبر آبادی کے' وہ مرید شیخ محمد جمال' وہ مرید سید نور' وہ مرید سید زین العابدین حسینی' وہ مرید شیخ عبدالغفور' وہ مرید شیخ وجیہہ الدین اور وہ مرید شاہ محمد غوث گوالیاری۔"

آپ نے اکبر نگر میں سنہ ۱۰۶۸ھ (۱۶۵۷ء) میں "ارشاد العاشقین" نامی کتاب لکھی' جس میں مختلف اوراد اور وظائف کا بیان و اسناد ہیں۔ سنہ ۱۱۱۸ھ (۱۷۰۶ء) میں فوت ہوئے اور لاہور میں مدفون ہوئے۔

شیخ محمد فاضل قادری بٹالوی: عالم' فاضل اور اہل دل بزرگ تھے۔ آپ کا شجرہ طریقت حضرت شیخ محمد طاہر لاہوری سے ملتا ہے' جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ شجرہ طریقت اس طرح ہے:

"شیخ محمد فاضل مرید و خلیفہ شیخ محمد افضل کلانوری' وہ مرید شیخ ابو محمد لاہوری' اور وہ مرید شیخ محمد طاہر لاہوری کے۔"

آپ کی خانقاہ میں لنگر عام جاری رہتا تھا اور ہزاروں روپیہ یومیہ خانقاہ کا خرچ تھا۔ ۱۴ ذوالحج ۱۱۵۱ھ (۱۷۳۹ء) کو فوت ہوئے۔ مزار قصبہ "وٹالہ" میں ہے۔

سید احمد شیخ الہند گیلانی: قادریہ سلسلہ کے بزرگ تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت سید عبدالقادر جیلانی سے ملتا ہے۔ آپ بغداد سے ہند میں آئے اور متصل وزیر آباد کے ایک گاؤں "کوٹلہ" نامی آباد کرکے سکونت پذیر ہو گئے۔ سنہ ۱۱۳۶ھ (۱۷۲۴ء) میں فوت ہوئے اور "کوٹلہ" میں ہی مدفون ہوئے۔ آپ کی اولاد موضع خانپور میں سکونت رکھتی ہے۔

شاہ لطیف بری: بڑے عابد' زاہد۔ مست و مجذوب بزرگ گزرے ہیں۔ بے شمار لوگوں کو روحانی فیض دیا۔ آپ کا نام سید عبداللطیف تھا اور والد بزرگوار کا نام سید محمود شاہ تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب ستائیس واسطوں سے حضرت امام موسیٰ کاظم سے جا ملتا ہے۔ آپ کی ولادت سنہ ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) میں موضع چولیاں کرسال تحصیل چکوال ضلع جہلم میں ہوئی۔ طریقت کے لحاظ سے قادری سلسلہ کے تھے۔ باطنی فیض سید امیر بالا حجروی قادری اور حضرت جمال اللہ حیات المیر ؒ دو پیر سے حاصل کیا۔ شیخ جمال اللہ عرف حیات المیر' سید عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت بری امام کی عمر جب دس بارہ سال تھی' تو آپ کے والد نقل مکانی کرکے موضع "باغ کلاں" (موجودہ اسلام آباد) آکر رہائش پذیر ہو گئے۔ یہاں انہوں نے کھیتی باڑی شروع کر دی۔ حضرت بری امام نے بھی کافی عرصہ گلہ بانی کی۔ چونکہ بچپن میں ہی طبیعت زہد و تقویٰ اور روحانیت کی طرف مائل تھی' اس لئے مویشی جنگل میں چھوڑ کر یاد الٰہی میں مشغول ہو جاتے تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم والد بزرگوار سے حاصل کی۔ اس کے بعد "غور غشتی" گئے' جو اس زمانہ میں دینی علوم کا مرکز تھا۔ یہاں آپ نے علوم عقلی و نقلی کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے ساتھ روحانی تعلیم بھی حاصل کی۔ اس کے بعد آپ کشمیر' بدخشان اور ایران' عراق اور شام کے مختلف شہروں کی

سیاحت کی۔ حرمین شریفین بھی گئے اور حج بھی ادا کیا۔ واپس آکر آپ نے نور پور شاہاں کے پاس بہنے والی ندی "نیلاں" میں کھڑے ہو کر برسوں عبادت و ریاضت کی۔ اس کے بعد موضع "نیلان بوتھو" کے نزدیک ایک غار میں چلہ کاٹنے چلے گئے۔ اس غار میں جب آپ نے کافی عرصہ عبادت اور ریاضت کی تو آپ کے مرشد حضرت سخی حیات المیر وہاں آئے اور غار کے دروازہ پر کھڑے ہو کر آپ کو آواز دے کر باہر نکالا اور کہا: "آج میں تمہیں اس "بر" (زمین) کے لئے اپنا نائب امام مقرر کیا ہے۔" چنانچہ اس روز سے آپ امام بری مشہور ہو گئے۔ غار سے باہر آنے کے بعد آپ نے حیات المیر کے ہاتھ پر بیعت کی اور خلافت حاصل کی۔

آپ کا "بری امام" مشہور ہونے کے متعلق ایک اور روایت بھی ہے۔ اس کے مطابق پانی میں "چلہ کشی" کی وجہ سے "بحری" کہلائے اور یہ لقب عوام میں "بری" مشہور ہو گیا۔

علاقہ پوٹھار کے موضع "نیلان بوتھو" میں ۱۰۷۷ھ (۱۶۶۷ء) میں حضرت سید حسن پشاوری نے آپ سے ملاقات کی۔ اس کے بعد سید حسن کے فرزند محمد غوث لاہوری سنہ ۱۱۱۹ھ (۱۷۰۷ء) میں آپ سے ملے۔ اس کے بعد حضرت بری امام نے "تیر کوٹ" یا "دھیر کوٹ" میں بھی چلے کاٹے۔ دھیر کوٹ میں آپ نے تلقین اور تبلیغ کا سلسلہ جاری کیا اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا درس دیا' جس سے کئی لوگ راہ راست پر آئے۔ دھیر کوٹ میں بت پرست قوم کو مشرف بہ اسلام کیا۔ ہزاروں لوگوں کو روحانی فیض سے مستفیض کرکے ۹۱ برس کی عمر میں ۱۱۱۷ھ (۱۷۰۵ء) کو فوت ہوئے۔ آپ کا مقبرہ اسلام آباد کے قریب پہاڑوں کے دامن میں نور پور شاہاں میں ایک ندی کے کنارے پر واقع ہے۔

آپ کی کوئی اولاد نہ تھی۔ آپ کے چار خادم آپ کی وفات کے وقت موجود تھے' جن کے نام یہ ہیں: مٹھا شاہ' دھنگ شاہ' عنایت شاہ اور شاہ حسین' جن میں سے شاہ حسین نے بڑی عزت اور شہرت حاصل کی۔ آپ سے جن لوگوں نے روحانی فیض حاصل کیا' ان میں شیخ بہلول قادری کا نام بھی ملتا ہے' جن کا مزار چنیوٹ میں ہے۔ انہوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کرنے کے بعد سیروسیاحت کی اور کئی بزرگوں کی صحبت میں رہے۔ حرمین شریفین گئے اور حج ادا کیا۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کے روضہ میں معتکف رہے۔ نجف

اشرف اور کربلا معلیٰ میں بھی جا کر اعتکاف کیا۔

خلیفہ زین العابدین ٹھٹوی: نسب کے لحاظ سے صدیقی تھے۔ طریقت میں سلسلہ قادریہ سے وابستہ تھے۔ گوشہ نشینی کی زندگی گزارتے تھے اور کسی سے نہیں ملتے تھے۔ کبھی کبھار فارسی میں شعر کہتے تھے سنہ ۱۱۴۸ھ (۱۷۳۵ء) میں ٹھٹہ میں فوت ہوئے۔ ان کے فارسی کا شعر کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

چہ برادرد زدریا نوک عصفور - چہ نسبت درمیاں امی و درنور
متابد پرتو خورشید خفاش - ندارد سرمعنی طبع اوباش

خواجہ محکم الدین سیرانی: یہ قادری بزرگ بہاولپور کے رہنے والے تھے اور بارہوں صدی ہجری میں ہو گزرے ہیں۔ اکثر سفر میں رہتے تھے اور علاقہ بہاولپور' سندھ' کچھ' کاٹھیاواڑ اور گجرات کے کئی سفر کئے اور بندگان خدا کی روحانی اور اخلاقی اصلاح کے لئے بدوجہد کی۔ پنجاب کے مندرجہ ذیل شہروں میں آپ جاتے رہے۔ "شجاع آباد" سیت پور' جہانگڑہ (اوچ سے بجانب مشرق دس کوس)' موضع حاجی کمانڈ' جھوک اوتیراں' جام پور' جانووال' بھڑی' رنگپور' ملکانی (اوچ سے بجانب مشرق' سات آٹھ کوس)' حاصل پور' گوٹھ آچرانی (داؤد پوتروں کا گوٹھ)' خیر پور ٹامیں والا' شملا شریف' نالہ پیرواہ' ملتان' داؤد پورہ' مٹھن کوٹ' پاکپتن' نارووالہ' ڈیرہ اسماعیل خاں' روہی' داجل' بہاولپور' احمد پور' موضع سنہ (متصل ڈیرہ غازی خان)' پٹی سجرام (قریب راجن پور) گوٹھ بخشا' ماہی' بٹہ' قصور' ڈیرہ اسماعیل خان' نالہ پیروالہ۔ سندھ کے بھی کئی شہروں اور قصبوں میں گئے اور لوگوں سے ملنے ان سے محبت کی اور ان کو روحانی فیض پہنچایا۔ جن شہروں میں گئے' ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں: "اباوڑو' لوموسن شاہ (گھوٹکی)' روہڑی' نوشہرو' ٹھٹہ' سکھدیرہ"۔ بلوچستان بھی جاتے رہے۔ مندرجہ ذیل شہروں اور علاقوں میں گئے اور لوگوں سے مل کر ان کو اخلاقی اور روحانی پیغام پہنچایا:

"علاقہ کچھی' قلات' بھاگ' جھل وغیرہ۔"

ہندوستان کے جن علاقوں اور شہروں کی سیرو سیاحت کی' ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں: کچھ بھج' سورت' دھوراجی' مارواڑ' بانس بریلی وغیرہ۔"

آپ کی وفات بھی سفر میں سنہ ۱۱۹۸ھ (۱۷۸۴ء) "دھوراجی" میں ہوئی۔ اس سفر میں

آپ علاقہ اوبھہ اور کچھی (علاقہ بہاولپور) سے خراسان جانے کی نیت سے چلے اور موضع تلیری میں پہنچے' جو دریا چناب کے کنارہ پر ڈیرہ اسماعیل خان اور ملتان کے مابین واقع ہے۔ لیکن وہاں سے پھر واپس ہوئے اور علاقہ کچھی کے ایک گاؤں میں پہنچے۔ وہاں موضع جانووال کے دیوان سید محمد غوث نے جو آپ کے معتقد تھے' آپ سے آکر ملاقات کی۔ وہاں محفل سماع میں بھی شریک ہوئے۔ وہاں سے روانہ ہو کر دیوان سید محمد غوث کے ساتھ "کوپالی" پہنچے۔ وہاں سے جب چلے' تو سید محمد غوث کو رخصت کیا۔ اکیلے' علاقہ بہاولپور اور سندھ کی سیروسیاحت کرتے ہوئے' "کاٹھیاواڑ" کے شہر دھوراجی پہنچے۔ کچھ دنوں کے بعد وہیں آپ کا وصال ہوا اور وہیں آپ کو دفن کیا گیا' لیکن بعد میں آپ کے مرید بہاولپور سے "دھوراجی" آئے اور آپ کی نعش نکال کرلے آئے اور گوٹھ "بخشا قاسمانی" میں دفن کیا۔ ہر سال آپ کا عرس ہوتا ہے۔ میں پنجاب' سندھ کے علاوہ کچھی' کاٹھیاواڑ اور دھوراجی کے لوگ بھی آکر شریک ہوتے ہیں۔ چونکہ آپ کی اکثر عمر سیرو سفر میں گزری' اسی لئے "سیرائی" مشہور ہوئے۔ ویسے قوم کے کھرل تھے۔

حضرت سیرائی نے اس دور کے کئی بزرگوں سے جا کر ملے اور ان سے صحبتیں کیں' مثلاً" حضرت خواجہ نور محمد مہاروی (وفات ۱۲۰۵ھ)' مولوی عبداللہ چانڈیو دیروی' دیوان سید محمد غوث (آپ کے مرید)' سید پیر شاہ گجراتی (آپ کے مرید)' مولوی سکندر (آپ کے مرید) سید چراغ شاہ ساکن لنڈی (آپ کے مرید) وغیرہ۔ آپ خواجہ عبدالحق کے مرید تھے۔ آپ کے زمانہ میں قلات میں نصیر خان بروہی کی حکومت تھی اور بہاولپور میں نواب بہاول خان حکومت کر رہے تھے۔ سندھ میں کلہوڑہ اور ٹالپور' خانوادوں کی حکمرانی تھی۔

فصل یازدہم

شاعری

سلسلہ قادریہ کے کئی بزرگوں نے شعر کے ذ رفان اور ایقان کا پیغام پھیلایا۔ انہوں نے فارسی کے علاوہ پنجابی' سرائیکی اور سندھی زبان میں اعری کی اور اپنے جذبات' احساسات اور واردات کا ذکر کیا۔ سندھی اساسی شاعری کے اکثر باکمال شعراء مثلاً شاہ عبداللطیف بھٹائی' سچل سرمست' فقیر قادر بخش بیدل' خلیفہ گل محمد گل ہالائی' خلیفہ نبی بخش لغاری' پیر علی گوہر شاہ اصغر' صدیق فقیر سومرو' رکھیل شاہ (علاقہ بھاگ" بلوچستان) اور محمد محسن بیکس کا تعلق سلسلہ قادریہ سے تھا

پنجابی زبان کے بلند پایہ شعراء مثلاً شاہ حسین' بلھا شاہ' شاہ شرف شاہ مراد اور سلطان باہو کا تعلق بھی طریقت کے اسی سلسلہ سے تھا۔ لسلہ کے بعض بزرگوں نے فارسی میں بھی شعر کہے ہیں' مثلاً سید محمد غوث گیلانی' شاہ حاجی محمد نوشہ' گنج بخش علوی' سید خیر الدین ۔ سالی' خواجہ محمد حافظ درازی' میر جان اللہ شاہ رضوی' ملا شاہ بدخشی' سچل سرمست' قادر بخش بیدل' شاہ ۔و وغیرہ۔

ان تمام بزرگوں کی شاعری کا مضمون صوف ہے۔ ان میں سے زیادہ تر شعراء نے وحدت الوجود کا فکر بڑے موثر ز میں اور فلسفیانہ نوع میں سمجھایا ہے۔ انہوں نے اپنے پیغام میں یہ دعوت دی ہے کہ انسان خود کو پہنچاننے کی کوشش کرے اس کے بعد ہی اس کو حقیقت شناسی اور ذات مطلق کا عرفان حاصل ہوگا۔ ان بزرگوں نے کئی ں پر قرآن حکیم کی آیات کا حوالہ دے کر اپنا مقصد اور مدعا بیان کیا ہے۔ اس کے ساتھ انہوں نے اپنا ۔ مات در تمثیلات کے ذریعہ آسان اور پر اثر بنا کر ہمیں سمجھایا ہے۔ یہ ں اور تشبیہیں بھی زمرہ کے واقعات' مناظر فطرت' کائنات کے حقائق اور اشیاء کی ماہیت اور کیفیت سے اخذ کرتے ہیں۔ ذیل میں ۔کور شعراء میں سے بعض شعراء کی

کے بعد ان کے کلام میں پختگی آجاتی۔ ان کے کلام میں اکثر اوزاں و قوافی کے سقم پائے جاتے ہیں اور تفصیلات لفظی کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔" فنی لحاظ سے ہو سکتا ہے کہ اس کے کلام میں بعض ں پر سقم پائے جاتے ہوں، لیکن معنوی لحاظ سے ان کا کلام میں تصوف کے رموز و حقائق پر اس نوع میں بیان کیے گئے ہیں۔ ان کی کلیات کے مختلف منظوم رسائل کا تعارف اور نمونہ کلام پیش کیا جاتا ہے۔

رسالہ مرشد: اس میں نثر بھی ہے، لیکن زیادہ حصہ نظم میں ہے۔ اس مختصر رسالہ میں تصوف کے بنیادی نظریات بیان کیے گئے ہیں۔ اس میں جن نظریات کی وضاحت کی گئی ہے، اس کا جائزہ یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

وحد الوجود: فکر وحدت الوجو سمجھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہر ذرے میں خورشید ہے ہر قطرے میں دریا پوشیدہ ہے۔ ان کی نظر میں ذات مطلق کائنات کی ہر چیز میں ظہور پذیر ہے۔ لیکن اشیاء کی صفات عارضی ہیں اور ذات واحد کی صفات دائم اور قا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "انا الحق" "انت الحق" اور "ہو الحق" کہنا درست ہے۔

انسان تمام صفات خداوی کا حامل ہو سکتا ہے۔ صوفی علم مفرد و بسیط حاصل کرکے فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو جاتا ہے اور سیر فی ذات اللہ کا درجہ حاصل کرتا ہے۔ وہ علم کی چار قسمیں بتاتے ہیں: علم مفرد، علم مرکب، جہل مفرد، جہل مرکب۔

شریعت و طریقت: وہ شرع ظاہری اور باطنی کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اہل ظاہر کے لئے ظاہری پاکیزگی کافی ہے، لیکن اہل باطن کے لئے دل کی پاکیزگی بھی ضروری ہے۔

رسالہ شاہیہ: اپنے مریدان خاص داراشکوہ اور جہان آرا کی نسبت سے اس کو یہ نام دیا ہے۔ اس کا موضوع بھی تصوف ہے۔ اس میں صوفی کے مقامات کا ذکر ہے اور کثرت وحدت، تنزیہ و تشبیہ، جلال و جمال اور صفات خداوندی کی وضاحت ہے۔ وہ صوفی کے یہ مقامات بتاتے ہیں:

محویت، عینیت، فنا، بقاء، فنا بعد از بقا اور بقا بعد از فنا، علم ے فضائل اس طرح بیان کرتے ہیں:

شاعری کے نمونے پیش کیے جاتے ہیں۔

فارسی شاعری

شاہ ابوالمعالی : "غربتی" تخلص کرتے تھے۔ عشق کے متعلق کہتے ہیں:

گر مرا عشق پریست چہ باک
ہر کرا عشق نیست آدم نیست

ان کے دیوان میں تصوف و ۔اک اور جذب و معرفت کے مضامین ملتے ہیں، مثلاً:

تا رسی برسر خوش
غیر برہم زن بہ تیغ "لا الہ"

--------O--------

ا ہر چہ بجز دوست بود دور انداز
مذہب اہل دل سنت بکسار یسا

-------O--------

ملک و ملک بیک ہوزدہ ناچیز کنیر
ماکہ در قلزم توحید نہنگ آمدہ ایم

-------O--------

دیدہ ام دید است بیچوں رابچوں
خلق میں گوید بگو چوں دیدہ ای

ملا شاہ بدخشی: ان کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ وہ صوفی تھے، اس کے ساتھ فارسی زبان کے شاعر بھی۔ ان کی فارسی شاعری پر ڈاکٹر ظہور الدین احمد اپنی کتاب "پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ" میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ملا شاہ صوفی پہلے تھے، شاعر بعد میں۔ چونکہ افکار و احساسات کی فراوانی تھی، اس لئے شدت جذبات کی وجہ سے ان کی طبیعت موزوں ہوگئی۔ انہوں نے اساتذہ متقدمین کا کلام پیش نظر رکھا اور نہ ان کو نمونہ قرار دے کر طبع آزمائی کی، جس سے شعری ریاضت

علم راه وصال رانبود — علم بنمود سر غیب و شهود

علم از مرشدت وصال نماست — بخدا دیده علم مرشد ماست

علم یعنی که آفتاب جمال — سینه را آفتاب باز خیال

علم یعنی خیال های بلند — که گرفت آفتاب ها بکمند

علم یعنی که عرش آ پایه — به کریش گشته همسایه

رسالہ ولولہ: اس مثنوی کا کوئی مستقل موضوع تو نہیں ہے، لیکن اس میں بھی انہوں نے صوفیانہ خیالات کا اظہار ہی کیا ہے۔ طریقت کی تلقین کرتے ہوئے کہتے ہیں:

از هستی وهم خویش بگذر — بگذراز خویش شو قلندر

محروم زے تاب آفاقی — باشد دل کافر کتابی

رسالہ ہوش: اس مثنوی میں انہوں نے اپنے دل کا حال اس طرح بیان کیا ہے:

دل من چیست یکی میل تمام — سوختم در آتش میل کدام

شرح ایں میل کرا بر خوانم — کش در آتش نفسی بنشیند

ما و آتش چو بهم آغوشیم — چیست آغوش بهم در جوشیم

تگنی در آتش گهر مسکن — تخن عشق نگرد و روشن

رسالہ نسبت: یہ ایک طویل مثنوی ہے، اس میں انہوں نے اپنے زندگی کے حالات بیان کئے ہیں۔ اس کے علاوہ عبادات کا ذکر بھی ہے۔ دل، عشق، نفس، یقین اور دوسرے صوفیانہ اصطلاحات کی وضاحت بھی موجود ہے۔ انہوں نے اپنے کمالات معنوی کا ذکر بھی کیا ہے۔ کہتے ہیں:

مست مدہوش لی مع اللهی است — لی مع اللهی مست اللهی است

ایں شراب خودی که من گفتم — لی مع الله منا رقیم

اس مثنوی میں ملا شاہ نے پھولوں کا ذکر بڑے پر اثر نوع میں کیا ہے۔ ڈاکٹر ظہور الدین اظہر، ملا شاہ کے ان اشعار کی خوبیوں کے متعلق لکھتے ہیں:

"بہاریات میں جناب ملا شاہ نے انواع و اقسام کے پھولوں پر جن تاثرات کا اظہار کیا ہے وہ قابل ملاحظہ ہیں۔ تاریخ سخنوری میں اس زمانہ تک شاید ہی کسی نے پھولوں کو موضوع سخن بنایا ہو اور پھر شعری روایت کے مطابق ان پھولوں کی خصوصیات بیان کر کے

اپنے دل و دماغ کی کیفیات کو ان سے متاثر کیا ہو۔ گل لالہ اکثر شعرا کے نزدیک اپنی آزادی، سرخی، آتش، داغ اور دوسری خصوصیات کے لئے علامت کے طور پر استعمال ہوتا رہا ہے۔ ملا شاہ اس کو دوسرے پھولوں پر فضیلت دیتے ہیں۔ اور اس سے مختلف قسم کے تاثرات حاصل کرتے ہیں۔ ان اشعار کو دیکھ کر شاعر کی دقت نظر اور عمق احساس کا اندازہ ہوتا ہے۔ چند اشعار مثال کے طور پر نقل کئے جاتے ہیں:

شد شفق درمیانه ولاله — او مرا ساخت محرم لاله

نسترن داغ شوکه عالم سوخت — آتشیں روی لاله زار افروخت

نسترن آں عمامه ات واساز — لاله آمد بساز پانداز

لاله اوراق آتشیں افروخت — در دهان وه زبان سوس سوخت

همه گل ها آتشی بجگر — آتشی از زمیں کشیده سر

دوستاں خوبا کشتی سازید — خوش دلی را در آتش اندازید

ما که از حرف لاله می سوزیم — همه در آتشی شب و روزیم

دل که او داغ لاله ای دارد — در کف خود پیاله ای دارد

می سرخ دوخت چشم سیاه — خون ماه ریخت بغیر گناه

بر سر داغ داغ بگذاریم — چونکه از لاله چشمها داریم

لاله راصنم کنے بنا فرماں — بتماشائیاں ببخشم جاں

هر دو بخشند جلوه را تگی — هر دو اندر شگوفه اندکی

لاله هر چند یک رخ گل داشت — داشت پوشیده داغ بلبل داشت

لاله افروخت روی باغ از گل — داغ از بلبل است و داغ از گل

ان کے علاوہ دو اور مجموعہ کلام بھی ملتے ہیں: رسالہ حمد و نعت اور رباعیات۔ آپ کے مکتوبات بھی ہیں۔

میر جان اللہ شاہ رضوی: روہڑی کے رضوی خاندان میں سے تھے، جن کا سلسلہ نسب سید محمد مکی سے ملتا ہے۔ طریقت کے لحاظ سے سید محمد مکی کا تعلق سلسلہ سہروردیہ سے تھا۔ ان کا ذکر سلسلہ سہروردیہ کے باب میں موجود ہے۔ میر جان اللہ شاہ جان شاہ یا جان محمد شاہ قادری طریقہ میں شاہ عنایت جھوک والے کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ان کی وفات سنہ ۱۱۶۷ھ

(۱۷۵۴ء) میں ہوئی۔ میرؔ فارسی زبان کے باکمال اور صاحب دیوان شاعر ہیں۔ ان کا دیوان اب تک شائع نہیں ہو سکا۔ انہوں نے اپنے مرشد شاہ عنایت کی شہادت پر ایک پردرد اور پر اثر قصیدہ لکھا ہے۔ اس سے چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں:

اے بر قد تو زیبا تشریف کبریائی — وای از تو شد ہویدا در بندگی خدائی
وضع قلندر انت گوبردہ از مشائخ — شد برسرت مسلم آئین مقتدائی
طلاب حق ز ہر سو در حضرت دویدند — از خاندان دیگر برخاست پیشوائی
شیخان کبر کیشاں اندر حسد فتادند — دادند در خلائق ایں کار را روائی

میر جان اللہ شاہ کا کلام وحدت الوجود کا ترجمان ہے۔ کہتے ہیں:

عاشق از وہم دوئی چوں صاف شد معشوق گشت
جای لیلی "میر" مجنوں را محمل دیدہ ام
گر حجاب افتاد در چشم گناہ غفلت است
ورنہ در ہر جا ترا باخود مقابل دیدہ ام

انسان' اشرف المخلوقات ہے' وہ اگر اپنی ذات کو' ذات مطلق میں فنا کر دے تو منزل مقصود پر پہنچ سکتا ہے۔ میر اس عارف کے متعلق کہتے ہیں:

روی محبوب ازل زیر نقاب آدمیت
عالم آرا آفتابی در سحاب آدمیت
عالم انوار در ذاتش سراسر مندرج
نشہ لولاک سر جوش شراب آدمیت
گر جنود ابلیس لی محبوس بند خویش بود
آسمانھا با ملائک در رکاب آدمیت
ذہن صائب گر بکار آید تواں دریافتن
میر قرآں سر بسر شرح کتاب آدمیت

وہ کہتے ہیں یہ زندگی عمل کا میدان ہے۔ ہم اس زندگی کے اعمال کے مطابق نفع یا نقصان پائیں گے۔ میر کہتے ہیں:

ز اعمال خلق وجہ مکافات ظاہر ست

فرد از حال دنہ ما موج میزند

فنا اور بقا کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

تاکرد شہود تو عیاں نور بقا را
ترتیب خیالات فنا راچہ کند کس !

قرب الٰہی کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

تو جدا میشوی ز خود بینی
یار از تو جدا شد ہرگز

پنجابی شاعری

شاہ حسین: آپ کے دادا "کلجس رائے" نے فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں اسلام قبول کیا۔ وہ جولاہے تھے۔ ان کی فرزند "عثمان" دیندار آدمی تھا اور جولاہے کا کام کرتا تھا۔ اس کے گھر میں شیخ حسین سنہ ۹۵۴ھ (۱۵۴۷ء) میں تولد ہوئے۔ شیخ سعد اللہ ملتانی ثم لاہوری سے تعلیم حاصل کی۔ آپ نے بڑی ریاضتیں اور مجاہدے کیے۔ شیخ بہلول دریائی کے مرید اور خلیفہ تھے' جو قادری طریقہ کے تھے اور شاہ لطیف بری کے مرید اور خلیفہ تھے۔ شاہ حسین پہلے راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ پھر اچانک مجذوبی کیفیت طاری ہو گئی اور ڈھول کی تاپ پر ناچنے لگے۔ ایک روایت کے مطابق شاہ حسین طریقہ ملامتیہ اختیار کرنے کے بعد آخر تک شرع سے آزاد زندگی بسر کرتے رہے۔ لیکن ایک تحقیق یہ بھی ہے۔ کہ شریعت کی طرف لوٹ آئے تھے۔ اس کا ثبوت یہ دیا جاتا ہے کہ آپ کا ایک رسالہ "تہنیت" ملا ہے' جس میں تصوف کے مسائل آسان طریقہ پر بیان کیے گئے ہیں۔(۱) شاہ حسین کے مجموں میں ایک خوبصورت لڑکا مادھولال بھی شریک ہوا کرتا تھا' جس سے ان کی محبت ہو گئی۔ لڑکے کے والدین نے اسے بہت روکا' لیکن اس نے شاہ حسین کو نہیں چھوڑا۔ پیرو مرید کی محبت یہاں تک پہنچی کہ شاہ حسین "مادھولال حسین" کے نام سے مشہور ہو گئے۔

شاہ حسین کے سال وفات میں اختلاف ہے۔ مقامی کتب تاریخ میں وفات کا سال ۱۰۰۸ھ آیا ہے۔ ان کتابوں میں حقیقت الفقراء قدیم ترین ہے' جو ۱۰۷۱ھ میں لکھی گئی۔ ۱۰۷۸ھ میں مفتاح العارفین تالیف ہوئی' جس میں سال وفات ۱۰۱۳ھ درج ہے۔ موجودہ

تحقیق کے مطابق آپ کا سال وفات ٩٩٩ھ (١۵٩١ء) ہے۔ (٢) ان کا مزار باغبانپورہ (لاہور) میں ہے' جس کے نزدیک تقریباً" نصف صدی بعد شاہجہان نے شالا مار باغ بنوایا۔ ان کی وفات کے بعد آپ کے مرید نو مسلم "مادھول" گدی نشین ہوئے۔

شاہ حسین "کافی" کے قدیم اور بلند پایہ شاعر ہیں۔ کافیاں' پنجابی کے علاوہ سندھی اور سرائیکی میں بھی ملتی ہیں۔ لیکن تینوں زبانوں کی کافیوں میں زمانہ کے لحاظ سے قدیم ترین کافیاں شاہ حسین کی ہیں۔

آپ کی کافیاں سب سے پہلے نامعلوم سندھی مولف نے ایک گورمکھی پستک میں دوسرے ہندو' سکھ اور مسلمان فقیروں' صوفیوں اور جوگیوں کے کلام کے ساتھ درج کیں۔ شاہ حسین' پنجابی زبان کے بلند مرتبہ شاعر ہیں۔ آپ کے کلام میں صوفیانہ مضامین مثلاً" فنا و بقا' راہ سلوک کی مشکلات' تقدیر' سچائی' شیخ مشائخ کی مذمت' اپنی خستگی اور دردمندی کے مضامین ملتے ہیں۔ فکری لحاظ سے آپ نے وحدت الوجود کے فکر کے مطابق خیالات کا اظہار کیا ہے۔ درد و سوز آپ کے کلام میں کوٹ کوٹ بھرا ہوا ہے۔ زبان سادہ' عام فہم اور میٹھی ہے۔ ہیر کی زبانی وحدت الوجود اس طرح بیان کرتے ہیں۔

١۔ حدیقۃ الاولیا : مفتی غلام سرور لاہوری' اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور' ١٩٧٦ء' حواشی محمد اقبال مجددی' ص م م حواشی

٢۔ الف پنجابی اکیڈمی لاہور ١٩٦١ء ص ۵

٣۔ کافیاں شاہ حسین منظوم اردو ترجمہ : عبدالمجید بھٹی

رانجھا رانجھا مجھ کو پکارو ہیر کہے نہ کوئی
ماہی ماہی کہتے ہوئے میں رانجھا آپ ہوئی
میں جس کنت کو ڈھونڈھ رہی تھی پایا کنت وہی
مل کے حسین اللہ والوں (اصل کافی میں سادھاں) سے بھول مری سدھری

(ترجمہ: عبدالمجید بھٹی)

ایک کافی میں اپنا حال اور کیفیت بڑی دردمندی اور عاجزی سے بیان کرتے ہوئے کہتے

ہیں:

چاہے بری ہوں بھلی ہوں' میں صاحب کی بندی ہوں
مورکھ جانیں مجھے دیوانی' رنگ ترا رنگی ہوں میں
پی میری اکھیوں میں براجے' مستانی پھرتی ہوں میں
کہے حسین فقیر اللہ کا' پیاری بھلی پی کی ہوں میں

(ترجمہ: عبدالمجید بھٹی)

چرخے پر سوت کاتنے کی تمثیل میں ذکر کی تلقین اس طرح کرتے ہیں:

گھوم رے چرخے گھوم' تیری کاتنے والی جئے۔ تیرے اوٹنے والی جئے
شاہ حسین ہوا "تو بوڑھا" چھدرے دانت ہوئے
شام کو جانے والیوں کو تو تڑکے کیا ڈھونڈھے
ہر دم ورد رہے اللہ کا جب تو امر ہو جائے
پانچوں ندیوں کی زد میں تو کیسے بھلا جی پائے
چرخہ بولے سائیں سائیں بار بولے ہو
کہے حسین فقیر نمانا میں نہیں سب کچھ توں

(ترجمہ: عبدالمجید بھٹی)

سوت کاتنے والی لڑکی تمثیل میں خود کو مخاطب کرکے اپنا حال بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں۔

ہاں تو کات ری مورکھ لڑکی' ہا مورکھ! تو کات
ساری عمر گزاری یونہی' پند یانہ کاتی تو نے
کہے حسین فقیر اللہ کا' داج بغیر ہی جائے

(ترجمہ: عبدالمجید بھٹی)

شاہ مراد:

آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتا ہے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام قاضی جان محمد تھا اور جانپور تحصیل چکوال کے رہنے والے تھے۔ شاہ مراد نے دینی تعلیم بھیرہ ضلع سرگودھا کے ایک مفتی خاندان کے بزرگ سے حاصل کی۔ آپ کی وفات ١١١۴ھ (١٧٠٣ء)

میں ہوئی۔ مزار جانپور میں ہے۔ جسے "تکیہ شاہ مراد" بھی کہا جاتا ہے۔ ہر سال آپ کے مزار پر عید الاضحیٰ سے ایک دن پہلے عرس ہوتا ہے۔

شاہ مراد نے پنجابی زبان کے علاوہ فارسی اور اردو میں بھی شعر کہے ہیں۔ بلکہ پنجاب میں اردو غزل کی ابتدا شاہ مراد کے اردو غزل سے ہوئی۔ شاہ مراد نے اپنے کلام میں صوفیانہ خیالات کا اظہار کیا ہے۔ آپ وحدت الوجود کے قائل نظر آتے ہیں۔ آپ کے کلام سے چند اشعار نمونہ کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں۔

اک سائیں کے نام ہزاروں' کون سا نام سراہوں میں
کس کو چھوڑوں جلتے جی اور کس کو اب اپناؤں میں
ذکر بھی چھوڑوں اور اس کی ذات سے پریت لگاؤں
شاہ مراد گنواؤں خود کو وہ سائیں تب پاؤں میں
غافل بندے! چاہت کا رخ مالک کے جانب بھی پھیر
ناداں کچھ احساس بھی ہے۔ اس جگ سے کب تو دے گا چل
عمر بتاشا دنیا پانی پل میں بدلے رنگ اپنے
جب صاحب کے نام کو ہر دم پایا ہاں کھا کچھ خوف اجل

(ترجمہ: ماجد صدیقی)

سلطان باہو

آپ کا تعارف پیش کیا جا چکا ہے۔ آپ کا پنجابی کلام چار مصرعوں کے بندوں پر مشتمل ہے اور رسم الخط کے حرفوں کی نسبت سے ترتیب دیئے گئے ہیں۔ اس قسم کی ترتیب کو سہ حرفی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ہر بند کے مصرع کے آخر میں "ہو" ہے۔ ابیات پڑھنے کا روایتی انداز یہ ہے کہ مصرع کے ختم کرنے کے بعد نئے سانس سے "ہو" ایک لمبی "ہیک" کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ دراصل "ہو" کا لفظ ورد کی طرح پڑھا جاتا ہے۔

حضرت سلطان باہو نے صوفیانہ خیالات کا اظہار کیا ہے اور طالب کو راہ ہدایت سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ آپ کے کچھ بیت وحدت الوجود کے موضوع پر بھی ملتے ہیں۔

ایک بیت میں کہتے ہیں:

الف احد جت دتی وکھائی' از خود ہویا فانی ہو
قرب وصال' مقام منزل' نہ اتھ جسم نہ جانی ہو
نہ اتھ عشق محبت کائی' نہ اتھ کون مکانی ہو'
عینوں عین تھیوسے باہو' سر وحدت سبحانی ہو

ترجمہ:۱۔ جب ذات احد نے تجلیات وارد فرمائیں' تو میں اپنے آپ سے فانی ہوگیا'
۲۔ (فنا ہونے کے بعد) وہاں نہ تو قرب و وصال رہا اور نہ مقام و منزل اور نہ ہی جسم و روح
۳۔ محویت کے عالم میں' نہ تو عشق و محبت (باقی رہتی) ہے اور نہ ہی کون و مکان'
۴۔ (اس حال میں) اے باہو! ہم وحدت سبحانی کا عین راز بن گئے۔

معرفت الٰہی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

الف۔ صحیح کیتو سی جداں' چمکیا اگوہاں ہوں'
راتیں دیہاں دیوے تا گھیرے' نت کرے اگوہاں سو ہاں ہو
اندر باہیں اندر بالن اندر دے وچ دھوحاں ہو
باہو شوہ تداں لدھیوسے' جداں عشق کہوے سوہاں ہو

(ترجمہ:۱۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو (اس وقت) پہنچان لیا' جب آگے (لے جانے والا) عشق دل میں چمکا۔
۲۔ (وہ عشق حقیقی) مجھے دن رات تیز تر تپش دے رہا ہے اور روز بروز اور آگے (منزل) کا واقف بنا رہا ہے۔
۳۔ (اب میری یہ کیفیت ہے) کہ (میرے من میں) اندر ہی شعلہ ہائے آتش (عشق) بھی ہیں۔ ایندھن بھی ہے اور دھواں بھی۔
۴۔ اے باہو! ہم نے مالک کو جب ہی پایا جب عشق نے (راہ) کا واقف کیا۔

ظاہری علم راہ طریقت میں ایک رکاوٹ ہے۔ کیونکہ علوم ظاہری انسان میں غرور اور تکبر بھی پیدا کرتے ہیں۔ حضرت سلطان باہو فرماتے ہیں:

پڑھ پڑھ علم کرن تکبر' حافظ کرن وڈیائی ہو

گلیاں دے وچ پھرن نمانڑے' وتن کتاباں چائی ہو
جتھے ویکھن چنگا چوکھا' اوتھے پڑھن کلام سوائی ہو
دوہیں جہانیں سوئی مٹھے' جنہاں کھادھی ویچ کمائی ہو

(ترجمہ:۱۔ علمائے (ظاہر) پڑھ پڑھ کر تکبر کرتے ہیں (اور بعض بے عمل) حافظ غرور میں مبتلا ہیں۔
۲۔ (معرفت حق سے بے بہرہ) کوچہ بکوچہ کتابیں اٹھائے پھرتے ہیں۔
۳۔ جہاں ان کو اچھی اور زیادہ اشیاء نظر آجائیں' وہاں بڑھ چڑھ کر کلام پڑھتے ہیں۔
۴۔ اے باہو! جنہوں نے اپنے علم (عمل اور ضمیر) کو بیچ کر دولت حاصل کرکے کھائی وہ دونوں جہانوں سے محروم رہے۔

جن کو معرفت حقیقی حاصل ہوتی ہے' نفس کو ضابطہ میں رکھتے ہیں۔ وہ صفات کو چھوڑ کر ذات کو پالیتے ہیں۔ حضرت سلطان باہو کہتے ہیں:

ج۔ جس الف مطالعہ کیتا' ب دا باب نہ پڑھدا ہو
چھوڑ صفاتی لدھس ذاتی' اوہ عامی دور چا کر دا ہو
نفس امارہ کترا جانے ناز و نیاز نہ دھردا ہو
کیا پرواہ تنہا نوں باہو' جنہاں گھاڑو لدھا گھر دا ہو

(ترجمہ:۱۔ جس نے الف (جو کہ اسم اللہ کی ابتداء ہے) کا مطالعہ کیا (یعنی: ذات مطلق کی معرفت حاصل کی) وہ ب (یعنی ماسویٰ اللہ) کے باب نہیں پڑھتا اور اس سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔
۲۔ وہ صفات کو چھوڑ کر ذات پالیتا ہے (اور ماسوا اللہ کی) عامی (صفات) کو دور کر دیتا ہے۔
۳۔ وہ نفس امارہ کو کتا سمجھتا ہے اور اس کے خواہشات کے ناز و نیاز کو قائم نہیں کرتا۔
۴۔ اے باہو! ان کو کیا پرواہ جنہوں نے اپنے گھر میں کارساز پالیا)

بلھے شاہ

حضرت سید بلھے شاہ پنجابی زبان کے عظیم شاعر ہیں۔ آپ کا اصل نام عبداللہ شاہ ہے اور والد بزرگوار کا نام سید محمود درویش تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب گیلانی سادات سے ملتا ہے۔

آپ کے بزرگوار اوچ گیلانیاں سے نقل مکانی کرکے ملکوال میں آکر آباد ہو گئے۔ بعد میں گاؤں پانڈو کے بھٹیاں تحصیل قصور میں آکر رہے۔ یہاں سنہ ۱۶۸۰ء میں بلھے شاہ کی ولادت ہوئی۔ مسجد میں دینی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد روحانی تعلیم کے حصول کے لئے لاہور آئے۔ یہاں قادری سلسلہ کے بزرگ عنایت شاہ شطاری کے مرید ہو گئے۔

شاہ عنایت قادری: کا پورا نام حافظ ابو المعارف محمد عنایت اللہ حنفی قادری شطاری تھا۔ والد کا نام پیر محمد تھا۔ ذات کے آرائیں اور پیشہ باغبانی تھا۔ ان کا نسبی تعلق باغنپورہ کے آرائیں قبیلہ سے تھا۔ پہلے قصور میں رہتے تھے۔ وہاں حسین خان حاکم قصور سے آپ کا اختلاف ہوگیا۔ اس لئے لاہور آگئے۔ علوم ظاہری کی تحصیل مولانا سید ابوالنصر عرف سید الیاس اور مولوی عبدالہادی لاہوری سے کی۔ روحانی تعلیم پہلے شاہ علی رضا نبیرۂ حضرت مجدد الف ثانی (وفات ۱۱۴۱ھ ـ ۱۷۲۸ء) اور شیخ محمد سلطان بخاری سے حاصل کی۔ آخر ۱۱۱۱ھ (۱۷۰۰) میں شاہ رضا قادری شطاری لاہوری (وفات ۱۱۱۸ھ ـ ۱۷۰۷ء) کے مرید اور خلیفہ ہوئے' جن کا سلسلہ طریقت شاہ محمد غوث گوالیاری تک پہنچتا ہے۔ شاہ عنایت کی سولہ عربی اور فارسی تصانیف کے نام ملتے ہیں' جن میں سے "غایت الحواشی" ضخیم ترین کتاب ہے۔ ان کی وفات ۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ء) کے بعد ہوئی۔ مزار لاہور میں ہے۔

بلھے شاہ' شاہ عنایت کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے۔ غرور اور نسب کی وجہ سے یہ بات بلھے شاہ کے عزیز و اقارب کو پسند نہ آئی۔ انہوں نے کوشش کی کہ بلھے شاہ اور شاہ عنایت کا یہ تعلق قائم نہ رہ سکے۔ وہ اکٹھے ہو کر بلھے شاہ کو سمجھانے لگے کہ تو نبی کی آل اور اولاد علی ہو کر ایک آرائیں کے مرید ہو کر اپنے خاندان کے نام و نمود پر بٹہ لگایا ہے۔ بلھے شاہ نے اس کا ذکر اس طرح کیا ہے:

بلھے نوں سمجھاون آئیاں بھیناں تے بھرجائیاں
آل نبی اولاد علی دی بلھیا! توں کیہ لیکاں لائیاں
من جا بلھیا ساڈا کہنا چھڈ دے پلا رائیں

بلھے شاہ نے ان کو جو جواب دیا' وہ انہوں نے اس طرح منظوم کیا ہے:

جیہڑا سانوں سید آکھے دوزخ ملین سزائیاں
جیہڑا سانوں رائیں آکھے بہشتیں پینگاں پائیاں

جے توں باغ بہاراں لوڑیں بلھیا' ہو جا طالب رائیاں

بلھے شاہ اپنے پیرو مرشد سے بے حد عقیدت تھی۔ شاہ عنایت کا مسلک آزادانہ تھا۔ پیر نے اپنے مرید کو اپنے رنگ میں رنگنا چاہا۔ پہلے بلھے شاہ کو اس رنگ اختیار کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ شاہ عنایت کو اس سے بہت دکھ ہوا۔ ناراض ہو کر بلھے شاہ کو دھتکار دیا اور اپنے سے الگ کر دیا۔ اس سے بلھے شاہ کو بہت صدمہ ہوا اور اپنی غلطی کا اعتراف کر کے معافی مانگنے کی کوشش کرنے لگا۔ بلھے شاہ کی مرشد سے دوری ان کے لئے سوہان روح بن گئی۔ وہ پریشان ہو کر آبادیوں اور ویرانوں میں پھرتا رہا۔ آخر مرشد کی چوکھٹ پر پہنچے اور مرشد نے انہیں سینہ سے لگایا۔ اس وقت ان کو ایک روحانی سکون حاصل ہوا اور کھویا ہوا راستہ دوبارہ مل گیا' شراب معرفت سے سرشار ہو گئے انہوں نے اپنے کلام میں سلوک و معرفت' جذبہ حق و صداقت' مستی و بے خودی اور القائے الہی کے گیت گائے ہیں۔ آپ کے کلام میں وحدت الوجود کا بیان بڑی بے باکی سے ملتا ہے۔ بے باکی اور اثر انگیزی' حق گوئی اور راست کرداری' زور کلام اور پر اثر اظہار بیان' مستی اور بے خودی آپ کے کلام کی خوبیاں ہیں۔ آپ کے کلام میں کافیاں' سی حرفیاں' دوہڑے' اٹھوار اور بارہ ماہ شامل ہیں۔ موجودہ تحقیق کے مطابق بھلے شاہ نے سنہ ۱۱۸۱ھ (۱۷۶۸ء) کے بعد وفات کی (ا) بلھے شاہ کے کلام نمونہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

وحدت و کثرت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

آپ اکو' کئی لکھ گھراں دے مالک ہر گھر گھر دا

موسیٰ تے فرعون بنا کے دو ہو کے کیوں لڑدا

کیہ کروانی کیہ کردا؟ کوئی پچھو کھاں دلبرنوں کیہ کردا؟

(آپ ایک ہے' لاکھوں گھر ہیں اور ہر گھر کا مالک وہ خود ہے' پھر موسیٰ اور فرعون بنا کر' دو ہو کر کیوں لڑتا ہے؟ الجھتا کیوں ہے؟ کوئی اس دلبر سے پوچھے' تو کیا کرتا ہے' ایسا کیوں کرتا ہے؟)

ا۔ اولیائے قصور: ڈاکٹر مولوی محمد شفیع' سعی و اہتمام: بانی ۱۹۸۲ء

طالب معرفت کی راہ حقیقت میں ایک ایسی منزل پر پہنچتا ہے' جس میں وحدت الہی

کے مشاہدہ سے بے خود ہو جاتا ہے۔ اس منزل کو مقام حیرت کہا جاتا ہے۔ بلھے شاہ حیرت کا اظہار اس طرح کرتا ہے۔

نہ میں مومن وچ میتاں نہ میں وچ کفر دیاں ریتاں

نہ میں پاکاں وچ پلیتاں

نہ میں موسیٰ نہ میں فرعون بلھیا کیہ جاناں میں کون

(نہ میں مسجد کا ملا ہوں۔ نہ میرا مسلک کفر ہے' نہ میں پاکباز لوگوں کے ساتھ ہوں اور نہ میں بروں کے ساتھ ۔ نہ میں فرعون ہوں اور نہ ہی موسیٰ ہوں۔ بلھا مجھے پتہ نہیں میں کون ہوں؟)

اس کافی میں بلھے شاہ نے اور بھی صندین کی مثالیں دی ہیں' مثلاً" عالم اور رند' سونا اور بیدار رہنا' شادی غمی' پاکیزگی اور پلیدی' آگ اور ہوا' مسلم و ہندو وغیرہ آخر وہ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ذات مطلق صرف ایک ہے:

اول آخر آپ نوں جاناں نہ کوئی دوجا ہور کوئی پچھاناں

میں تھوں ہور نہ کوئی سیاناں

بلھیا شوہ کھڑا ہے کون؟ بلھیا کیہ جاناں میں کون؟

(ترجمہ: اول آخر آپ کو ہی مانتا ہوں' دوسرے کسی کو نہیں پہچانتا' (اس حقیقت جاننے کے بعد) مجھ سے زیادہ کوئی سیانا نہیں ہے'

بلھا شاہ کون کھڑا ہے ؟ بلھا' مجھے پتہ نہیں میں کون ہوں)

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"ونحن اقرب الیہ من حبل الورید (ق۔ ۱۶)

(اور ہم ان سے (ان کی) شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں)

صوفیائے کرام قرب الہی کے سلسلہ میں یہ آیت کریمہ مثال کے طور پر لاتے ہیں۔ بلھے شاہ یہ آیت حوالے کے طور پر پیش کر کے کہتے ہیں:

نیوں لگا' مت گئی گواتی نحن اقرب ذات پچھاتی

سائیں بھی شاہ رگ توں نیڑے پڑتالیوں ہن عاشق کیہڑے

ترجمہ: عشق کا ناتا قائم کیا' تو عقل گنوائی۔ نحن اقرب' ذات پہچانی مالک حقیقی شہہ رگ

سے بھی نزدیک ہے۔ ان کو پہچانو، عاشق کون ہے۔)

صوفیائے کرام کی نظر میں کائنات کی یہ کثرت اور رنگینیاں، اس ذات واحد کے صفات کے مظہر ہیں، اس ذات نے اپنی صفات سے اس کائنات کے ظہور سے خود کو ظاہر فرمایا۔ ان مظاہر کی تفصیل کا اگر خلاصہ بنایا جائے، تو وہ انسان ہے۔ جو کائنات میں ہے وہ مجموعی طور پر انسان میں موجود ہے اور جو کچھ انسان میں ہے وہ تفصیل کے ساتھ کائنات میں ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ انسان مجمل نمونہ ہے اور کائنات میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی وجود میں وحدت اور کثرت ساتھ ساتھ موجود ہیں۔ بلھا شاہ ایک کافی میں کہتے ہیں:

۱۔ کہوں ہاتھی تے اسوار ہویا   کہوں ٹھوٹھا ڈانگ پھڑ آیا
کہوں راول جوگی بھوگی ہے   کہوں سانگی سانگ بنایا
ڈھولا آدمی بن آیا

۲۔ بازی گر نے بازی لائی   مینوں پتلی کرکے نچایا
میں اس تالی پر نچناں   میں گت مت یار لکھایا
ڈھولا آدمی بن آیا

(ترجمہ: کبھی ہاتھی پر سوار ہوا، کبھی کشکول لے کر آیا، کبھی راول جوگی بھوگی ہے، کبھی بہروپ بھر کر بھلایا
ڈھولا آدمی بن کر آیا
۲۔ بازی گر نے تماشا کر کے مجھے پتلی کر کے نچایا۔
مجھے اس تالی پر ناچنا ہے۔ جس طرح اس محبوب نے لکھ دیا ہے
ڈھولا آدمی بن کر آیا)

بھلے شاہ سمجھاتے ہیں کہ جس علم سے انسان میں غرور اور تکبر پیدا ہو جائے، وہ علم خدا شناسی کے لئے بڑی رکاوٹ ہے۔ جو عبادت حضور قلب سے نہ کی جائے، اس سے کیا فائدہ! جب تک باطن نہ صاف ہو، ظاہری صفائی کس کام کی۔ بلھا شاہ ظاہر پرست علماء سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

پڑھ پڑھ شیخ مشائخ ہویا   پھر بھر پیٹ نیندر بھر سویا
جاندی وار نیندر بھر سویا   ڈوبا وچ، اورار نہ پار
علموں بس کریں او یار

پڑھ پڑھ علم ہویا پراتا   بے علماں نوں لوٹ کر کھاتا
ایہہ کیہہ کیتا یار بیاتا   کدی کریں ناہیں انکار
علموں بس کریں او یار

پڑھ پڑھ نفل نماز گزاریں   اچیاں بانگاں چانگاں ماریں
منبر تے چڑھ وعظ پکاریں   تینوں کیتا حرص سوار
علموں بس کریں او یار

پڑھ پڑھ ملاں ہوئے قاضی   اللہ علماں باجھ نہ راضی
ہووے حرص دنوں دن تازی   نفع نہ نیت وچ گزار
علموں بس کریں او یار

پڑھ پڑھ مسئلے روز ستاویں   کھانا شک شے دا کھاویں
دسیں ہور تے ہور کماویں   اندروں کھوٹ تے باہروں پچیا
علموں بس کریں او یار

(ترجمہ: ۱۔ علم پڑھ کر شیخ کا رتبہ پایا   پھر پیٹ بھرا اور آرام سے سویا
جانے کے وقت رونے لگا   وہ ڈوب گیا اور پار پہنچ نہ سکا۔
اس علم کو رہنے دے یار

۲۔ علم پڑھ کر پختہ ہو گیا   بے علموں کو لوٹ کر کھاتا
اے یار! یہ کیسا کام کیا   ان کاموں سے کبھی انکار نہیں کیا
اس علم کو رہنے دے یار

۳۔ نفلیں پڑھتے ہو،   اونچی اونچی اذانیں بھی دیتے ہو،
منبر پر چڑھ کر وعظ سناتے ہو   تجھ کو حرص نے خوار کر دیا،
اس علم کو رہنے دے یار

۴۔ ظاہری علوم پڑھ کر ملا قاضی ہوئے لیکن عمل کے بغیر اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا
حرص دن بدن بڑھتا رہتا ہے نیت میں لالچ مت آنے دے
اس علم کو رہنے دے یار

۵۔ مسئلے کو پڑھ پڑھ کو لوگوں کو تنگ کرتے ہو، لیکن خود شک و شبہ سے پاک روزی نہیں کھاتے۔ کہتے کچھ ہو اور کرتے کچھ ہو (یعنی قول اور فعل میں تضاد ہے) دل میں کھوٹ رکھتے ہو ظاہر میں خود کو سچا ثابت کرتے ہو۔ اس علم کو رہنے دے اے یار

بلھے شاہ کا کلام نہ صرف پنجاب بلکہ سندھ میں بھی بہت مقبول ہے۔ جب ان کی کافیاں گائی جاتی ہیں، تو لوگ بڑے ذوق و شوق سے سنتے ہیں اور ان پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ سندھ کے صوفی شاعر حضرت سچل سرمست اور بلھے شاہ کے کلام میں بڑی مطابقت نظر آتی ہے۔

سندھی شاعری

شاہ عبداللطیف بھٹائی

سندھ کے عظیم صوفی شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی کے قبول عام اور شہرت دوام کی وجہ ان کی الہامی شاعری ہے، جس کے ذریعہ انہوں نے عالم انسانیت کو محبت، حق پرستی، خود شناسی، خدا شناسی، وطن دوستی، انسان دوستی، ایثار و قربانی اور انکساری اور عاجزی کا پیغام دیا ہے۔ اس طرح اپنی شاعری سے شاعری جزویست از پیغمبری کا کام لیا ہے۔

سندھ کے یہ نامور، زندہ جاوید اور باکمال شاعر سن ۱۶۸۹ء میں تولد ہوئے اور سنہ ۱۷۵۲ء میں رحلت فرمائی۔ وہ سندھی زبان کے قدیم شاعر شاہ عبدالکریم بلڑی والے کے پڑپوتے اور شاہ حبیب کے فرزند تھے۔ کمسنی ہی میں فقیری کی طرف راغب تھے اور سیروسیاحت کے شائق تھے۔ سندھ کا کونہ کونہ دیکھا اور سندھ سے باہر بلوچستان، کچھ (بھارت) اور ملتان کی سیاحت کی۔ والد ماجد کے انتقال کے بعد بھٹ شاہ (ضلع حیدرآباد) میں سکونت اختیار کی، اس لیے انہیں بھٹائی کہا جاتا ہے۔ سال بہ سال ان کے یوم وفات پر ۱۴ صفر کو ان کی درگاہ پر میلہ ہوتا۔ بھٹائی صاحب نے شادی کی تھی، لیکن اولاد نہ ہوئی۔

شاہ لطیف کی روحانی تربیت ان کے والد بزرگوار شاہ حبیب کے زیر سایہ ہوئی۔ لیکن حقیقت میں وہ اویسی تھے اور انہوں نے روحانی طریقہ پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض حاصل کیا تھا۔ اگر کوئی ان سے مرشد کے متعلق پوچھتا تھا، تو وہ کہتے تھے کہ ان کے مرشد ان کے والد شاہ حبیب ہیں۔ شاہ حبیب کا سلسلہ طریقت ان کے دادا شاہ عبدالریم بلڑی والے سے اس طرح ملتا ہے:

شاہ حبیب بیعت تھے اپنے والد سید عبدالقدوس سے، وہ اپنے والد سید جمال سے اور وہ اپنے والد سید عبدالکریم بلڑی والے سے۔

شاہ عبدالکریم بلڑی والے نے شروع میں بہار سے سندھ میں آئے ہوئے بزرگ سلطان ابراہیم سے روحانی فیض حاصل کیا۔ اس کے بعد ہالا (ضلع حیدر آباد) کے بزرگ مخدوم نوح ہالائی سے اکتساب فیض کیا جو سہروردی اویسی تھی۔ چونکہ سلطان ابراہیم قادری سلسلہ کے بزرگ تھے اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ شاہ عبداللطیف کا تعلق بھی قادری طریقہ سے تھا۔ سلطان ابراہیم کا سلسلہ طریقت اس طرح ہے۔

"سلطان ابراہیم مرید تھے شاہ علی ہاشمی کے' وہ مرید تھے شاہ شرف الدین کے' وہ شاہ شہاب الدین قاسم کے' وہ بدر الدین یحییٰ کے' وہ شاہ نور الدین حسن کے' وہ شاہ شمس الدین محمد کے' وہ سیف الدولہ یحییٰ کے' وہ ظہیرالدین احمد کے' وہ عماد الدین ابو صالح نصر کے' وہ سید عبدالرزاق جیلانیؒ کے' وہ حضرت غوث الاعظم حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کے۔"

شاہ صاحب کے کلام میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں' جو ایک فطری' الہامی اور دنیا کے بڑے شاعر کے کلام میں ہونی چاہئیں۔ شاہ صاحب کے کلام میں فکر کی گہرائی اور وسعت ہے۔ اس کے علاوہ ان کا شعر سندھی زبان کے الفاظ اور محاوروں کے استعمال کے لحاظ سے سند کی حیثیت رکھتا ہے اور سندھ کی ثقافت' تہذیب و تمدن کا ترجمان ہے۔

ان کی قوت مشاہدہ تیز ہے۔ وہ ہر چیز کی گہرائی میں جا کر صحیح اور بہترین نتائج اخذ کرتے ہیں۔ ان کے کلام میں انسانی فطرت کا ہر رخ اور زندگی کے تجربات کا عکس نمایاں نظر آتا ہے۔ اس کے کلام میں عوام الناس کی دلچسپی کا مواد ہے' اس لئے بچے' بوڑھے اور پڑھے لکھے خواہ ان پڑھ اس سے یکساں طور پر محظوظ ہوتے ہیں۔ ان کے کلام کی بڑی خوبی یہ ہے کہ جس قدر ان کے کلام پر غور کرتے ہیں۔ ہماری حیرت میں اسی قدر اضافہ ہوتا ہے۔ ان کے کلام کو اگر بار بار پڑھا جائے' تو ہر بار فکر کی بلندی کے نئے نئے نکتے سامنے آئیں گے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ انسان کا ذہنی ارتقاء ضرور ہوا ہے اور ہوتا ہے۔ انسان بے شعور سے باشعور بنتا ہے' اس کے ناپختہ ذہن میں پختگی پیدا ہوتی ہے اور کسی کی راہنمائی اسے راستہ دکھاتی ہے اور منزل مقصود تک پہنچاتی ہے۔ شاہ صاحب مصائب و آلام کو راہ دکھانے والا رہنما کہتے ہیں اور ذہنی ترقی کا بنیادی سبب دلی لگاؤ اور محبت کا شدید جذبہ سمجھتے

ہیں۔ فرماتے ہیں۔

"سسی رات کو خواب میں نیل گائے دیکھ کر سمجھنے لگی کہ قافلہ والے (پنہوں کے بھائی) آگئے۔ محبوب کے ساتھ محبت کے شدید جذبہ نے اسے باشعور بنا دیا۔ سسی پہلے تو بہت ہی بے شعور تھی' لیکن دکھ درد نے اس کی راہنمائی کی"

یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب دکھ درد کو' سکون اور راحتوں کی زیب و زینت سمجھتے ہیں' کیونکہ محبت و مشقت کے بغیر نہ صرف منزل مقصود تک نہیں پہنچا جا سکتا بلکہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ فرماتے ہیں۔

"دکھ' سکھوں کی زینت ہیں۔ سکھ' دکھوں کے بغیر بے کار ہیں۔"

شاہ صاحب' انسانی فطرت کا حقیقت پسندانہ جائزہ پیش کر کے انسان کا رخ بدی سے نیکی کی طرف موڑتے ہیں۔ انسان کو اس کا شرف و شان یاد دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

"صاف پانی کو بگلوں نے میلا کر دیا ہے۔
اب ہنس اس کے قریب آتے ہوئے شرماتے ہیں۔"

-------O--------
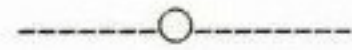
"مارو دولت دیکھ کر اس کی لالچ میں سمدھیانے نہیں بدلتے
میں عمرکوٹ میں آکر اس رسم کو نہیں توڑوں گی
مجھے اپنی جھونپڑیوں کے ساتھ جو محبت ہے' میں اسے شاہی محلوں پر قربان نہیں کر سکتی"

شاہ صاحب نے محبت' انسانیت اور اخلاق کا درس دیا ہے۔ ان کو کسی سے نفرت نہیں ہے۔ البتہ ان کو طبقاتی نظام برقرار رکھنے والوں اور استحصالی قوتوں سے نفرت ہے۔ ان کی نظر میں وہ لوگ انسان دشمن اور قابل نفرت ہیں' جو مفاد پرست ہیں اور ذاتی فائدہ کے لئے عوام کا استحصال کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں' جو انسانی ذہن کی پستی کا باعث ہیں۔ یہی لوگ قحط' گرانی اور مہنگائی پیدا کرتے ہیں اور انسانی زندگی کے لئے تکالیف پیدا کرتے ہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"خدا کرے وہ موذی' جو قحط اور گرانی پیدا کرتے ہیں' نیست و نابود ہو جائیں۔"

شاہ صاحب رجائیت کے شاعر ہیں' اور لوگوں کو قنوطیت کے قریب آنے نہیں دیتے۔

وہ پر امید ہیں اور ہمیں " **لاتقنطوا من رحمتہ اللہ**" کا مژدہ سناتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

" **لاتقنطوا من رحمتہ اللہ**" کے سہارے زندگی گزار"

شاہ صاحب کی شاعری میں نہ صرف معاشی اور معاشرتی زندگی کی عکاسی اور فطرت نگاری کے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں۔ بلکہ اس میں حقائق کی نشاندہی بھی کی گئی ہے اور صحیح انسانیت کے اجزائے ترکیبی بھی بیان کئے گئے ہیں۔ ان کا نقطہ نظریہ ہے کہ انسانیت کی فلاح و بہبود کا راز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل پیرا ہونے میں ہی مضمر ہے۔

فرماتے ہیں:

"جس وقت جن لوگوں نے "**وحدہ لا شریک لہ**" کہا

وہ وجہ تخلیق کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر دل کی گہرائیوں سے ایمان لے آئے۔ پھر ان میں سے کوئی بھی گمراہی میں مبتلا نہیں ہوا۔"

شاہ صاحب کی شاعری میں فکری تضاد، مبالغہ آرائی اور گمراہ کن خیالات کا نام تک نہیں ہے۔ ان کا نقطہ نظر مثبت ہے اور رہنما اصولوں پر مبنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری کے اقدار غیر متبدل ہیں۔ ان کا پیغام ہر ملک اور ہر دور کے لئے ہے۔ زندگی کی طرح ان کی شاعری کا مقصد بھی تنوع کے لحاظ سے مختلف جہتوں کا حامل ہے۔ لیکن اس تنوع میں وحدت کارفرما ہے، جس طرح کائنات کی کثرت میں وحدت ہی وحدت ہے۔ شاہ صاحب خود کہتے ہیں:

کثرت از وحدت از وحدت کثرت است
وحدت اندر وحدت اندر وحدت است
بھول مت وہ درحقیقت ایک ہے،
ایک ہے ہر فعل اس کا ایک ہے،
سب میں ہے مظہر اسی محبوب کا،
شور ہے واللہ اس مطلوب کا

لاکھ دروازوں کا قصر پر سماں،
اور ہر جانب کروڑوں کھڑکیاں،

جس طرح بھی دیکھتا ہوں سر بسر
اس طرح آتا ہے وہ مالک نظر

(ترجمہ رشید لاشاری)

انسانی فطرت کے تجزیہ سے معلوم ہوگا کہ انسان میں دو قوتیں ہیں، جس پر اس کے فکر اور عمل کا دارومدار ہے: قوت ادراک اور قوت احساس، شاعر میں قوت احساس غیر معمولی ہوتا ہے اور وہ اس احساس کے زیر اثر شعر کو وجود بخشتا ہے۔ لیکن بہت سے شاعروں میں قوت ادراک نہیں ہوتا۔ اس لئے ان کی شاعری وقتی، عارضی اور جذباتی نوعیت کی ہوتی ہے۔ اس کا اثر دیرپا نہیں ہوتا۔ بہت کم شعراء کی شاعری میں دونوں قوتوں: قوت احساس اور قوت ادراک کا عمل دخل ہوتا ہے۔ وہی شعرا عظیم اور آفاقی ہوتے ہیں اور ان کا پیغام زمان و مکان کی پابندیوں سے مبرا ہوتا ہے۔ شاہ لطیف کی شاعری میں بھی دونوں خصوصیتیں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ ان کی شاعری میں فکر کی بلندی ہے، تمام انسانوں کے لئے خلوص، محبت، اخوت اور مساوات اور انسانی دوستی کا پیغام ہے، حقیقت پسندانہ نوع میں زندگی کی عکاسی ہے اور انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر تنقید بھی، ذاتی اور اجتماعی جذبات اور احساسات کی آئینہ داری بھی ہے۔ اور معاشی اور معاشرتی حالات کی ترجمان بھی۔ شاہ صاحب کی نظر میں انسانی عظمت کا دار و مدار دنیوی شان و شوکت اور جاہ و جلال میں نہیں ہے، بلکہ قلب کی پاکیزگی، خود داری، اصول پرستی اور انسانی شرافت پر ہے۔

شاہ لطیف کے فکر کی بنیاد ہی "اپنی ذات کا عرفان" پر ہے۔ وہ کہتے ہیں انسان کو اپنی ذات کی تعمیر کا حل بھی اس وقت معلوم ہوگا جب ہم ہر لحاظ سے خود کو پہنچانیں گے۔

فرماتے ہیں۔

"پہلے خود کو پہچان، بعد میں محبوب کی عشق کی راہ معلوم کر" یعنی سب سے پہلے انسان کو یہ معلوم کرنا چاہئے کہ وہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے۔ اس کی اصل کیا ہے، اس کے آنے کا مقصد کیا ہے۔ اور اس کی فطرت اورماہیت، مزاج اور فطرت کس طرح کی ہے؟ شاہ صاحب نے اس نکتہ پر غور و فکر کیا ہے اور حقائق معلوم کرنے کی کوشش کی ہے؟

فرماتے ہیں :

"جب میں نے اپنی اصل حقیقت پر غور و فکر کیا، تو پہلے اپنے نفس کا عرفان حاصل کیا،

بعد میں عالم الارواح کی حقیقت معلوم ہوئی۔ اس طرح عرفان ذات حاصل ہوا۔"

یعنی خود کو پہچاننے کے بعد ہی معرفت حقیقی حاصل ہوئی۔ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ یہ انسانی راز زیادہ مشکل بھی نہیں ہے، لیکن وہ لوگ اس کو سمجھ نہیں سکیں گے، جن کا دل اس طرف مائل نہیں ہے۔ فرماتے ہیں:

"اس میں کوئی الجھاؤ نہیں ہے اور نہ ہی زیادہ دماغ سوزی کرنی پڑتی ہے۔ یہ ایک آسان بات ہے، لیکن جاہل اور روحانیت کے منکر اس کو سمجھ نہیں سکیں گے۔"

اس طرح کے لوگوں کو چونکہ صحیح راستہ نہیں ملا ہے۔ اس لئے جوں جوں کوشش کرتے ہیں۔ حقیقت سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"سمندر کی تیز ہوا نے ان کو تباہ کر دیا، وہاں جا کر پہنچے، جہاں سے صحیح سلامت نکلنا محال ہے۔"

شاہ صاحب نے اس طرح کے عقل پرستوں اور خود پرستوں کو، ان اندھیروں سے تشبیہ دی ہے، جو ہاتھی کے ایک عضو کو ہاتھ لگا کر کہتے ہیں۔ کہ ہاتھی اس شکل و صورت کا ہوگا۔

اندھوں نے مردہ ہاتھی پر آکر، اس کی شکل و صورت کو معلوم کرنے کی کوشش کی۔ ہاتھ لگا کر اس کا اندازہ کرنے لگے، لیکن اس کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

"حقیقت یہ ہے کہ ہاتھی کو آنکھوں کی بینائی والے ہی پہچان سکتے ہیں۔"

شاہ صاحب کی نظر میں اندھے وہ ہیں، جنہوں نے خود کو نہیں پہچانا اور بینائی والے وہ ہیں جنہوں نے عرفان ذات حاصل کیا ہے۔ ان کی نظر میں جنہوں نے اپنے نفس کی حقیقت معلوم کی ہے۔ انہوں نے گویا ذات مطلق کو پہچانا۔ پھر ان کو ہر جگہ اسی ذات کا جلوہ جاری اور ساری نظر آئے گا۔ سسی پنہوں کو حاصل کرنے کے لئے، اس کے وطن کیچ مکران پہنچنا چاہا۔ اس لئے اس نے پہاڑوں کے دشوار گزار راستوں پر سفر کیا۔ شاہ صاحب نے اس تمثیل میں مذکورہ حقیقت اس طرح بیان کی ہے۔

"جب میں نے اپنے اندر میں جا کر اپنے آپ سے ملاقات کی تو نہ ہی مجھے پہاڑوں کے راستے سفر کرنے کی ضرورت رہی، اور نہ ہی کیچ کے رہنے والوں کی پرواہ رہی،

میں خود پنہوں ہو گئی اور سسی کا وجود ہی نہ رہا۔"

ان حقائق پر غور و فکر کرنے کے بعد شاہ صاحب معرفت حقیقی کے طالب کو مشورہ دیتے ہیں کہ "ادھر ادھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں ہے، تم اگر خود اپنے اندر میں دیکھو گے، تو تمہیں اپنے اندر میں ہی محبوب حقیقی کا مکان ملے گا"۔ تمثیلی انداز میں سسی یعنی طالب کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں:

"تم دنکار" کیوں جاتی ہو، یہیں ہی ہوت (پنہوں) کو تلاش کیوں نہیں کرتی، بارچو (پنہوں) کسی دوسری جگہ چھپا ہوا نہیں ہے۔ حقیقی نظر سے اپنے اندر میں دیکھو، تو وہاں محبوب کا آستانہ ملے گا"

شاہ صاحب نے خود شناسی اور مطالعہ کائنات کے بعد قرآن حکیم کی بیان کردہ حقیقت **"کنفس واحدہ"** کی عملی تفسیر تک رسائی حاصل کی۔ اس کے بعد اپنے پیغام کا بنیاد ہی اسی اصول پر رکھا۔ آپ نے ہمیں سمجھایا کہ کیوں آپس میں لڑ رہے ہو، تم سب تو ایک ہی وجود کے مانند ہو، تم میں کوئی جدا گی تو ہے ہی نہیں۔ یہ تمہاری حقیقت ناشناسی ہے کہ ایک دوسرے کو الگ الگ سمجھ کر آپس میں لڑ کر ایک دوسرے کا نقصان کر رہے ہو۔ تم خود کو نقصان دے رہے ہو۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"کمان میں تیر رکھ، مجھے مت نشانہ بناؤ مجھ میں خود تم بیٹھے ہوئے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا تیر خود تمہیں لگ جائے۔"

یعنی جدا گی کا تصور ہی عذاب ہے۔ اس انفرادیت اور خود پرستی کے تصور نے ہی انسانیت کو طبقات میں تقسیم کر دیا ہے۔ بغض، حسد، خود غرضی اور انسان دشمنی اسی تصور کی پیدا کردہ خرابیاں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے میں انتشار ہے، ملک میں فساد برپا ہے اور ایک ملک دوسرے اور ایک قوم دوسری قوم کی دشمن بن گئی ہے۔ شاہ لطیف اس حقیقت کی طرف اشارہ کرکے فرماتے ہیں کہ دراصل انسان ذات ایک ہی وجود کے مثل ہے، لیکن انفرادیت اور خود پسندی کی وجہ سے ایک عنصر دوسرے سے الگ تصور کر رہا ہے۔ شاہ صاحب "سوہنی" کی تمثیل میں فرماتے ہیں: "سوہنی گھڑہ حاصل کرنے کے بعد، اللہ کا نام لے کر دریا میں کود پڑی اس کی چوڑیاں اور بازو بند چیکڑ میں پھنس گئے اور اس کے بال پانی میں بہہ گئے۔

لاکھوں مچھلیاں اس کے جسم کو چمٹ کر اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے الگ کر کے کھانے لگیں'

ہزاروں مگرمچھ آکر جمع ہوئے ہیں' اب سوہنی کے حصے بخرے ہو جائیں گے"

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ انسانیت کے دکھ اور درد کا علاج اسی میں ہے کہ ہر انسان۔ انسانیت کی اکائی کا قائل ہو جائے اور یہ یقین کرے کہ تمام انسان ایک دوسرے سے اس طرح ملے ہوئے ہیں کہ ان کے آپس میں ملنے کا نشان تک اس کا نظر نہ آئے۔ شاہ صاحب نے اس حقیقت کو مختلف تشبیہات کے ذریعہ واضح کیا ہے۔ مندرجہ ذیل شعر میں عربی "لا" میں (الف) اور (ل) کے ادغام سے اس حقیقت کو سمجھایا ہے:

"کاتب نے جس طرح الف اور لام کو ملا کر لکھا ہے' میرے اور میرے محبوب کے روح اس طرح آپس میں ملے ہوئے ہیں۔"

دوسرے شعر میں زنجیر کے کڑیوں کا مثال دے کر فرماتے ہیں:

"جس طرح لوہار نے کڑیوں کو ایک دوسرے سے ملا کر زنجیر بنایا ہے' اسی طرح میرے محبوب نے میرے دل کو اپنے ساتھ جوڑ دیا ہے۔"

شاہ صاحب نے اس حقیقت کو ذہن نشین کرانے کے لئے' ہماری توجہ صوفیانہ فکر "وحدت الوجود" کی طرف مبذول کرائی ہے' یہ فکر بھی تشبیہات اور تمثیلات کے ذریعہ آسان بنا کر ہمیں سمجھاتے ہیں۔ یہ تمثیلیں اور تشبیہیں بھی روزمرہ کے واقعات' فطرت کے مناظر' کائنات کے حقائق اور اشیاء کی ماہیت اور کیفیت سے اخذ کرتے ہیں۔

وجودی فکر کے مطابق ذات مطلق صرف ایک ہے' صرف اسی ذات کو ہی لافانی اور حقیقی وجود ہے' کائنات کی کسی بھی دوسری چیز کو حقیقی وجود نہیں ہے۔ ہر چیز کا وجود' اسی حقیقی وجود سے ہے' یہی وجہ ہے کہ یہ کثرت اسی وحدت کا پرتو ہے۔ شاہ صاحب نے شعر میں اس مسئلہ کو سمجھانے کے لئے گونج کی مثال دی ہے' فرماتے ہیں کہ آواز اور اس کی گونج ظاہری طور پر دو آواز معلوم ہوتے ہیں' لیکن اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے' تو معلوم ہو گا کہ گونج دراصل کوئی الگ آواز نہیں ہے بلکہ اس اصل آواز کی بازگشت ہے' فرماتے ہیں:

"گونج دراصل پکار کی آواز ہی ہے' اگر تم حقیقت کو معلوم کر لو گے' تو

تمہیں معلوم ہو گا کہ وہ دونوں اول آپس میں ملے ہوئے تھے' لیکن سننے میں دو آواز معلوم ہوئے۔"

شاہ صاحب کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح یہ ایک حقیقت ہے کہ آواز اور اس کی گونج ایک ہی آواز ہے' اسی طرح "وحدت الوجود" بھی حقیقت ہے۔ فکر کے نقطہ نگاہ سے فرماتے ہیں کہ کثرت اور وحدت ایک ہی ہے' کثرت نے وحدت سے ہی وجود حاصل کیا ہے۔

"وحدت سے کثرت ہوئے ہیں' کثرت اور وحدت ایک ہی ہے' خدا کی قسم' ہر جگہ محبوب کا جلوہ ہی کار فرما ہے۔"

"ایک قصر کو لاکھوں دروازے اور کئی کھڑکیاں ہیں' جہاں سے بھی دیکھتا ہوں محبوب کا جلوہ ہی کارفرما نظر آتا ہے۔"

سچل سرمست کی شاعری

حضرت سچل سرمست کی ولادت سنہ ۱۱۵۲ھ (۱۷۳۹ء) میں ہوئی اور ۱۴ رمضان سنہ ۱۲۴۲ھ (۱۸۲۷ء) کو رحلت فرمائی۔ ان کا سلسلہ نسبت حضرت عمر فاروق سے جا ملتا ہے۔ حضرت عمر فاروق کی اولاد میں سے شیخ شہاب الدین' محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ میں وارد ہوئے تھے' جنہیں سندھ کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے ایک علاقہ کا گورنر مقرر کیا۔ سندھ میں اس خاندان میں سے کئی بزرگ ہستیاں پیدا ہوئیں' جن میں سے حضرت خواجہ محمد حافظ عرف صاحبڈنو درگاہ دراز (ضلع خیرپور۔ میرس سندھ) کے سلسلہ کے بانی ہیں۔ حضرت سچل سرمست ان کے فرزند خواجہ صلاح الدین کے نور نظر تھے۔ حضرت خواجہ محمد حافظ کے سجادہ پر ان کے چھوٹے صاحبزادے اور حضرت سچل سرمست کے چچا خواجہ عبدالحق جلوہ افروز ہوئے' جو حضرت سچل سرمست کے پیر طریقت بھی تھے۔ سچل سرمست نے عربی اور فارسی زبانوں میں مکمل دسترس حاصل کی' دینی علوم کی تکمیل کی اور قرآن مجید حفظ کیا۔ متعدد طالبان حق ان سے فیضیاب ہوئے۔ خیرپور کے تالپور حکمران بھی عقیدت رکھتے تھے اور ان کا بہت احترام کرتے تھے۔

سچل سرمست خود بھی باکمال شاعر تھے اور ان کے روحانی طالبوں میں بھی کئی بلند پایہ صوفی شاعر ہو گذرے ہیں جنھوں نے سندھی اور سرائیکی زبانوں میں بڑے موثر انداز میں تصوف کے اسرار و رموز بیان کئے اور سچل سرمست کے روحانی پیغام کو سندھ کے کونے کونے میں پھیلایا۔ ان درازی فقراء میں سے چند صوفی شعراء کے نام یہ ہیں:

فقیر نانک یوسف' اگڑا (ضلع خیرپور)' فقیر محمد یوسف (ضلع خیرپور)' فقیر غلام حیدر شر (ضلع خیرپور)' فقیر محمد صالح قادری (لاڑکانہ)' فقیر سید خیرشاہ انودیرہ (ضلع لاڑکانہ) جانو فقیر (شکارپور)' فقیر محمد صلاح دونوں (ضلع خیرپور)' فقیر محمد صدیق' نیتی (ضلع لاڑکانہ)' فقیر سید دین شاہ' فقیر سید پیر شاہ' فقیر سید حیدر شاہ' فقیر شیر علی' کھرام فقیر جتوئی' فقیر سید حسن شاہ' فقیر شیر خان ھنبھر وغیرہ۔

سچل سرمست نہ صرف سندھی زبان کے باکمال شاعر تھے' بلکہ فارسی' اردو' ہندی' سرائیکی' پنجابی زبانوں کے بھی قادر الکمال شاعر تھے۔ فارسی میں ان کے دو دیوان ہیں۔ دیوان خدائی اور دیوان آشکار۔ ان کے علاوہ فارسی میں آپ کی کچھ مثنویاں بھی ہیں' مثلاً وحدت نامہ' تارنامہ' راز نامہ' رہبر نامہ' عشق نامہ' درد نامہ' گداز نامہ' وصلت نامہ۔

فنی لحاظ سے سچل سرمست کا سندھی اور سرائیکی کلام بیت' دوہو اور کافی کے اصناف میں ہے۔ کچھ سندھی کلام علم عروض کی ساخت کے مطابق بھی نظر آتا ہے اور اس کو غزل نما کافی کہا جا سکتا ہے۔ اردو ہندی کلام غزل کی صنف میں ہے اور غزل کی فنی خصوصیات کے مطابق ہے۔ زبان کے لحاظ سے اردو کلام قدیم اردو کی لسانی خصوصیات کا حامل ہے۔

مضمون کے لحاظ سے سچل سرمست کا کلام وحدت الوجود کے فکر کا ترجمان ہے اور منصوری مسلک (انا الحق) اور ہمہ اوست کی توضیح اور تشریح کرتا ہے۔ ان کا تمام تر کلام رندی' بے باکی اور جذب و سرمستی کا آئینہ دار ہے اور کیف' دلکشی اور رنگینی سے معمور۔ رنگینی' دلکشی اور اثر انگیزی ان کی شاعری کی خصوصیات ہیں۔ ان کا شعر ان کے روحانی جذبات' احساسات اور واردات کا عکاس ہے۔ کہیں جذب و سرمستی کی کیفیت کا اظہار ہے۔ کہیں عجز و انکساری کا۔ معرفت کی توضیح و تشریح کے ساتھ ساتھ حسن و عشق' ہجرو وصال کا ذکر بھی نظر آتا ہے۔ وہ انسانی شرف و شان کے قائل ہیں اور انسان سے محبت کرنے کا درس دیتے ہیں۔ انہوں نے اپنی ذات کی حقیقت پر غور و فکر کر کے خود شناسی اور

خدا شناسی کے حقائق واضح کئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب تک اپنی ذات کی نفی نہیں کی جائے گی اس وقت تک خود شناسی کا راستہ حاصل نہیں ہو گا اور خود شناسی کے بعد ہی معرفت الٰہی حاصل ہو سکتی ہے۔

وہ منطقی انداز میں اپنی ذات اور معرفت حقیقی کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مشاہدہ اور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ذات حقیقی کا جلوہ انسان کے اندر ہی جاری اور ساری ہے۔ اسی وجہ سے خود کی نفی کے بعد ہی ذات مطلق کا اثبات ممکن ہو گا۔ اس کے بعد وہ انا الحق کہنے لگے گا' جس طرح منصور حلاج نے کہا تھا۔

سچل سرمست کی نظر میں کائنات کی کثرت رنگینیاں اور جلوہ افروزیاں اللہ تعالیٰ کے مختلف صفات اور اسموں کے مظہر ہیں۔ کائنات کی کوئی چیز یا کوئی وجود یا کوئی ہستی' کسی ایک اسم کا مظہر ہے' کوئی دو اسموں کی مظہر ہے اور کوئی مختلف اسموں کا مظہر ہے۔ غرضیکہ مجموعی کائنات اللہ تعالیٰ کے مختلف اسموں کا مظہر ہے۔ ان مظاہر کی تفصیل کا اگر خلاصہ بنایا جائے تو وہ انسان ہے جو کچھ کائنات میں ہے' وہ مجموعی طور پر انسان میں موجود ہے اور جو کچھ انسان میں ہے وہ تفصیل کے ساتھ کائنات میں ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ انسان میں مجمل طور پر ہے اور کائنات میں تفصیل کے ساتھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی وجود میں وحدت اور کثرت ساتھ ساتھ موجود ہیں۔ ان کے وجود میں وحدت بھی ہے اور مزاج اور فطرت میں تنوع اور ہمہ رنگی بھی۔

سچل سرمست کی شاعری زبان و بیان کی خصوصیات سے بھی مزین ہے۔ انہوں نے تشبیہیں اور تمثیلیں ضرور استعمال کی ہیں لیکن ان کا نقطہ نظر بالکل صاف اور واضح ہے۔ وہ اشاراتی انداز میں باتیں نہیں کرتے' بلکہ کھلم کھلا انا الحق کا اعلان کرتے نظر آتے ہیں۔ البتہ انہوں نے وجودی فکر' مختلف تشبیہیں اور تمثیلیں دے کر بیان کیا ہے۔ انہوں نے متقدمین سندھی شعراء کی طرح سندھ کے رومانوی داستانوں' مثلاً سسی پنوں' عمر ماروی' سہنی میہار وغیرہ کی تمثیل میں اپنا مقصد بیان کیا ہے اور عرفان اور ایقان کی حقیقتیں واضح کی ہیں۔ سچل سرمست کے اسلوب بیان کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ انہوں نے معرفت الٰہی کے اسرار و رموز حسن و عشق کے رنگ میں بیان کئے ہیں۔ وہ حسن و جمال کا ذکر اور فراق وصال کا بیان دلگداز انداز میں ظاہر کرتے ہیں۔ فکر کے لحاظ سے ان کے کلام میں مختلف

واردات کا اظہار ملتا ہے۔ کہیں موج و مستی ہے تو کہیں عاجزی اور انکساری کا اظہار بھی ہے۔ غرضیکہ ان کے کلام میں مضمون' فکر اور اسلوب بیان کے لحاظ سے رنگا رنگی' تنوع' انفرادیت و جدت ہے۔ وہ بڑی جرات اور بیباکی سے حقائق پر سے پردا اٹھاتے ہیں اور حق شناسی اور حقیقت بینی کا درس دیتے ہیں۔ جس طرح جرات' مستی' جوش اور بیباکی سچل کے کلام میں ملتی ہے' اس طرح کا جرات مندانہ اظہار کسی دوسرے شاعر میں نظر نہیں آتا۔

سچل سرمست کا کلام زندگی کا ترجمان بھی ہے تو تفسیر اور تعبیر بھی' حق کی آواز بھی ہے اور عرفان کا اظہار بھی' انسانی شرف و شان کا اقرار بھی ہے اور انسانیت کے لئے روحانی پیغام بھی۔ وہ کہتے ہیں کہ زندگی فقط مادی چیزوں کا نام نہیں ہے' بلکہ دل کی صفائی' قلب کی پاکیزگی اور روح کی بالیدگی بھی' انسانی زندگی کی اہم اور بنیادی تقاضا ہے۔ انسانی جب زندگی کی اس ضرورت کو بھول جاتا ہے اور مادی حرص و ہوا کا شکار ہو جاتا ہے تو اپنی زندگی بے معنی بنا دیتا ہے۔

سچل سرمست نے سولی اور سنگسار' مئی اور مستی' وحدت اور کثرت' نفی اور اثبات' حسن و جمال' فراق وصال کا ذکر مختصر مگر جامع انداز اور معنی دار الفاظ میں بیان کیا ہے۔ انہوں نے زندگی کے راز و رموز' حقائق اور معارف موثر پیرایہ میں اور دلکش انداز بیان میں واضح کر کے ایک نصب العین کی نشاندہی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام زندگی کے ظاہری اور باطنی اسرار کا آئینہ دار ہے۔

سچل کا کلام معنوی لحاظ سے بھی بلند اور منفرد ہے تو فنی خصوصیات کی وجہ سے بھی جدت اور انفرادیت کا حامل ہے۔ جس طرح انہوں نے فکر اور پیغام کی پیشکش میں نیا اور نرالا انداز اختیار کیا ہے' اسی طرح ان کے شعر کی فنی ساخت میں بھی نیا پن' وسعت' تنوع اور گہرائی ہے۔ فن اور ہیئت کے لحاظ سے ان کی کافی کے بیس سے زیادہ نمونے ملے ہیں۔ انہوں نے کافی کے ساتھ بیت اور دوہوں میں بھی بڑی وسعت اور رنگینی پیدا کی۔ فنی ساخت کے لحاظ سے بیت میں بھی سچل نے نئی راہیں پیدا کیں۔ ان کے رسالے میں بیت کے کئی نمونے ملتے ہیں۔ مثلاً وحدت نامہ' مرغ نامہ' نیل گائے کے متعلق ابیات' پورب کے متعلق ابیات' سی حرفی' جھولنو' گھوولی وغیرہ۔ اس طرح کے ابیات ان کے متقدمین سندھی شعراء میں نہیں ملتے۔ اس کے علاوہ ان کے قافیے بھی بعض جگہوں پر منفرد نظر

آتے ہیں۔ غرضیکہ سچل سرمست فکر خواہ فن کے لحاظ سے جدید اور منفرد شاعر ہیں۔

سچل سرمست کی شاعری میں' سندھی شاعری کی قدیم روایات ضرور ملتی ہیں' لیکن اسلوب بیان اور پیشکش میں متقدمین کا زیادہ اثر نظر نہیں آتا۔ انہوں نے شاعری میں اپنا بنایا ہوا طریقہ اختیار کیا ہے۔ ان کے بعد ان کے اظہار بیان کا طریقہ ان کے متاخرین' قادر بخش بیدل' خواجہ غلام فرید' خوش خیر محمد' فقیر نانک یوسف اور دوسرے سندھی اور سرائیکی شعراء میں نمایاں نظر آتا ہے۔

حضرت سچل سرمست ایک کافی میں وحدت الوجود کا فلسفہ سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

ہر سو اور ہر جہت محبوب کا جلوہ ہے' جس نے نیند سے آنکھیں کھلوا دی ہیں۔

۱۔ وحدت سے کثرت کر کے عجب رنگ رچایا ہے۔

۲۔ اے سہیلیو! "من وتو" کے پردہ سے باہر آکر کیوں نہیں دیکھتی ہو۔

۳۔ محبوب نے قسم قسم کے لباس پہن کر اپنے آپ کو چھپایا ہے۔

۴۔ اے بہنو! مجھے بہکانے کی کوشش مت کرو' یہ حسن و جمال اس ہادی کا ہے۔

۵۔ اس کے حرفت دیکھئے کہ اظہار میں اخفاء کیا ہے' یعنی ہر چیز کو ظاہر کر کے خود کو اس میں چھپا دیا ہے۔

۶۔ یہ بھی اس کی ایک رمز ہے کہ سچل کی صورت میں نمودار ہوا ہے۔

حضرت سچل سرمست کی فکری گہرائی کا اندازہ حسب ذیل ابیات سے لگایا جا سکتا ہے:

"ایک سفر تو ایک ہی ساعت کا ہے اور دوسرا سال بھر کا' پہلا سراسر راحت ہے اور آخری تو پھر آخری ہی ٹھہرا۔"

"جہاں لوگوں کا ہجوم ہے وہاں میں نہیں ہوں' میں سر ہتھیلی پر رکھ کر' منصور کے پیچھے جا رہا ہوں۔"

سچل سرمست کا جو کلام سندھ کے رمانوی داستانوں کی تمثیل میں ہے اس میں روایتی انداز بیان کے ساتھ فن اور فکر کی جدت اور انفرادیت بھی ہے۔ عمر ماروی کی داستان سے ایک بیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔

"میری ہمسائیوں کی چونیاں موتیوں کی مالائیں ہیں طشتریاں میرے دل کو یہ طشت اچھی نہیں لگتی ہیں'

اے سومرا! میرے سنگھاروں (ماروؤں) کا رہن سہن (آپ کے رہن سہن سے) اچھا ہے جو صبح سویرے اٹھ کر خودرو اناج کو صاف کر کے اس سے دالیں نکال کر پکاتے ہیں۔ لاکھ میں رنگی ہوئی لوئی اچھی ہے' ریشمی شالیں جہنم میں جائیں۔"

"اے عمر! میری آنکھیں آٹھوں پہر نم آلود رہتی ہیں
میں تیرے قلعہ میں بیٹھ کر فالیں نکالتی رہتی ہوں
وہ مالک مجھ ضعیف کی فریاد سنے گا'
وطن جا کر اپنی سہیلیوں کو راز کی باتیں بتاؤں گی"

ہجرو وصال کا ذکر ایک کافی کے ترجمہ میں ملاحظہ فرمائیں:

"بچاری کا حال یہ ہے! اے محبوب! نظر کرم فرما کر لاج رکھئے گا!

۱۔ جنھوں کے لئے کوے اڑاتی ہوں' فال دیکھنے والون کو بلا کر فال نکلواتی ہوں' کہ خاوند والی کا خاوند واپس آجائے۔

۲۔ میرا حال دیکھ کر اپنا کرم کر' فراق کے بعد وصال کا موقعہ عنایت فرمایئے۔ اس بیمار کا علاج کر۔

۳۔ فراق کے درد نے دھوئیں پھیلا دیئے ہیں' اور دل میں آگ سلگ رہی ہے' خدا کرے بچاری کا خاوند واپس آجائے۔

۴۔ سچل کی محبت تجھے یاد کرتی ہے' کیچ والا (پنھوں) آکر اپنے کرم سے نوازے گا۔ محبت کرنے والے کی جان مشتاق اور بے تاب ہے۔

سچل سرمست کی فکر میں عشق کا ذکر بڑے موثر انداز میں ملتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عرفان' عشق سے ہی حاصل ہو سکتا ہے' یہاں عقل کام نہیں آسکتی اس لئے اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

عشق کی منزل میں معدوم ہیں سب عیب و ثواب
عقل کی راہوں سے یاد ہوتا ہے یکسر اجتناب
الغرض ہیں حسن و عشق آپس میں یکجا بے حجاب
کوئی ان کی ٹھوکریں کھاتا نہیں' اچھا نہ کھائے

پل سرمست نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا اور صفت بڑے موثر اور دل کی

رائیوں سے بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں:

حق یہ ہے وہ ہے' جو حق ہیں' حق نما' حق کا حبیب
عقل ہے جس کا انا احمد بلا میم' عجیب
جس کی آمد سے کھلے ہیں' بدنصیبوں کے نصیب
راہ پر اس کی کوئی جاتا نہیں' اچھا نہ جائے

سچل' ہمیں بتاتے ہیں زندگی گذارنے کے لئے' محبت کا طریقہ ہی سب سے بہترین ہے اور یہی زندگی کی سچائی ہے۔ فرماتے ہیں:

"سچی بات سچل کی سن لو' یہ پریت ہے میٹھا ڈنگ
انگ انگ میں اس کی مہندی' میرے آنگن میں رنگ

محبت کے اسرار کے منکشف ہونے کی تمنا کرتے ہوئے کہتے ہیں:

سوئے جاناں تیرے کس انداز کی پرواز تھی؟
التجا میری سناتے وقت کیا آواز تھی؟
منکشف مجھ پر محبت کے وہی اسرار کر

سچل سرمست نے وحدت الوجود کو مختلف انداز میں بیان کیا ہے ذیل میں ایک کافی کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے' جس میں انھوں نے اپنے واردات کا ذکر کر کے اس فکر کی وضاحت کی ہے:

ہم نہ کسی سے پیدا ہوئے ہیں اور نہ کسی کے بنائے ہوئے ہیں
افلاک چھوڑ کر زمیں پر آیا اور عرش و کرسی میں بھی سما نہ سکا
ادھر آنے کا مجھے شوق پیدا ہوا' اور اس دنیا میں اپنی خوشی سے آیا ہوں
اصل میں لامکانی تھا اور اس دنیا میں آکر مکانی ہو گیا ہوں
انسان کو اپنا مظہر بنایا اور ہر صورت میں جلوہ گر ہوں
ہمیں عشق نے آمادہ اظہار کیا' لیکن ہمیں ہر چیز سے منزہ اور پاک سمجھنا
میرا نہ کوئی باپ ہے' نہ ماں' میں بے حد تھا' میری کوئی حد نہیں تھی
ہر مقام ہماری سیرگاہ ہے' اس دنیا میں آکر سچو کے نام سے مشہور ہوں
ایک اور کافی میں فرماتے ہیں۔

نہ میں مرید ہوں، نہ میں پیر ہوں، تمام فقر کا فقیر ہوں

۱۔ میں نہ حاکم ہوں نہ ظالم میں امت کا امیر ہوں

۲۔ میں نہ طاعت ہوں، نہ تقوی میں عشق کا وزیر ہوں

۳۔ نہ میں گھومنے والا، نہ پھرنے والا میں عشق کا اسیر ہوں

۴۔ نہ میں بولنے والا، نہ پوچھنے والا دوست کے لئے دلگیر ہوں

۵۔ اے سچل، سر پر محکم ارادے باندھ لے محبت کا مندیر (مندیل)

مکھن اور دودھ کی مثال دے کر وحدت الوجود کو اس طرح سمجھاتے ہیں:

"مکھن، دہی، دودھ اور چھاچھ ایک ہی چیز ہے، ارے نادان! یہ ہی اس بات (وحدت الوجود کا فکر) کی دلیل ہے"

کہتے ہیں کہ خودی کی نفی کے بعد ہی یہ بات سمجھی جا سکتی ہے:

"خود کو گنوا کر خود کو ڈھونڈ لے
خود سے خود کی پہچان ہو گی"

ایک اور بیت میں اس حقیقت کا بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"جو لوگ مانتے ہیں، وہ میں نہیں مانتا،
میں سچا ہوں کہ کسی اور کا عبد نہیں ہو سکتا"

سچل سرمست کہتے ہیں کہ کثرت کے تمام مظاہرے وحدت سے ہی وجود پذیر ہوئے ہیں، اے حضرت عشق بتا دے، تو اپنے کئی نمونے بناتے ہو۔

کہیں پیادے ہو کہیں گھوڑے پر سوار ہو
کہیں منبر پر وعظ کرتے ہو کہیں پوتھی پڑھ رہے ہو
کہیں زربفت کی قبائیں پہنے ہوئے ہو، کہیں پھٹے پرانے کپڑے میں نظر آ رہے ہو

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

مجھے عبرت ہے اس حال پر میری سہیلیو، مجھے اس بات پر حیرت ہے
کہیں طاقتور ہے، کہیں کمزور کہیں جبے پہنے ہوئے ہیں
کہیں جاہل ہے، کہیں موچی، کہیں سید کہلا رہا ہے

کہیں تارک ہے، کہیں مارق کہیں تلک لگائے ہوئے ہیں
کہیں شاہ ہے، کہیں سپاہی، کہیں حکم چلا رہے ہیں
کہیں کافر ہیں، کہیں مومن، کہیں سولی پر چڑھے ہوئے ہیں

غرضیکہ سچل سرمست نے فنا اور بقاء وحدت اور کثرت، وحدت الوجود اور ہمہ اوست کو مختلف انداز میں بیان کیا ہے اور منفرد اسلوب بیان اختیار کیا ہے۔

قادر بخش بیدل کی شاعری

سندھی زبان کے چند باکمال شاعروں میں قادر بخش بیدل کا نام بھی آتا ہے۔ آپ نے سندھی کے علاوہ فارسی، اردو، اور سرائیکی میں بھی شعر لکھے ہیں۔ فارسی میں اس کے دو دیوان اور نثر اور نظم میں ۱۸ تصانیف ملتی ہیں۔ اور اردو دیوان بھی موجود ہے۔

حضرت قادر بخش بیدل روہڑی میں ۱۲۳۰ھ (۱۸۱۴ء) میں پیدا ہوئے۔ جب آپ کی عمر پانچ سال کی ہوئی، والد بزرگوار نے مکتب میں بھیجا۔ ۱۲ سال کی عمر میں بہت کچھ علم حاصل کیا۔ اسی سال حضرت قلندر شہباز کے بجذبہ اشتیاق سے سیوہن چلے گئے واپس آنے کے بعد آپ نے دو غزلیں فارسی اور دو اردو میں لکھیں۔ اس اردو غزل کے چند شعر پیش کئے جاتے ہیں:

دل وحدت طلب فارغ ز قید جسم و جاں ہو گا
کہ بیٹھک عاشقاں دائم بہ ملک لامکاں ہو گا
اٹھا اس فرش نادانی سے قدم چڑھ جا فلک اوپر
کہ سات آکاس [illegible] کے آگے یک نردباں ہو گا
طلب مطلوب طالب کوں کہوں کر جان وحدت میں
کہ بحر ذات بے رنگی محیط بے کراں ہو گا

ہمیں اسرار وحدت کا نفی اثبات میں دیکھا
سراسر نور بے رنگی ظہور ذات میں دیکھا

ٹلی جب تک نہ ہو ہرگز نہ پاوے ذوق اثباتی
اسی شطرنج کا نام جیتا اپ مات میں دیکھا

آپ حضرت چَل سرمست کے معتقد تھے۔ لیکن آپ مرید روہڑی کے قادری سلسلہ کے بزرگ میر جان اللہ شاہ دوم کے تھے' جو شاہ عنایت شہید جھوک والے کے خلیفہ اور فارسی زبان کے باکمال شاعر میر جان اللہ شاہ رضوی کے پوتے تھے۔ حضرت قادر بخش بیدل نے والد کی وفات کے بعد گھر کو خیر باد کہہ کر سندھ کی سیروسیاحت شروع کر دی۔ بزرگوں اور فقیروں کی صحبت میں رہے اور مشہور اولیائے کرام کی زیارت کی۔ کچھ عرصہ پیر گوٹھ میں قیام کیا۔ دوران قیام پیر صاحب پاگارو پیر علی گوہر شاہ اصغر سے تصوف کے اسرار و رموز اور مثنوی مولانا روم کے مضامین پر تبادلہ خیالات کیا۔

سیرو سیاحت سے واپس آکر آپ روہڑی میں مستقل قیام کیا' جہاں پر ہروقت آپ کے گھر عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا تھا۔ ۱۲ ذوالقعد ۱۲۸۹ھ (۱۸۷۲) میں وفات پائی۔ آپ کے ایک صاحبزادے تھے' جن کا نام محمد محسن تھا۔ وہ بھی ایک بلند پایہ اور آتش نوا شاعر تھے' اور "بیکس" تخلص کرتے تھے انہوں نے عین جوانی میں وفات پائی۔ بیدل کا سندھی اور سرائیکی کلام کافیوں اور دوہیڑوں پر مشتمل ہے۔ اردو کلام غزلوں پر مشتمل ہے اور مکمل دیوان کی صورت میں ہے۔ اس کے علاوہ اردو میں چند نظمیں بھی ہیں۔ فارسی شعر غزل' مثنوی' "رباعیات اور دوسرے اصناف سخن پر مشتمل ہے۔

فارسی میں آپ کے دو دیوان ہیں: "مصباح الطریقت" اور "سلوک الطالبین"۔ "دیوان سلوک الطالبین" میں آپ نے "طالب" تخلص کیا ہے' باقی تمام فارسی' اردو' سندھی اور سرائیکی کلام میں "بیدل" تخلص ملتا ہے۔ فارسی میں مثنوی مولانا روم کے طرز پر "مثنوی نصرالبحر" لکھی ہے۔ ایک فارسی مثنوی میں آپ نے حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کے ابیات کی فارسی نظم میں شرح لکھی ہے۔ آپ کی ایک کتاب "سند الموحدین" ہے جس میں آپ نے توحید کے مضمون سے متعلق کئی سندھی' فارسی' اردو' سرائیکی اور پنجابی اشعار جمع کئے ہیں۔ ایک فارسی نظم کی کتاب "تاریخ ہائے" کے نام سے ہے' جس میں آپ نے بے شمار بزرگان دین' صوفیائے کرام اور شعراء کے ولادت اور وفات کی تاریخیں منظوم کی ہیں۔ ایک کتاب "پنج گنج" کے نام سے ہے' جس میں آپ نے تصوف کی تعلیم کو

چالیس ابواب میں بیان کیا ہے اور ہر باب کا نام "درجہ" رکھا ہے۔ ہر باب یا درجہ کا ایک عنوان مقرر کر کے اس کی وضاحت میں پانچ دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ قرآن حکیم کی آیت' حدیث شریف' مثنوی مولانا روم سے بیت' شاہ عبداللطیف بھٹائی کا سندھی شعر اور فارسی نثر میں ایک حکایت دی ہے۔ فارسی نثر اور نظم میں آپ کی اور بھی تصانیف ہیں۔ "پنج گنج" کا سندھی ترجمہ اور سندھی اور سرائیکی کلام کا مجموعہ "دیوان بیدل" کا نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ باقی دوسری تصانیف ابھی تک شائع نہیں ہوئیں۔

آپ کا سندھی اور سرائیکی کلام فنی لحاظ سے بہت ہی پختہ ہے اور زبان و بیان کے خصوصیات سے مزین بھی ہے۔ آپ کی سندھی اور سرائیکی کافیوں میں موسیقی کا آہنگ ہے اور صوفیانہ محفلوں میں بڑے شوق و ذوق سے گائی جاتی ہیں۔ آپ کے کلام میں رنگینی' روانی اور دلکشی کے علاوہ درد اور سوز ہے' حسن و جمال کا ذکر ہے اور فراق و وصال کا تذکرہ ہے۔ اس لئے جب صوفی فقراء پر درد لہجے میں بے اختیار ہو کر گاتے ہیں تو براہ راست دل پر اثر کرتا ہیں۔

فکر اور مضمون کے لحاظ سے آپ نے تصوف کے اسرار و رموز بیان کئے ہیں اور وحدت الوجود کے فکر کو بڑے دلکش اور موثر انداز میں سمجھایا ہے اور ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے کلام میں ایک عاشق صادق کے واردات اور قلبی کیفیات کا اظہار بھی ملتا ہے۔ آپ نے خودی کی نفی کا سبق دیا ہے اور محبت کا پیغام دیا ہے۔

آپ کے فارسی اور اردو کلام میں بھی یہی فکر اور مقصد کار فرما ہے۔ آپ کا اردو کلام زبان کے لحاظ قدیم اردو شاعری سے بہت ملتا جلتا ہے۔ البتہ اس میں بعض سندھی اور سرائیکی الفاظ بھی مستعمل نظر آتے ہیں جس طرح ولی دکنی اور دوسرے قدیم اردو شعراء کے کلام میں "سوں" اور "سیں" الفاظ ملتے ہیں' اس طرح یہی الفاظ بیدل کے کلام میں بھی ملتے ہیں فرماتے ہیں:

جب سوں زاہد نے سنی اس رخ پر نور کی بات
بھل گئی اس میں ترے شوق سوں سب حور کی بات

حضرت بیدل سندھی ابیات کے ایک سلسلہ "وحدت نامہ" میں وحدت مطلق' نفی'

اثبات اور وحدت و کثرت کی حقیقت بیان کی ہے۔ چند ابیات کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

سر وحدت میں ہے گم ان کا وجود
جن کی آنکھیں بن چکیں شمع شہود

سر وحدت میں گم ان کی زندگی
جن پہ بارش ہوتی ہے اثبات کی

سر وحدت ہی میں ان و فنا
صورت حلاج جو کہہ دیں "انا"

دار سے عاشق کبھی ڈرتے نہیں
راز رندی منکشف کرتے نہیں

اس میں ہے راز ربوبیت نہاں
ذرہ ذرہ میں ہے وحدت کا نشاں

وحدت اندر ایک ہیں ساری صفات
کفر و دین کی ہے عدم سب کائنات

الغرض وحدت کی ہے دنیا بسیط
ہر طرف اک ذات واحد ہے محیط

ایک ہیں وحدت میں بیرنگی و رنگ
تب وہاں زائل دوئی کا دل سے زنگ

ترجمہ: رشید لاشاری

ذیل میں آپ کی دو کافیوں کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے، جن میں ہمہ اوست کا رنگ جھلکتا نظر آتا ہے:

سالک عرفان! تجھی میں ہو بہ ہو محبوب ہے
ثم وجہ اللہ کی رو سے سو بہ سو محبوب ہے

ساغر حق پینے سے، بھولا اسے اپنا وجود
جس کی فکروں میں ہمیشہ روبرو محبوب ہے

وہم بشریت ہے ڈوبا، موج وحدت میں شتاب

خود کو جو پہچانے وہ خود موبمو محبوب ہے

دل میں جو گردن جھکا کر دیکھ لے اسرار حق
رو برو اس کے ہمیشہ کو بکو محبوب ہے

"کل شی ھالک" برحق ہے "الا وجہہ"
صدق دل سے جان بیدل، تو بہ تو محبوب ہے

(۲)

عشق میں خود کو ظاہر کر کے راز بتانے والا میں ہوں
سن تو زبان عشق سے سارے، بھید چھپانے والا میں ہوں
"کن" کہہ دینے سے یہ مخلوقات بنانے والا میں ہوں
آگ کو ابراہیم پہ فوراً باغ بنانے والا میں ہوں
آدم جنت سے ہو نکالا، کھیل کھلانے والا میں ہوں
طور پہ حضرت موسیٰ کو انوار دکھانے والا میں ہوں

ترجمہ: رشید لاشاری

وحدت و کثرت کا یہ بیان وجودی فکر کے لحاظ سے سندھ کے اکثر صوفی شعراء کے کلام میں ملتا ہے، یہی مضمون پنجابی اور سرائیکی شعراء شاہ حسین، بلھے شاہ، خواجہ غلام فرید اور دوسرے صوفی شعراء کے کلام میں بھی ملتا ہے۔

پیر علی گوہر شاہ اصغر

پیر پاگارہ پیر علی گوہر شاہ، تخلص اصغر، کا دھنی (صاحب بنگلہ) اپنے والد بزرگوار پیر پاگارہ پیر صبغت اللہ شاہ کی وفات (۵ رمضان ۱۲۴۶ھ (۱۸۳۱ء) کے بعد سجادہ نشین ہوئے، انہوں نے اپنی سجادہ نشینی کے زمانہ میں اہم کارنامے سرانجام دئے، مثلاً نئی درگاہ کا قیام، سیرو سفر اور جماعت کی نگرانی اور رہنمائی اور فکری اور ادبی تحریک کی رہنمائی۔ حضرت پیر صاحب خود سندھی کافی کے باکمال شاعر تھے اور شاعروں، علماء کرام اور فقراء کی سرپرستی فرماتے تھے، ان کے مریدوں اور خلفاء میں سے کئی شاعر ہوگزرے ہیں، مثلاً عبداللہ فقیر کا تیار، خلیفہ نبی

بخش لغاری اور خلیفہ گل محمد گل بالائی۔

آپ روحانی پیشوا ہونے کے ساتھ آزادی کے علمبردار بھی تھے۔ آپ کی درگاہ تحریک جہاد کا خاص مرکز تھا۔ اس وجہ سے آپ کو تکلیفیں بھی پہنچیں۔ انگریزوں کا سندھ پر قبضہ کرنے کے دو سال بعد سنہ ١٢٦٣ھ (١٨٤٥ء) میں آپ کی وفات ہوئی۔

آپ نے اپنے سندھی کلام میں صوفیانہ خیالات کا ذکر بھی کیا اور اس کے ساتھ حسن و عشق، فراق و وصال، درد و سوز کے مضامین بھی بڑے پر اثر اور پر کشش نوع میں بیان کئے ہیں۔ آپ کی کافیوں میں سے نمونہ کے طور پر چند اشعار کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

(١)

کسی اور جگہ اس کے ڈھونڈھنے کی کوشش مت کر، خود تیرے اندر ہی اس محبوب کا در ہے۔

محبوب وہی ایک ہے، تو دوچار کو اپنا محبوب مت بنا

اپنے ہی وجود میں اسے ڈھونڈنے کی کوشش کر اور فراق کا وہم ختم کردے اپنا دل، محبت کی آگ میں ایندھن کرکے جلا دے۔

اگر وصال حاصل ہو جائے پھر بھی مچھلی کی طرح تڑپ تڑپ کر سانول سانول کرکے اس کو یاد کرتے رہو۔

اے اصغر! عاشق کے اندر میں، محبوب کا ہی ورد ہے

(٢)

میرے محبوب ہمیشہ مجھ سے راضی رہ، اس دکھیاری پر غصے نہ ہو

میرے بداعمال دیکھ کر، حیا شرم رکھنے والے، میرے عیب ظاہر نہ کر

ہادی، اس کمزور کو اپنے قریب کردے۔

میرے محبوب، دھوبن (سسی) کی پہاڑوں میں سے گذرنے والا راستہ دکھا

عشق کی جو عطا ہو، وہ اس عاجز سے نہ چھین

جو خطرناک دشمن ہیں (یعنی نفسانی خواہش) اے محبوب، ان کو زیر کرنے میں مدد فرما

اے میرے محبوب، اس عاصی اصغر کو، تکلیف وہ سفر میں آکر سہارا دے

(٣)

وهو معكم اينما كنتم

"انا" کا وہم مٹا کر ختم کردے، وفی انفسکم کا عرفان حاصل کر

الانسان سری وانا سرہ۔ ہم تم (یعنی دوئی) کا لباس اتار دے

و نحن والا راستہ معلوم کر، ہادی ہردم تمہارا ہمدم ہے

حابیل قابیل، آدم سے پیدا ہوئے، لیکن آدم کا نہ باپ نہ ماں

اس ذات مطلق کا ہر جگہ ظہور ہے، کبھی وہ جدا ہوتے ہیں، کبھی ساتھ

اصغر اکبر کو ایک سمجھ۔ اس ذات کا عرفان حاصل کرکے اس میں خود کو فنا کردے

ماخذ

اردو

١۔ حدیقۃ الاولیاء: مفتی غلام سرور لاہوری، اسلامک بوک فاؤنڈیشن لاہور، تحقیق و تالیف محمد اقبال مجددی، سال ١٩٧٦ء

٢۔ تحفۃ الکرام: میر علی شیر قانع، اردو ترجمہ: اختر رضوی، سندھی ادبی بورڈ کراچی، ١٩٥٩ء

٣۔ شریف التواریخ: سید شریف احمد شرافت نوشاہی، جلد اول، ادارہ معاون نوشاہیہ ساہن پال شریف (ضلع گجرات) ١٩٧٩، جلد دوم، حصہ اول ١٩٨٢ء، جلد دوم، حصہ دوم، سال ١٩٨٣ء

٤۔ سکینۃ الاولیاء: دارا شکوہ، اردو ترجمہ: پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی پیکیجز لمیٹڈ لاہور،

٥۔ نفحات الانس: مولانا عبدالرحمٰن جامی، اردو ترجمہ: شمس بریلوی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ١٩٨٢ء

٦۔ الطبقات الکبریٰ: عبدالوہاب الشعرانی، اردو ترجمہ: سید عبدالغنی وارثی، نفیس اکیڈمی کراچی، ١٩٦٥ء

٧۔ گلزار ابرار: محمد غوثی شطاری، اردو ترجمہ، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور، ١٣٩٥ھ

٨۔ مناقب سلطانی: سلطان حامد۔ اللہ والے کی قومی دوکان، لاہور۔

٩۔ اخبار الاخیار: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، شعاع ادب لاہور، ١٩٦٣ء

١٠۔ خیابان پاک: ادارہ مطبوعات پاکستان کراچی، ١٩٦٣ء

۱۱۔ کافیاں بلھے شاہ' اردو ترجمہ: عبدالمجید بھٹی' لوک ورثے کا قومی ادارہ' اسلام آباد' ۱۹۸۰ء

۱۲۔ کلام باہو' محمد دین کلیم' نذیر سنز لاہور' ۱۹۸۶ء

۱۳۔ سوانح حیات شیخ سلطان باہو: محمد حمید اختر' مکتبہ سلطانیہ گکھڑ' ضلع گجرانوالہ

۱۴۔ ابیات باہو: سلطان الطاف علی' الفاروق بک فاؤنڈیشن بھیرہ'

۱۵۔ کافیاں شاہ حسین: اردو ترجمہ: عبدالمجید بھٹی' پنجابی ادبی اکادمی لاہور' ۱۹۶۱ء

۱۶۔ کلام شاہ حسین' پیکیجز لمیٹڈ لاہور' ۱۹۷۹ء

۱۷۔ کلام سلطان باہو: پیکیجز لمیٹڈ لاہور' ۱۹۸۱ء

۱۸۔ اقبال کے محبوب صوفیہ: اعجاز الحق قدوسی' اقبال اکادمی لاہور' ۱۹۸۲ء

۱۹۔ تذکرہ پیران پاگارہ: تبسم چوہدری' ۱۹۷۵ء

۲۰۔ جام عرفان: سید محمد فاروق القادری' فرید بک اسٹال لاہور'

۲۱۔ نور الحقیقت: شاہ اسماعیل حسینی قادری' ترتیب' حواشی: مولانا سید عطاء اللہ حسینی' گرویزی پبلشرز کراچی' ۱۹۸۱ء

۲۲۔ اولیائے ملتان: سید محمد اولاد علی گیلانی' سنگ میل پبلیکیشنز لاہور' ۱۹۶۳ء

۲۳۔ اولیائے ملتان: فرحت ملتانی' مکتبہ تنویر ادب ملتان' ۱۹۸۲ء

۲۴۔ اولیائے ملتان: محمد لطیف ملک' سنگ میل پبلیکیشنز لاہور'

۲۵۔ پنجابی ادب کی مختصر تاریخ: احمد حسن احمد قریشی' میری لائبریری' لاہور' ۱۹۶۴ء

۲۶۔ مصباح نورانی درحالات حضرت خواجہ محکم الدین سیرانی: مولوی محمد باقر نقشبندی بڑیالوی و مولوی محمد اعظم' نو لکشور پریس لاہور۔

۲۷۔ الکمال: سید خورشید حسین بخاری' مکتبہ میری لائبریری لاہور' ۱۹۶۷ء

۲۸۔ جنید بغداد: ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر' اردو ترجمہ: محمد کاظم' مکتبہ جدید لاہور' ۱۹۶۷ء

۲۹۔ حیات سروری: فقیر عبدالحمید سروری'

۳۰۔ تذکرہ صوفیائے سندھ: مولانا اعجاز الحق قدوسی' اردو اکیڈمی سندھ کراچی' ۱۹۵۹ء

۳۱۔ تذکرہ اولیائے سندھ: مولانا محمد اقبال نعیمی' شارق پبلیکیشنز کراچی' ۱۹۸۷ء

۳۲۔ تاریخ صوفیائے گجرات' ڈاکٹر ظہور الحسن شارب' جمیل اکیڈمی احمد آباد (بھارت)' ۱۹۸۱ء

۳۳۔ شاہ عبداللطیف المعروف بہ امام بری' شعبہ اوقاف' وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان

۳۴۔ پنجاب رنگ: شفیع عقیل' مرکزی اردو بورڈ لاہور' ۱۹۶۸ء

۳۵۔ پنجابی کے پانچ قدیم شاعر: شفیع عقیل' انجمن ترقی اردو کراچی' ۱۹۷۰ء

۳۶۔ پنجابی شاعری سے انتخاب' اردو ترجمہ: شریف کنجاہی' اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد' ۱۹۸۳ء

۳۷۔ تحقیقات چشتی: نور احمد چشتی'

۳۸۔ دائرہ معارف اسلامی' پنجاب یونیورسٹی لاہور' جلد ۱ سے ۲۱۔

۳۹۔ سخن کے وارث: ڈاکٹر لیق بابری' لوک ورثہ اسلام آباد' ۱۹۸۴ء

۴۰۔ تذکرہ صوفیائے بلوچستان' ڈاکٹر انعام الحق کوثر' مرکزی اردو بورڈ لاہور' ۱۹۷۶ء

۴۱۔ خوارق العادات: سید غلام' اردو ترجمہ: محمد امیر شاہ' پشاور

۴۲۔ خطہ پاک اوچ: مسعود حسن شہاب' اردو اکیڈمی بہاولپور' ۱۹۶۷ء

۴۳۔ سندھی ادب کے مختصر تاریخ: ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی' انسٹی ٹیوٹ آف سندھیالاجی' سندھ یونیورسٹی' جام شورہ' ۱۹۸۳ء

۴۴۔ تذکرہ حاجی حسین بخش نوشاہی: محمد لطیف راز نوشاہی' معارف نوشاہیہ' راج گڑھ لاہور' ۱۹۸۰ء

۴۵۔ تذکرہ پیر محمد بچیار قادری نوشاہی: محمد لطیف راز نوشاہی' ادارہ معاون نوشاہیہ' راجگڑھ لاہور' ۱۹۸۷ء

۴۶۔ شاہ مراد: اردو ترجمہ: ماجد صدیقی' لوک ورثہ کا قومی ادارہ کا اسلام آباد'

۴۷۔ اولیائے قصور: ڈاکٹر مولوی محمد شفیع باہتمام احمد ربانی' لاہور' ۱۹۷۲ء

۴۸۔ تذکرہ صوفیائے سرحد: اعجاز الحق قدوسی' مرکزی اردو بورڈ لاہور' ۱۹۶۶ء

۴۹۔ نقوش' لاہور نمبر' مدیر: محمد طفیل' لاہور' ۱۹۶۲ء

پنجابی

۱۔ پنجابی صوفی شاعر: ڈاکٹر لاجونتی رام کرشن' پنجابی ترجمہ' مجلس شاہ حسین لاہور ۱۹۶۶ء

۲۔ کلیات بلھے شاہ' باہتمام: ڈاکٹر فقیر محمد فقیر' پنجابی ادبی اکادمی لاہور' ۱۹۶۴ء

۳۔ کافیاں شاہ حسین: محمد آصف خان' پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور'

فارسی

۱۔ لطائف لطیفی: میر عبدالحسین سانگی، شاہ عبداللطیف بھٹ شاہ ثقافتی مرکز، بھٹ شاہ،

۲۔ حدیقۃ الاولیاء: سید عبدالقادر، باہتمام: سید حسام الدین راشدی، سندھی ادبی بورڈ، حیدر آباد، ۱۹۶۷ء

۳۔ تحفۃ الطاہرین: شیخ محمد اعظم، حواشی: بدر عالم درانی، سندھی ادبی بورڈ کراچی، حیدر آباد، ۱۹۵۶ء

سندھی

۱۔ خلیفہ صاحب جو کلام: ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد۔ ۱۹۶۶ء

۲۔ اصغر سائیں جو کلام، جمعیت علماء سکندریہ، پیر جو گوٹھ (ضلع خیرپور سندھ)۔ ۱۴۰۰ھ

۳۔ سوانح اصغر: سید خادم حسین شاہ، سندھی ادبی اکیڈمی لاڑکانہ۔ ۱۹۶۷ء

۴۔ ملفوظات حضرت روضی دھنی، سندھی ترجمہ، مولانا محمد قاسم مشوری، جلد اول، ۱۹۸۱ء جلد دوم و سوم، سندھی ترجمہ: مولانا محمد قاسم شوری، جلد پنجم، سندھی ترجمہ: مفتی در محمد سکندری، سال ۱۹۷۶ء جلد ششم، سندھی ترجمہ: مفتی در محمد سکندری، سال ۱۹۸۷ء، جمعیت علماء سکندریہ، پیر جو گوٹھ (ضلع خیرپور سندھ)

۵۔ سچل سرمست: مرتب: عطا محمد حامی، پاکستان پبلیکنس کراچی، ۱۹۶۴ء

۶۔ راگ نامہ: مرتب: ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، شاہ عبداللطیف بھٹ شاہ ثقافتی مرکز، بھٹ شاہ (ضلع حیدر آباد سندھ) ۱۹۸۱ء

۷۔ شاہ عنایت شہید: صوفی حضور بخش، سندھ نیشنل پبلیکنس میرپور بٹھورو (ضلع ٹھٹہ، سندھ) ۱۹۸۶ء

۸۔ جانب آیو جوئے میں، مرتب: ماجدانی محمد ایوب شاد، صوفی صادق پبلیکشن صوفی فقیر ضلع تھرپارکر (سندھ) ۱۹۷۹ء

۹۔ امام انقلاب، بزم راشد جامع راشدیہ، پیر جو گوٹھ،

۱۰۔ بحر العشق (کلام سید رکھیل شاہ صوفی القادری) فتح پور (بلوچستان)، ۱۹۶۸ء

۱۱۔ تذکرہ مشاہیر سندھ: مولانا دین محمد وفائی، سندھی ادبی بورڈ، جام شورہ، جلد اول سال ۱۹۷۴ء، جلد دوم، ۱۹۸۵ء جلد سوم، سال ۱۹۸۶ء

۱۲۔ شاہ جو رسالو، مرتب: ڈاکٹر گر بخشانی، جلد اول، جلد دوم اور جلد سوم

۱۳۔ شاہ جو رسالو، مرتب: ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، جلد اول، سال ۱۹۸۹ء

۱۴۔ لطیف جو پیغام: ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی، مہران اکیڈمی شکارپور، سال ۱۹۸۹ء

۱۵۔ فکر لطیف: ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی، سندھی ادبی سوسائٹی اسلامیہ کالج سکھر، سال ۱۹۶۷ء

باب چہارم

سلسلہ چشتیہ

فصل اول

سلسلہ چشتیہ کا تعارف

وجہ تسمیہ : چشت' خراسان کے ایک شہر کا نام ہے' جہاں بزرگان دین روحانی اصلاح و تربیت کی خدمات سرانجام دیتے تھے۔ پہلے بزرگ جن کے نام کے ساتھ نسبت چشتی ملتی ہے' وہ حضرت خواجہ ابو اسحاق (المتوفی ۳۲۹ھ-۹۴۰ء) ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں طریقہ چشتیہ کے بانی حضرت خواجہ معین الدین چشتی ہیں۔ چونکہ حضرت خواجہ صاحب "چشت" کے رہنے والے تھے' اس لئے آپ چشتی کہلائے اور آپ کے رائج کردہ طریقہ تصوف بھی "چشتی" مشہور ہوا۔

شجرہ طریقت : دیگر تصوف کے سلسلوں کی طرح یہ طریقہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس طرح ملتا ہے۔

۱۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

۲۔ حضرت خواجہ حسن بصری : حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی کتاب "انتباہ" میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زندگی میں حضرت حسن بصری خورد سال تھے' اس لئے خلیفہ نہیں ہو سکتے تھے۔ حضرت شاہ فخر الدین دہلوی نے اس خیال کی تردید میں کتاب "فخر الحسن" لکھی۔

۳۔ حضرت خواجہ ابی الفضل عبدالواحد ابن زید (وفات ۷۔ صفر ۱۷۷ھ (۷۹۳ء) بصرہ کے رہنے والے تھے۔

(۴) حضرت خواجہ ابو علی ابوالفیض الفضیل بن عیاض (وفات ۳۔ ربیع الاول ۱۸۷ھ (۸۰۳ء) مدفن مکہ مکرمہ' قریب جنت المعلیٰ)

(۵) حضرت خواجہ ابراہیم ادھم البلخی: آپ کا شجرہ نسب حضرت امیر المومنین حضرت عمر

فاروقؓ سے ملتا ہے' وفات ۲۶۔ جمادی الاول۔ ۲۸۰ھ (۸۹۳ء)

(۶) حضرت خواجہ سید بدرالدین حذیفہ المرعشی' (وفات ۲۴۔ شوال ۲۵۲ھ (۸۶۶ء)

(۷) حضرت خواجہ امین الدین ابو ہبیرۃ البصری' ۱۲۰ سال کی عمر میں ۷۔ شوال ۲۸۷ھ (۹۰۰ء) میں وفات پائی۔

(۸) حضرت خواجہ ممشاد علی دینوری' وفات ۱۴۔ محرم ۲۹۹ھ (۹۱۱ء)

(۹) حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی چشتی: آپ پہلے بزرگ ہیں' جن سے طریقہ "چشتیہ" جاری ہوا۔ العدیہ ابن شیخ عبدالرحیم کے تذکرہ سیرالاقطاب میں آیا ہے: "اس کی وجہ تسمیہ (سلسلہ چشتیہ) یہ بتائی جاتی ہے کہ حضرت ابو اسحاق شامی بغداد میں اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کے پیر حضرت ممشاد علی دینوریؒ نے آپ سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ غلام کو "ابو اسحاق چشتی" کہتے ہیں۔ آپ نے بڑی محبت اور شفقت سے فرمایا: "کہ" تم خواجہ چشت ہو۔ اور چشت میں اسلام تمہارے قدم کی برکت سے پھیلے گا"۔ پیر سے خلافت اور اجازت پانے کے بعد آپ چشت تشریف لائے اور وہاں خواجہ چشت کے نام سے مشہور ہوئے۔

حضرت خواجہ ابو اسحاق سماع کے شوقین تھے۔

(۱۰) حضرت خواجہ ابو احمد چشتی: آپ کا شجرۂ نسب سید حسن مثنیٰ بن امیرالمومنین حضرت حسنؓ بن امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔ جمادی الثانی ۳۵۵ھ (۹۶۷ء) میں وفات پائی۔

(۱۱) حضرت خواجہ ابو محمد بن احمد چشتی: حضرت خواجہ ابو احمد چشتی کے فرزند تھے۔ ۴۔ ربیع الثانی ۴۱۱ھ (۱۰۲۱ء) میں فوت ہوئے۔ آپ کے تین مقرب خلیفہ تھے حضرت ناصر الدین خواجہ ابو یوسف چشتی' حضرت محمد کاکو اور استاد مروان۔

(۱۲) حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی بن محمد سمعان: آپ کا شجرۂ نسب حضرت امام موسیٰ کاظم کے ذریعہ حضرت امام جعفر صادقؓ سے ملتا ہے۔ (وفات ۳ رجب ۴۵۹ھ (۱۰۶۷ء) آپ کو سماع سے دلچسپی تھی' لیکن سماع میں عام لوگوں کو آنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔

(۱۳) حضرت خواجہ مودود چشتی: حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی ' حضرت خواجہ ناصر الدین ابو یوسف کے فرزند تھے۔ آپ کی ولادت سنہ ۴۳۰ھ (۳۱-۱۰۳۰) میں ہوئی۔ آپ کو

خرقہ خلافت و ارادت اپنے والد بزرگوار سے حاصل ہوئی۔ شاہ سجان' جس کا لقب اور نام رکن الدین محمود ہے' آپ کی صحبت میں کچھ عرصہ رہا اور فیضیاب ہوا۔ آپ نے رجب ۵۲۷ھ (۱۱۳۳ء) میں وفات پائی اور چشت میں مدفون ہوئے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند حضرت شیخ احمد سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کا قول ہے: درویش کو فاقہ کشی سے کشائش ہوتی ہے۔ آپ کو سماع کا بہت زیادہ شوق تھا۔

(۱۴) حضرت خواجہ شریف زندنی: موضع "زندنہ" میں تولد ہوئے۔ ظاہری تعلیم کی تکمیل کے بعد خرقہ خلافت خواجہ مودود چشتی سے حاصل کیا۔ توحید کے مسئلہ پر بڑی عالمانہ دسترس رکھتے تھے۔ ۶۔ رجب ۶۱۲ھ (۱۲۱۵ء) کو ۱۲۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کو سماع کا بہت شوق تھا۔ آپ کی سماع کی محفلوں میں علماء اور مشائخ بھی شریک ہوتے تھے۔ آپ کے پاس جو کچھ بھی آتا تھا' فقراء اور حاجتمندوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ آپ مال و دولت سے بے نیاز رہے۔

(۱۵) حضرت خواجہ عثمان ہارونی: آپ نیشا پور کے قصبہ ہارون" میں تولد ہوئے۔ آپ کی کنیت ابی النور ہے۔ خرقہ خلافت حضرت شیخ شریف زندنی سے حاصل کیا۔ خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد مختلف ممالک کی سیاحت کی۔ سیاحت کے دوران آتش پرستوں کے علاقہ میں پہنچے۔ وہاں کے لوگ آپ سے متاثر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اور جگہوں پر بھی کئی لوگ آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے حضرت خواجہ سیف الدین چشتی اجمیریؒ کے ملفوظات دلیل العارفین سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے۔ خواجہ معین الدین کے ساتھ علاقہ سیوستان (سندھ) کا سیرو سفر کیا اور شیخ صدر الدین سے ملاقات کی۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے پاکستان کے مختلف علاقوں کی سیرو سیاحت بھی کی۔

حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی سماع سے بڑی دلچسپی تھی۔ آپ نے ۵۔ شوال ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) کو ۹۱ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کے ملفوظات حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے "انیس الارواح" کے نام سے سنہ ۵۸۲ھ (۱۱۸۶ء) میں مرتب کئے۔ آپ نے شریعت کی پابندی' یاد الہٰی' حسن اخلاق اور خدمت خلق کی تعلیم دی ہے۔ وہ اچھی چیزوں کو اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے۔

فصل دوم

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری اجمیری

برصغیر پاک و ہند میں یہ سلسلہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے ذریعہ رائج ہوا اور مختلف علاقوں میں پھیل گیا۔ بے شمار لوگ آپ کی شخصیت اور تبلیغ سے متاثر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے اور کئی مسلمان راہ راست پر آئے۔ آپ "سنجری" مشہور ہیں لیکن صحیح لفظ "سنجری" نہیں ہے' سجزی ہے۔ کاتب کی غلطی کی وجہ سے سنجری مشہور ہو گیا۔ حضرت خواجہ صاحب کا وطن "سجستان" تھا۔ اس لئے سجزی کہے جاتے تھے۔ حضرت خواجہ کے برصغیر پاک و ہند میں آمد سے قبل کچھ چشتی بزرگ یہاں تشریف لا چکے تھے' لیکن حقیقت میں صحیح معنی میں یہ سلسلہ برصغیر پاک و ہند میں حضرت خواجہ صاحب کے ذریعہ ہی جاری ہوا اور اس کو فروغ حاصل ہوا۔

حضرت خواجہ صاحب سنہ ۵۳۴ھ (۱۱۳۹ء) میں سجستان میں تولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سجستان میں ہی ہوئی۔ آپ کے والد بزرگوار غیاث الدین حسین الحسینی بہت متقی اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے:

"خواجہ معین الحق والدین بن غیاث الدین بن سید کمال الدین بن سید احمد حسین بن سید طاہر بن سید عبدالعزیز بن سید ابراہیم بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام علی زین العابدین بن سید الکونین امام حسین بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔"

ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۵۴۴ھ (۱۱۳۹-۴۰) میں آپ کو مدرسہ نیشا پور میں داخل کیا گیا جو اس زمانہ میں مدرسہ نظامیہ بغداد کے بعد سب سے بڑا مدرسہ تھا۔ جب آپ پندرہ سال کی عمر کے تھے' آپ کے والد بزرگوار کا انتقال ہو گیا۔ آپ کو ورثہ میں ایک

"جو شخص مومن کو گالی دیتا ہے۔ اس کی دعا چند روز تک قبول نہیں ہوتی"

ایک اور جگہ فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ قسم کے لوگوں پر راضی نہیں۔ اول وہ جو جمع کی نماز قضا کرتے ہیں۔ دوم جو آزاد کئے ہوئے غلاموں کو بیچتے ہیں' سوم جو ہمسایوں کو ستاتے ہیں چہارم جو کسی سے ناحق کوئی چیز چھین لیتے ہیں۔ پنجم وہ جو اپنے عیال پر ظلم کرتے ہیں"

ایک اور جگہ اسی ملفوظات میں آیا ہے:

فرمایا کہ تین قسم کے لوگ بہشت کی طرف نہیں آئینگے۔ ایک جھوٹ بولنے والا' بخیل دولتمند' تیسرا خیانت کرنے والا سوداگر۔

خدمت خلق کے سلسلہ میں آپ نے فرمایا ہے۔

"مشائخ طبقات اور اولیاء نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اوراد اور عبادات میں مشغول ہو اور اس دوران ان کے پاس کوئی حاجتمند آجائے' تو اسے لازم ہے کہ سب کام چھوڑ کر اس کے کام میں مشغول ہو جائے اور جس قدر ممکن ہو سکے۔ اس کے کام میں کوشش کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ جو شخص اپنے بھائی مومن کی حاجت کو پورا کرتا ہے' خدا تعالیٰ اس کی دنیا اور آخرت کی حاجتوں کو پورا کرتا ہے۔"

پیر کبار:

کوہستان پشاور کے رہنے والے تھے اور حضرت خواجہ مودود چشتیؒ کے مرید تھے آپ کا نام "دتہ" تھا' لیکن روحانی بزرگی کی وجہ سے "کبار" کہلائے۔ ان کے والد کا نام شورہ بن خوشکی تھا۔ ان کا تعلق افغان قوم سے تھا۔ مرشد کی تلاش میں سیرو سیاحت کرتے ہوئے حضرت مودود چشتی کی خدمت میں پہنچے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ کافی عرصہ ان کی خدمت میں رہے آخر مرشد سے خرقہ خلافت حاصل کر کے وطن واپس آئے اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ بیشمار لوگوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا' خاص طور پر قبیلہ خوشکی تو پورے کا پورا آپ کا مرید ہو گیا۔ سنہ ۵۵۰ھ (۱۱۵۵ء) میں آپ نے وفات پائی۔ آپ کے خلفاء میں شیخ بتک کا نام قابل ذکر ہے۔

باغ اور پن چکی ملی، جس سے گذر اوقات ہو جاتی تھی۔ آپ زیادہ تر اسی باغ میں رہ کر عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ ایک روز وہاں سے ایک مجذوب بزرگ حضرت ابراہیم قندوزی کا گذر ہوا۔ حضرت خواجہ صاحب نے ان کی خدمت میں انگور کے گوشے پیش کئے۔ مجذوب بزرگ نے اپنی بغل سے کھلی (کنجارہ) کا ایک ٹکڑا نکال کر دانتوں میں چبا کر حضرت خواجہ صاحب کے منہ میں ڈال دیا۔ کھلی کھانے کے بعد حضرت خواجہ صاحب کا دل نور الٰہی سے روشن ہوگیا اور دل دنیوی اسباب سے متنفر ہوگیا۔ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور بخارا پہنچے اور تعلیم حاصل کرنے لگے۔ اس کے بعد سمرقند آئے اور دینی اور عقلی علوم کی تکمیل کی۔

سمرقند سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے نیشا پور کی حدود میں واقع قصبہ "ہارون" میں حضرت خواجہ عثمانؒ ہارونی کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے دست حق پرست پر بیعت کی اور ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ آپ اپنے مرشد کی خدمت میں بیس سال تک رہے۔ اس عرصہ میں دس سال تک ان کے ساتھ سیاحت کی۔ سیاحت کے دوران مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت بھی کی۔ خواجہ ہارون نے ان کے حق میں دعائیں کی۔ مدینہ منورہ میں بارگاہ رسالت سے حضرت خواجہ صاحب کو ہندوستان جانے کی بشارت ملی۔ چنانچہ آپ کے پیر و مرشد نے وہاں آپ کو خرقۂ خلافت سے سرفراز کیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۵۲ برس تھی۔

واپسی میں بھی اپنے پیر کے ساتھ سفر کیا۔ ہارون میں اپنے پیر سے رخصت ہو کر سنجان پہنچے اور وہاں حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کی خدمت میں ڈھائی سال رہے۔ وہاں آپ حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کی خدمت میں بھی گئے اور ان کے ساتھ بغداد آئے۔ بغداد میں حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی اور ان کے پیر حضرت شیخ ضیاء الدین کی صحبت میں رہے۔ وہاں حضرت خواجہ اوحدالدین کرمانی سے بھی مستفیض ہوئے۔

بغداد سے ہمدان آئے اور خواجہ یوسف ہمدانی سے ملے۔ ہمدان سے تبریز پہنچے اور حضرت جلال الدین تبریزی کے مرشد ابو سعید تبریزی سے ملاقات کی۔ وہاں سے استر آباد آئے اور شیخ ناصر الدین استر آبادی کی زیارت کی۔ جو حضرت بایزید بسطامی کی اولاد میں سے تھے۔ استر آباد سے "ہری" ہوتے ہوئے سبزوار پہنچے وہاں سے چل کر حار سے ہوتے ہوئے

بلخ آئے اور شیخ احمد خضرویہ کی خانقاہ میں کچھ عرصہ کے لئے مقیم رہے۔ بلخ سے غزنی آئے اور شیخ نظام الدین ابو الموید کے پیر شیخ عبدالواحد غزنوی سے ملنے کے بعد ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے۔ اس کے بعد لاہور آئے اور حضرت داتا گنج بخش کے مزار پر چلہ کیا۔ وہاں سے ملتان آئے اور یہاں پانچ سال قیام کر کے ہندوستانی زبان سیکھی۔ وہاں سے دہلی آئے۔ اور ۱۰ محرم سنہ ۵۶۱ھ (۱۱۶۵ء) میں اجمیر پہنچے اور یہیں آخری وقت تک قیام کیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۵۲ سال تھی اور اپنے ساتھ چالیس رفقاء ساتھ لائے۔

اس وقت دہلی اور اجمیر کا حکمران چوہان خاندان کا راجا پرتھوی راج کرتا تھا۔ راجا نے آپ کے قیام میں بڑی رکاوٹیں پیدا کیں، لیکن آپ کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے اور آپ نے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ کی تبلیغ اور تعلیم کی وجہ سے لوگ مسلمان ہونے لگے۔

آپ کی رشد و ہدایت سے کفر کا اندھیرا دور ہونے لگا، گمراہیاں ختم ہونے لگیں، اونچ نیچ اور ذات پات کی تفریق اور تمیز سے انسانوں کو نجات ملنے لگی اور انسان اپنے شرف اور شان احترام انسانیت سے روشناس ہوا۔ ہندوستان اسلام کے نور سے منور ہوا اور ایک صالح اور صحتمند معاشرہ وجود میں آیا۔ حضرت خواجہ صاحب نے اسلام کے نظریہ توحید کو عملی صورت میں پیش کیا اور اس وجہ سے ایک زبردست دینی، سماجی اور اقتصادی انقلاب رونما ہوا۔ لوگوں کو خود شناسی اور خدا شناسی کا عرفان حاصل ہوا اور تاریک دور کا خاتمہ ہوا اور اس معاشرتی نظام پر کاری ضرب لگی جس کی بنیاد انسانیت سوز روایات، حیا سوزی، انسانی قربانی اور طبقاتی تقسیم پر رکھی ہوئی تھی۔

حضرت خواجہ صاحب اجمیر میں ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں رہتے تھے اور بہت ہی سادہ زندگی گذارتے تھے۔ آپ کی نظر کیمیا اثر تھی، جس پر آپ کی نظر پڑ جاتی تھی، وہ گناہوں سے تائب ہو کر پرہیزگاری اختیار کرتا تھا۔ آپ مظلوموں کی مدد کرتے تھے اور ان کی داد رسی کے لئے حکومت کے کارندوں اور حکمرانوں کے پاس بھی جایا کرتے تھے۔ آپ اپنے مریدوں کو تلقین فرماتے تھے کہ اپنی حلال روزی کمانے کے لئے محنت اور مشقت کریں۔ آپ نے حکمرانوں کی طرف سے نہ نقد روپیہ قبول کیا اور نہ زمین۔

حضرت خواجہ صاحب نے ۶ رجب ۶۳۲ھ (۱۲۳۵ء) کو واصل بالحق ہوئے اور اسی حجرہ

میں مدفون ہوئے، جہاں آپ عبادت کیا کرتے تھے۔ آپ کی کوشش سے اجمیر شریف کو ایک اسلامی اور روحانی مرکز کی حیثیت حاصل ہوئی۔ نہ صرف یہ بلکہ ہندوستان میں مسلم حکومت کے قیام سے قبل بدایوں، قنوج، ناگور اور بہار کے بعض شہروں میں مسلمانوں کی اچھی خاصی آبادی ہو گئی۔ آپ کے اجمیر میں قیام کرنے کے بعد جلد ہی ہندوستان میں مسلمانوں کو سیاسی اقتدار بھی حاصل ہو گیا۔ سنہ ۵۸۷ھ (۱۱۹۱ء) اور سنہ ۵۸۸ھ (۱۱۹۲ء) میں سلطان شہاب الدین غوری نے ہندوستان پر حملے کئے۔ آخر پرتھوی راج کو شکست ہوئی اور مارا گیا۔ ان خصوصیات کی وجہ سے حضرت خواجہ صاحب کا لقب "وارث النبی فی السند" ہے۔

اس کے بعد قطب الدین ایبک نائب السلطنت مقرر ہوئے، لیکن حقیقت میں ان کو ہندوستان کی حکومت کے تمام اختیارات حاصل تھے۔ انہوں نے سنہ ۵۸۹ھ (۱۱۹۳ء) میں دہلی، قنوج اور بنارس کے راجاؤں کو اپنے زیر نگیں کیا۔ سنہ ۱۱۹۷ء میں انہلواڑہ ریاست کا الحاق بھی اپنی سلطنت سے کیا۔ سنہ ۱۲۰۳ء میں قلعہ کالنجر فتح کیا۔ اس طرح چند سالوں میں شمالی ہند میں مسلمانوں کی سلطنت قائم ہو گئی۔ سلطان قطب الدین ایبک سنہ ۶۰۷ھ (۱۲۱۰ء) میں فوت ہوئے اور لاہور میں مدفون ہوئے۔ ان کا مزار انارکلی کی ایک گلی میں ہے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے غلام اور داماد شمس الدین التمش نے ۳۶ سال حکومت کی اور سنہ ۶۳۳ھ (۱۲۳۶ء) میں وفات کی۔

حضرت خواجہ صاحب دہلی میں اسلامی سلطنت کے قیام کے بعد ایک مرتبہ ایک کاشتکار کے کام کے سلسلہ میں گئے۔ سلطان شمس الدین التمش کو جب آپ کی آمد کی اطلاع ہوئی، تو سلطان نے آپ کا شایان شان استقبال کیا۔

حضرت خواجہ صاحب نے اجمیر میں آنے کے بعد دو شادیاں کیں۔ پہلی بیوی کے بطن سے حضرت خواجہ فخر الدین، خواجہ حسام الدین اور بی بی حافظہ جمال پیدا ہوئیں۔ دوسری بیوی سے خواجہ ضیاء الدین اور ابو سعید تولد ہوئے۔ حضرت خواجہ فخر الدین سنہ ۵۹۱ھ (۱۱۹۵) میں تولد ہوئے۔ موضع مانڈل میں آپ کا قیام رہا۔ سنہ ۶۶۱ھ (۱۲۶۳ء) میں فوت ہوئے اور قصبہ "سرادر" میں مدفون ہوئے۔ دوسرے فرزند خواجہ حسام الدین نے ۴۵ سال کی عمر میں وفات کی اور لب جھالرہ میں مدفون ہوئے۔ بی بی حافظہ جمال قرآن شریف کی

حافظہ تھیں۔ ان کی شادی خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے خلیفہ صوفی حمید الدین ناگوری فرزند شیخ رضی الدین عرف عبداللہ ... ہوئی۔ بی بی حافظہ جمال کا مزار خواجہ صاحب کے بائیں جانب جنوبی دیوار کے قریب ہے۔ حضرت خواجہ ضیاء الدین ابو سعید سب سے چھوٹے صاحبزادے ۵۰ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار لب جھالرہ درگاہ کے احاطہ میں ہے۔

حضرت خواجہ صاحب کو سماع سے کمال ذوق و شوق تھا اور محفل سماع میں ان پر غیر معمولی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ آپ کی محفل سماع میں اکابر علماء و مشائخ شرکت کرتے تھے۔ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی نے "مفتاح العاشقین" میں لکھا ہے کہ حضرت اجمیریؒ نے سماع کے بارے میں فرمایا ہے: سماع اسرار معلوم کرنے کا ایک زریعہ ہے"۔

تعلیمات: حضرت خواجہ صاحب کی جانب مندرجہ ذیل کتابیں منسوب ہیں:
(۱) انیس الارواح (۲) کشف الاسرار (۳) کنز الاسرار یا گنج الاسرار (۴) رسالہ تصوف منظوم (۴) رسالہ آفاق و انفس (۵) حدیث المعارف (۶) رسالہ موجودیہ (۷) دیوان معین (۸) دلیل العارفین۔

انیس الارواح: حضرت عثمان ہارونی کے ۲۸ صحبتوں کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، جسے حضرت خواجہ اجمیریؒ نے سنہ ۵۸۲ھ (۱۱۸۱) میں مرتب کیا۔ اس میں تصوف کے اسرار و معارف بیان کئے گئے ہیں اور دینی اور اخلاقی مسائل پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

کنز الاسرار یا گنج الاسرار: اس کتاب کے دیباچہ میں حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے ورود سندھ اور ہند کا تذکرہ ہے۔ چونکہ تاریخ سے یہ آمد ثابت نہیں ہوتی، اس لئے یہ کتاب آپ کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہ کتاب کسی دوسرے صاحب نے بعد میں لکھی ہے، کیونکہ اس میں حضرت مولانا رومؒ (متوفی ۶۷۲ھ - ۱۲۷۳ء) کے اشعار بھی ملتے ہیں۔

دیوان معین: کے متعلق بھی محققوں کا اختلاف رائے ہے۔ حافظ محمود شیرانی نے دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ دیوان حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کا نہیں ہے۔ حال ہی میں معین الدین احمد چشتی قادری اجمیری اور شمس الحسن شمس بریلوی نے اپنی کتاب "لمعات خواجہ" میں اس موضوع پر بحث کر کے اس دیوان کو حضرت خواجہ صاحب کا دیوان

ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

دلیل العارفین: یہ حضرت خواجہ اجمیریؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، جو ان کے مرید حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے سنہ ۶۱۴ھ (۱۲۱۷ء) میں مرتب کیا۔ یہ ملفوظات انہوں نے اس وقت قلمبند کرنا شروع کئے تھے، جب ان کی ملاقات خواجہ اجمیریؒ سے بغداد میں سمرقندی مسجد میں ہوئی تھی۔ اس ملفوظات میں مختلف دینی، اخلاقی اور صوفیانہ اسرار و رموز اور مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کے نزدیک تصوف نہ علم ہے اور نہ رسم۔ بلکہ مشائخ کا ایک خاص اخلاق ہے، جو ہر لحاظ سے مکمل ہونا چاہئے۔ اس لئے آپ نے فرمایا ہے کہ اہل سلوک کو ہر قسم کے صوری و معنوی اخلاق و محاسن کا حامل ہونا ضروری ہے۔ صوری حیثیت سے اخلاق کی تکمیل یہ ہے کہ سالک اپنے ہر کردار میں شریعت کا پابند ہو۔ جب اس سے شریعت کے خلاف کوئی بات سرزد نہ ہوگی، تو وہ دوسرے مقام پر پہنچ جائے گا جس کا نام طریقت ہے۔ جب اس مقام پر ثابت قدم رہے گا، تو معرفت کا درجہ حاصل کرے گا۔ جب اس میں بھی پورا اترے گا، تو حقیقت کا رتبہ پائے گا۔ اس لئے حضرت خواجہ صاحب نے شریعت کے تمام ارکان خاص طور پر نماز کی پابندی پر بڑا زور دیا ہے۔ حضرت خواجہ صاحب کے ملفوظات میں چند باتیں درج ذیل ہیں:

عارف: عارف علم کے تمام رموز سے واقف رہتا ہے۔ اسرار الٰہی کے حقائق اور انوار الٰہی کے دقائق کو آشکار کرتا ہے۔

عارف عشق الٰہی میں کھو جاتا ہے اور اٹھتے بیٹھتے، سوتے اور جاگتے اسی کی قدرت کاملہ میں محو اور متحیر رہتا ہے۔

عارف پر جب حال کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، تو وہ اس میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ اگر ہزاروں فرشتے بھی اس سے مخاطب ہوں تو وہ ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ عارف ہمیشہ مسکراتا رہتا ہے۔ عارف دونوں جہانوں سے قطع تعلق کر کے یکتا (فردا) ہو جاتا ہے اور جب یکتائی حاصل کرلیتا ہے، تو وہ ہر چیز سے بیگانہ نظر آتا ہے۔

عارف دنیا کا دشمن اور خدا کا دوست ہوتا ہے۔ اس کو دنیا کے شور اور ہنگامے کی کوئی خبر نہیں رہتی ہے۔

عارف جب وحدانیت اور ربوبیت کے جلال کو دیکھتا ہے، تو وہ نابینہ ہو جاتا ہے، تاکہ غیر اللہ پر اس کی نظر نہ پڑے۔

عارف کا ایثار بے نیازی ہے اور خصلت اخلاق ہے۔

عارف محبت میں کامل ہوتا ہے اور جب وہ اپنے دوست سے گفتگو کرتا ہے، تو وہ ہوتا ہے۔ یا اس کا دوست۔

عارف صادق وہ ہے کہ اس کی ملک میں کچھ نہ ہو اور نہ وہ کسی کی ملک ہو۔

عارف کا توکل یہ ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی پر التفات نہ رکھے۔ حقیقی توکل تو یہ ہے کہ عارف کو خلق سے تکلیف اور رنج پہنچے، تو وہ نہ ان کی شکایت کرے، نہ حکایت۔

عارف وہ ہے جو صبح کو اٹھے، تو رات کو یاد نہ کرے۔

عارف کی محبت یہ ہے کہ ذکر حق کے سوا کسی چیز سے لگاؤ نہ رکھے۔

عارف کی صفات آفتاب جیسی ہے۔ تمام دنیا اس سے منور ہے۔ دنیا کی کوئی چیز اس کی روشنی سے محروم نہیں ہے۔

عارف کے لئے تین ارکان ضروری ہیں ۔ ہیبت، تعظیم اور حیاء۔ اپنے گناہوں سے شرمندہ ہونا ہیبت ہے، طاعت گذاری تعظیم ہے اور خدا کے سوا کسی پر نظر نہ ڈالنا حیا ہے۔

مقامات سلوک: حضرت خواجہ صاحب کے ارشاد کے مطابق راہ سلوک کے مندرجہ ذیل چودہ مقامات ہیں: (۱) توبہ (۲) عبادت (۳) زہد (۴) رضا (۵) قناعت (۶) مجاہدہ (۷) صدق (۸) تفکر (۹) استرشاد (۱۰) اصلاح (۱۱) اخلاص (۱۲) معرفت (۱۳) شکر (۱۴) محبت۔

ان میں سے ہر مقام ایک پیغمبر کے ساتھ منسوب ہے۔ یعنی توبہ حضرت آدمؑ، عبادت حضرت ادریسؑ، زہد حضرت عیسیٰؑ، رضا حضرت ایوبؑ، قناعت حضرت یوسفؑ، مجاہدہ حضرت یونسؑ، تفکر حضرت شعیبؑ، استرشاد حضرت شیثؑ، اصلاح حضرت داؤدؑ، اخلاص حضرت معرفت حضرت خضرؑ، شکر حضرت ابراہیمؑ، اور محبت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔

سلوک کے مراتب میں اہل طریقت کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ضروری ہیں:

(۱) طلب حق (۲) طلب مرشد (۳) ادب (۴) رضا (۵) محبت و ترک فضول (۶) تقویٰ (۷) استقامت شریعت (۸) کم کھانا اور کم سونا (۹) لوگوں سے کنارہ کش ہونا (۱۰) صوم و صلوٰۃ کا

پابند رہنا۔

اہل حقیقت کے لئے مندرجہ ذیل دس چیزیں لازمی ہیں:
(۱) معرفت کا ہونا (۲) کسی کو رنج نہ پہنچانا اور کسی کی برائی نہ کرنا (۳) لوگوں سے ایسی گفتگو کرنا جن سے ان کی دنیا اور آخرت بنے (۴) متواضع ہونا (۵) عزت نشین ہونا (۶) ہر شخص کو عزیز رکھنا اور خود کو سب سے کمتر سمجھنا (۷) رضا و تسلیم (۸) صبر و تحمل (۹) عجز و نیاز (۱۰) قناعت و توکل۔

خلفاء

حضرت خواجہ صاحب کے چودہ اکابر خلفاء کے نام تذکروں میں ملتے ہیں۔ ان میں سے دو بہت مشہور ہوئے: حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور حضرت خواجہ حمید الدین سوالی ناگوری۔

طریقہ کی اساس:

اس طریقہ کی اساس ذکر بالجہر پر ہے اور حفظ انفاس کے ساتھ شیخ سے محبت و تعظیم کا تعلق رکھنے پر ہے۔ اس طریقہ میں سب سے پہلے شریعت کی پابندی لازمی ہے۔ سالک، شریعت کی پابندی کے بعد ہی دوسرے مقام یعنی طریقت پر پہنچ سکتا ہے۔ طریقت کی راہ میں چلہ کشی روزہ کی کثرت، تہجد کی پابندی، گفتگو، کھانے اور سونے کو کم کرنے، وضو کی پابندی، ترک غفلت لازمی باتیں ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ان کے اور ادوار اشغال ہیں۔

طریقہ کی شاخیں:

برصغیر پاک و ہند میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے بعد اس کی دو شاخیں ہوئیں: ایک چشتیہ نظامیہ جس کی نسبت حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی طرف ہے، جن کا تعارف بعد میں پیش کیا جائے گا۔ دوسرا سلسلہ "چشتیہ صابریہ" ہے، جس کی نسبت شیخ علاوء الدین علی صابر بن احمد کلیری کی طرف ہے، جو حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کے بھانجے اور خلیفہ تھے۔

"طریقہ نظامیہ" کی بھی مختلف شاخیں ہیں۔ اس میں سے ایک طریقہ "گیسو درازیہ" ہے، جس کے بانی سید محمد بن یوسف حسینی دہلوی مدفون گلبرگ ہیں۔ انہوں نے یہ طریقہ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی سے حاصل کیا اور ان کے خلیفہ اور جانشین ہیں۔ "طریقہ نظامیہ" کی دوسری شاخ کا نام "طریقہ حسامیہ" ہے۔ جس کی نسبت شیخ حسام الدین مانک پوری کی طرف ہے۔ ان کا سلسلہ طریقت یہ ہے: "شیخ حسام الدین، شیخ نور الحق والد انوار الحق، شیخ علاوء الحق، شیخ سراج الدین عثمان اودھی، شیخ نظام الدین اولیاء"۔ "طریقہ صفویہ بینائیہ" کی نسبت شیخ صفی الدین سائن پوری سے ہے اور ان کی طریقت کا سلسلہ اس طرح ہے:

شیخ سعد بن شیخ محمد بینا، شیخ سارنگ، شیخ یوسف ایرجی، شیخ اختیار الدین عمر، شیخ محمد سادی، شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی، شیخ نظام الدین اولیاء"۔ "طریقہ فخریہ" کی نسبت مولانا فخر الدین دہلوی کی طرف ہے۔ یہ سلسلہ شیخ کمال الدین پر ختم ہوتا ہے جو حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے مرید ہیں۔ "طریقہ صابریہ" کی صرف ایک شاخ ہے، جس کا سلسلہ اس طرح ہے:

"شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے فیض حاصل کیا شیخ محمد سے، انہوں نے اپنے والد احمد عارف سے، انہوں نے اپنے والد شیخ احمد عبدالحق رودلوی سے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے باپ دادا سے، انہوں نے شیخ جلال الدین محمود سے، انہوں نے شمس الدین ترک سے، انہوں نے شیخ علاؤ الدین صابر سے"

"طریقہ صابریہ" حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی اولاد کے ذریعہ ہندوستان میں بہت پھیلا۔ دیو بند کے بہت بڑے عالم، مجاہد اور آزادی ہند کے علمبردار حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کا سلسلہ طریقت حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے اس طرح ملتا ہے:

"حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیو بندی بیعت تھے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے، وہ بیعت تھے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے وہ بیعت تھے میاں جی نور محمد سے وہ بیعت تھے شیخ الحاج عبدالرحیم سے وہ بیعت تھے شاہ عبدالباری صدیقی سے، وہ بیعت تھے شیخ عبدالہادی سے وہ بیعت تھے شاہ عضد الدین سے، وہ بیعت تھے شاہ محمد مکی اکبر آبادی، وہ بیعت تھے خواجہ محبت اللہ الہ آبادی سے، وہ شاہ ابو سعید نعمانی سے، وہ شیخ نظام الدین سے وہ شیخ جلال الدین تھانیسر سے اور وہ بیعت تھے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے۔

فصل سوم

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکی

آپ کا بختیار نام اور قطب الدین لقب تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام موسیٰ کاظم سے ملتا ہے۔ ماوراء النہر کے قصبہ اوش میں پیدا ہوئے وہیں ظاہری علوم حاصل کئے اور سلوک کا طریقہ بھی سیکھا۔ اوائل عمر میں ہی ریاضیات اور مجاہدات میں مشغول رہنے لگے۔ جب حضرت خواجہ معین الدین "اوش" میں آئے تو ان کے مرید ہوئے اور سترہ سال کی عمر میں ان سے خرقہ خلافت حاصل کیا اور تقریباً ۱۷ سال پیر کی خدمت کی اور سیرو سیاحت بھی کی۔ بغداد میں شیخ بہاؤ الدین سہروردی، اوحدالدین کرمانی اور جلال الدین تبریزی سے صحبتیں کیں۔ جب آپ کو معلوم ہوا، کہ حضرت خواجہ معین الدین خراسان سے ہندوستان جا رہے ہیں، تو آپ بھی ہندوستان روانہ ہوئے۔ شیخ جلال الدین تبریزی بھی آپ کے ساتھ ہوئے۔ وہاں سے ملتان آئے اور حضرت غوث بہاؤ الدین ملتانی سے ملے اور کچھ دن ملتان میں قیام کیا۔

اس زمانہ میں اوچ اور ملتان کے حاکم "قباچہ" تھے۔ وہ آپ سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں آئے۔ حضرت خواجہ بختیار کاکی ملتان سے دہلی آئے اور جلال الدین تبریزی کو وہاں سے غزنیں بھیج دیا۔ حضرت خواجہ صاحب جب دہلی آئے، تو سلطان شمس الدین التمش نے آپ کا استقبال کیا اور شہر کے اندر آپ کے قیام کا انتظام کرنا چاہا، لیکن آپ نے "کیلوکھری" میں سکونت پسند کی۔ آخر سلطان کے اصرار پر دہلی میں ملک عین الدین کی مسجد میں قیام فرمایا۔ یہاں سے حضرت خواجہ کاکی نے اپنے پیر کی خدمت میں شوق ملاقات اور اشتیاق قدم بوسی کا عریضہ ارسال کیا۔ حضرت خواجہ اجمیر خود ان سے ملنے دہلی تشریف لائے۔

سلطان شمس الدین التمش آپ کا بڑا عقیدتمند تھا۔ وہ اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا۔ حضرت خواجہ کاکی اس کو رعایا پروری، خدمت خلق اور فقیروں، غریبوں اور درویشوں کے ساتھ دوستی کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ وہ ان ہدایات پر عمل پیرا رہتا تھا۔ بادشاہ وقت کی ارادت مندی اور نیاز مندی کے باوجود حضرت خواجہ کاکی فقر اور فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے۔

اپنے مرشد کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں سرشار رہتے تھے اور ہر رات تین ہزار بار درود شریف پڑھتے تھے۔ آپ کو سماع سے بڑی دلچسپی تھی ایک مرتبہ شیخ علی سنجری کی خانقاہ میں تشریف فرما تھے۔ وہاں سماع ہو رہا تھا۔ حضرت قطب الدین بھی وہاں موجود تھے۔ سماع کے دوران قوال نے جب احمد جام کا یہ شعر پڑھا:

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زمان از غیب جان دیگراست

تو آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ تین دن اور تین رات یہ حالت رہی۔ جب نماز کا وقت آتا، تو وضو کر کے نماز پڑھتے اور پھر وہی حالت ہو جاتی۔ آخر ۱۴ ربیع الاول سنہ ۶۳۳ھ (۱۲۳۵ء) کو واصل بحق ہوئے۔ کئی لوگوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ خاص طور پر حضرت فرید الدین گنج شکر کا نام قابل ذکر ہے۔

تعلیمات:

دو کتابیں آپ سے منسوب ہیں: ایک ملفوظات "فوائد السالکین" جو ان کے مرید حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کی تلمبند کردہ ہے۔ دوسرا "دیوان" جس کے متعلق اختلاف رائے ہے۔ فوائد السالکین میں سات صحبتوں کا ذکر ہے۔ اس میں سے چند باتیں پیش کی جاتی ہیں:

سالک کو کم کھانا چاہیے اور صرف عبادت کی قوت کو قائم رکھنے کے لئے اس قدر کھانا چاہئے۔ اس کے لباس میں نمائش نہ ہو۔ کم سوئے کم بولے اور آرائش دنیا سے پاک رہے۔

سالک اگر راہ سلوک کی تکلیف میں فریاد کرتا ہے، تو محبت کا دعویدار نہیں ہے۔ سچی دوستی یہ ہے کہ جو کچھ دوست کی جانب سے پہنچے، اسے نعمت غیر مترقبہ سمجھے کہ اس بہانے

دوست نے اسے یاد کیا۔

آپ نے اسرار الٰہی کو پوشیدہ رکھنے پر زور دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ راہ سلوک میں حوصلہ وسیع ہونا چاہئے کہ اسرار جاگزیں ہو سکیں اور فاش نہ ہونے پائیں' کیونکہ جو شخص کامل ہوتا ہے وہ کبھی دوست کے راز کو فاش نہیں کرتا۔

حضرت خواجہ سے بے شمار لوگوں نے روحانی اور اخلاقی فیض حاصل کیا۔ آپ کے خلفاء کی بھی بڑی تعداد ہے' جو مختلف شہروں اور علاقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے اپنے علاقوں میں لوگوں کو روحانی فیض سے مستفیض کیا اور اسلام کی تبلیغ کی' اور اپنے مقصد میں کامیابیاں حاصل کیں۔ آپ کے خلفاء کے اسماء گرامی یہ ہیں:

شیخ فرید الدین گنج شکر پاکپتن' شیخ بدر الدین غزنوی دہلی' شیخ برہان الدین بلخی' شیخ ضیاء الدین رومی دہلی' سلطان شمس الدین التمش (بادشاہ)' شیخ بابا سنجری بحر دریا دہلی' مولانا فخر الدین حلوائی' شیخ احمد تمامی' شیخ حسین' شیخ فیروز' شیخ بدالدین موتاب' شیخ حضرت قلندر' شیخ نجم الدین قلندر' خواجہ بیرو' شیخ سعد الدین' شیخ محمد بہاری' مولانا محمد جاجزی' سلطان نصیر الدین غازی' قاضی حمید الدین ناگوری دہلی' مولانا شیخ محمد' مولانا برہان الدین حلوائی' مولانا خضر مبین' مولانا سید' شیخ صوفی بدہنی' شیخ جلال الدین' ابو القاسم تبریزی' شیخ نظام الدین ابو الموید (دہلی)' شیخ تاج الدین سنورا اوشی۔"

حضرت خواجہ صاحب اپنے مریدوں اور خلیفوں کو حسن اخلاق' خدمت خلق اور اسلام کی تبلیغ کی تلقین کیا کرتے تھے۔ سلطان التمش (بادشاہ) آپ کا عقیدتمند مرید تھا۔ ان پر حضرت خواجہ صاحب کا یہ اثر تھا کہ وہ راتوں کو جاگتا اور یاد الٰہی میں مصروف رہتا۔ اگر سو جاتا' تو جلدی ہی بیدار ہو کر' وضو کر کے مصلے پر جا بیٹھتا' وہ ہمیشہ نماز با جماعت میں تکبیر اولیٰ کے ساتھ شریک ہوتا' عصر کی سنتیں کبھی قضا نہیں کیں۔ ان ہی خوبیوں کی وجہ سے اس کو حضرت خواجہ کاکی کے جنازہ کی نماز پڑھانے کی سعادت نصیب ہوئی۔

حضرت خواجہ کاکی اپنے مرید سلطان التمش کو ہمیشہ رعایا' فقیروں' غریبوں اور درویشوں کے ساتھ دوستی کی تلقین فرماتے رہے اور آپ کے ارشادات کا ان پر بڑا اثر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ "عصامی" نے اپنی کتاب "فتوح السلاطین" میں سلطان التمش کو صاحب ولایت' پارسا' صاحب شرع فرمانروا' غم خوار دین' خسرو دین سپاہ' خسرو پاک و دین اور خوش

نفس وغیرہ جیسے القاب سے یاد کیا ہے۔

حضرت خواجہ کاکی کے خلفاء میں سے دو خلفاء حضرت بابا فرید الدین گنج شکر اور قاضی حمید الدین سوالی ناگوری نے موجودہ پاکستان کی سرزمین کو بھی اپنے روحانی فیض سے نوازا۔ ان کا تعارف یہاں پیش کیا جائے گا۔

حضرت قاضی حمید الدین سوالی ناگوری

آپ کا نام محمد اور کنیت ابو احمد ہے' لیکن حمید الدین کے نام سے مشہور ہوئے' آپ کے والد کا نام محمود البخاری تھا' سلطان معزالدین سام عرف شہاب الدین غوری کے زمانہ میں بخارا سے دہلی آئے اور سکونت پذیر ہوئے۔ والد کے انتقال کے بعد ناگور کی قضا پر مقرر ہوئے اور تین سال اس عہدہ پر مامور رہے۔ اس کے بعد دنیا سے دل برداشتہ ہو گئے۔ عہدہ چھوڑ کر سفر پر روانہ ہوئے۔ بغداد آئے اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے بیعت ہوئے اور ایک سال ان کی خدمت میں رہ کر ریاضت اور مجاہدہ کئے۔ اسی زمانہ میں بغداد میں حضرت خواجہ قطب الدین تشریف فرما ہوئے۔ تو ان سے روابط قائم ہو گئے۔

مرشد سے اجازت لے کر مدینہ منورہ آئے اور ایک برس' دو ماہ' اور سات روز تک روضہ نبوی کے مجاور رہے۔ وہاں مکہ مکرمہ آئے اور تین سال قیام کیا' سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں دہلی آئے اور حضرت قطب الدین کے ساتھ قیام کیا۔ آپ سلسلہ سہروردیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن چونکہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی سے آپ کے گہرے تعلقات تھے۔ اس لئے چشتی سمجھے جاتے تھے۔ سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ آپ حضرت خواجہ معین الدین کے خلفاء میں سے تھے۔ ۱۱ رمضان سنہ ۶۴۱ھ (۱۲۴۴) میں وفات پائی۔

آپ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید اور خلیفہ تھے' لیکن حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کی صحبت کی وجہ سے سماع سے والہانہ ذوق رکھتے تھے۔ علماء ظاہر نے ان کے خلاف فتوے دیے۔ لیکن آپ نے کسی کی پرواہ نہ کی اور سماع سے اپنی دلچسپی قائم رکھی۔

حضرت قاضی صاحب علوم شریعت اور طریقت کے جامع تھے۔ سلوک کے اسرار کے

سلسلہ میں' آپ نے کچھ کتابیں بھی لکھیں۔ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر نے اپنے ملفوظات میں آپ کی دو کتابوں کے نام لئے ہیں: "راحت الارواح" اور "لوائح"۔ سیر العارفین میں آپ کی کتاب "لوائح" کا ذکر آیا ہے۔ آپ کی ایک کتاب کا نام "طوالع الشموس" ہے جو دو جلدوں پر مشتمل ہے' اس میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام کی شرح ہے۔ حضرت مولانا عبدالحق نے اس کے متعلق لکھا ہے۔

"ہر جگہ اسرار حقیقت کی موجیں ٹھاٹھیں مار رہی ہیں اور طریقت کے معانی فوج در فوج چلے آ رہے ہیں۔ اس کے تمام مقامات بڑے مشکل ہیں خصوصاً" متانت' حرارت اور حالت کے مقامات ہم شکل اور مشابہ نظر آتے ہیں۔"

سیر العارفین میں حامد جمالی نے لکھا ہے کہ جب قطب الدین کا شانی دہلی پہنچے تو وہ کہتے تھے کہ میں شیخ حمید الدین ناگوری کی صحبت کی وجہ سے اس شہر میں آیا ہوں۔ انہوں نے ایک دن حمید الدین ناگوری کا مجموعہ رسائل طلب کر کے دیکھنا شروع کیا اور جو علماء ان کے ساتھ تھے' ان سے فرمایا! دوستو! سمجھو اور واقف ہو جاؤ کہ ہم نے اور تم نے جو کچھ نہیں پڑھا ہے نہ سمجھا ہے' وہ بھی ان رسائل میں ہے۔

حضرت قطب الدین بختار کاکی کی وفات کے بعد دہلی میں خشک سالی ہوئی اور غلہ نہایت گراں ہو گیا۔ خلق خدا بہت پریشان ہوئی۔ سلطان التمش نے اپنے ایک معتمد سے کہا کہ تم شہر کے درویشوں کے پاس جاؤ اور ان کو سلام نیاز پہنچا کر عرض کرو کہ جنگ و جدل اور ظالموں اور کافروں کا دفع کرنا اور دوسرے فتنوں کا دور کرنا بادشاہوں کا کام ہے۔ ہم نے اس سلسلہ میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے' لیکن حق تعالیٰ کی جانب توجہ باطنی کرنا اور اہل اسلام اور مخلوق خدا کے لئے دعائے خیر کرنا آپ سے متعلق ہے' آپ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ فرمائیں اور بارش کے لئے دعا کریں۔ جب یہ پیغام قاضی حمید الدین ناگوری تک پہنچا تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ درویشوں کی دعوت کریں' تو بارش کے لئے دعا کی جائے' چنانچہ درویشوں کی دعوت کی گئی اور محفل سماع منعقد کی گئی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے سماع کے دوران ہی بارش شروع ہو گئی اور اتنی بارش ہوئی کہ درویش بڑی مشکل سے مکانوں تک پہنچے۔

فصل چہارم

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر

نام اور لقب: آپ کا اسم گرامی مسعود اور لقب گنج شکر تھا۔ "گنج شکر" کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں حضرت فرید الدین اپنے مرشد حضرت بختیار کاکی کے ہاں تربیت پا رہے تھے تو ایک دن انہوں نے سات دن متواتر روزے رکھے۔ افطار کے وقت اپنے حجرے سے غزنین دروازے سے خواجہ بختیار کاکی کے پاس جا رہے تھے کہ ایک جگہ کیچڑ میں پاؤں پھسل گیا اور زمین پر گر پڑے۔ کیچڑ منہ میں چلی گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ شکر بن گئی۔ جب مرشد کی خدمت میں پہنچ کر یہ واقعہ بیان کیا۔ تو حضرت کاکی نے فرمایا: اگر مٹی تمہارے منہ میں جا کر شیریں بن گئی' تو اللہ تعالیٰ تمہارے سارے وجود کو شکر بنا دے گا اور تم ہمیشہ شیریں رہو گے۔ اس کے بعد گنج شکر مشہور ہو گئے۔

حضرت اسدیہ ابن شیخ ابراہیم نے اپنی کتاب "سیر الاقطاب" میں لکھا ہے کہ ایک دن افطار میں کوئی چیز نہ ملی تو سنگریزے منہ میں رکھے' جو آپ کے منہ میں شکر بن گئے۔ جب یہ خبر حضرت خواجہ کاکی کو پہنچی' تو فرمایا کہ فرید "گنج شکر" ہے۔

خزینۃ الاصفیا کے مصنف نے تذکرۃ العاشقین کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک سوداگر' شکر اونٹوں پر لاد کر ملتان سے دہلی جا رہے تھے۔ جب وہ اجودھن پہنچے' تو شیخ فرید الدین نے ان سے پوچھا کہ اونٹوں پر کیا ہے' سوداگر نے مذاق کے طور پر کہا کہ نمک ہے۔ شیخ فرید الدین نے یہ سن کر کہا: بہتر ہے نمک ہی ہو گا۔ جب سوداگر دہلی پہنچا تو اس نے اونٹوں پر نمک ہی پایا۔ وہ گھبرا کر واپس اجودھن آیا اور حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچ کر اپنے قصور کی معافی چاہی۔ حضرت شیخ نے فرمایا: اگر شکر تھی تو شکر ہی ہو جائے گی۔ خدا کی قدرت نمک کے بجائے شکر پائی گئی۔ بیرم خان خانخاناں' اس واقع کو منظوم کیا ہے۔ اس کا

ایک شعر اس طرح ہے۔

کان نمک۔ جہان شکر، شیخ بحر و بر   آن کز شکر نمک کند و از نمک شکر

اس لقب کے متعلق ایک اور روایت بھی ہے۔ لیکن حضرت خواجہ بختیار کاکی کے قول کے مطابق آپ واقعی گنج شکر تھے اور ہمیشہ شیرین تھے۔ آپ کے شیرین سخنی نے بے شمار لوگوں کو آپ کا گرویدہ بنا دیا تھا اور کئی لوگ آپ کے گنج شکر سے مستفیض ہو کر روحانیت کے مراتب طے کئے۔

سلسلہ نسب: آپ کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروقؓ سے اس طرح ملتا ہے:

شیخ فرید الدین گنج شکر بن جمال الدین سلیمان بن شیخ شعیب بن شیخ احمد بن شیخ یوسف بن شیخ محمد بن شیخ شہاب الدین بن شیخ احمد المشہور بہ فرخ شاہ بن بادشاہ کابل بن نصیر الدین بن محمد المعروف بہ شیمان شاہ بن سامان شاہ بن سلیمان بن مسعود بن عبداللہ واعظ الاکبر بن ابوفتح بن اسحاق بن سلطان ابراہیم بادشاہ بلخ بن ادھم بن سلیمان بن ناصر بن عبداللہ بن امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ"

والد کی آمد: حضرت بابا فرید الدین کے والد بزرگوار، شہاب الدین غوری کے زمانہ میں کابل سے لاہور آئے۔ پھر قصور اور ملتان سے ہوتے ہوئے "کھتی وال" (کھتو وال) آئے اور یہاں سکونت پذیر ہوگئے۔

ولادت: حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ "کھتی وال" (ضلع ملتان) میں تولد ہوئے۔ آپ کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے۔ سیر الاقطاب میں ۵۹۵ھ درج ہے۔ بعض تذکروں میں ۵۸۴ھ اور ۵۶۹ھ بھی آئی ہے۔ لیکن ۵۶۹ھ (۱۱۷۳) زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ بچپن میں ہی آپ کے والد کا انتقال ہوگیا۔

تعلیم و تربیت: ابتدائی تعلیم اپنے شہر میں حاصل کی۔ اس کے بعد مزید تعلیم کے حصول کے لئے ملتان آئے، جہاں آپ نے قرآن مجید حفظ کیا اور مولانا منہاج الدین کی مسجد میں فقہ کی مشہور کتاب نافع پڑھنا شروع کی۔ ایک دن نافع پڑھ رہے تھے کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی نظر فیض اثر نے آپ کے دل پر بڑا اثر کیا۔ تھوڑی ہی گفتگو اور صحبت کے بعد ان کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ حضرت خواجہ بختیار جب دہلی کی طرف روانہ ہوئے، تو شیخ فرید کو ظاہری تعلیم مکمل کرنے کی تلقین کی۔

حضرت شیخ فرید نے اپنے مرشد کے حکم کے مطابق ملتان میں رہ کر کچھ عرصہ تعلیم حاصل کی۔ پھر ملتان سے نکل کر غزنی، بغداد، سیوستان، بدخشاں وغیرہ میں علوم ظاہری کی تعلیم حاصل کی اور بزرگان دین کی صحبت میں رہے۔ بغداد میں شیخ شہاب الدین سہروردی کی صحبت میں رہے۔ اور آخر عمر تک ان کے بڑے عقیدت مند رہے۔ حضرت سہروردی کی مشہور تصنیف "عوارف المعارف" سے آپ کی گہری دلچسپی تھی۔ بغداد کے نواح میں آپ کی ملاقات خواجہ اجل سنجری سے ہوئی۔ ان کے علاوہ غزنی، بخارا اور دوسرے شہروں میں آپ اور بھی کئی بزرگوں سے ملے، مثلاً: سیف الدین باخرزی، سعد الدین حموی، بہاؤ الدین حموی، شیخ اوحد الدین کرمانی، شیخ فرید الدین نیشا پوری وغیرہ۔

پانچ سال کی سیاحت کے بعد اپنے پیر حضرت خواجہ بختیار کاکی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مرشد نے آپ کے رہنے کے لئے غزنیں دروازہ کے پاس ایک جگہ منتخب کی۔ آپ یہاں رہ کر ریاضت اور مجاہدہ میں مشغول ہوگئے۔ جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت خواجہ بختیار کاکی کو دیکھنے کے لئے دہلی آئے، تو حضرت شیخ فرید کو دیکھنے کے لئے ان کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ حضرت خواجہ اجمیر نے آپ کے لئے دعا کی۔

مرشد کی صحبت میں سلوک کی منازل طے کرنے کے بعد مرشد کے حکم سے دہلی سے ہانسی آئے۔ ہانسی میں معتقدوں کے ہجوم سے پریشان ہو کر دہلی روانہ ہوئے، لیکن حضرت خواجہ کاکی کے وصال کے تیسرے روز دہلی پہنچے۔ قاضی حمید الدین ناگوری نے حضرت خواجہ بختیار کاکی کا خرقہ اور دوسری چیزیں آپ کے حوالے کیں۔ جن کو مرشد نے اپنے محبوب خلیفہ کے حوالے کرنے کو کہا تھا۔ دہلی سے روانہ ہو کر پھر ہانسی آئے۔ لیکن لوگوں کے ہجوم سے گھبرا کر اجودھن کی طرف روانہ ہوئے اور اجودھن میں تنہائی اور سکون پا کر اسی جگہ سکونت پذیر ہوگئے۔

حضرت خواجہ فرید نے سخت ریاضتیں اور مجاہدے کئے۔ روزے کثرت سے رکھتے تھے۔ رمضان میں ہر رات تراویحوں میں قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ بعض راتوں میں تو دس دس پارے زیادہ تلاوت کر جاتے تھے۔ آپ کا خود کا بیان ہے کہ وہ بیس سال تک عالم تفکر میں کھڑے رہے، اور بیٹھے بالکل نہیں۔ اسی دوران آپ کے پاؤں سوج گئے اور ان سے خون بہنے لگا۔ فرماتے تھے اس عرصہ دوران ان کو یاد نہیں کہ انہوں نے کیا کچھ کھایا ہو۔

رشد و ہدایت: جب رشد و ہدایت کے لئے خانقاہ میں بیٹھے' تو مرشد کی طرح تمام مال و متاع سے مستغنی رہے اور فقر اور فاقہ میں زندگی گزاری۔ ایک مرتبہ بادشاہ ناصرالدین محمود اجودھن میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کی صحبت سے اتنا متاثر ہوا کہ اپنے وزیر الغ خان (جو بعد میں غیاث الدین بلبن کے نام سے بادشاہ ہوا) کو چار گاؤں کا فرمان اور کثیر رقم بطور ہدیہ دے کر بھیجا۔ لیکن حضرت خواجہ صاحب نے واپس کر دیا اور فرمایا کہ یہ ہمارے خواجگان کی رسم نہیں ہے۔ آپ اپنے مریدوں اور خلفا کو ارباب حکومت سے دور رہنے اور ان سے کسی قسم کا فائدہ نہ اٹھانے کی ہمیشہ تلقین کیا کرتے تھے۔

آپ کی طبیعت میں بے حد نرمی تھی۔ مریدوں کے حلقہ میں جب کوئی ایسی بات نکلتی تھی' تو رو دیتے تھے۔ مندرجہ ذیل شعر آپ کو بے حد پسند تھے اور یہ شعر سنتے ہی روتے تھے اور آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی:

در کوئے عاشقاں چناں جان بودھند   کانجا ملک الموت نگنجد ہرگز

حضرت گنج شکر سے لاکھوں طالبان حق نے روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ کے رشد و ہدایت سے جو چشمہ فیض جاری ہوا' اس کا اثر برصغیر پاک و ہند کے کونے کونے میں پہنچا۔ آپ کے پاس جب بھی کوئی سرکاری ملازم حاضر ہوتا' تو آپ اس کو پند و نصیحت کے ذریعہ راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے اور اس کو ظلم و زیادتی سے باز رہنے اور خدمت خلق کی تلقین فرماتے۔ آپ نے رشد و ہدایت کے سلسلہ میں مختلف علاقوں کی سیروسیاحت کی۔ تاریخوں اور تذکروں میں آیا ہے کہ حضرت بہاؤ الحق زکریا ملتانی' کے ساتھ آپ کی بڑی محبت تھی اور ان سے آپ نے ملاقاتیں کیں۔ بعض مرتبہ حضرت غوث بہاؤ الحق زکریا ملتانی' حضرت سید جلال سرخ بخاری اور سید عثمان قلندر شہباز کے ساتھ سندھ اور ملتان کی سیرو سیاحت کی۔

بے شمار لوگوں کو روحانی فیض ... مستفیض فرمایا۔ ہر وقت عقیدتمند پروانوں کی طرح آپ کے گرد جمع رہتے تھے۔ ہندو جوگی بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔ امیرو غریب کو ان کے یہاں کوئی امتیاز نہ تھا۔ ہر آنے والے سے اس طرح ملتے گویا برسوں کا آشنا ہے۔ ہر شخص سے اس کی صلاحیت اور سمجھ کے مطابق گفتگو فرماتے تھے۔ آپ کی روحانی عظمت' کردار کی بلندی اور انسان دوستی' محبت اور خلوص کی وجہ سے چشتیہ سلسلہ کو

بڑا فروغ حاصل ہوا اور سلسلہ کے اثرات کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ آپ کے نظام اصلاح و تربیت نے ایک مستقل شکل اختیار کی۔ آپ کے مریدوں اور خلفا نے ملک کے گوشہ گوشہ میں چشتیہ سلسلہ کی خانقاہیں قائم کیں۔

حضرت بابا فرید نے ستائیس برس خدمت خلق کی اور اشاعت دین فرمائی۔ جب آپ نے اجودھن میں رشد و ہدایت کی ابتداء کی' تو شروع میں لوگوں نے اجنبیت و غیریت برتی اور مخالفت بھی کی۔ یہاں جوگیوں اور ساحروں کا عمل دخل بھی تھا۔ وہ بھی آزمائش کے لئے آپ کی خدمت میں آئے۔ جب انہوں نے آپ کے سامنے خود کو ناکام دیکھا' تو آپ کی کمال بزرگی کا اعتراف کر کے شاگردی کی درخواست کی۔ ان کو کلمہ پڑھوایا گیا اور ان کو دائرہ اسلام میں داخل کیا گیا۔ علماء نے بھی آپ کی مخالفت کی اور سماع کے متعلق فتوے جاری کئے۔ آخر خاص و عام آپ کی شخصیت و کردار سے متاثر ہوئے اور روحانیت کے فیض سے مستفیض ہونے لگے۔

خود بادشاہ بھی آپ سے بہت متاثر تھے۔ سلطان ناصرالدین محمود کو حضرت بابا گنج شکر سے بڑی عقیدت تھی۔ اس کے حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم' مودت اور دوسرے اوصاف حمیدہ کے قصے بہت مشہور ہیں۔ سنہ ۶۴۳ھ (۱۲۴۵ء) میں اوچ جاتے ہوئے سلطان ناصرالدین محمود خود اجودھن جاکر حاضر خدمت ہونا چاہتا تھا' لیکن الغ خان نے آپ کو روکا اور سلطان کی بجائے الغ خان مع لشکر' دیہات کی معافی کا پروانہ اور زر کثیر نذرانہ کے طور پر لے کر اجودھن آپ کی خدمت میں آیا۔ حضرت شیخ نے نذرانہ کی نقدی لے کر فقراء اور ضرورتمندوں میں تقسیم کر دی اور دیہات کی معافی کا پروانہ واپس کر دیا اور فرمایا: اس کے ضرورتمند آپ کے یہاں اور لوگ ہیں۔ الغ خان کے دل میں خیال گذرا کہ اگر حضرت شیخ مجھے وارث سلطنت بنا دیئے جانے کی دعا کریں تو میرا کام بن جائے۔ حضرت شیخ نے اسی وقت خود بخود یہ رباعی پڑھی:

فریدون فرخ فرشتہ نہ بود   زعود و زعنبر سرشتہ نہ بود
زداد و دھش یافت ایکوئی   تو داد و دھش کن فریدون توئی

الغ خان نے نصیحت کو اپنے دل میں جاگزین کر دیا اور سخاوت میں مشہور ہوا۔ وہ غیاث الدین بلبن کے نام سے تخت نشین ہوا۔ ابتداء میں وہ شراب کا عادی تھا سلطان بننے

کے بعد وہ ان باتوں سے تائب ہوا اور سختی کے ساتھ مذہب کی پابندی کی۔ وہ قانون کی پابندی کرانے میں سخت گیر تھا' اور انہوں نے عدل و انصاف کو قائم کرنے میں کسی کی رو رعایت نہ کی۔ خدمت خلق کے سلسلہ میں انہوں نے اہم کام کئے اور اشاعت اسلام کے لئے جدوجہد کی۔ ان پر بزرگان دین اور مشائخ عظام کا بڑا اثر تھا۔ وہ عبادت' ریاضت' روزے' نفل اور شب بیداری میں غیر معمولی اہتمام رکھتا۔ نماز با جماعت پڑھتا' رات کو جاگتا' سفر خواہ حضر میں اور وظائف کو نہ چھوڑتا اور کبھی بے وضو نہ رہتا۔

غرضیکہ حضرت بابا فرید اور دوسرے صوفیاء کرام نے نہ صرف عام لوگوں کی اصلاح کی' بلکہ حکمران طبقہ پر بھی اپنی پوری توجہ مرکوز کی اور ان کی زندگی کا رخ ہی بدل دیا۔ اس طرح امن و سلامتی قائم ہوئی شریعت کی پابندی کی وجہ سے ایک صالح اور صحتمند معاشرہ قائم ہوا اور عام لوگ ظالموں' شریروں اور استحصالی قوتوں کی زیادتوں سے بچے رہے۔

وفات: آپ کی وفات کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ سیر الاقطاب میں سنہ ۶۹۰ھ' راحت القلوب میں ۶۸۷ھ' خزینۃ الاصفیاء میں ۶۷۰ھ' جوہر فریدی' سیر الاولیاء اخبار الاخیار اور سفینۃ الاولیاء میں ۶۶۴ھ۔ محمد ناصری کی تواریخ کا بیان ہے کہ حضرت بابا صاحب کا وصال کشلو خان اور حضرت غوث بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی وفات کے بعد سنہ ۶۶۰ھ میں ہوا۔ حضرت سلطان المشائخ کا بیان ہے کہ ۹۳ سال کی عمر میں سنہ ۶۶۱ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ موجودہ دور کے بعض محققین یہی سنہ صحیح قرار دیتے ہیں اور بعض سنہ ۶۶۴ھ کو درست جانتے ہیں۔

تعلیمات: آپ کے دو ملفوظات کے نام ملتے ہیں: "راحت القلوب" اور "اسرار الاولیاء"۔ راحت القلوب آپ کے خلیفہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی نے سنہ ۶۵۵ھ (۱۲۵۷ء) میں مرتب کیا۔ دوسرا مجموعہ اسرار الاولیاء آپ کے دوسرے خلیفہ بدر الدین اسحاق دہلوی نے مرتب کیا۔ راحت القلوب میں راہ سلوک کی اساسی باتیں وہی ہیں' جو دوسرے ملفوظات میں ملتی ہیں' لیکن اس میں زیادہ تفصیل اور وضاحت سے بیان کی گئیں ہیں۔ آپ کے ملفوظات سے کچھ باتیں پیش کی جاتی ہیں:

درویش کی صفت پردہ پوشی اور خود فراموشی ہے۔ پردہ پوشی سے مراد خدا کے بندوں کی پردہ پوشی ہے۔ درویش کو یہ چار باتیں اختیار کرنی چاہئے: (۱) اپنی آنکھوں کو بند کر لے کہ خدا

کے بندوں کے عیوب دیکھ نہ سکے (۲) کانوں کو بہرہ کر لے کہ جو باتیں سننے کے لائق نہ ہوں' ان کو نہ کہہ سکے۔ (۳) زبان کو گونگا کر لے' کہ جو باتیں کہنے کے لائق نہ ہوں' ان کو نہ سن سکے (۴) پاؤں کو لنگڑا رکھے کہ جب اس کا نفس کسی غیر ضروری یا ناجائز کام کی طرف لے جانا چاہئے' تو وہ نہ جا سکے۔

○ جو درویش دنیاوی عزت و جاہ کا خواستگار اور دنیا کے لوگوں کے لطف و کرم کا خواہاں ہو' وہ درویش نہیں ہے۔

○ درویشوں کا زہد تین چیزوں میں ہے: (۱) دنیا کا جاننا اور اس سے ہاتھ اٹھا لینا (۲) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا اور آداب کی رعایت رکھنا (۳) آخرت کی آرزو اور اس کی طلب۔

○ دل کی صلاحیت سلوک کی اصل ہے۔ یہ صلاحیت اس شخص کو حاصل ہوتی ہے' جو لقمہ حرام سے پرہیز کرتا ہے اور اہل دنیا سے اجتناب کرتا ہے۔

○ معرفت کی تعریف یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کو اپنی معرفت حاصل نہیں ہوتی' وہ دوسروں کے پیچھے مبتلا رہتا ہے۔ جب اس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے' تو اس میں مستغرق ہو جاتا ہے۔

○ سماع میں راحت دل ہے۔ یہ اہل محبت کے دل میں حرکت پیدا کرتا ہے۔ حرکت کے بعد حیرت اور حیرت کے بعد ذوق اور ذوق کے بعد بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔

○ ذکر یعنی عبادت الٰہی سے عشق کی تعمیر ہوتی ہے۔ عبادت الٰہی میں ظاہر اور باطن کا یکساں ہونا ضروری ہے۔ عبادت سے اسرار الٰہی معلوم ہوتے ہیں' لیکن ان کو ظاہر کرنا عشق کے منافی ہے۔

○ سلوک میں وہی بندہ صادق ہے' جو رزق حاصل کرنے میں پریشان خاطر نہ ہوتا ہو۔

○ عاقل وہ شخص ہے' جو دنیا کے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے' توکل کی تشریح اس طرح ہے کہ ایماں میں خوف و رجا اور ایمان ہو۔ خوف سے وہ گناہ ترک کرتا ہے اور رجا سے اللہ کی اطاعت کرتا ہے اور محبت سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے تمام مکروہات سے باز آتا ہے۔

○ تصوف' اللہ تعالیٰ کی دوستی کا نام ہے۔ اہل تصوف وہ ہیں' جو ہر وقت خاموش اور عالم تحیر میں مستغرق رہتے ہیں۔ اہل تصوف ایک ایسی قوم ہے' کہ جب وہ خدا سے پیوستہ ہو

شاعری: حضرت بابا فریدؒ کے پنجابی زبان میں کچھ اشعار بھی ملتے ہیں، جن کو شلوک کہا گیا ہے۔ آپ کے شلوکوں کی تعداد قریباً ایک سو چھتیس" ۱۳۶ یا ۱۷۷ ہے۔ اس میں معرفت حقیقی کے مختلف مضامین مثلاً ذکر و فکر، صبر و رضا، قناعت و عبادت، دنیا و آخرت، فنا و بقا ملتے ہیں۔ نمونہ کے طور پر چند شلوک پیش کئے جاتے ہیں:۔

(۱)

فریدا! جے توں عقل لطیف ہیں، کالے لکھ نہ لیکھ
آپنڑے گریوان میں سر نیواں کر کے دیکھ

(اے فرید! اگر تیری عقل پاک اور صاف ہے، تو کالے حرف نہ لکھ (یعنی: گناہ نہ کر) اپنے گریبان میں منہ کر کے دیکھ)

(۲)

فریدا سکر، کھنڈ، نوات، گڑ، ماکھیوں، مانجھا دودھ،
سبھے وستوں مٹھیاں رب، نہ پجن تدھ

(اے فرید! شکر چینی، نبات، گڑ، شہد اور ماجھا دودھ یہ سب میٹھی چیزیں ہیں، لیکن یہ سب اللہ تعالیٰ کے (ذکر) کے مٹھاس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں)

(۳)

فریدا! خاک نہ نندیئے، خاکوں جیہڈ نہ کوئی،
جیوندیاں پیراں تلے، مویاں اوپر ہوئے

(اے فرید! خاک کی مذمت مت کیجئے، خاک جیسی دوسری چیز نہیں ہے، کیونکہ یہ زندہ لوگوں کے پاؤں کے نیچے ہوتی ہے اور مردہ لوگوں کے اوپر ہوتی ہے۔)

(۴)

فریدا، چار گوائیاں ہنڈ کے، چار گوائیاں سم،
لیکھا رب منگیا توں آہو کھڑے کم

(اے فرید! چار پہر زندگی کے دنیا کے دھندوں میں گذر گئی اور چار پہر غفلت کی نیند سوئے میں گذر گئے۔ اللہ تعالیٰ جب حساب لے گا تو یہ کس کام آئیں گی۔)

خلفا

جاتے ہیں تو پھر ان کو خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کی خبر نہیں ہوتی۔ تصوف ایک اخلاق ہے۔ صوفی دنیا اور دنیا کے لوگوں سے بے نیاز اور مستغنی ضرور رہتا ہے۔ لیکن وہ کبھی بھی دنیا کی مذمت نہیں کرتا۔

○ عبادت کی انتہا عقل ہے۔ بغیر علم کے عبادت فضول ہے درد سر ہے۔ عقل اشرف ہے، اس لئے کہ اس سے معرفت الٰہی کا علم ہوتا ہے۔

○ درویش اہل عشق ہیں اور علماء اہل عقل، اسی لئے دونوں میں اختلاف ہے، راہ سلوک میں درویش کا عشق عالم کے عقل پر غالب ہے۔

○ عقل مند وہ ہے، جو اللہ پر توکل کرے اور کسی سے امید نہ رکھے۔

○ رحمت خیریت کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ تکلیف سے گناہ دہل جاتے ہیں۔

○ انسان پر جب مصیبت پڑے تو اس کے اسباب پر غور کرے اور سبق لے۔ جو ہر وقت طاعت میں رہتا ہے، اسے کوئی مصیبت نہیں ہوتی۔

حضرت بابا فریدؒ نے خواجگان چشت کے مسلک کے مطابق صوفی کو کشف و کرامت کے اظہار سے منع فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس کا اظہار کرنا پست حوصلہ والوں کا کام ہے۔ اس میں نفس میں تکبر پیدا ہوتا ہے۔ آپ کے خلیفہ اعظم حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے بھی کرامت کے اظہار کی سختی سے ممانعت کی ہے۔

فرمایا: صوفی وہ ہے، جس کی برکت سے تمام چیزیں صفائی حاصل کریں اور اس صوفی کو کوئی چیز تاریک نہ بنادے۔

○ فرمایا کہ تم اپنے آپ کو ایسا ہی ظاہر کرو، جیسا کہ تم حقیقت میں ہو، ورنہ پھر لوگ تم کو ایسا ہی دکھائیں گے، جیسا کہ تم ہو گے۔

○ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشخبری دی ہے اس شخص کے لئے، کہ جس کا عیب اس کو دوسروں کے عیب دیکھنے سے باز رکھے۔

اللہ تعالیٰ سے اپنی بندگی کے رشتے کو مضبوط کرو کہ سب اس سے لیتے ہیں اور وہ سب کو دیتا ہے۔ جب وہ کسی کو دیتا ہے تو کوئی اس سے چھیننے والا نہیں۔ خود سے بھاگنا، حق تعالیٰ تک پہنچنا سمجھو، جسم کی خواہشات کو پورا نہ کرو، اگر تم اس کی خواہشات پورا کرو گے تو وہ تم سے زیادہ مانگے گا۔

شیخ نجیب الدین متوکل: حضرت شیخ فرید الدینؒ کے چھوٹے بھائی اور خلیفہ تھے۔ دہلی میں جاکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ آپ دہلی مین اس حجرہ کے قریب رہتے تھے' جس میں حضرت خواجہ نظام الدین تعلیم حاصل کرنے کے دوران رہتے تھے۔ حضرت خواجہ نظم الدین آپ کی صحبت میں جاکر بیٹھتے تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ فرماتے ہیں: قبل اس کے کہ میں شیخ فرید الدین کی خدمت میں حاضر ہوا' ایک دن میں نے شیخ نجیب الدین کی مجلس میں اٹھ کر عرض کیا کہ ایک بار سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص اس نیت سے پڑھیں کہ میں کسی جگہ قاضی بن جاؤں' شیخ نجیب الدین نے اغماض سے کام لیا۔ میں نے سمجھا کہ انہوں نے میری عرض نہیں سنی۔ میں نے پھر وہی بات دہرا دی۔ اس دفعہ آپ نے تبسم کیا اور فرمایا: تم قاضی نہ بنو اور کچھ بنو۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء آپ سے ہی متاثر ہو کر حضرت بابا فرید الدین کے مرید ہوئے اور خلیفہ خاص بنے۔ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل' اپنے پیر اور بڑے بھائی حضرت بابا فریدؒ کی خدمت میں دہلی سے اجودھن جاتے رہتے تھے۔ جب بھی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ یہی عرض کرتے تھے کہ دعا کیجئے کہ پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اس طرح انیس بار دہلی سے اجودھن گئے۔ انیسویں بار جب آپ دہلی سے واپس آنے لگے تو یہی درخواست کی لیکن آپ نے دعا نہ کی۔ جب دہلی واپس پہنچے تو ماہ رمضان ۶۶۹ھ (۱۲۷۱ء) میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار خواجہ قطب الدین کے راستہ میں بجے منڈل کے مقابل ہے' جو سلطان محمد عادل کی عمارتوں میں سے ہے۔ آپ کا مکان اور حضرت خواجہ نظام الدین کا مکان اسی جگہ تھا۔

مولانا داؤد پالہی: رد دلی کے ایک گاؤں "پالہی موی" میں رہتے تھے۔ حضرت بابا فرید کے مرید تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے آپ کا بہت ذکر کیا ہے۔ نقل ہے کہ آپ صبح کی نماز کے بعد گھر سے نکل کر بیابان میں چلے جاتے اور یاد حق میں مشغول ہو جاتے تھے۔ حضرت بابا فرید کی خدمت میں اجودھن آتے رہتے تھے۔ خود حضرت فرید بھی دو تین مرتبہ ان کے گاؤں تشریف لے گئے اور ان کی خاطر وہاں کی مسجد میں چلہ کیا۔

سید محمد بن سید محمود کرمانی: خاندان علوی کا چشم و چراغ تھا۔ کرمان کا رہنے والا تھا۔ تجارت کے غرض سے کرمان سے لاہور آتے رہتے تھے۔ ملتان میں آپ کے چچا سید احمد

کرمانی رہتے تھے۔ واپسی کے وقت اجودھن میں حضرت شیخ فرید کی ملاقات کی سعادت حاصل کر کے ملتان جاتے تھے۔ اسی آمدورفت کے دوران آپ کے دل میں بابا فرید کی محبت جاگزین ہوگئی۔ آخر اجودھن میں جاکر حضرت بابا کے مرید ہوئے اور خرقہ بھی حاصل کیا۔ حضرت بابا فرید کے وصال کے بعد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی صحبت میں رہے اور یاران اعلیٰ کے زمرہ میں داخل ہوئے۔ آپ نے ۷۱۱ھ (۱۳۱۱-۱۲ء) میں دہلی میں وفات پائی اور چبوترہ یاراں میں مدفون ہوئے۔

"سیر الاولیاء" کے مصنف: محمد لقب امیر خورد بن نور الدین مبارک' سید محمد بن محمود کے پوتے تھے۔

مولانا تقی الدین: حضرت شیخ داؤد کے بھائی تھے اور حضرت بابا فریدؒ کے مرید تھے۔ آپ کا مزار قصبہ "انہونہ" میں حوض کے کنارے پر واقع ہے۔

حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی۔ ان سے "جمالیہ" سلسلہ جاری ہوا جو بعد میں "نظامیہ" سلسلہ میں مدغم ہوگیا۔ حضرت خواجہ فریدؒ کی زندگی میں ہی حضرت شیخ جمال کا انتقال ہوگیا۔ آپ کو دو بیٹے ہوئے: بڑے بیٹے مجذوب تھے۔ چھوٹے بیٹے کا نام مولانا برہان الدین صوفی تھا' جو باپ کے انتقال کے وقت خورد سال تھا۔ شیخ جمال الدین کی ایک خادمہ جو بڑی عابدہ اور صالحہ تھیں ان کو بابا فرید کی خدمت میں لے گئیں۔ حضرت بابا صاحب نے ان پر بڑا التفات فرمایا اور خلافت سے نوازا۔ اس عابدہ اور صالحہ عورت نے ھندی زبان میں کہا: "خواجہ برہان الدین بالا ہے" حضرت بابا صاحب نے فرمایا "پونوں کا چاند بھی بالا ہوتا ہے۔" بابا فرید کی ہدایت کے مطابق مولانا برہان الدین اکثر خواجہ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔

شیخ بدر الدین اسحاق: حضرت بابا فرید کے داماد' خلیفہ اور خادم تھے۔ حضرت بابا کے وصال کے بعد پاک پٹن کی جامع مسجد میں رہنے لگے۔ وہیں وفات پائی اور مسجد کے قریب مدفون ہوئے۔ آپ کے دو فرزند ہوئے۔ خواجہ محمد موسیٰ اور خواجہ محمد امام۔ حضرت شیخ بدر الدین کی وفات کے بعد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے دونوں بیٹوں اور ان کی والدہ کو دہلی بلا لیا تھا اور لڑکوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا تھا۔ خواجہ محمد امام کو حضرت خواجہ نظام الدین نے خلافت عطا فرمائی اور ان کی زندگی میں ہی بیعت لیتے تھے۔

شیخ عارف: حضرت بابا فریدؒ نے اس بزرگ کو بیعت کی اجازت دے کر سیوستان (سیوھن) کے طرف بھیجا۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی: آپ کے ذریعہ سلسلہ چشتیہ بہت پھیلا اور چشتیہ نظامیہ کہلایا۔ آپ کا تفصیلی تعارف بعد میں آئے گا۔

شیخ علاؤ الدین علی احمد صابر: اس بزرگ سے سلسلہ "چشتیہ صابریہ" جاری ہوا۔ اس سلسلہ کے بزرگوں نے اس کو فروغ دینے میں بڑی جدوجہد کی۔ حضرت شیخ علاؤ الدین احمد صابر حضرت بابا فرید! کے بھانجے اور خلیفہ تھے۔ حضرت گنج شکر کے حکم سے "کلیر" میں آکر رہے۔ "کلیر" "سہارنپور" میں "رڑکی" کے قریب ایک قصبہ تھا۔ آپ نے ۱۳ ربیع الاول ۶۹۰ھ (۱۲۹۱) میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہوئے۔

خواجہ احمد سیوستانی (سیوھن): سیوھن (سندھ) کے رہنے والے تھے۔ حضرت خواجہ فریدؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے اور آپ کی خدمت کرتے رہے۔

"عصبار سیوستانیؒ اور "شیخ زکریا سندھی": یہ دونوں بزرگ سندھ کے رہنے والے تھے۔

شیخ نجیب الدین متوکل، سید امام علی لاحق (سیالکوٹ):

شیخ برہان الدین محمود ابو الخیرا اسعد البلخی (دہلی) ☆ سید محمد بن سید محمود کرمانی (دہلی) ☆ خواجہ علاؤ الدین بن شیخ بدر الدین (دیپالپور) ☆ مولانا محمد مولہانی ☆ مولانا علی بہاری ☆ شیخ محمد نیشاپوری ☆ شیخ حمید الدین مکانی ☆ شیخ شہاب الدین بلخی۔

حضرت بابا فرید کی اولاد: حضرت باباؒ کے پانچ فرزند اور تین لڑکیاں تھیں۔ آپ کے فرزندوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے:

شیخ نصر الدین نصر اللہ: آپ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ زراعت کے پیشہ سے وابستہ تھے۔ ان کو شیخ بایزید نامی فرزند ہوا، جو درویش صفت تھے، بایزید کے فرزند شیخ کمال الدین حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے خلیفہ تھے اور مالوہ میں سکونت پذیر تھے۔ مالوہ میں اس سلسلہ کی اشاعت ان کے ذریعہ سے ہوئی۔

مولانا شہاب الدین: عالم، فاضل اور اہل دل بزرگ تھے۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء اور ان میں بڑی محبت تھی۔ آپ کے چھ فرزند ہوئے۔ شیخ حسام الدین، شیخ عبدالحمید، شیخ

مسعود، شیخ علی شیر، شیخ محمد اور شیخ جمشید۔

شیخ بدر الدین سلیمان: حضرت بابا فرید کے تیسرے فرزند تھے۔ باپ کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے ان کے بعد ان کے فرزند شیخ علاؤ الدین سجادہ نشین ہوئے۔ سلطان محمد تغلق ان کے معتقد تھے۔ آپ کو دو فرزند ہوئے: شیخ معز الدین اور شیخ علم الدین۔ شیخ معز الدین کو محمد تغلق نے گجرات بھیجا۔ انہوں نے وہیں وفات پائی۔ شیخ علم الدین کو محمد تغلق نے شیخ الاسلام مقرر کیا۔

حضرت خواجہ نظام الدین: حضرت بابا فرید انہیں کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ بلبن کی فوج میں ملازم تھے۔ ان کو ایک فرزند ہوا: خواجہ ابراہیم جن کے فرزند خواجہ عزیز الدین، حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید اور خلیفہ تھے۔

شیخ یعقوب: بابا فریدؒ کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ امروہہ میں جاکر متوطن ہو گئے تھے۔ وہیں وفات پائی اور مدفون ہوئے۔

عزیز صوفی: حضرت بابا فریدؒ کی بیٹی بی بی مستورہ کے فرزند تھے اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے۔ اپنے شیخ کے مناقب میں "تحفہ الابرار فی کرامتہ الاخیار" نامی کتاب لکھی۔

خواجہ محمد اور "خواجہ موسیٰ": حضرت بابا فریدؒ کی بیٹی بی بی فاطمہ کے فرزند تھے اور حضرت خواجہ نظام الدین کے مرید تھے۔

عزیز الدین اور خواجہ قاضی: حضرت بابا فریدؒ کے پوتے اور حضرت شیخ یعقوب کے فرزند تھے۔ دیوگیر اور تلنگانہ کے بہت سے لوگ ان کے مرید تھے۔ عزیز الدین نے "دیوگیر" میں شہادت پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

فصل پنجم

حضرت نظام الدین اولیاء دہلوی

برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ چشتیہ کی بنیاد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نے رکھی۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے اس کو وسعت دی اور پنجاب تک پھیلایا۔ اس کے ساتھ اس کو منظم کیا اور ایک تحریک' کی صورت دے دی۔ ان کے خلیفہ اعظم حضرت نظام الدین اولیاء نے اسے اور زیادہ پھلایا اور معراج کمال تک پہنچا۔ نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک ان کی خانقاہ ارشاد و تلقین کا مرکز رہی اور رشدو ہدایت سرچشمہ بنی رہی۔ مختلف ممالک' علاقوں اور شہروں سے لوگ روحانیت کے اس چشمہ سے فیض یاب ہونے کے لیے جمع ہوتے تھے اور عشق الٰہی کا سوزوگداز لے کر اخلاقی اور روحانی تربیت سے سنور کر اور خدمت خلق اور تبلیغ اسلام کا جذبہ لے کر واپس جاتے تھے۔

حضرت خواجہ صاحب نے بیعت عام کا دروازہ کھول رکھا تھا' وہ گنہگاروں کو خرقہ پہناتے تھے اور ان سے توبہ کراتے تھے۔ سب مرید خود کو حضرت خواجہ صاب کا مرید اور خادم سمجھتے تھے' اس لئے ناکردنی باتوں سے پرہیز کرتے تھے۔ آپ کی وجہ سے سلسلہ چشتیہ خوب پھیلا اور ملک کے ہر حصہ پر پہنچ گیا۔

آپ نے عام لوگوں سے محبت کی اور محبت کرنا سکھائی' لیکن حکمرانوں سے تعلق نہیں رکھا اور نہ ان کے نذر و نیاز قبول کئے۔

سوانح: آپ کا نام محمد تھا اور محبوب الٰہی' سلطان المشائخ' سلطان الاولیا' سلطان السلاطین اور نظام الدین اولیاء آپ کے القاب تھے۔ آپ کے والد بزرگوار احمد بن دانیال' بخارا سے لاہور آئے اور پھر وہ اس سے "بدایوں" آکر سکونت پذیر ہوگئے' بدایوں میں حضرت خواجہ صاحب کی ولادت ہوئی۔ پانچ سال کی عمر کے تھے کہ آپ کے والد کی وفات ہوئی۔

آپ کی والدہ نے آپ کی تربیت اور پرورش کی۔ ابتدائی تعلیم بدایوں میں حاصل کی۔ مزید تعلیم کے لیے اپنی والدہ کے ساتھ وہاں آئے۔ مولانا شمس الدین دامغانی سے تعلیم حاصل کی۔ اس کے علاوہ مولانا کمال الدین زاہد سے بھی تعلیم حاصل کی۔

حضرت خواجہ نظام الدین دہلی میں ہلال طشت دار کی مسجد کے نیچے ایک ہجرہ میں رہتے تھے۔ اس کے قریب حضرت خواجہ فرید الدین کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کا مکان تھا' جو عالم اور فاضل تھے۔ ان کی صحبت میں بابا فرید گنج شکر کی باتیں سن کر ملاقات کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ اجودھیا پہنچے اور بیعت ہوئے۔ اپنے پیر کی صحبت میں ۱۵ رجب ۶۵۵ھ (۱۲۵۷ء) سے ۳ - ربیع الاول ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء) تک سلوک کی تربیت حاصل کرتے رہے۔ دہلی واپس آنے کے بعد بھی اجودھن جاتے رہے اور اپنے پیر سے فیوض و برکات حاصل کرتے رہے۔

اجودھن سے دہلی آئے' تو دہلی میں آپ کو سکون نہیں ملا۔ اس لئے دہلی سے متصل "غیاث پور" میں آکر مقیم ہوئے۔ یہ زمانہ بڑی عسرت اور تنگی میں بسر ہوا' فقر اور فاقہ کے باوجود استغناء کا یہ عالم تھا کہ سلطان جلال الدین خلجی نے کچھ گاؤں پیش کرنے چاہے' تو آپ نے انکار کیا۔

بعد میں فتوح کا دروازہ کھل گیا اور عسرت اور تنگی جاتی رہی۔ ہزاروں آدمی آپ کے لنگر سے کھانے لگے' لیکن اس کے باوجود آپ کا یہ حال تھا کہ مسلسل روزے رکھتے تھے اور سحری کے وقت بھی اس لئے کھانا نہیں کھاتے تھے کہ شہر میں کچھ لوگ بھوکے سو رہے ہونگے۔ آپ ایک درد مند دل رکھتے تھے اور لوگوں سے بڑی محبت سے پیش آتے تھے۔ لوگ آکر اپنے دکھ درد سناتے تھے۔ آپ ہر ایک کا درد و غم سنتے' ان کی دلجوئی کرتے اور پھر بارگاہ الٰہی میں ان کے لئے دست بدعا ہوتے۔ آپ کی خانقاہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا' امیرو غریب' شہری اور دیہاتی' عالم اور جاہل' بوڑھے اور بچے سب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے اور دینی اور دنیوی فیض سے بہرہ ور ہو کر جاتے تھے غرضیکہ بے شمار لوگوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ دہلی میں آپ کی خانقاہ رشدوہدایت' ارشاد و تلقین کا مرکز اور سرچشمہ بنی رہی۔ جو آتا گناہوں سے تائب ہو کر عشق الٰہی کی تپش اور خدمت خلق کا جذبہ لے کر واپس جاتا۔

حضرت محبوب الٰہی کے ذریعہ چشتیہ سلسلہ کا فیض برصغیر پاک و ہند کے ہر حصہ میں پہنچ گیا۔ آپ کے خلفاء آپ کی خانقاہ سے وقتاً" فوقتاً" روانہ ہو کر مختلف علاقوں میں پہنچ جاتے تھے اور وہاں رشدو ہدایت کا سلسلہ جاری کرتے تھے۔ صاحب "گلزار ابرار" نے لکھا ہے کہ ایک روایت کے مطابق آپ نے بڑے بڑے شہروں میں بڑے مرتبہ کے سات سو خلفاء روانہ کئے' جنہوں نے اپنے عرفان سے اس سرزمین کو سیراب کیا۔ اس طرح ہر مکان اور ہر قطع تک اپنا فیض پہنچا کر ۱۸۔ ربیع الاول ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) میں اس جہان فانی سے رخصت ہوئے۔ آپ کا مزار آج بھی دہلی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے' آپ کا مقبرہ محمد بن تغلق نے بنوایا تھا۔

تعلیمات : آپ کے ملفوظات کے یہ مجموعے ملتے ہیں:

(۱) **فوائد الفواد :** مشہور اور مستند ترین ملفوظات کا مجموعہ ہے' جو خواجہ حسن دہلوی نے سنہ ۷۰۷ھ (۱۳۰۷ء) میں مرتب کیا۔

(۲) **افضل الفوائد :** یہ ملفوظات کا مجموعہ آپ کے مرید امیر خسرو (المتوفی ۱۳۲۴ء) نے سنہ ۷۱۳ھ (۱۳۱۳ء) میں قلمبند کیا۔

(۳) **راحت المحبین :** خواجہ حسن دہلوی نے قلمبند کیا

(۴) **تحفتہ الابرار و کرامت الاخیار :** یہ مجموعہ ملفوظات شیخ عزیز دہلوی نے مرتب کیا۔

(۵) **ملفوظات :** حضرت خواجہ محبوب الٰہی کے ملفوظات کا یہ مجموعہ شیخ شمس دھاری نے مرتب کیا۔

(۶) **مجموع الفوائد :** یہ مجموعہ شیخ عبدالعزیز بن ابوبکر دہلوی نے مرتب کیا۔

(۷) **انوار المجالس :** یہ مجموعہ سید محمد اسحاق بن علی حسینی دہلوی نے مرتب کیا۔ آپ کے ملفوظات میں سے چند باتیں پیش کی جاتی ہیں' جن سے آپ کے تعلیمات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

راہ سلوک : آپ نے راہ سلوک کے رہروں کی تین قسمیں بتائی ہیں (۱) سالک (۲) واقف (۳) راجع۔ اس راہ پر جو مسلسل چلے وہ سالک ہے' جس کو اطاعت و عبادت میں وقفہ حاصل ہو' وہ واقف ہے اور وہ جو وقفہ میں پھر راہ سلوک کی طرف رجوع نہ کریں' وہ راجع ہیں۔

اس راہ میں مندرجہ ذیل لغزشیں ہو سکتی ہیں: (۱) اعراض (۲) تفاصل (۳) سلب مزید (۴) تسلی (۵) عداوت۔ جب کسی عاشق سے کوئی فعل یا حرکت ایسی سرزد ہو جائے' جو محبوب کو پسند نہ ہو' تو محبوب منہ پھیر لیتا ہے۔ اس کو اعراض کہتے ہیں۔ اس حالت میں عاشق کو چاہیے کہ وہ استغفار اور معذرت کرے۔ جب اس کی معذرت قبول نہیں ہوتی' تو دونوں کے درمیان حجاب پیدا ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں عاشق کو چاہیے خشوع و خضوع کے ساتھ توبہ کرے۔ اگر توبہ قبول نہ ہو تو تفاصل یعنی جدائی ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد بھی اگر استغفار قبول نہ ہو تو عاشق سے طاعت و عبادت کا ذوق سلب کر لیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ اپنی گذشتہ عبادت کا ثواب بھی کھو بیٹھتا ہے اور محبوب عاشق کے دل میں جدائی کی عام صورتیں' پیدا کر دیتا ہے' جس کو "تسلی" کہتے ہیں۔ اس سے عاشق ہمال کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور اس کی محبت عداوت میں بدل جاتی ہے۔ سالک کو خطرہ کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی پناہ کی طلب کرنا چاہئے۔ اس کا نام عزیمت ہے۔ پھر اس عزیمت کو عمل میں منتقل کر دینا چاہیے فرماتے ہیں کہ درویش اہل عشق ہوتے ہیں اور علماء اہل عقل جب تک اللہ تعالیٰ کی محبت قلب کے غلاف میں ہوتی ہے' گناہ کا صادر ہونا ممکن ہے۔ لیکن جب محبت قلب کے گرد و نواح میں آجاتی ہے' تو پھر گناہ صادر نہیں ہوتا۔

صبر' رضا اور توکل راہ سلوک میں لازمی چیزیں ہیں۔ مصیبت کے وقت شکایت نہ کرنا صبر ہے' تکلیف اور مشکلات میں کراہت کا اظہار نہ ہونے دینا رضا ہے۔ توکل کی تین قسمیں ہیں: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے حال کا دانا و بینا سمجھ کر اس سے سوال کرے۔ دوسرا توکل کا قسم بچوں کا ہے کہ وہ ماں سے دودھ نہیں مانگتے' لیکن پھر بھی ان کو دودھ مل جاتا ہے۔ توکل کا تیسرا قسم مردوں کا ہے وہ اپنے غسال کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں۔ جس طرح غسال چاہتا ہے' مردے کو غسل دیتا ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے نزدیک سب سے اعلیٰ توکل یہی ہے۔

سماع : اس سلسلہ چشتیہ میں سماع جائز ہے۔ اس سلسلہ کے خواجگاں کو سماع سے دلچسپی رہی ہے۔ حضرت محبوب الٰہی کو بھی سماع سے گہرا لگاؤ تھا۔ "فوائد الفواد" میں کثرت سے سماع کا ذکر آیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ سماع آواز کی ایک موزوں صورت ہے' اس لئے حرام نہیں ہے۔ اسی سے تحریک قلب ہوتی ہے۔ اگر یہ تحریک یاد حق کے لئے ہے تو

کو نقصان پہنچاتے ہیں' پھر بھی وہ تحمل اور حلم سے کام لیتا ہے' یہ کام صدیقوں کا ہے۔

حضرت خواجہ صاحب بادشاہوں کی صحبت سے ہمیشہ دور رہے اور ان سے کسی حال میں بھی ملنا پسند نہیں کیا۔ سلطان جلال الدین خلجی کو حضرت خواجہ صاحب سے ملنے کی بڑی تمنا تھی۔ لیکن اس کی تمنا پوری نہیں ہوئی۔ ایک مرتبہ سلطان علاؤ الدین خلجی نے فتح کی خوشی میں پانچ سو اشرفیاں خانقاہ کے لئے بھیجی۔ یہ دیکھ کر ایک خراسانی قلندر نے کہا کہ یہ ہدیہ مشترک ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اگر تنہا لیا جائے تو اور بھی بہتر ہے۔ یہ کہہ کر تمام اشرفیاں اس قلندر کے حوالے کیں۔

ایک مرتبہ سلطان علاؤ الدین خلجی نے آپ کے امتحاں کے غرض سے آپ کی خدمت میں امور سلطنت کی اصلاح کے لئے چند فصلیں لکھ کر بھیجیں' لیکن آپ نے اس کاغذ کو پڑھا ہی نہیں اور حاضرین مجلس سے کہا کہ ہم فاتحہ پڑھتے ہیں' پھر فرمایا کہ فقیروں کو بادشاہ کے کام سے کیا مطلب۔ کہا کہ میں ایک فقیر ہوں اور شہر کے ایک گوشہ میں رہتا ہوں اور بادشاہوں اور مسلمانوں کی دعاگوئی میں مشغول رہتا ہوں۔ سلطان نے ایک بار پھر ملاقات کی تمنا ظاہر کی۔ آپ نے کہلا بھیجا کہ اس ضعیف کے گھر میں دو دروازے ہیں۔ اگر بادشاہ ایک دروازے سے آئیگا۔ تو میں دوسرے دروازے سے نکل جاؤں گا۔

بہر حال آپ کی شخصیت اور روحانی تحریک کے اثر سے ملک میں روحانی اور اخلاقی انقلاب پیدا ہوا اور معاشرہ میں غیر معمولی تبدیلیاں پیدا ہوئیں لوگ اخلاقی اقدار کے پابند ہو گئے اور احکام شریعت اور طریقت کی پیروی کرنے لگے۔ لوگوں میں ارتکاب گناہ کم ہو گیا۔

سلطان علاؤ الدین خلجی کی وفات کے بعد قطب الدین مبارک شاہ تخت نشین ہوا۔ وہ بدگمانی کی وجہ سے آپ کا دشمن ہو گیا۔ اس نے آپ کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا' لیکن آپ نے کہلا بھیجا کہ بزرگوں کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ دربار میں جائیں اور بادشاہوں کے مصاحب بنیں۔ بادشاہ نے یہ عذر قبول نہ کیا اور حکم دیا کہ دربار میں دوبار ہفتہ میں ضرور آیا کریں' لیکن آپ کسی بھی حالت میں جانے کے لئے تیار نہ تھے۔ چنانچہ جس روز حضرت خواجہ صاحب کو سلطان کی دربار میں آنا تھا۔ اسی روز خسرو خاں کے ہاتھوں قتل ہوا۔

مستحب ہے' اگر فساد کے طرف مائل ہو تو حرام ہے۔ سماع سے تین سعادتیں حاصل ہوتی ہیں:

(۱) انوار (۲) احوال (۳) آثار

تین عالم سے یہ سعادتیں نازل ہوتی ہیں۔

(۱) ملک (۲) جبروت (۳) ملکوت

تین چیزوں پر نازل ہوتی ہیں۔

(۱) ارواح (۲) قلوب (۳) جوارح

انوار عالم ملکوت سے ارواح پر' احوال' عالم جبروت سے قلوب پر اور آثار عالم ملکوت سے جوارح پر نازل ہوتے ہیں۔ پہلے انوار' پھر احوال اور آخر میں آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ آثار کے نزول سے جسم میں حرکت پیدا ہوتی ہے' سماع کے لئے یہ شرطیں لازمی ہیں: (۱) سنانے والا مرد ہو' لڑکا یا عورت نہ ہو (۲) جو شعر سنا جائے' وہ ہزلیات اور فواحش سے پاک ہو (۳) سننے والا صرف خدا کے لئے سنے (۴) آلات سماع۔ مثلاً چنگ' رباب اور دوسرے مزامیر نہ ہوں۔ محفل سماع میں عورتیں نہ ہوں۔

سیرت و کردار: حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء فقرو فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ کو خدا کی مخلوق سے محبت تھی' کسی سے عناد رکھنا طریقت کے خلاف سمجھتے تھے۔ غیاث پور کے رہنے والا چھجو نامی ایک شخص آپ کا دشمن ہو گیا اور آپ کو تکالیف دینے میں کمربستہ رہتا تھا۔ لیکن جب حضرت خواجہ صاحب کو اس کی وفات کی خبر ہوئی' تو اس کے جنازہ میں شریک ہوئے اور توصیف کے بعد اس کی قبر پر دوگانہ نماز ادا کر کے اس کی مغفرت کے لئے دعائیں کیں۔ اگر کسی پر ان کو غصہ آتا' تو نہ صرف غصہ پی جاتے' بلکہ اس کو معاف بھی کر دیتے اور فرماتے تھے کہ جو شخص غصہ پی جاتا ہے اور معاف نہیں کرتا' تو ممکن ہے اس کے دل میں کینہ پیدا ہو جائے۔ آپ نے نہ کسی کو برا کہا اور نہ کسی کا برا چاہا۔ آپ نے فرمایا ہے کہ کسی کو برا کہنا برا ہے' لیکن برا چاہنا اس سے بھی برا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جس شخص سے نہ فائدہ پہنچے اور نہ نقصان' تو ایسا شخص جماد کہلاتا ہے' لیکن ایسے شخص سے وہ شخص بہتر ہے' جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے' نقصان نہیں پہنچتا۔ لیکن ان دونوں سے وہ شخص بہتر ہے' جس سے دوسروں کو ہمیشہ فائدہ پہنچتا ہے۔ لوگ اس

کو نقصان پہنچاتے ہیں، پھر بھی وہ تحمل اور حلم سے کام لیتا ہے، یہ کام صدیقوں کا ہے۔

حضرت خواجہ صاحب بادشاہوں کی صحبت سے ہمیشہ دور رہے اور ان سے کسی حال میں بھی ملنا پسند نہیں کیا۔ سلطان جلال الدین خلجی کو حضرت خواجہ صاحب سے ملنے کی بڑی تمنا تھی۔ لیکن اس کی تمنا پوری نہیں ہوئی۔ ایک مرتبہ سلطان علاؤ الدین خلجی نے فتح کی خوشی میں پانچ سو اشرفیاں خانقاہ کے لئے بھیجی۔ یہ دیکھ کر ایک خراسانی قلندر نے کہا کہ یہ ہدیہ مشترک ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اگر تنہا لیا جائے تو اور بھی بہتر ہے۔ یہ کہہ کر تمام اشرفیاں اس قلندر کے حوالے کیں۔

ایک مرتبہ سلطان علاؤ الدین خلجی نے آپ کے امتحاں کے غرض سے آپ کی خدمت میں امور سلطنت کی اصلاح کے لئے چند فصلیں لکھ کر بھیجیں، لیکن آپ نے اس کاغذ کو پڑھا ہی نہیں اور حاضرین مجلس سے کہا کہ ہم فاتحہ پڑھتے ہیں، پھر فرمایا کہ فقیروں کو بادشاہ کے کام سے کیا مطلب۔ کہا کہ میں ایک فقیر ہوں اور شہر کے ایک گوشہ میں رہتا ہوں اور بادشاہوں اور مسلمانوں کی دعاگوئی میں مشغول رہتا ہوں۔ سلطان نے ایک بار پھر ملاقات کی تمنا ظاہر کی۔ آپ نے کہلا بھیجا کہ اس ضعیف کے گھر میں دو دروازے ہیں۔ اگر بادشاہ ایک دروازے سے آیگا۔ تو میں دوسرے دروازے سے نکل جاؤں گا۔

بہر حال آپ کی شخصیت اور روحانی تحریک کے اثر سے ملک میں روحانی اور اخلاقی انقلاب پیدا ہوا اور معاشرہ میں غیر معمولی تبدیلیاں پیدا ہوئیں لوگ اخلاقی اقدار کے پابند ہو گئے اور احکام شریعت اور طریقت کی پیروی کرنے لگے۔ لوگوں میں ارتکاب گناہ کم ہو گیا۔

سلطان علاؤ الدین خلجی کی وفات کے بعد قطب الدین مبارک شاہ تخت نشین ہوا۔ وہ بدگمانی کی وجہ سے آپ کا دشمن ہوگیا۔ اس نے آپ کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا، لیکن آپ نے کہلا بھیجا کہ بزرگوں کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ دربار میں جائیں اور بادشاہوں کے مصاحب بنیں۔ بادشاہ نے یہ عذر قبول نہ کیا اور حکم دیا کہ دربار میں دوبار ہفتہ میں ضرور آیا کریں، لیکن آپ کسی بھی حالت میں جانے کے لئے تیار نہ تھے۔ چنانچہ جس روز حضرت خواجہ صاحب کو سلطان کی دربار میں آنا تھا۔ اسی روز خسرو خاں کے ہاتھوں قتل ہوا۔

خسرو خان تخت نشین ہوا تو اس نے اپنی کارگذاریوں پر پردہ ڈالنے کے لئے، لوگوں میں روپے تقسیم کئے۔ بزرگوں کو بھی رقم بھیجی۔ حضرت خواجہ صاحب کو بھی پانچ لاکھ ٹنکے بھیجے گئے، جو آپ نے اسی وقت فقراء میں تقسیم کر دئے۔ چار ماہ کے بعد غیاث الدین تغلق، خسرو خان کو ختم کر کے تخت پر بیٹھا۔ تخت نشین ہونے کے بعد غیاث الدین نے ان لوگوں سے وہ رقم واپس مانگی، جن کو خسرو خان نے دی تھی۔ اس پر دوسرے بزرگوں نے ملی ہوئی رقم واپس کر دی لیکن حضرت خواجہ صاحب نے اس پر کوئی توجہ نہ کی۔

سلطان غیاث الدین تغلق دیندار تھا۔ اس نے احکام شریعت کے نفاذ کے لئے قاضی، مفتی، داد بیگ اور محتسب مقرر کئے۔ سلطان کی اس دینداری اور شریعت کی پابندی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، علمائے ظاہر نے اس سے سماع کی ممانعت میں ایک حکم جاری کروایا۔ اس حکم کے باوجود حضرت محبوب الٰہی کی خانقاہ میں محفل سماع منعقد ہوتی رہی۔ علماء نے سلطان کو شکایتیں کیں۔ آخر سماع کے متعلق محفل مباحثہ منعقد ہوئی۔ دونوں طرف سے سماع کی اباحت اور حرمت کے لئے دلائل پیش کئے گئے۔ حضرت خواجہ صاحب بھی مجلس میں شریک ہوئے اور سماع کو مباح ہونے کے لئے حدیثیں پیش کیں۔ آخر حضرت غوث بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کے نواسے مولانا علم الدین نے جو اپنے زمانہ کے جید عالم تھے اور سلطان بھی اس کے معتقد تھے، حضرت خواجہ صاحب کے نقطہ نظر کی تائید کی اور سماع کی اباحت میں فیصلہ دیا۔ اس کے بعد سلطان نے حضرت خواجہ صاحب کو عزت و احترام کے ساتھ واپس کیا۔ اس کے بعد بھی کچھ لوگ خصوصاً" علماء ظاہر آپ کے مخالف رہے اور سلطان غیاث الدین کے کان بھرتے رہے۔ سنہ ۷۲۵ھ میں جب سلطان غیاث الدین بنگال کی مہم سے دہلی واپس آرہے تھے، تو اس نے حضرت خواجہ صاحب کو کہلا بھیجا کہ ہمارے دہلی آنے سے پیشتر تم غیاث پور سے چلے جاؤ، کیونکہ تمہاری وجہ سے وہاں لوگوں کی بھیڑ رہتی ہے اور بادشاہ کے متوسلین کو رہنے کے لئے جگہ نہیں ملتی یہ الفاظ سن کر آپ کے زبان سے صرف یہ جملہ نکلا۔

ہنوز دلی دور است (ابھی دہلی دور ہے)

چنانچہ جب سلطان دہلی سے تین کوس کے فاصلہ پر پہنچے تو "افغان پور" میں نئی تعمیر شدہ عمارت میں مقیم ہوئے۔ رات کو اچانک یہ عمارت گر گئی اور سلطان اس کے نیچے دب

کر فوت ہو گیا۔

بہر حال حضرت خواجہ صاحب اپنے اصولوں پر ہمیشہ کاربند رہے اور کسی بھی وقت اصولوں پر سمجھوتہ نہ کیا اور نہ مصلحت سے کام لیا۔ بڑی جرات سے ہر حملہ کا مقابلہ کیا اور ہر حال میں کامیاب رہے۔ سچ ہے، کہ جن کے دل میں خدا کا خوف ہوتا ہے' وہ کسی سے نہیں ڈرتے' آپ کے پختہ عزم اور روحانی طاقت نے لوگوں میں بھی جرات اور ہمت' عزت نفس' خودداری' انسان دوستی اور خدا خوفی پیدا کر دی۔

خلفاء

آپ کے مریدوں' معتقدوں اور خلفاء کی بہت بڑی تعداد ہے' جنہوں نے ملک کے گوشہ گوشہ میں جاکر لوگوں کو روحانی اور علمی فیض سے مستفیض کیا۔ آپ کے خلفاء میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

(۱) حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی (دہلی) (۲) حضرت امیر خسرو (دہلی) (۳) شیخ قطب الدین منور (ہانسی) (۴) شیخ حسام الدین ملتانی (۵) شیخ برہان الدین غریب (دیوگری) (۶) شیخ حسام الدین سوختہ (سانبھر) (۷) شیخ اخی سراج الدین (مالوہ) (۸) شیخ شمس الدین دہاری (ظفر آباد) (۹) شیخ شرف الدین بو علی شاہ قلندر (پانی پت) (۱۰) شیخ منتخب الدین (خلد آباد) (۱۱) مولانا فخر الدین زرادی (دیوگیر) (۱۲) مولانا علاؤ الدین نیلی (اودھ) (۱۳) مولانا وجیہہ الدین یوسف (چندیری) (۱۴) مولانا شہاب الدین امام دہلی (۱۵) قاضی محی الدین کاشانی (۱۶) خواجہ محمد امام (۱۷) امیر حسن سنجری (۱۸) مولانا علی شاہ جاندار (۱۹) مولانا وجیہہ الدین پائلی (۲۰) خواجہ ضیاء الدین برنی۔ مصنف: تاریخ فیروز شاہی (۲۱) مولانا ظہیر الدین بکھری۔

آپ کے خلفا میں سے بعض بزرگوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ خاص طور پر ان بزرگوں کا ذکر مطلوب ہے' جن کا تعلق کسی نہ کسی مدت میں پاکستان کے علاقوں سے رہا ہے۔

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی:

آپ کا نام محمود تھا اور "شیخ" اور "چراغ دہلی" آپ کے القاب تھے۔ آپ کے دادا شیخ عبداللطیف خراسان سے لاہور آئے۔ آپ کے والد بزرگوار شیخ محمود یحییٰ لاہور میں تولد

ہوئے۔ بعد میں آپ کا خاندان نقل مکانی کر کے اودھ میں منتقل ہو گیا۔ جہاں وہ پشمینہ کی تجارت کرتے تھے اور بڑی خوشحال زندگی گزارتے تھے۔ حضرت شیخ نصیر الدین کی ولادت اسی خطہ میں ہوئی' دینی علوم کی تحصیل کے بعد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف بیعت حاصل کیا۔ اس کے بعد اپنے وطن جاکر عبادت اور ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ ساتھ ہی ساتھ رشد و ہدایت کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ مرشد سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے وقتاً" فوقتاً" وطن سے دہلی آتے رہے تھے۔ والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد وطن چھوڑ کر مستقل طور پر دہلی میں آئے اور مرشد کے حکم سے مرشد کے خاص حجرہ میں سکونت اختیار فرمائی۔ مرشد کی صحبت میں آپ نے سلوک کی تمام منازل طے کئے۔

حضرت محبوب الٰہی نے آپ کو دہلی میں اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ حضرت محبوب الٰہی کو خواجگان سے جو خرقہ' عصاء کاسہ اور نعلین ملے تھے' وہ آپ کو عطا کیں۔ اس کے بعد حضرت چراغ دہلی نے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ مذہبی اور روحانی استفادہ کے لئے مختلف مقامات سے لوگ آتے رہتے تھے اور مستفیض ہو کر جاتے تھے۔ آپ اپنی مجلسوں میں زیادہ تر قرآن حکیم اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں گفتگو کرتے تھے۔ ایک موقعہ پر فرمایا کہ لوگوں نے قرآن حکیم اور حدیث شریف کو چھوڑ دیا ہے' اس لئے پریشان ہیں۔

اس زمانہ سلطان محمد بن تغلق بادشاہ تھے۔ وہ ایک جابر اور مطلق العنان بادشاہ تھے۔ اس کی مرضی تھی کہ علماء کرام اور صوفیائے حضرات اس کے حکم کی پیروی کریں۔ اس نے حضرت چراغ دہلی کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کی' کیونکہ آپ اس کی مرضی کے مطابق عمل کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ ایک مرتبہ سلطان نے آپ کو بلایا اور کھانے کے لئے کہا۔ آپ نے بکراہت کھانا شروع کیا۔ اس کے بعد سلطان نے نصیحت کے لئے کہا حضرت شیخ نے فرمایا کہ یہ درندوں کا سا غصہ' جو تمہاری عادت اور طبیعت میں داخل ہے اس کو چھوڑ دو۔

سلطان محمد تغلق حضرت چراغ دہلی کو ایذائیں دیتا اور اپنے ساتھ سفر میں لے جاتا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سلطان نے آپ کو جامہ دار مقرر کیا تھا۔ وہ ان تمام باتوں کو اپنے پیر

کے وصیت کے مطابق برداشت کرتا' کیونکہ حضرت محبوب الٰہی نے وفات کے وقت آپ کو اپنا جانشین بنا کر تلقین کی تھی کہ دہلی کے لوگوں کی جفاؤں کو صبرو سکون سے تحمل کرتے رہنا۔

سلطان محمد تغلق جب ٹھٹہ پر حملہ آور ہوا' تو وہاں سے حضرت چراغ دہلی اور دوسرے علماء کے ساتھ اپنے یہاں سندھ میں بلایا اور ان کا احترام بجا نہ لایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ ان ہی دنوں فوت ہوگیا اور اس کو تخت سلطنت سے تخت تابوت پر ڈالکر شہر میں لایا گیا۔ یعنی سلطان نے ٹھٹہ سے چودہ میل کے فاصلہ پر دریائے سندھ کے کنارے ۲۱۔ محرم ۷۵۱ھ (۱۳۵۰ء) یا ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ء) کو وفات کی۔ اس کے نعش کو سیوھن میں امانت کے طور پر دفن کیا گیا۔ بعد میں دہلی میں لایا گیا۔

سلطان محمد تغلق کے بعد سلطان فیروز شاہ بادشاہ ہوا۔ حضرت شیخ نصیر الدینؒ نے سلطان فیروز کو پیغام دیا کہ آپ وعدہ کریں کہ آپ مخلوق خدا کے ساتھ عدل و انصاف کرینگے' ورنہ ان بے کس بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے دوسرا فرمانبردار طلب کیا جائے' سلطان فیروز نے کہلا بھیجا کہ میں اللہ تعالیٰ کے بندوں سے حلم و بردباری کے ساتھ پیش آؤنگا اور ان پر انصاف اور ہمت سے حکومت کرونگا۔ حضرت شیخ نے یہ سن کر آپ کے لئے دعا کی۔

حضرت چراغ دہلی سلطان فیروز تغلق کے ساتھ ٹھٹہ سے واپس ہوئے' تو ہانسی میں حضرت قطب الدین منور سے ملاقات کی۔ دہلی واپس آکر بندگان خدا کی روحانی اور اخلاقی تربیت میں مشغول ہو گئے۔ آخر ۱۸۔ رمضان ۷۵۷ھ (۱۳۵۶ء) کو اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔

تعلیمات: آپ کے ملفوظات کے دو مجموعے ملتے ہیں:

(۱) **خیر المجالس:** یہ مجموعہ حمید قلندر نے مرتب کیا۔ اس میں سنہ ۷۵۵ھ (۱۳۵۴ء) سے ۷۵۶ھ (۱۳۵۵ء) تک کی سو مجلسوں کے ملفوظات ہیں۔ یہ مجموعہ زیادہ مشہور اور مقبول ہوا۔ سلوک کی تعلیمات کو دلچسپ حکایتوں کے پیراء میں بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے کتاب بہت دلچسپ ہے۔

(۲) **مفتاح العاشقین:** اس کو محب اللہ نے مرتب کیا۔ اس میں دس مجالس کی روداد

ہے۔ لیکن تاریخ کہیں بھی درج نہیں ہے۔

(۳) **مونس الارواح:** ملفوظات کا یہ مجموعہ شہزادی جہاں آرا نے مرتب کیا۔ اپنے بزرگوں کی طرح حضرت چراغ دہلی کو بھی سماع سے دلچسپی تھی' لیکن سماع کے ساتھ مزامیر پسند نہیں کرتے تھے۔ سماع کے لئے آپ نے فرمایا "درد مندوں کے لئے دوا ہے" جب بھی سماع کی وجہ سے وجد کی کیفیت طاری ہوتی' تو بھی نماز قضا نہیں کرتے۔

آپ نے نفس کی تربیت پر بڑا زور دیا ہے۔ فرمایا ہے کہ محافظت نفس کے لئے' مخالفت نفس ضروری ہے۔ ایک موقعہ پر اپنی تعلیمات کا لب و لباب اس شعر میں پیش کیا۔

صحت نفس و قوت یک روزہ۔ بہتراز تاج و تخت فیروزہ

(نفس کی صحت و درستی اور ایک دن کی غذا' شاہی تخت و تاج سے بہتر ہے)

آپ نے فرمایا ہے کہ مبتدی تلاوت کلام مجید' نماز اور فکر میں وقت صرف کرتا ہے۔ جب وہ اپنے اوقات کو عبادت و ریاضت سے معمور کرلیتا ہے' تو وہ صاحب وقت کہلاتا ہے۔ اس کے بعد ایک حال قائم ہوتا ہے' جس میں انوار نازل ہوتے ہیں۔ اس کا اثر دل پر پہنچتا ہے اور دل سے اعضا میں سرایت کرتا ہے۔ اگر اس حال میں دوام حاصل ہو جائے' تو یہ مقام ہے اور جب مقام کو دوام حاصل ہوتا ہے تو مبتدی منتہی کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے۔

خلفاء: آپ کے خلفاء کے مندرجہ ذیل نام ملتے ہیں:

حضرت میر سید محمد گیسو دراز: آپ کے خاندان کے مورث اعلیٰ ہرات سے دہلی آکر متوطن ہوئے۔ ۷۳۱ھ (۱۳۳۰ء) میں آپ کی ولادت ہوئی۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد حضرت چراغ دہلی کے مرید اور خلیفہ ہوئے۔ تیمور کے حملہ کے زمانہ میں سنہ (۱۳۹۸ء) میں دہلی کو چھوڑ کر گلبرگہ (دکن) میں متوطن ہوئے۔ آپ نے بے شمار لوگوں کو فیض پہنچایا اور کئی کتابیں لکھیں۔ آپ کے ملفوظات کا مجموعہ "جوامع الکلام" کے نام سے موجود ہے۔ ۱۶۔ ذوالقعد ۸۲۵ھ (۱۴۲۲ء) کو اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔

خواجہ کمال الدین: احمد آباد (گجرات) میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا اور مخلوق خدا کو روحانی تعلیمات سے نوازا۔ دہلی میں مدفون ہیں۔

☆ شیخ دانیال (سترکھ) ☆ شیخ صدر الدین (دہلی) ☆ خواجہ معین الدین خورد (مرگھا) ☆ شیخ

سراج الدین (پاک پٹن) ☆ شیخ یوسف حسینی ☆ شیخ عبدالمقتدر (خانقاہ خانپور) ☆ شیخ سعد اللہ کیسہ دار☆ مولانا خواجگی (کالپی) ☆ شیخ احمد تھانیسری (کالپی) شیخ محمد متوکل کنوتری (بہرائچ)☆ شیخ قوام الدین (لکھنؤ)

شیخ عیسیٰ بن یوسف کوریجہ": حضرت شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی جب محمد تغلق کے حملہ ٹھٹہ کے زمانہ میں محمد تغلق کے بلوانے پر ٹھٹہ آئے تو یہ بزرگ سنہ ۷۵۶ھ (۱۳۵۵ء) میں امارت ترک کر کے آپ کے مرید ہوئے۔ شیخ عیسیٰ کی اولاد میں سے سندھ میں بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں لیکن وہ سہروردی سلسلہ میں بیعت تھے۔ شیخ حسن کے فرزند نور محمد زکریا نے سندھ کو خیر آباد کہہ کر منگوٹ (تحصیل لودھران) میں آکر سکونت اختیار کی اور وہاں دینی مدرسہ قائم کیا۔ حضرت خواجہ غلام فرید ان کی اولاد میں سے تھے۔ ان کا ذکر بعد میں آئیگا۔

بابا احمد بکھری: عالم فاصل اور صوفی بزرگ تھے۔ (سکھر) سندھ کے رہنے والے تھے۔ دہلی آکر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مرید اور خلیفہ ہوئے۔ اس کے بعد احمد آباد آکر سکونت پذیر ہو گئے۔

شیخ حسام الدین: حضرت بابا فریدؒ کے پوتے اور مولانا شہاب الدین کے فرزند تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ زہدو تقویٰ کی وجہ سے یاران اعلیٰ میں ممتاز تھے۔ عالم، فاضل اور اہل دل بزرگ تھے۔ شریعت کے علوم کے سلسلہ میں ہدایہ اور بزودی اور طریقت کے کتابوں میں قوت القلوب اور احیاء العلوم آپ کے مطالعہ میں رہتی تھیں۔ حج اور زیارت روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مشرف ہوئے۔ دہلی میں رہتے تھے۔ جب سلطان محمد تغلق نے لوگوں کو نیا شہر بسانے کے لئے "دیدو گیر" بھیجنا شروع کیا تو مولانا حسام الدین بھی گجرات چلے گئے اور وہیں ۸۔ ذوالقعد سنہ ۷۳۶ھ (۱۳۳۶ء) کو رحمت حق سے واصل ہوئے اور گجرات کے قدیم شہر "پٹن" میں مدفون ہوئے۔

مولانا ظہیرالدین بکھری

بڑے عالم، فاضل اور اہل دل بزرگ ہو گذرے ہیں۔ نحو، فقہ اور لغت میں کوئی ان

کے ہم پلہ نہ تھا۔ بے شمار لوگوں نے آپ سے تعلیم حاصل کی۔ اصل بکھر (سندھ) کے رہنے والے تھے۔ بعد میں دہلی جاکر متوطن ہوئے اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ حضرت خواجہ نظام الدین کے خلیفہ مولانا شمس محمد بن یحیٰی اودھی (وفات ۷۴۷ھ = ۱۳۴۶-۴۷ء) نے آپ سے فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ حضرت محبوب الٰہی کے خلیفہ اور جانشین حضرت چراغ دہلی نے علامہ شمس الدین سے تعلیم حاصل کی۔ علامہ ظہیر الدین بکھری سلطان غیاث الدین بلبن کے دربار سے وابستہ تھے اور سلطان کا ان پر بڑا اعتماد تھا۔ طریقت میں علامہ موصوف پہلے حضرت رکن الدین ملتانی کے مرید تھے۔ بعد میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مرید ہوئے۔

چشتیہ سلسلہ کے دوسرے بزرگ

شیخ نظام الدین: صاحب تصانیف بزرگ تھے۔ آپ کے مندرجہ ذیل تصانیف کے نام ملتے ہیں:

حقیقت حقہ (در توحید)، رسالہ وحدت، رسالہ احسانیہ، دو شرح لمعات مکی و مدنی، رسالہ حقیقت، ریاض القدوس، تفسیر قرآن مجید، شرح سوانح احمد غزالی اور رسالہ بلخی۔"

شیخ نظام الدین تھانیسر کے رہنے والے تھے اور شیخ عبدالشکور کے فرزند تھے۔ آپ شیخ جلال الدین بن محمود عمری تھانسری کے خلیفہ تھے۔ سلسلہ طریقت اس طرح ہے: "شیخ نظام الدین مرید تھے، شیخ جلال الدین تھانیسری (وفات ۹۹۹ھ ۱۵۹۱ء) کے، وہ مرید شاہ عبدالقدوس گنگوہی (وفات ۹۴۴ھ ۔ ۱۵۳۷ء) کے، وہ مرید شیخ محمد بن شیخ عارف (وفات ۸۹۸=۱۴۹۳ء)، وہ مرید شیخ عارف کے، وہ مرید شیخ احمد عبدالحق رودلوی (ضلع بارہ بنکی۔ وفات ۸۳۷ھ= ۱۴۳۳ء) کے وہ مرید شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء (وفات ۷۶۵۔ ۱۳۶۳) کے، وہ مرید شیخ شمس الدین ترک پانی پتی (وفات ۷۱۵ = ۱۳۱۵) کے، وہ مرید خواجہ علاؤ الدین علی احمد صابر کلیری (وفات ۶۹۰ھ = ۱۲۹۱ء) کے، وہ مرید خواجہ فرید الدین کے"

حضرت شیخ نظام الدین علوم ظاہریہ وباطنیہ کے جامع تھے۔ مخالفت کی وجہ سے اکبر بادشاہ نے آپ کو دو مرتبہ ہندوستان سے باہر بھیج دیا۔ ایک مرتبہ حرمین شریفین گئے۔ واپس آنے کے بعد دوبارہ باہر بھیجا۔ اس مرتبہ ماوراء النہر کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ نے سنہ

۱۰۲۴ھ یا ۱۰۳۵ یا ۱۰۳۶ھ میں وفات کی اور بلخ میں مدفون ہوئے۔

آپ کے خلفا میں شیخ جان اللہ کے علاوہ ان بزرگوں کے نام ملتے ہیں: آپ کے صاحبزادے شیخ عبدالکریم اور سید علی غواص' جو بلخ میں آپ کے قائم مقام ہوئے اور حضرت شاہ ابو سعید (وفات ۱۰۴۰ھ = ۱۶۳۰ء) جنھوں نے گنگوہ میں نیابت فرمائی۔

شیخ جان اللہ چشتی صابری لاہوری: شیخ نظام الدین بلخی کے خلیفہ تھے۔ علوم ظاہری اور باطنی میں کامل استعداد رکھتے تھے۔ خلافت حاصل کرنے کے بعد تمام عمر ہدایت و ارشاد کے کام میں مصروف رہے۔ سنہ ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰) میں وفات کی اور لاہور میں مدفون ہوئے۔

شیخ حاجی عبدالکریم چشتی لاہوری: مخدوم الملک عبداللہ انصاری کے فرزند تھے' جو ایک امیر کبیر تھے۔ آپ نے ظاہری شان و شوکت ترک کر کے شیخ نظام الدین بلخی کے مرید ہوئے۔ جب شیخ نظام الدین حرمین شریفین گئے' تو یہ بزرگ بھی ان کے ساتھ تھے۔ وہاں سے واپس آکر لاہور میں قیام کیا اور تمام عمر رشد و ہدایت میں گذار دی۔ آپ کی تصانیف میں شرح فصوص الحکم' رسالہ مسئلہ اسرار عجیبہ' حدیث غوث اعظم اور مصابح العارفین (فارسی) کے نام ملتے ہیں۔ آپ ۲۷ رجب ۱۰۴۵ھ (۱۶۳۵) میں فوت ہوئے اور لاہور میں مدفون ہوئے۔

شیخ عبدالخالق لاہوری چشتی صابری: شیخ جان اللہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ سماع میں آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ حالت وجد میں جس پر نظر ڈالتے بے ہوش ہو جاتا۔ آپ کا لنگر غریبوں اور مسکینوں کے لئے عام تھا۔ ہزاروں لوگ آپ کے لنگر سے دو وقت کا کھانا کھاتے تھے۔ کئی لوگوں کو روحانی فیض سے مالا مال کیا۔ سنہ ۱۰۵۹ھ (۱۶۴۹ء) میں فوت ہوئے اور لاہور میں مدفون ہوئے۔

شیخ محمد عارف چشتی صابری لاہوری: شیخ عبدالخالق کے جانشین تھے۔ ۷ ذوالحج سنہ ۱۰۷۱ھ (۱۶۶۱ء) میں فوت ہوئے اور لاہور میں مدفون ہوئے۔

شیخ محمد صدیق چشتی صابری لاہوری: بڑے عالم' فاضل اور اہل دل بزرگ تھے۔ کئی لوگوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ ۱۰۸۴ھ (۱۶۷۳ء) میں وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔

شیخ محمد سلیم چشتی صابری لاہوری: شیخ محمد صدیق چشتی صابری لاہوری کے مرید او

خلیفہ تھے۔ آپ کی مجلس سماع سے کبھی خالی نہ ہوتی تھی۔ اس لئے علماء وقت آپ کے مخالف ہو گئے اور بادشاہ کو ان کے خلاف لکھا۔ بادشاہ نے وہ عرضی صوبہ دار لاہور کے پاس بھیج دی۔ جب صوبہ دار ان کی خدمت میں آیا۔ تو اتنا متاثر ہوا کہ مرید ہو گیا۔ اس کے بعد علماء بھی خاموش ہو گئے۔ سنہ ۱۱۱۱ھ (۱۶۹۹) میں فوت ہوئے۔ مزار لاہور میں ہے۔

شیخ عبدالرشید جالندھری: جالندھر کے سادات خاندان میں سے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام سید اشرف تھا۔ تعلیم کے حصول کے سلسلہ میں گھر سے نکلے۔ تعلیم حاصل کی اور شاہ ابو المعالی کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی جنھوں نے آپ کو میراں سید بھیکھ کے سپرد کیا کہ ان کی تربیت کریں۔ چند سال میراں سید بھیکھ کی خدمت میں رہ کر خرقہ خلافت حاصل کیا۔ میراں سید بھیک (وفات ۱۱۳۱ھ = ۱۷۱۹ء مدفن قصبہ گھڑام) کا سلسلہ طریقت اس طرح ہے:

میران سید بھیکھ مرید تھے شاہ ابوالمعالی (وفات ۱۱۱۶ھ=۱۷۰۴ء) کے' وہ مرید شیخ محمد داؤد بن شیخ محمد صادق گنگوہی (وفات رمضان سنہ ۱۰۷۳ھ=۱۶۶۳ء) کے' وہ مرید شیخ محمد صادق بن فتح اللہ گنگوہی (وفات ۱۹ محرم ۱۰۵۱ھ ۱۶۴۱) کے' وہ مرید شیخ ابو سعید چشتی صابری گنگوہی کے' وہ مرید تھے شیخ نظام الدین بلخی کے جو فرزند تھے شیخ نور الدین بن عبدالقدوس گنگوہی کے۔ سنہ ۱۰۳۹ھ (۱۶۲۹) میں فوت ہوئے اور گنگوہ میں مدفون ہوئے۔

شیخ عتیق اللہ جالندھری: جالندھر کے سادات خاندان میں سے تھے۔ شاہ ابو المعالی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ سنہ ۱۱۳۱ھ (۱۷۱۹) میں فوت ہوئے۔

شاہ بہلول برکی چشتی صابری: افغان تھے اور جالندھر کے رہنے والے تھے۔ عالم' فاضل' اور بزرگ تھے۔ سید عبدالرشید و سید کبیر و سید عتیق اللہ جالندھری سے تعلیم حاصل کی اور روحانی فیض شاہ بھیکھ سے پایا۔ ان کی وفات کے بعد لاہور آئے اور شاہ بلاقا لاہوری سے روحانی فیض حاصل کیا۔ بہت سی کتابیں لکھیں' مثلاً "فوائد الاسرار فی رفع الاستار عن عیون الاغیار (شرح دیوان حافظ) اور فارسی اشعار کا دیوان"

سنہ ۱۱۷۰ھ (۱۵۵۷ء) میں فوت ہوئے مزار جالندھر میں ہے۔

شیخ سید علیم اللہ بن سید عتیق چشتی جالندھری: پہلے شاہ ابولعالی سے بیعت تھے۔ بعد میں میراں سید بھیکھ سے روحانی تربیت کی تکمیل کی اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ ۲۲

جمادی الثانی ۱۱۰۹ھ (۱۶۹۷ء) میں ان کی ولادت ہوئی اور ۱۹ صفر سنہ ۱۲۰۲ھ (۱۷۸۷ء) میں فوت ہوئے۔ مزار جالندھر میں ہے۔ ان کی تصانیف میں مندرجہ ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں: "انہار الاسرار (شرح بوستان)" نزہتہ السالکین' شرح اخلاق ناصری' زبدۃ الروایات فقہ' تنزالجواہر فارسی ترجمہ نظم الدررالمرجان"۔ فارسی زبان کے شاعر بھی تھے۔ ان کے خلیفہ شیخ عبداللہ نے آپ کے متعلق "اسرار العلیم" نامی کتاب لکھی۔

سید علی شاہ چشتی صابری جالندھری: سید علیم اللہ جالندھری کے خلیفہ تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔ تمام عمر رشد و ہدایت میں گزاری ۱۲۱۳ھ (۱۷۹۸ء) میں فوت ہوئے اور جالندھر میں مدفون ہوئے۔

شیخ محمد سعید چشتی صابری شرقپوری: شرقپور (ضلع لاہور) کے رہنے والے تھے۔ خواجہ قوم کے تھے اور محنت مزدوری کر کے گزارہ کرتے تھے' پھر روحانی فیض حاصل کرنے کا شوق ہوا اور شاہ مراد ملتانی کے مرید ہوئے' جن کا شجرہ طریقت شیخ نظام الدین بلخی سے اس طرح ملتا ہے: "شیخ محمد سعید بن محمد باقر مرید شاہ مراد ملتانی کے' وہ مرید شیخ جیوی شاہ گجراتی کے' وہ مرید شیخ زکریا کے' وہ مرید شیخ حاجی قطب کے' وہ مرید شیخ درگاہی کے' وہ مرید حاجی ابو سعید حنفی گنگوہی کے' وہ مرید شیخ نظام الدین گنگوہی کے۔"
شیخ محمد سعید کی وفات ۱۲۱۴ھ (۱۸۰۰ء) میں ہوئی اور شرقپور میں مدفون ہوئے۔

شیخ محمود سعید چشتی جالندھری: سید علیم اللہ جالندھری کے خلیفہ تھے۔ تمام عمر رشد و ہدایت میں صرف کی اور ہزاروں بندگان خدا نے آپ سے علوم ظاہری اور باطنی کا فیض حاصل کیا۔ سنہ ۱۲۲۰ھ (۱۸۰۵) میں فوت ہوئے۔

شیخ خیر الدین المشہور خیر شاہ چشتی لاہوری: شیخ سلیم چشتی لاہوری کے خلیفہ تھے۔ سماع کے ساتھ دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کا لنگر فقرا اور درویشوں کے لئے جاری رہتا تھا۔ ۱۹ ذوالحج ۱۲۲۸ھ (۱۸۱۳ء) میں فوت ہوئے' اور لاہور میں مدفون ہوئے۔

شیخ فیض بخش لاہوری صابری چشتی: شیخ حیدر شاہ کے خلیفہ تھے' جنہوں نے شیخ خیر الدین المشہور خیر شاہ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ سماع کا ذوق رکھتے تھے۔ ریشم سازی سے گزارہ کرتے تھے ۹ رجب ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ء) میں فوت ہوئے۔

امین شاہ چشتی: یہ بزرگ غالباً "گیارھویں یا بارھویں صدی ہجری میں ہو گذرے ہیں۔

سلسلہ چشتیہ صابریہ سے ان کا تعلق تھا۔ عراق شام' عرب اور حجاز کی سیر و سیاحت کرتے ہوئے شکار پور (سندھ) میں آئے اور شکار پور میں ہی سکونت پذیر ہو گئے۔ ان کا مزار شکارپور میں زیارتگاہ خاص و عام ہے۔ آپ کی وفات کی تاریخ معلوم نہ ہو سکی۔ مولانا عبدالکریم "کرم" بن حافظ صاحب ڈنو حضرت خواجہ امین الدین چشتی صابری بخاری کے خلیفہ تھے۔ ان کی اولاد میں سے مولانا عبدالکریم چشتی حال ہی میں مشہور عالم' صحافی' ادیب' مقرر اور تحریک آزادی کے مجاہد ہو گذرے ہیں۔

شیخ نجم الحق والدین: بہت بڑے بزرگ تھے اور حضرت عبدالعزیز ککی کے مرید تھے۔ آپ کے پیر نے آپ کے روحانی مرتبہ کی بڑی تعریف کی تھی۔ پیر کی وفات کے بعد دہلی سے نقل مکانی کر کے سندھ میں آئے اور ٹھٹہ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ یہیں فوت ہوئے اور مدفون ہوئے۔ بے شمار لوگوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ کا شجرہ طریقت اس طرح ہے: شیخ نجم الدین' مرید شیخ عبدالعزیز ککی' وہ مرید قاضی یونس خان ناگی' وہ مرید شیخ حسن' وہ مرید شیخ بدراخی حامد شاہ' وہ مرید علاؤ الدین بنگالی' وہ مرید شیخ سراج الدین عثمان' وہ مرید خواجہ نظام الدین اولیاء۔"

جائزہ

چشتی سلسلہ کے بزرگان دین کے تعارف سے معلوم ہو گا کہ اس سلسلہ کو حضرت خواجہ معین الدین اجمیری نے جاری کیا۔ بعد میں اس سلسلہ کو حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کے ذریعہ فروغ حاصل ہوا۔ انہوں نے اس سلسلہ کو پھیلانے کے لئے برصغیر پاک و ہند کے ہر علاقہ میں اپنے خلفاء کو بھیجا۔ ان کے بعد ان کے خلیفہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے اس سلسلہ کو بڑی وسعت دی۔ آپ کے خلیفہ شیخ سراج الدین المعروف بہ "اخی سراج" نے بنگال میں چشتیہ سلسلہ جاری کیا۔ ان کے بنگالی خلیفہ شیخ علاؤ الحق والدین بن اسعد نے "پنڈوہ" میں چشتیہ سلسلہ جاری کیا۔ ان کے بنگالی خلیفہ شیخ علاؤ الحق والدین بن اسعد نے "پنڈوہ" میں چشتیہ سلسلہ کی خانقاہ قائم کی' جہاں دور دور سے لوگ آکر روحانی فیض حاصل کرنے لگے۔ ان کے بعد ان کے خلفاء حضرت نور قطب عالم اور میر سید اشرف جہانگیر سمنانی نے اس سلسلہ کو فروغ دیا۔ حضرت نور قطب عالم' حضرت شیخ علاؤ الحق کے فرزند تھے۔ حضرت نور قطب عالم کے خلیفہ مولانا حسام الدین مانکپوری تھے جن کے

ملفوظات "رفیق العارفین" کے نام سے جمع کئے گئے۔ انہوں نے ۱۲۰ خلفاء تیار کئے' جنہوں نے اس علاقہ کو روحانی فیض سے مستفیض کیا۔ ان بزرگوں کی وجہ سے بنگال' بہار اور جونپور میں چشتیہ سلسلہ کی خانقاہیں قائم ہوئیں۔

دکن میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے خلیفہ شیخ بہاؤ الدین غریب نے "دیو گیر" میں رہ کر اس سلسلہ کے لئے کام کیا۔ آپ کی خانقاہ مرجع خاص و عام ہو گئی۔ آپ کی صحبت میں بڑی کشش تھی اور لوگ دور دور سے کھنچ کر چلے آتے تھے۔ آپ نے مریدوں کی اصلاح اور تربیت کی طرف خاص توجہ فرمائی۔ آپ کے ملفوظات' حماد بن عماد کاشانی نے "احسن الاقوال" کے نام سے جمع کئے۔ شیخ برہان الدین کے خلیفہ زین الدین کے ذریعہ اس علاقہ میں چشتیہ سلسلہ کی بڑی اشاعت ہوئی۔ اس زمانہ میں چشتیہ سلسلہ کے ایک بزرگ حضرت سید گیسو دراز دکن گئے اور وہاں کے حاکم سلطان فیروز شاہ بہمنی نے آپ کا خیر مقدم کیا اور وہاں کے علماء کرام نے بھی آپ کو خوش آمدید کہا۔ آپ نے گلبرگہ میں چشتیہ سلسلہ کی ایک عظیم الشان خانقاہ قائم کی۔ ان کے خلفاء کی بڑی کثیر تعداد تھی۔ اس طرح وہاں چشتیہ سلسلہ کی روحانی اور اخلاقی تعلیم خاص و عام تک پہنچی۔

گجرات میں چشتیہ سلسلہ کا مرکز حضرت خواجہ بختیار کاکی کے زمانہ میں قائم ہوا۔ ان کے دو مرید شیخ محمود اور شیخ حامد الدین احمد نہروالہ کے باشندے تھے۔ لیکن ان کے تفصیلی حالات نہیں ملتے۔ بعد میں وہاں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے خلفاء شیخ سید حسین' شیخ حسام الدین ملتانی اور شیخ بارک اللہ نے چشتیہ سلسلہ کا روحانی فیض پہنچایا۔ ان کے بعد اس علاقہ میں چشتیہ سلسلہ کو پھیلانے میں علامہ کمال الدین' شیخ یعقوب' شیخ کبیر الدین ناگوری اور کمال الدین زوینی نے بڑا کام کیا۔ حضرت کمال الدین (المتوفی ۷۵۶ھ= ۱۳۵۵ء) حضرت چراغ دہلی کے خلیفہ اور بھانجے تھے۔ چشتیہ سلسلہ کی تعلیم کو عام کرنے میں حضرت کماالدین کی اولاد نے بھی بڑا کام کیا۔ شیخ یعقوب (المتوفی ۷۹۸ھ (۱۳۹۶ء) شیخ زین الدین دولت آبادی کے خلیفہ تھے۔ انہوں نے نہوالہ میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ ان کو حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کی تصنیف فصوص الحکم پر بڑا عبور حاصل تھا۔ اور بڑی کیفیت کے ساتھ اس کا درس دیتے تھے۔

سید کبیر الدین ناگوری (وفات ۸۵۸ھ= ۱۴۵۴ء) شیخ حمید الدین صوفی سوالی کے پوتے

تھے۔ انہوں نے ناگور سے نقل مکانی کر کے احمد آباد میں خانقاہ قائم کی اور اس سلسلہ کی تعلیم کو عام و خاص تک پہنچایا۔ سید کما الدین قزوینی (وفات ۸۸۱ھ۔ ۱۴۷۶ء) حضرت گیسو دراز کے سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے بھروچ میں خانقاہ قائم کی اور بے شمار لوگوں کو فیض پہنچایا۔

گجرات میں ان بزرگوں کے علاوہ چشتیہ سلسلہ کی ایک شاخ ایسی بھی تھی جس کے بانی نے براہ راست مشائخ چشت سے روحانی فیض حاصل کیا تھا۔ یہ بزرگ تھے شیخ محمد زاہد' جن کا سلسلہ نسب حضرت خواجہ مودود چشتی سے اس طرح ملتا ہے:

"شیخ محمد زاہد بن یوسف بن احمد بن محمد بن خواجہ علی بن ابی احمد بن قطب عالم حضرت خواجہ مودود چشتی""

حضرت خواجہ محمد زاہد بڑے عابد اور زاہد تھے۔ آپ کے خلفاء شیخ رکن الدین اور عزیز اللہ متوکل منڈوی مشہور ہوئے۔ حضرت خواجہ محمد زاہد سنہ ۷۰۵ھ (۱۳۰۵ء) میں تولد ہوئے۔ اور ۲۲۔ شوال ۸۱۱ھ (۱۴۰۸ء) میں وفات پائی۔ آپ کا مزار "پٹن" میں ہے' جس کا قدیم نام "نہروالہ" ہے۔ ان کے خلیفہ شیخ رکن الدین نے اس علاقہ میں چشتیہ سلسلہ کا روحانی فیض پہنچانے میں بڑا کام کیا۔ حضرت شیخ رکن الدین کا سلسلہ نسب اس طرح حضرت بابا فرید سے ملتا ہے۔

"شیخ رکن الدین بن خواجہ علم الدین محمد بن خواجہ علاؤ الدین یوسف بن خواجہ بدرالدین سلیمان بن حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر۔"

مالوہ میں اس سلسلہ کی اشاعت حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے خلفاء شیخ وجیہ الدین یوسف' شیخ کمال الدین اور مولانا مغیث الدین کے ذریعہ ہوئے۔ شیخ وجیہ الدین نے "چندیری" میں خانقاہ قائم کی۔ شیخ کمال الدین حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے پوتے تھے۔ ان کو حضرت خواجہ محبوب الٰہی نے مالوہ بھیجا۔ مالوہ کے بادشاہوں کو ان کے سلسلہ کے لوگوں سے بڑی عقیدت تھی۔ مولانا مغیث الدین نے اجین میں دریا کے کنارے سکونت اختیار کی۔

چشتیہ نظامیہ کے ساتھ "چشتیہ صابریہ" نے بھی لوگوں کو راہ راست پر لانے اور روحانی' علمی اور اخلاقی تعلیمات کو عوام تک پہنچانے کے سلسلہ میں بڑا کام کیا۔ شیخ

علاؤالدین احمد صابر کے خلیفہ اور سجادہ نشین شیخ شمس الدین ترک تھے۔ ان کے چالیس خلفاء ہیں' جن میں سے شیخ احمد عبدالحق کا نام قابل ذکر ہے۔ انہوں نے چشتیہ صابریہ سلسلہ کو عام کیا۔ انہوں نے رودلی (ضلع بارہ بنکی) میں اپنی خانقاہ قائم کی' جو شمالی ہند میں رشد و ہدایت کا بڑا اہم مرکز بن گئی۔ آپ کے ملفوظات شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے "انوار العیون" کے نام سے مرتب کیا۔

شیخ عبدالحق (وفات ۸۳۷ھ ۔ ۱۴۳۳ء) کے بعد ان کے فرزند شیخ عارف سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے بعد ان کے فرزند شیخ محمد سجادہ نشین ہوئے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی (وفات ۱۵۳۷ء) ان کے خلیفہ تھے' جن کے ذریعے چشتیہ صابریہ سلسلہ کو بڑا فروغ حاصل ہوا اور اس کا روحانی فیض دور دور تک پہنچا۔ علماء دیو بند کا سلسلہ طریقت حضرت عبدالقدوس گنگوہی تک پہنچتا ہے۔ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

سندھ میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے خود سیرو سیاحت کی اور لوگوں کو مستفیض کیا۔ آپ نے اپنے ایک مرید شیخ عارف کو بھی سیوستان (سیوھن' سندھ) کی طرف بھیجا' لیکن اس کے تفصیلی حالات نہیں ملتے۔ لیکن سیر الاولیاء کی روایت کے مطابق انہوں نے حضرت خواجہ فرید کی خدمت میں آکر خلافت نامہ واپس کر دیا اور عرض کیا یہ بہت نازک کام ہے' جو مجھ غریب کی طاقت سے باہر ہے۔ میں اس شغل سے عہدہ بر آ نہیں ہو سکوں گا۔ خلافت نامہ آپ کی خدمت میں پیش کر کے آپ کی اجازت سے حرمین شریفین چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ سیوھن کے ایک بزرگ خواجہ احمد کا نام بھی ملتا ہے' جو سیوھن سے پاکپتن جاکر حضرت بابا فرید کے مرید ہوئے' لیکن وہ وہاں ہی رہ گئے' واپس سندھ میں نہیں آئے۔

خواجہ نظام الدین اولیاء کے خلفاء اور مریدوں میں دو سندھی بزرگوں کے نام ملتے ہیں: بابا احمد بکھری اور مولانا ظہیرالدین بکھری' لیکن دونوں سندھ میں واپس نہیں آئے۔ بابا احمد' احمد آباد میں سکون پذیر ہوئے اور مولانا ظہیرالدین بکھری دہلی میں متوطن ہوئے۔ اور وہاں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔

حضرت شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلی' محمد تغلق کے حملہ ٹھٹھ کے زمانہ میں سندھ میں تشریف لائے۔ سندھ میں قیام کے دوران شیخ عیسٰی بن یوسف "کوریجہ" تھے۔ وہ سنہ

۷۵۶ھ (۱۳۵۵ء) میں امارت ترک کر کے آپ کے مرید ہوئے۔ ان کے علاوہ اور بھی آپ کے مرید ہوئے ہوں گے۔ لیکن ان کے نام نہیں ملتے۔

اس سلسلہ کے بزرگ' بادشاہوں کے درباروں سے دور رہے۔ اور بادشاہوں کی درباروں میں جانا پسند نہیں کرتے تھے' البتہ بعض بزرگوں نے بادشاہوں کی اصلاح کے لئے' ان پر توجہ دی۔ سلطان التمش حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری' حضرت خواجہ بختیار کاکی اور قاضی حمید الدین ناگوری کا معتقد تھا۔ سلطان ناصر الدین محمود اور غیاث الدین بلبن حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے معتقد تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان بادشاہوں نے رعایا کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کیا اور اشاعت کے سلسلہ میں اہم خدمات انجام دیں۔ وہ نیک' عبادت گذار اور شریعت کے پابند رہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء بادشاہوں سے ملنا نا پسند نہیں کرتے تھے' وہ نہ بادشاہوں کے پاس گئے اور نہ ہی بادشاہوں کو اپنے ہاں آنے دیا۔ سلسلہ چشتیہ کے دوسرے مشائخ کا بھی یہی طریقہ رہا۔

ان بزرگوں نے شریعت کی پابندی پر زور دیا۔ البتہ سماع سے ان کی دلچسپی رہی اور بڑے ذوق و شوق سے سماع کی محفلوں میں شریک ہوتے رہے۔ علماء نے اس وجہ سے ان کی مخالفت بھی کی۔ لیکن یہ بزرگ اس طریقہ پر قائم رہے اور سماع کو اپنے طریقہ کا جز قرار دیا اور اسلامی تعلیمات کی رو سے بھی اس کو مباح جانا۔

فصل ششم

چشتیہ سلسلہ کے دور جدید کا جائزہ

چشتیہ سلسلہ کے دور جدید کا آغاز دہلی سے ہوا اور دکن' گجرات اور پنجاب میں خوب پھیلا۔ حضرت خواجہ نور محمد مہاروی اور ان کے خلفاء کے ذریعہ پنجاب' سرحد' بلکہ افغانستان کے بے شمار لوگ روحانی فیض سے مستفیض ہوئے۔ بہار' تونسہ' سیال کوٹ مٹھن' چاچڑاں میں اس سلسلہ کی بہت بڑی خانقاہیں تھیں' جہاں طلبہ' مسافروں' غریبوں اور مسکینوں کے لئے عام لنگر کا انتظام بھی تھا۔ خانقاہ کے ساتھ دینی مدرسہ بھی ہوتا تھا' جہاں دینی تعلیم کا باقاعدہ انتظام تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ کا اثر سندھ تک نہیں پہنچا' کیونکہ سندھ میں اس دور میں سلسلہ چشتیہ کی کسی خانقاہ کا وجود نہیں ملتا' البتہ کچھ سندھی بزرگوں کے نام ملتے ہیں' جو سلسلہ چشتیہ کے ان بزرگوں کے مرید تھے' لیکن وہ بھی یا تو سندھ میں واپس نہیں آئے' یا سندھ میں زیادہ مستقل نہیں رہے۔ کیونکہ سندھ کی تاریخ یا تذکروں میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔ اس زمانہ میں سندھ میں قادری اور نقشبندی سلسلہ کے بزرگوں کی صوفیانہ تحریکیں سرگرم نظر آتی ہیں۔

اس دور کے چشتیہ سلسلہ کے بزرگ سماع کے قائل تھے۔ اور ان کی خانقاہوں میں سماع کی محفلیں منعقد ہوا کرتی تھیں' لیکن ان میں سے زیادہ تر بزرگ مزامیر سے اجتناب کرتے تھے۔ بلکہ یہ بھی خیال کرتے تھے کہ علماء کرام کو ناراض نہ کیا جائے۔ فکری لحاظ سے اس دور کے تمام چشتی بزرگ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ اور ابن عربی کے فکر سے بہت متاثر تھے۔ انہوں نے شیخ اکبر کے کتابوں: فصوص الحکم اور فتوحات المکیہ کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اور اس فکر کی بعض دوسری کتابیں بھی پڑھی تھیں۔ وہ اپنی خانقاہوں میں ان

کتابوں اور دوسرے صوفیانہ کتب کا باقاعدہ درس بھی دیتے تھے۔ لیکن کسی سے بحث مباحثہ میں نہیں الجھتے تھے۔

اس دور کے چشتیہ سلسلہ کے تمام بزرگ شریعت کی پابندی کرتے تھے' اور اپنے مریدوں اور معتقدوں کو بھی پابند شرع رہنے کی تاکید کرتے رہتے تھے۔ ان کے ملفوظات کے مجموعے ملتے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہروقت اپنے مریدوں اور معتقدوں کو اخلاق سنوارنے' شریعت کا پابند کرنے' اور مخلوق خدا کی خدمت کرنے میں زندگی گذارنے کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ ان کی کوشش رہتی تھی کہ ان کے مرید اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی یاد اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی میں گذاریں' وہ ذہن نشین کراتے تھے کہ اخلاق کا زوال' قوموں کے زوال کا باعث ہے۔

یہ بزرگ عاشق رسول تھے۔ اور اپنے مریدوں اور معتقدوں میں بھی یہی جذبہ شوق و محبت پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہی جذبہ انسانی ذہن اور فکر میں پاکیزگی پیدا کرے گا' ہمارے علم میں عمل میں ہم آہنگی پیدا کرے گا' اور زندگی میں نیک عمل کا تحرک پیدا کرے گا۔ اپنے ملفوظات اور اشعار میں انہوں نے ان خیالات کا اظہار کیا ہے۔

چشتیہ سلسلہ کا دور جدید

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کی وفات کے بعد چشتیہ سلسلہ کا مرکزی نظام ختم ہو گیا تھا اور تحریک کی وہ حیثیت نہ رہی تھی۔ چشتیہ سلسلہ کے بزرگان مختلف علاقوں میں موجود تھے۔ وہ اپنے اپنے طور پر کام کر رہے تھے' لیکن تحریک کی ہمہ گیر حیثیت نہ رہی تھی۔ اس صوفیانہ تحریک کی یہی حیثیت حضرت شاہ کلیم اللہ شاہجہان آبادی نے بحال کر دی۔ اور ان کے زمانے سے تحریک کے دور جدید کا آغاز ہوتا ہے۔ انہوں نے چشتیہ سلسلہ میں پھر ایک بار باقاعدگی پیدا کی اور سلسلہ کو تحریک کی صورت دے کر رشد و ہدایت اور تربیت و اصلاح کا ایک باقاعدہ نظام قائم کیا۔ انہوں نے سلسلہ کی تحریک میں جان پیدا کر کے تبلیغ و اشاعت کے سلسلہ میں بڑی جدوجہد کی۔ انہوں نے برصغیر پاک و ہند کے مختلف علاقوں میں اپنی تربیت یافتہ خلفاء بھیجے' جنہوں نے اصلاح و تربیت کے ذریعے صالح اور

شاہ صاحب نے بے شمار بندگان خدا کو روحانی فیض سے مستفیض کر کے ۲۴۔ ربیع الاول سنہ ۱۱۴۲ھ۔ ۱۷۲۹ء میں وفات پائی۔ آپ نے شریعت کی پابندی پر زور دیا اور معاشرے کی دوسری خرابیوں کو دور کرنے کے لئے کوشش کی۔ مشائخ چشت میں سماع کا رواج رہا۔ اور وہ اس کو روحانی غذا سے تعبیر کرتے تھے۔ لیکن انھوں نے سماع کے لئے سخت اصول اور پابندیاں وضع کی تھیں۔ اس دور میں ان پابندیوں کی پرواہ نہیں کی جاتی تھی۔ حضرت شاہ صاحب نے اس قسم کے سماع کی مخالفت کی اور تلقین کی کہ سماع کے بجائے مراقبہ میں وقت صرف کیا جائے۔ اس زمانہ میں مشائخ نقشبند کی صوفیانہ تحریک بھی پھیلی ہوئی تھی اور اصلاح و تربیت کے کام میں سرگرم تھی۔ وہ سماع کے سخت مخالف تھے اور پابند شریعت پر زور دیتے تھے۔ حضرت شاہ کلیم اللہ نے اپنے مریدوں اور خلفاء کو ہدایت کی کہ جہاں مشائخ نقشبند کا اثر ہو' وہاں سماع بند رکھا جائے۔ حضرت شاہ کلیم اللہ نے کچھ کتابیں بھی لکھیں' جن کے نام یہ ہیں:

(۱) قرآن القرآن: عربی زبان میں قرآن حکیم کی تفسیر ہے۔

(۲) کشکول: اس کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور صوفیاء کرام نے اس کو اپنے دستور العمل بنایا۔ شاہ صاحب اپنے مریدوں اور خلفاء کو کشکول کے مطالعہ کی تلقین کرتے تھے اور اس میں درج ہدایات پر عمل کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ بعد کے مشائخ کا یہ دستور تھا کہ خرقہ خلافت کے ساتھ مرقع اور کشکول بھی دیتے تھے۔

(۳) مرقع (۴) عشرہ کاملہ (۵) سواء السبیل (۶) تسنیم (۷) الہامات کلیمی (۸) رسالہ تشریح الافلاک عامل تختی (فارسی) (۹) شرح القانون (۱۰) مکتوبات

شاہ صاحب کو چار لڑکے اور تین لڑکیاں ہوئیں۔ لڑکوں کے نام یہ ہیں: خواجہ محمد' حامد سعید' محمد فضل اللہ اور محمد احسان اللہ۔ آپ کے خلفاء کی بڑی کثیر تعداد تھی۔ جنھوں نے مختلف علاقوں میں اس تحریک کے ذریعہ لوگوں کی اصلاح کی۔ آپ کے خلفاء کے نام یہ ہیں۔

(۱) شاہ محمد ہاشم: اصل دکن کے تھے۔ شاہ کلیم اللہ کر مرید اور خلیفہ ہوئے۔ اور دامادی کا شرف بھی حاصل کیا۔

(۲) خواجہ مصطفیٰ مراد آبادی: حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی اولاد میں سے تھے۔ لاہور کے

صحتمند معاشرہ قائم کرنے کے لئے بڑی کوشش کی اور عوام کو راہ راست پر لانے کے لئے بڑی جدوجہد کی۔ حضرت شاہ کلیم اللہ اور ان کے خلفاء نے اسی دور میں اس روحانی تحریک کے ذریعہ عوام کو روحانی فیض سے نوازا جب سیاسی ابتری تھی اور مسلم معاشرہ انتشار کا شکار تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب مغلیہ سلطنت کا زوال تھا۔ مذہب کی روح ختم ہو چکی تھی اور مسلمان انتشار کا شکار تھا۔ مسلم معاشرہ مختلف قسم کی خرابیوں کا شکار تھا اور خود پسندی' خود غرضی' انفرادیت پسندی اور مادیت غالب آگئی تھی۔ ان حالات میں ایک روحانی تحریک کی ضرورت تھی' جو انسانوں کو اس انتشار اور فساد سے بچا لے اور ان کو دلی اور روحانی سکون پہنچائے۔ یہ ضرورت حضرت کلیم اللہ اور ان کے خلفاء نے اپنی جدوجہد کے ذریعے پورے کرنے کی کوشش کی۔ اور اس میں بڑی حد تک کامیاب رہے۔

حضرت شاہ کلیم اللہ

حضرت شاہ کلیم اللہ کی ولادت دہلی میں ۲۴۔ جمادی الثانی سنہ ۱۰۶۰ھ (۱۶۵۰ء) میں ہوئی۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنی زندگی کے ایک واقع سے بے اختیار ہو کر مدینہ منورہ گئے۔ وہاں حضرت شیخ یحییٰ مدنی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت شیخ محی الدین ابو یوسف یحییٰ چشتی سلسلہ کے بزرگ تھے۔ احمد آباد گجرات میں ۲۰۔ رمضان ۱۰۱۰ھ (۱۶۰۳ء) میں تولد ہوئے۔ تعلیم کے حصول کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ بعد میں ایک روحانی اشارہ پر مدینہ منورہ چلے گئے۔ اور وہاں ۲۸۔ صفر ۱۱۰۱ھ (۱۶۸۹ء) میں وفات کی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

حضرت شاہ کلیم اللہ نے مدینہ منورہ میں حضرت شیخ یحییٰ کی خدمت میں کچھ عرصہ رہ کر روحانی فیض حاصل کیا اور خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ جب واپس دہلی آنے لگے تو حضرت شیخ یحییٰ مدنی نے آپ کو کلاہ اور شجرہ دیا کہ دہلی میں شیخ اچھا کو دے دے۔ دہلی واپس آکر آپ نے وہ چیزیں شیخ اچھا کے حوالے کیں۔ اس کے بعد دونوں میں بڑی محبت رہی۔ دہلی میں آپ نے بازار خانم میں خانقاہ قائم کی اور درس و تدریس اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔

دولتمند گھرانہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت شاہ صاحب کے مرید اور خلیفہ ہوئے۔ سنہ ۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ء) میں مراد آباد میں وفات کی۔

(۳) مولانا شاہ جمال الدین جے پوری (۴) مولانا شاہ جلال الدین (۵) مولانا شاہ محمد علی (۶) مولانا شاہ عبداللطیف (۷) مولانا حافظ محمد عبداللہ (۸) مولانا عبدالصمد (۹) مخدوم شاہ تھارو (۱۰) شاہ بدیع الدین عرف شیخ مداری ناگوری (مزار سنگھانہ) (۱۱) مولانا شاہ ضیاء الدین (۱۲) سید محمد علی (۱۳) شیخ بدھن (۱۴) حافظ محمود (۱۵) حافظ سعید (شاہ صاحب کے فرزند) (۱۶) شاہ اسد اللہ (۱۷) قاضی عبدالولی (سنگھانہ) (۱۸) شاہ جلیل قادری

(۱۹) **شاہ نظام الدین:** آپ حضرت شاہ صاحب کے عزیز ترین مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی تک پہنچتا ہے۔ آپ اپنے پیر کی ہدایت کے مطابق دکن میں جاکر خانقاہ قائم کی اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ دکن میں مختلف مقامات پر آپ کا قیام رہا۔ سب سے آخر میں اورنگ آباد آکر سکونت پزیر ہوئے اور لوگوں کی تربیت اور اصلاح میں مصروف ہو گئے۔ آپ کی خانقاہ روحانی تحریک کا ایک بہت بڑا مرکز بن گئی' جس سے بے شمار لوگوں نے روحانی فیض حاصل کیا۔ حضرت شاہ کلیم اللہ صاحب دہلی میں بیٹھ کر آپ کو ہدایت دیتے تھے۔ اور آپ ان پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ آپ ہر وقت لوگوں کو اتباع سنت کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ لوگوں کو سمجھاتے تھے کہ تخلیق انسانی کا مقصد عبادت الٰہی ہے۔ سماع کے سلسلہ میں اپنے پیر کے اصولوں پر عمل کرتے تھے۔

حضرت شاہ نظام الدین امراء و سلاطین سے علیحدہ رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور ان کے تحائف قبول کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس طرح اپنے سلسلہ کے روایات کا پورا خیال رکھا۔ شاہ نظام الدین نے لوگوں کی تربیت اور اصلاح کے لئے ایک کتاب "نظام القلوب" نامی لکھی۔ اس کے علاوہ نظام الملک آصف جاہ نے آپ کے حالات کے متعلق "رشک گلستان ارم" نامی کتاب لکھی۔ نظام الملک آصف جاہ آپ کے معتقد تھے۔

حضرت شاہ نظام الدین نے ۱۲۔ ذوالقعد ۱۱۴۲ھ (۱۷۳۰ء) میں وفات پائی۔ آپ کو پہلی بیوی سے دو لڑکے: محمد اسمٰعیل اور فخر الدین اور ایک لڑکی ہوئی۔ دوسری بیوی سے تین لڑکے ہوئے جن کے نام یہ ہیں: غلام معین الدین' غلام بہاؤ الدین اور غلام کلیم اللہ۔ آپ

کے بے شمار خلفاء تھے۔ جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

(۱) خواجہ کامکار خان (۲) محمد علی (۳) خواجہ نور الدین (۴) سید شاہ شریف (۵) شاہ عشق اللہ (۶) غلام قادر خان (۷) محمد یار بیگ (۸) محمد جعفر (۹) بشیر محمد (۱۰) کرم علی شاہ (۱۱) امام الدین (۱۲) شیخ محمود (۱۳) حافظ مودو

شاہ فخر الدین:

شیخ فخر الدین' حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کے فرزند تھے۔ آپ کی ولادت ۱۱۲۶ھ (۱۷۱۴ء) میں ہوئی۔ آپ نے والد بزرگوار کی نگرانی میں تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔ والد نے بچپن میں ہی ان کو مرید کر لیا۔ ابھی ۱۶ سال کی عمر کے تھے کہ والد کی وفات ہو گئی۔ والد کے وفات کے بعد بھی تین سال تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اس کے بعد سجادہ پر بیٹھنے کے بجائے لشکر میں ملازمت کر لی' ملازمت کے دوران بھی عبادت' ریاضت اور مجاہدہ میں مصروف رہے۔ آخر ملازمت چھوڑ کر اورنگ آباد میں پہنچ کر سجادہ پر جلوہ افروز ہوئے۔

کچھ عرصہ کے بعد اورنگ آباد چھوڑ کر دہلی آگئے اور کٹرہ چھلیل یا بھولیل میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی زیارت کے لئے پاک پٹن گئے۔ ان دنوں حضرت گنج شکر کی درگاہ کے سجادہ نشین شیخ محمود یوسف صاحب تھے۔ وہ بڑے خلوص اور محبت سے ملے۔ پاکپٹن سے واپس دہلی آئے۔ اور کچھ دن چھلیل میں گذارے۔ اس کے بعد اجمیری دروازہ میں آکر درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ درس و تدریس کے ساتھ روحانی فیض کا سلسلہ بھی جاری کیا۔ آپ عبادت اور ریاضت کے ساتھ مطالعہ میں بھی وقت گذارتے تھے' آپ کو کتابیں جمع کرنے کا بھی شوق تھا۔ اس کے علاوہ آپ نے کچھ کتابیں بھی تصنیف کیں' مثلاً: (۱) نظام العقائد (۲) رسالہ مرجیہ (۳) فخر الحسین:

حضرت شاہ فخر الدین کی ذات میں بڑی کشش تھی' آپ کی صحبت جادو کا اثر رکھتی تھی۔ ان کی خانقاہ میں جو بھی آتا' متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ آپ کی صحبت سے جرائم پیشہ لوگ راہ راست پر آئے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز سے آپ کے مخلصانہ تعلقات تھے۔ اور شاہ صاحب آپ کی عزت کرتے تھے۔

حضرت شاہ فخر الدین شریعت کی پابندی کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ آپ کے ملفوظات میں کئی جگہوں پر اتباع سنت کی تلقین ملتی ہے۔ فکری لحاظ سے آپ مسئلہ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ لیکن اس سلسلہ میں بحث مباحثہ کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اپنے بزرگوں کے مسلک کے مطابق امراء و سلاطین سے دور رہنا پسند کرتے تھے۔ بادشاہ اور امراء نے چند دیہات قبول کرنے کی درخواست کی' لیکن آپ نے قبول نہ کیا۔ البتہ اس زمانہ کے حالات دیکھ کر' بادشاہ کو سمجھانے کے لئے مجبور ہو گئے کہ امراء کی آپس کے جھگڑوں کی وجہ سے نظام حکومت کمزور ہو گیا ہے۔ اگر اس طرف توجہ نہیں کی گئی' تو حکومت ہاتھ سے نکل جائے گی۔

حضرت شاہ فخر جہاں کا زمانہ مسلمانوں کے انحطاط کا زمانہ تھا۔ اس زمانہ میں شاہ صاحب نے اصلاح معاشرہ کے سلسلہ میں بڑی جدوجہد کی اور مسلمانوں کو صحیح اسلامی تعلیم ذہن نشین کرانے کے لئے بڑی کوشش کی۔ تبلیغ کے سلسلہ میں آپ کا وہ ہی مسلک تھا' جو بزرگان چشت کا رہا ہے۔ یعنی ہندوؤں کو بھی ذکر بتاتے تھے۔ بزرگان چشت کے یہاں ہندو بھی آتے رہتے تھے اور ان کے مرید اور معتقد ہوا کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اس انتظار میں نہ رہو کہ وہ پہلے مسلمان ہو جائیں پھر ذکر بتایا جائے۔ آپ نے اس روش کی وجہ سے بہت سے ہندو خاموش طریقہ سے مسلمان ہو گئے۔ وہ اپنے مسلمان ہونے کا صاف طور پر اعلان اس لئے نہیں کرتے تھے کہ مخالفت سے ڈرتے تھے۔ اس زمانہ میں چونکہ مسلم حکومت کمزور ہو گئی تھی' اس لئے کھلم کھلا ہندو کا مسلمان ہونے پر بلوہ ہو جاتا تھا۔ حضرت شاہ فخر جہاں ہندوؤں سے بہت اچھی طرح ملتے تھے۔ اور ان کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرتے تھے۔

حضرت شاہ فخر جہاں نے ۲۷۔ جمادی الثانی سنہ ۱۱۹۹ھ (۱۷۸۵ء) کو فوت ہوئے اور آپ کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار کے قریب سپرد خاک کیا گیا۔ آپ کو ایک فرزند غلام قطب الدین ہوا' جو آپ کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوا۔ وہ بھی زہد و عبادت کی وجہ سے مشہور و مقبول تھے۔ محمد اکبر شاہ اور بہادر شاہ ظفر ان کے مرید تھے۔

حضرت فخر جہاں نے سلسلہ چشتیہ کی تحریک میں حرارت پیدا کی۔ آپ کے خلفاء کی کثیر تعداد نے برصغیر پاک و ہند کے مختلف علاقوں میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی خانقاہیں قائم کیں۔

اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ شاہ نیاز احمد نے یو پی میں' حاجی لعل محمد صاحب نے دہلی کے گردو نواح میں۔ شاہ محمد عظیم اور میر محمد علی صاحب نے دہلی میں شاہ نور محمد صاحب نے پنجاب میں' مولانا جمال الدین نے رام پور میں' میر ضیاء الدین نے جے پور میں' میر شمس الدین نے اجمیر میں' مولوی عبدالوہاب نے بیکانیر میں' محمد غوث نے کرت پور میں تبلیغ و اشاعت کا کام جاری کیا۔ آپ کے خلفاء کی تعداد تقریباً ۵۰ ہے۔

حضرت شاہ فخر جہاں کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے غلام قطب الدین سجادہ نشین ہوئے۔ ۱۸ محرم ۱۲۳۳ھ (۱۸۱۷ء) کو وفات پائی اور حضرت قطب صاحب کا جوار میں مدفون ہوئے۔ ان کو بھی ایک ہی فرزند تھے۔ جن کا نام میاں قطب الدین عرف کالے صاحب تھا۔ وہ والد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے دہلی میں خاص و عام سب ان کا ادب و احترام کرتے تھے۔ مرزا غالب بھی ان سے عقیدت رکھتے تھے۔ بہادر شاہ ظفر کو بھی ان سے بڑی عقیدت تھی۔

حضرت خواجہ فخر کے مدرسہ کا کام سید احمد' غلام فرید چشتی اور حاجی لعل صاحب نے سنبھالا۔ کتابوں میں حضرت فخر کے مندرجہ ذیل خلفاء کے نام ملتے ہیں: سید بدیع الدین' مولوی نور اللہ' مولوی مکرم' مولوی فرید الدین' مولوی روشن علی' مولوی حسن علی' محمد غوث بن شاہ کلیم اللہ' محمد غوث کرتپوری' حاجی خدا بخش' محمد قطب الدین مشرقی' میاں عبداللہ' سید احمد' مولوی عبدالوہاب بیکانیری' مولوی محمد صالح' مولوی علاؤ الدین' شیخ محمد زمان' شاہ مراد' حافظ سعد اللہ' ملا محمد' سید قمرالدین منت' محمد فتح اللہ' صوفی یار محمد' حاجی محمد واصل' سید محمد میر' عظیم الدین' میاں محمد امان' خلیفہ محمد پناہ' مولوی عظمت اللہ' رفیع الدین خان' شاہ محمد اعظم' غلام فرید چشتی' میر محمد عظیم بن عبدالرحمٰن' ظہور احمد' میاں عصمت اللہ' حاجی احمد' شاہ قمرالدین' شاہ روح اللہ' سید شریف' مولانا حسن علی۔

شاہ عبدالرحمٰن سندھی لکھنوی

نسب اور وطن: یہ بزرگ دراصل سندھی تھے' اور ضلع شکار پور کے گاؤں "روپاہ" کے رہنے والے تھے' جو "مخدومن جو گوٹھ" (مخدوموں کے گاؤں) کے نام سے مشہور تھا۔ ان کے آباء و اجداد عرب کے رہنے والے تھے۔ ان کے پردادا عرب شاہ' عرب سے نقل وطن

کر کے سندھ میں آکر آباد ہوئے تھے۔ ان کا سلسلہ نسب عرب شاہ سے اس طرح ملتا ہے۔ "شاہ عبدالرحمٰن بن سید محمد حسن بن علم اسدی بن حسن محمد بن دین محمد بن عرب شاہ سندھی۔"

شاہ عبدالرحمٰن کے پھوپھی زاد بھائی مولانا عبدالحکیم بن شیخ محمد ایک بڑے عالم، فاضل اور بزرگ تھے۔ ان کے علم و فضل کی شہرت دور دراز علاقوں تک پہنچی ہوئی تھی۔ کابل کے بادشاہ نے ان کی شہرت سن کر انہیں سند قضا اور پانچ گاؤں بطور ہدیہ دینے چاہے۔ لیکن انہوں نے اس کو توکل کے خلاف جانتے ہوئے قبول نہیں کیا۔

ولادت اور بچپن: حضرت شاہ عبدالرحمٰن کی ولادت گوٹھ روپاہ میں ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ء) میں ہوئی۔ یہ بچپن ہی سے بڑے ذہین، نیک اور پرہیز گار تھے۔ ان کے ہم جماعت عبدالخالق اور دوسرے ساتھی کتنی ہی محنت کرتے تھے، مگر پھر بھی ان کے برابر نہیں آپاتے تھے۔ خود ان کے استاد علامہ عبدالحکیم کو بھی ان کی غیر معمولی ذہانت پر حیرانی ہوتی تھی۔ شاہ صاحب نے قرآن شریف اپنے ماموں آخوند ہدایت اللہ سے پڑھا، اور صرف و نحو، فقہ اور عقائد کی کتابیں اپنے پھوپھی زاد بھائی اور استاد علامہ عبدالحکیم سے پڑھیں۔

شاہ عبدالرحمٰن بچپن ہی میں خاندانی طریقہ کے مطابق سید محمد صالح کے مرید بن گئے تھے۔ سید محمد صالح، سید محسن شاہ کے نواسے تھے، جو حضرت سید عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے تھے۔ بلوغت کے بعد انہیں علامہ عبدالحکیم سے اویسی نسبت حاصل ہوئی۔

تحصیل علم کے لئے سفر: انہیں تحصیل علم کا بڑا شوق تھا۔ اسی شوق میں وہ ۱۹ سال کی عمر میں ۱۱۸۰ھ (۱۷۶۶ء) میں والدین اور علامہ عبدالحکیم سے اجازت لے کر وطن سے نکل کھڑے ہوئے۔ پہلے پنجاب کے شہر خیرپور میں پہنچے۔ حافظ محمد فاضل وہاں کے سب سے بڑے عالم تھے۔ ان سے چار سال تک درمیانے درجے کی کتابیں پڑھیں۔ وہاں سے "مہاروں" گئے اور مولانا اسد اللہ سے ایک سال تک تعلیم حاصل کی۔ مولانا اسد اللہ نے انہیں منطق و حکمت کی تعلیم دی۔ وہاں سے "ا گمہ شاہ بلاول" نامی گاؤں میں پہنچے جو اودہ الجبال پہاڑی والے کا گاؤں تھا۔ وہاں چار سال تک مولوی کلیم اللہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔

ان دنوں "مہاروں" میں ایک بڑے بزرگ شاہ محمد نذیر رہتے تھے۔ ان سے مشورہ لیا

کہ اگر تحصیل علم کے لئے بخارا کا سفر اختیار کیا جائے تو کیسا رہے گا؟ شاہ صاحب نے انہیں صلاح دی کہ تمہارے لیے "شاہجہاں آباد" جانا بہتر ہو گا۔ اگر وہاں اچھے استاد نہ ملیں تو پھر "رامپور" چلے جانا۔ چنانچہ شاہ صاحب کے مشورے کے مطابق وہ "شاہجہاں آباد" پہنچے اور مولانا فخرالدین چشتی نظامی کے مدرسہ میں داخل ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد مولانا فخرالدین کی صلاح کے مطابق "رام پور" چلے گئے۔ وہاں وہ مولانا محمود اور مولوی شیر محمد سے علم حاصل کرتے رہے۔ "رام پور" میں وہ چار سال چار مہینے رہے۔ اس مدت میں انہوں نے صورا شمس بازغہ تک تعلیم حاصل کی اور علم الحدیث کی سند حاصل کی۔ انہیں ایام میں انہوں نے "بہار" کے عالم مولانا عبدالعلی بن نظام الدین لکھنوی کے علم و فضل کی شہرت سنی۔ "بہار" کلکتہ کے قریب ضلع بردوان میں تھا۔ شاہ عبدالرحمٰن نے ان کی تعریف سن کر ادھر کا رخ کیا۔ اور صفر ۱۱۹۹ھ (۱۷۸۴ء) میں "بہار" پہنچے۔ مولانا عبدالعلی جس مدرسہ میں پڑھاتے تھے، اس کا نام "مدرسہ منشی صدر الدین" تھا۔ شاہ صاحب، مولانا عبدالعلی کی خدمت میں ایک سال رہے۔ تحصیل علم کے بعد مولانا عبدالعلی نے ان کی دستار بندی کرنی چاہی، مگر شاہ صاحب نے انکار کر دیا۔ اس مدرسہ میں دستار بندی کے وقت سند، خلعت اور دو سو روپے نقد مدرسہ کی طرف سے دیے جاتے تھے۔ سند والے کو انگریزی حکومت میں ملازمت بھی مل سکتی تھی۔ شاہ صاحب نے ان باتوں سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ "مجھے خلعت کا اور دنیا کا لالچ بالکل نہیں، اور نہ ہی ملازمت کی ہوس ہے۔ اور دستار بندی کی تو ضرورت ہی نہیں ہے۔"

درس و تدریس

سنہ ۱۲۰۰ھ (۱۷۸۵ء) میں مولانا عبدالعلی سے اجازت حاصل کر کے چند دوستوں کے مشورہ پر مدن پور (صوبہ بنگال) میں قیام کیا اور طالبان علم کو درس دینا شروع کیا۔ یہاں دس ماہ رہ کر طلبہ کو درسی کتابیں پڑھائیں۔ اس کے بعد اپنے وطن سندھ میں لوٹ آئے اور چند سال حیدر آباد میں درس و تدریس میں مشغول رہے۔ ایک دن جب کہ وہ سبق پڑھا رہے تھے، ایک مجذوب درویش غلام محمد ان کے قریب آکر بیٹھ گئے اور بیٹھتے ہی ان سے کہنے لگے۔ "مولوی صاحب! ظاہری علم کا درس بہت دے لیا۔ اب ہمارے حصہ میں آجائیں۔" مولوی صاحب نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ مہینوں کے بعد وہی درویش

پھر تشریف لائے اور بہت دیر تک نظریں جمائے ان کی طرف دیکھتے رہے۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد وہی الفاظ پھر دہرائے جو اس سے پہلے کہہ چکے تھے۔ شاہ عبدالرحمٰن اس بار بھی خاموش رہے۔ لیکن اس بار دل پر ایک اثر پیدا ہو گیا تھا۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ کچھ عرصہ بعد انہوں نے خود پوچھا کہ وہ مجذوب کہاں ہیں؟ انہیں بتایا گیا کہ وہ درویش انتقال کر چکے ہیں۔ یہ سنتے ہی بے قرار ہو گئے۔ اور درس و تدریس کا مشغلہ ختم کر کے زیارت کعبہ کے لئے حجاز کے سفر پر روانہ ہو گئے۔

سفر حجاز

سنہ ۱۲۰۵ھ (۱۸۶۰ء) میں حیدر آباد سے روانہ ہو کر سورت پہنچے اور ۲۰ رجب کو بحری جہاز "رحمٰن بخش" پر سوار ہوئے۔ ۹ رمضان کو جدہ پہنچے۔ وہاں سے اونٹ پر سوار ہو کر ۱۴ رمضان کو مکہ شریف میں داخل ہوئے۔ انہوں نے مکہ میں تین مہینے قیام کیا۔ حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد ۱۵ ذوالحجہ کو مکہ سے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے اور ۲ محرم ۱۲۰۶ھ کو وہاں پہنچے۔ واپسی پر بندرگاہ کچھ پر اتر کر اپنے وطن سندھ پہنچے۔ اس سفر میں مولوی رحمت بخش اور حاجی غلام محمد ان کے ساتھ تھے۔ گھر پہنچتے ہی انہیں یہ اندوہناک خبر ملی کہ ان کی عدم موجودگی میں ان کی والدہ محترمہ رحلت فرما چکی ہیں۔ اور ان کے والد محترم ان کی تلاش میں ہندوستان گئے ہیں۔ عزیز و اقارب نے ان سے شادی کرنے کے لیے کہا۔ مگر وہ نہ مانے۔ انہوں نے گاؤں میں کچھ وقت رہ کر علامہ عبدالحکیم سے طریقت کی تعلیم حاصل کی۔

سیاحت

شاہ عبدالرحمٰن کو وطن میں آرام نہ آیا۔ آخر وطن کو چھوڑ دیا۔ پہلے پاک پٹن شریف پہنچے۔ وہاں بابا فرید الدین گنج شکر کے مزار پر پچاس دن قیام کیا۔ وہاں سے جودھپور آئے اور دس مہینے تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔ ۴ ربیع الثانی ۱۲۰۷ھ کو اجمیر شریف پہنچے۔ انہوں نے درگاہ خواجہ معین الدین اجمیری کے باہر ایک مسجد میں قیام کیا۔ یہاں ایک مجذوب محمد حنیف کی معیت میں کچھ وقت گذارا۔ اجمیر میں تین مہینے گزارنے کے بعد ریواڑی آئے۔ یہاں چار ماہ تک انہوں نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ پھر جے پور اور الور سے ہوتے ہوئے دہلی پہنچے انہوں نے تین ماہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا

دس دن حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلوی" اور سوا سال حضرت محبوب الٰہی' سلطان المشائخ' شیخ نظام الدین اولیا کی درگاہوں میں قیام کیا۔ دہلی میں مولانا فخر الدین نظامی کی خلیفہ مولانا شاہ محمد عظیم سے فیض حاصل کرنے کے بعد سلسلہ نظامیہ' چشتیہ' فخریہ میں اجازت اور خلافت حاصل کی۔ اس کے بعد گنگوہ آئے اور حضرت قطب العالم کے مزار کی زیارت کی۔ درگاہ کے سجادہ نشین معمار الاسلام اور شاہ قطب الدین سے ان کے خصوصی تعلقات پیدا ہو گئے تھے۔ بلکہ شاہ قطب الدین نے تو ان سے فیض بھی حاصل کیا۔

گنگوہ کے نواح میں انیٹھ' کڑھام' ٹنکہ' کرنال اور تھانیسر جاکر بزرگان دین کی زیارتیں کیں۔ اس کے بعد وہ منگورہ (ضلع سہارنپور) پہنچے' جہاں انہوں نے مفتی محمد سلیم کے خلیفہ شاہ نور الہدی سے سلسلہ قادریہ چشتیہ صابریہ میں اجازت اور خلاف حاصل کی۔ پھر دیو بند اور سہارنپور سے ہوتے ہوئے کلیر تشریف آئے۔ جہاں حضرت سید علاؤ الدین احمد صابر کی درگاہ پر چالیس دن قیام کیا۔ اس کے بعد پانی پت پہنچے۔ وہاں حضرت شاہ شرف الدین بو علی قلندر کی زیارت کی۔ بعد میں نہٹور ضلع بجنور پہنچ کر حضرت بلاقی مراد آبادی کے خلیفہ حافظ محمد امین قادری کے مزار کی زیارت سے شادکام ہوئے۔ اور ان کے فرزند شاہ غلام محمد قادری کے پاس ایک مہینے مقیم رہے۔ وہاں سے امروہہ گئے۔ اور شاہ عبدالباری چشتی نقشبندی مجددی کی خانقاہ میں قیام کیا۔ پھر خلیفہ شاہ غلام غوث قادری نقشبندی مجددی کے پاس چھ مہینے رہے۔ اور ان سے فیض بھی حاصل کیا اور نقشبندیہ مجددیہ سلسلہ میں اجازت اور بیعت بھی حاصل کی۔ وہیں شاہ حنیف چشتی نقشبندی مجددی سے بھی ملاقات کی۔ اس کے بعد مراد آباد اور کاشی پور ہوتے ہوئے بھڑائچ آئے۔ جہاں انہوں نے حضرت سید مسعود سالار غازی کے مزار کی زیارت کی۔ پھر نانسہ پہنچ کر حضرت سید شاہ عبدالرزاق قادری کے مزار کی زیارت کی۔ اور ان کے نواسے غلام علی سے قادریہ رزاقیہ سلسلے میں خلافت اور اجازت پائی۔ وہاں سے وہ رو ولی آئے۔ جہاں مخدوم عبدالحالق کی درگاہ میں کچھ وقت قیام کیا۔ اس کے بعد اودھ میں آئے جہاں شاہ جمال گوجرہ کی زیارت کی۔ پھر فیض آباد ہوتے ہوئے کچھو بھہ پہنچے' جہاں سید اشرف جہانگیر کے مزار کی زیارت کی۔ وہاں سے ہو کر سلون آئے۔ اور کریم عطا کی خانقاہ میں کچھ وقت ٹھہرے۔ وہاں سے مانکپور پہنچ کر مجذوب حسام الحق اور دوسرے اولیاء اللہ کی زیارتیں کیں۔ اس کے بعد کڑہ

ہوتے ہوئے الہ آباد پہنچے۔ جہاں شاہ محمد اجمل کی خانقاہ میں تھوڑے دن مقیم رہے۔ پھر رائے بریلی آئے اور وہاں شاہ علیم کی خانقاہ میں کچھ وقت قیام کیا۔

لکھنؤ میں قیام

آخر نواب سعادت علی خان کے زمانہ میں ۱۲۱۴ھ (۱۷۹۹ء) میں لکھنؤ میں آئے۔ تین دن شاہ پیر محمد قادری کے مزار پر رہے' پھر حضرت مخدوم شاہ مینا کی مسجد میں سکونت اختیار کی۔ وہ سات برس تک وہیں رہے۔ ۷ محرم ۱۲۲۲ھ کو مسجد پنڈائن میں آکر مقیم ہوئے اور پھر آخری عمر تک وہیں رہے۔ وہیں ان کا انتقال ۶ ذوالقعدہ ۱۲۴۵ھ (۱۸۳۰ء) کو ہوا۔ انہیں مسجد کے سامنے دفن کیا گیا۔ جہاں اب ان کی درگاہ ہے۔

مولانا شاہ عبدالرحمٰن نے کتنے ہی طالبان حق کو فیض پہنچایا۔ مولانا امیر علی لکھنوی شہید بھی ان کے خلیفہ تھے۔ ان کے دوسرے خلیفہ شاہ حسین بخش فرخ آبادی تھے۔ ان کے علاوہ انہوں نے ایک بڑی تعداد کو اپنے علم و فیض سے مستفیض کیا۔ اس کی تفصیل شاہ صاحب کی سوانح عمری "انوارالرحمٰن" میں موجود رہے۔ جسے ان کے ایک مرید مولوی نوراللہ اعظم پوری (پھپھراونی) نے ان کی وفات سے دو سال قبل ۱۲۴۳ھ میں فارسی زبان میں لکھا تھا۔ مولوی صاحب کے ورثاء یہ کتاب ہر پانچویں دسویں سال چھپوا کر مفت تقسیم کرواتے ہیں۔

مولانا کی کچھ تصانیف و تالیفات بھی یادگار ہیں۔ وجودی فکر سے متعلق کتاب "کلمتہ الحق" عربی زبان میں ہے۔ جسے نو لکشور لکھنؤ والوں نے شائع کیا تھا۔ اب یہ کتاب کمیاب ہے۔ اس کتاب کے ایک حصے کا اردو ترجمہ "وحدت الوجود" کے نام سے لاہور سے شائع ہوا تھا۔ اسے "اللہ والے کی قومی دکان" والوں نے چھاپا تھا۔ اس ترجمہ کے دو حصے مولوی حافظ غیاث الدین کے ترجمہ کیئے ہوئے ہیں۔ جب کہ ایک حصہ کا ترجمہ عرفان احمد انصاری نے کیا تھا۔ جو مولانا عبدالرحمٰن کے سلسلے کے مرید تھے۔ یہ اردو ترجمہ ۱۳۳۹ھ (۱۹۲۰ء) میں ہوا تھا۔

اس کتاب کو شاہ صاحب نے ۱۲۳۵ھ میں تحریر کیا تھا۔ اس میں انہوں نے فلسفہ وحدت الوجود کو نہایت وضاحت اور فلسفیانہ انداز میں سمجھایا ہے۔ ابن عربی کی کتب "فصوص الحکم" اور "فتوحات مکیہ" کے بعد فلسفہ وحدت الوجود پر یہ کتاب ہی علمی معیار

کی ہے۔ کتاب میں کلمہ طیبہ کے معنی پر بڑی بحث کی گئی ہے۔ اور کلمہ کے مروجہ معنوں پر سخت تنقید کی گئی ہے۔ اس وجہ سے اس وقت کے علماء نے اس کتاب پر بڑا اعتراض کیا۔ حضرت مولانا عبدالعزیز محدث دہلوی نے اس کتاب پر نکتہ چینی کرتے ہوئے اس میں کی گئی بحث کو غلط ٹھہرایا۔ شیخ عبدالحکیم لاہوری نے ایک رسالہ میں شاہ عبدالرحمٰن کی توحیدی فکر کا رد لکھا ہے۔ شاہ اسمٰعیل شہید ابن شیخ عبدالغنی دہلوی نے ان دونوں عالموں کے درمیان فیصلہ کیا ہے۔

اس کے علاوہ مولانا صاحب کی دوسری تصانیف اور تالیفات بھی ہیں۔ مثلاً مفتاح التوحید' جہد المقل' کاسرۃ الانسان سرالانسان وغیرہ قلمی حالت میں ہیں اور لکھنؤ میں ان کی درگاہ میں محفوظ ہیں۔

اگرچہ مولانا عبدالرحمٰن وجودی مشرب کے قائل تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ شریعت الٰہی کی اطاعت میں کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے۔ "من حققدی فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و عمل آنحضرتؐ ہمیں بود۔" ان پر آخری عمر تک توحید وجودی کا غلبہ رہا' لیکن جب ہوش غالب آتا تھا' تو وہ اپنے ہم عصر مولانا نیاز احمد کا یہ شعر پڑھتے تھے' جو وحدت الشہود کا ترجمان ہے۔

شہود حق طلبی از وجود خود بگذا   کہ جز وجود تو او راحجاب نیست

مولانا عبدالحئی نے اپنی مشہور کتاب "نزہتہ الخواطر" (ج۔۷) میں ان کے بارے میں لکھا ہے۔

"یہ بزرگ عالم دوسرے عالموں سے مختلف اور نرالی طبیعت کے آدمی تھے۔ صحن مسجد میں ساز و سرود کے ساتھ گانا سنتے تھے اور عالموں کے سخت منع کرنے کے باوجود وجد کرتے تھے۔ سیدوں اور عالموں کی بے انتہا عزت کرتے تھے۔ امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے اسمائے گرامی پر جو تعزیے اور تابوت تیار کیے جاتے تھے' ان کی تعظیم کے قائل تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ "ان کی اہانت نہ کی جائے' کیونکہ انہیں حسینؓ کو اسمائے گرامی سے منسوب کیا جاتا ہے۔"

حضرت خواجہ نور محمد مہاروی

پنجاب میں حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کے بعد حضرت خواجہ نور محمد مہاروی نے

چشتیہ سلسلہ کی ترویج کے لئے بڑی کوشش کی۔ آپ کے خلفاء نے پنجاب کے مختلف شہروں، تونسہ، احمد پور، چاچڑان، مکھ، جلال پور، گولڑہ وغیرہ میں خانقاہیں قائم کیں۔

حضرت خواجہ نور محمد "چوٹالہ" میں تولد ہوئے۔ آپ کا اصل نام "ببل" تھا جس کو پیر خواجہ شاہ فخر الدین نے بدل کر "نور محمد" کر دیا۔ آپ کے والد کا نام "ہنوال" تھا اور قوم کے کھرل تھے۔ آپ کے آبا و اجداد زراعت کرتے تھے اور مویشی چراتے تھے۔ آپ کے والد بعد میں "مہار" آکر رہنے لگے حضرت خواجہ نور محمد صاحب پانچ سال کی عمر کے تھے تو آپ کے والد نے آپ کو قرآن شریف پڑھنے کے لئے مکتب بھیج دیا۔ حافظ محمد مسعود کے یہاں آپ نے قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد آپ کے والد اور بھائیوں نے آپ کو کسی کاروبار میں لگانا چاہا۔ لیکن آپ نے تعلیم جاری رکھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ چنانچہ مہار سے چند میل کے فاصلہ پر موضع "بڈھیراں" میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے گئے۔ کچھ عرصہ کے لئے وہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد موضع "بیلانہ" گئے۔ اور شیخ احمد کھوکھر سے تعلیم حاصل کی۔ بعد میں "ڈیرہ غازی خان" آئے اور شرح ملا تک تعلیم حاصل کی۔ وہاں کچھ عرصہ رہنے کے بعد اپنے ہم سبق محکم دین سیلانی کے ساتھ لاہور آئے۔

مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے لاہور سے دہلی آئے اور مدرسہ غازی الدین میں داخل ہو گئے۔ اور میاں برخوردار جی سے تعلیم حاصل کی۔ ابھی تعلیم مکمل ہی نہ ہوئی تھی کہ آپ اپنے گاؤں اپنے عزیز و اقارب سے ملنے گئے۔ واپس آئے تو آپ نے حضرت شاہ فخر الدین کے درس و تدریس کا چرچا سنا۔ چنانچہ آپ ان کے پاس گئے اور تعلیم حاصل کرنے لگے۔ حضرت شاہ فخر الدین صاحب آپ کی ذہانت اور علمی لیاقت سے بہت متاثر ہوئے۔ آخر سنہ ۱۱۶۵ھ (۱۷۵۲ء) میں آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ یہ پہلے مرید تھے۔ جو دہلی میں حضرت شاہ فخر الدین کے مرید ہوئے۔

کچھ عرصہ کے بعد حضرت شاہ فخر الدین "پاکپتن" کے لئے روانہ ہوئے۔ حضرت خواجہ نور محمد صاحب کو اپنے ساتھ لیا۔ پاکپتن پہنچنے کے بعد حضرت خواجہ فخر صاحب نے آپ کو اپنے گاؤں اپنی والدہ سے ملنے کا حکم دیا۔ مہار میں آٹھ دن رہنے کے بعد پاکپتن آئے۔ اور اپنے پیر سے ملے۔ اس کے بعد اپنے پیر کے ارشاد کے مطابق برج نظامی میں عبادت کرنے لگے۔ پاکپتن میں قیام کے دوران حضرت خواجہ فخر صاحب کے پاس جو بھی مرید

ہونے کے لئے آتا تھا، آپ اس کو حضرت خواجہ نور محمد صاحب کے پاس بھیج دیتے تھے۔ اس طرح کئی لوگوں نے حضرت خواجہ نور محمد صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی۔

دہلی واپس آنے کے بعد ایک دن حضرت خواجہ فخر جہاں نے آپ کو خلافت کے خرقہ سے نوازا اور "مہاراں" میں قیام کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد حضرت شاہ فخر الدین یہ دوہڑہ اکثر پڑھا کرتے تھے:

تن ملکے من چھیر نا سرت ملوؤں ہار
مکھن لے گیا پنجابی چھاچھ پیو سنسار

مہار آنے کے بعد حضرت خواجہ نور محمد صاحب نے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا اور بے شمار لوگ آکر آپ سے روحانی فیض حاصل کرنے لگے۔ آپ کی شخصیت میں بڑی کشش تھی۔ جو بھی آتا متاثر ہوئے بغیر رہ نہیں سکتا تھا اور آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہو جاتا۔ امیر و غریب اور ہر طبقہ کے لوگ آپ کی صحبت میں آکر بیٹھنے لگے۔ جو بھی سوال کرتا آپ اس کا شافی جواب دیتے۔ اپنے مریدوں کی روحانی اصلاح اور تربیت پر توجہ فرماتے، ان کی استعداد اور صلاحیت کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لیتے اور ان کو روحانی منازل طے کراتے۔ حضرت خواجہ صاحب اپنے مریدوں کو ان چیزوں کی تلقین فرماتے: اتباع شریعت اور اخلاق کی درستی۔ اپنے مریدوں کو یہ بھی ہدایت فرماتے تھے۔ کہ لوگوں میں مل جل کر رہیں۔ اور اخلاق اصلاح کے لئے جدوجہد کریں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آپ نے چشتیہ سلسلہ کو معاشرہ کے اصلاح کے لئے ایک تحریک کی صورت دی۔

حضرت خواجہ صاحب کی پر خلوص جدوجہد کے بڑے اچھے نتائج نکلے اور اس صوفیانہ تحریک کا فیض پنجاب کے گوشہ گوشہ تک پہنچ گیا۔ پنجاب کی سرزمین کو روحانی اور اخلاقی فیض سے سیراب کر کے ۳۔ ذوالحج ۱۲۰۵ (۱۷۹۱ء) کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کا مزار تاج سرور میں ہے۔ اس جگہ چونکہ حضرت بابا فرید کے پوتے اور بدر الدین سلیمان کے فرزند تاج الدین سرور کا مزار ہے، اس لئے اس جگہ کا نام تاج سرور پڑ گیا ہے۔ حضرت خواجہ نور محمد صاحب کو تاج سرور صاحب کی مزار سے بڑی عقیدت تھی۔ ہر جمع کو وہاں جاتے تھے اور وہیں خانقاہ بھی قائم کر لی تھی۔ اس جگہ پر فریدی خاندان کی بہت سی مزاریں ہیں، اس لئے اس کو "بستی چشتیاں" بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت خواجہ صاحب کو تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہوئیں۔ لڑکوں کے نام یہ ہیں: شیخ نورالصمد، شیخ نور احمد اور شیخ نور الحسن۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند "شیخ نورالصمد" سجادہ نشین ہوئے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد مہاراں قوم کے لوگوں نے آپ کو شہید کر دیا۔ ان کے بعد ان کے بھائی شیخ نور احمد صاحب سجادہ نشین ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد ان بڑے صاحبزادے میاں خواجہ محمود سجادہ نشین ہوئے۔

حضرت خواجہ نور محمد صاحب کے مریدوں کی بڑی کثیر تعداد تھی۔ آپ کے خلفاء کی تعداد بھی بہت ہے۔ بعض خلفاء کے نام یہ ہیں: (۱) خواجہ محمد عاقل (۲) شیخ نور محمد نارو والہ (۳) غلام محمد سکنہ میراوالی (۴) قاری عزیز اللہ (۵) محمد غوث بہیدانہ (۶) نواب غازی الدین (۷) حافظ غلام حسین (۸) قاری صبغت اللہ (۹) میاں محمد فاضل نیکو کارہ (۱۰) میاں غلام حسین بھٹی (۱۱) غلام محمد کیزئی (۱۲) حافظ ناصر (۱۳) مولوی محمد مسعود جھانگہ والا (۱۴) نور الحق (۱۵) محمد بخش چشتی (۱۶) اصالت خان (۱۷) مولوی نور محمد سکنہ نواح بہاولپور (۱۸) مولوی محمد حسین (۱۹) حافظ نبی (۲۰) نواب لطف اللہ خان (۲۱) مولوی محمد اکرم ڈیرہ غازی خان (۲۲) مولوی محمد عجیب (۲۳) اختیار خان (۲۴) مخدوم نو بہار اوچی (۲۵) عبدالوہاب اوچی (۲۶) مخدوم عبدالکریم (۲۷) مخدوم محب جہاں (۲۸) مولوی تاج محمود ساکن گڑھی (۲۹) شیخ جمال چشتی، فیروز پوری (۳۰) حافظ عظمت میرن شاہ (۳۱) سید صالح محمد شاہ

بعض خلفاء کا تعارف پیش کیا جاتا ہے:

شیخ نور محمد نارووالہ : عالم، فاضل اور اہل دل بزرگ تھے۔ حضرت خواجہ نور محمد صاحب نے سب سے پہلے آپ کو ہی خلافت سے نوازا تھا۔ شریعت کے پابند تھے۔ اور بے حد منکسر المزاج تھے۔ حضرت شاہ نور محمد صاحب کی زندگی میں ۶۔ جمادی الاول ۱۲۰۴ھ (۱۷۹۰ء) کو فوت ہوئے۔ مزار حاجی پور میں ہے۔ ان کو تین فرزند ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد آپ کے فرزند حافظ محمد سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کے مشہور خلفاء کے نام یہ ہیں۔ (۱) عبداللہ خان، ڈیرہ غازی خان (۲) مولوی محمد حسن راجن پور (۳) نور محمد بڈرہ محمد پور (۴) مولوی ابوبکر حاجی پورہ (ی) مولوی محمد کہلوی

مولوی حافظ غلام حسین : بڑے بزرگ تھے۔ ۹۔ ذوالقعد ۱۲۴۰ء (۱۸۲۵ء) میں فوت ہوئے اور شاہ نور محمد کے قریب مدفون ہوئے۔

نواب غازی الدین خان : آپ نے حضرت خواجہ نور محمد صاحب کے مناقب میں ایک مثنوی لکھی۔

حضرت خواجہ محمد عاقل

حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ دہلی جب محمد تغلق کے حملہ ٹھٹھ کے زمانہ میں سندھ میں آئے تو شیخ عیسیٰ بن یوسف کوریجہ سنہ ۷۵۶ھ (۱۳۵۵ء) میں ان کے مرید ہوئے۔ حضرت شیخ عیسیٰ کے خاندان میں سے شیخ حسن بہت بڑے روحانی بزرگ ہو گزرے ہیں۔ انہوں نے دولت اور امارت کو ترک کر کے درویشی اختیار کی اور سہروردی سلسلہ میں بیعت ہوئے۔ ان کے فرزند محمد زکریا سندھ کو خیر باد کہہ کر "منگوٹ" تحصیل لودھراں میں سکونت پذیر ہوئے۔ اور وہاں ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ مخدوم محمد زکریا کے بعد ان کے فرزند مخدوم نور محمد کے زمانہ میں اس مدرسہ نے بڑی ترقی کی اور دارالعلوم کے درجہ تک پہنچا۔ مغل حکومت کے طرف سے اس مدرسہ کے لئے پانچ ہزار بیگھے زمین دی گئی۔

مخدوم نور محمد کے پوتے محمد شریف بن محمد یعقوب نقل مکانی کر کے آکر "سیتپور" میں رہے۔ انہیں دنوں مخدوم صاحب کے مرید نواب "مٹھن خان" نے "مٹھن کوٹ" نامی شہر آباد کیا۔ نواب صاحب کی گذارش پر مخدوم محمد شریف نے "مٹھن کوٹ" میں آکر رہائش اختیار کی۔ مخدوم محمد شریف کو دو فرزند ہوئے: قاضی محمد عاقل اور قاضی نور محمد۔ دونوں بھائی بڑے عالم، فاضل اور بزرگ ہو گزرے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اس خاندان کا لقب "کوریجہ" تھا، لیکن وہ دراصل نسبتاً فاروقی تھے۔ سندھ میں "کوریجہ" قوم اب بھی موجود ہے، جو ابڑا قوم کی ایک شاخ ہے۔

حضرت خواجہ محمد عاقل نے قرآن حکیم حفظ کیا اور دینی تعلیم حاصل کی۔ آپ نے اپنے والد بزرگوار کے علاوہ حضرت شاہ فخر اور حضرت خواجہ نور محمد مہاروی سے بھی تعلیم حاصل کی۔ تعلیم کی تحصیل کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور کوٹ مٹھن میں اعلیٰ پیمانہ پر ایک مدرسہ قائم کیا۔ مدرسہ کے ساتھ لنگر خانہ بھی تھا، جہاں طلباء کو کھانا ملتا تھا۔ "مٹھن کوٹ" سے جب آپ "شدانی" گئے، تو وہاں بھی ایک مدرسہ قائم کیا۔

طریقت میں حضرت خواجہ محمد عاقل اور ان کا بھائی حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کے

مرید اور خلیفہ ہوئے۔ حضرت خواجہ محمد عاقل کئی مرتبہ حضرت شاہ فخر کی خدمت میں بھی گئے۔ حضرت خواجہ محمد عاقل نے بڑی ریاضتیں اور سخت مجاہدات کئے۔ اتباع سنت پر سختی سے کاربند تھے۔ بڑے خلیق تھے اور پر کشش شخصیت کے مالک تھے۔ امیر غریب، بوڑھے جوان سب سے یکساں شفقت اور انکسار سے ملتے تھے۔ جو بھی آپ سے گفتگو کرتا، ان کو نہایت خندہ پیشانی اور محبت سے جواب دیتے۔

حضرت خواجہ صاحب مریدوں کی اخلاقی اور روحانی اصلاح اور تربیت پر خاص توجہ دیتے تھے۔ اور ان کو شرع کی پابندی، خدا پر بھروسہ کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ آپ نے ۸۔ رجب ۱۲۲۹ھ (۱۸۱۳ء) کو وفات کی۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند احمد علی سجادہ نشین ہوئے۔ انہوں نے ۹۔ شعبان ۱۲۳۱ھ (۱۷۱۶ء) کو وفات پائی۔ ان کے دو فرزند ہوئے: میاں خدا بخش میاں تاج محمود۔

میاں احمد علی کے بعد میاں خدا بخش سجادہ نشین ہوئے۔ انہوں نے "کوٹ مٹھن" سے آکر "چاچڑاں" میں رہائش اختیار کی۔ میاں صاحب شریعت کی پابندی کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ اور درس و تدریس قائم رکھنے میں سرگرمی سے کام کرتے تھے۔ انہوں نے نوابوں اور رئیسوں سے کبھی کوئی جاگیر یا زمین قبول نہیں کی۔ ۱۲ ذوالحجہ ۱۲۶۹ھ (۱۸۵۲ء) میں فوت ہوئے۔

میاں خدا بخش کی وفات کے بعد مولانا غلام فخرالدین مسند نشین ہوئے۔ آپ بھی شریعت کی پابندی کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ بہاولپور کے والی نے جو اراضی آپ کے والد بزرگوار میاں خدا بخش کو پیش کی تھی، وہ آپ نے اپنے زمانہ میں قبول کی۔ ۵۔ جمادی الاول سنہ ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ء) کو فوت ہوئے۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت خواجہ غلام فرید سجادہ نشین ہوئے۔

میاں احمد علی کے دوسرے فرزند میاں تاج محمود سے بھی چشتیہ نظامیہ سلسلہ چلا۔ آپ کو پانچ فرزند ہوئے۔ خواجہ محمد شریف، خواجہ گل محمد، خواجہ خیر محمد، خواجہ شیر محمد اور خواجہ غوث بخش۔

خواجہ محمد عاقل کے خلفاء: آپ کے بڑے خلفاء یہ ہیں:

خلیفہ اکبر: وفات ۳۔ ربیع الآخر ۱۲۳۹ھ (۱۸۲۴ء)

مولوی عبداللہ (مزار: احمد پور)

مولوی محمد اعظم: وفات ۲۰ ذوالحج ۱۲۴۰ھ (۱۸۲۵ء)

میاں شریف الدین

مولوی گل حسن، شاعر تھے اور وحدت الوجود کے فکر کی ترجمانی کرتے تھے۔

خواجہ گل محمد احمد پوری: ۹ محرم سنہ ۱۲۴۳ھ (۱۸۲۷ء) کو وفات کی۔ انہوں نے اس سلسلہ سے بزرگوں کے حالات کے سلسلہ میں "تکملہ سیرالاولیاء" نامی کتاب لکھی۔

خواجہ غلام فخرالدین

آپ کی ولادت سنہ ۱۲۳۴ھ (۱۸۱۹ء) میں ہوئی۔ میاں خدا بخش کے بڑے صاحبزادے تھے، علم کی تحصیل کے بعد درس دینے لگے۔ والد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ کئی لوگوں نے آپ سے علمی اور روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ کے بھائی حضرت خواجہ غلام فرید نے بھی آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ کی وفات ۵۔ جمادی الاول ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ء) کو ہوئی۔ بوقت وصال آپ کی عمر ۵۳ سال تھی۔ کوٹ مٹھن میں مدفون ہوئے۔

حضرت خواجہ غلام فخرالدین فارسی زبان کے بلند پایہ شاعر تھے اور "اوحدی" تخلص کرتے تھے۔ آپ بحالت جذب شعر کہتے تھے۔ جنہیں حاضرین نقل کر لیتے تھے۔ فارسی میں آپ کا مکمل دیوان ہے جو شائع ہو چکا ہے۔ نمونہ کے طور پر چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

زہی روئی تو مظہر ذات و اسما۔ زحسنت بہر سو در افتاد غوغا
تو بحر محیطی و پایاں نہ داری۔ ز فیض وجودت جہان شد ہویدا

-----☆-----

چو عشق پروں شد بطحا۔ جہاں روشن شد از نور تجلی
چو تاب مہر ذاتش کس ندارد۔ برخ افگند زاں جلباب اسما
چو فوج حسن او متانت ہرسو۔ ملک جان و دل افتا یغما
چو حسن دلبر ماجلوہ گرشد۔ نقوش غیر آندم گشت پیدا

-----☆-----

من آزمودم بارہا آں نرگس بیمار را۔ گر زیک نگ مجنوں کند صد زاہد ہوشیار
از بہر قتل عاشقاں ایک نرگس بدست تو۔ ایما کند ہر ساعتی آن غمزۂ خونخواہ

----- ☆ ----

از جلوہ حسن دلبر ماسرار دو کون شدہویدا
بے پردہ محال دیدنش بود۔ پوشیدہ ازاں نقاب اسما
دریائے قدم جوش آورد۔ صد موج حدوث گشت پیدا
در بزم وصال یاراز من۔ شد محو اضافت من وما

حضرت خواجہ غلام فرید

میاں خدا بخش کے فرزند اور خواجہ غلام فخر الدین کے چھوٹے بھائی تھے۔ ۲۶ ذوالعقد سنہ ۱۲۶۱ھ (۱۸۴۵ء) میں چاچڑاں میں تولد ہوئے۔ چار سال کی عمر کے تھے تو آپ کی والدہ نے وفات کی۔ آٹھ سال کی عمر میں آپ کے والد بزرگوار نے وفات کی۔ آپ کی تعلیم و تربیت آپ کے بڑے بھائی خواجہ غلام فخر الدین کی نگرانی میں ہوئی۔ والی ریاست بہاولپور نواب صادق محمد خان کی گذارش پر آپ کی تعلیم و تربیت شاہی محل میں بڑے اہتمام سے ہوئی۔ تیرہ سال کی عمر میں اپنے بھائی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ۱۲۸۸ھ میں اپنے بھائی کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ عبادت اور ریاضت کے لئے ہنگاموں سے دور بہاولپور کے ریگستان جس کو عام طور پر روہی کہا جاتا ہے۔ تقریباً" اٹھارہ برس سے زیادہ وقت وہاں ایک جھونپڑی میں عبادت و رضیات میں بسر کیا۔

آپ کے کلام میں روہی کے ریگستان کی پر اثر اور حقیقت پسندانہ عکاسی ملتی ہے۔ سنہ ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ء) میں ایک سو سے زیادہ آدمیون کے ساتھ حج کا فریضہ ادا کیا اور تمام لوگوں کے اخراجات خود برداشت کئے۔ والی ریاست بہاولپور نواب صادق محمد خان رابع حضرت خواجہ غلام فریدؒ کے مرید تھے۔ نواب صاحب کو اپنے مرشد سے عشق کے حد تک عقیدت اور محبت تھی۔

حضرت خواجہ صاحب سے بے شمار لوگوں نے روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ کے چشمہ فیض سے ہند' پنجاب 'سندھ اور بلوچستان کے کئی لوگ مستفیض ہوئے۔ آپ بڑی پر کشش شخصیت کے مالک تھے اور حلیم الطبع' با اخلاق رحمدل اور صلح جو تھے۔ ہر ایک کے ساتھ

بڑی محبت اور شفقت سے ملتے تھے۔ آپ نے اپنے مخالف کی بھی کبھی دل شکنی نہیں کی۔ غرضیکہ محبت اور خلوص کا عملی پیغام پہنچا کر ۶۔ ربیع الثانی ۱۳۱۹ھ (۲ جولائی ۱۹۰۱ء) کو جہان فانی سے رخصت ہو کر عالم بقا کو روانہ ہوئے۔

حضرت خواجہ صاحب سرائیکی زبان کے باکمال شاعر ہیں۔ عشق رسول وحدت الوجود حسن و عشق اور زندگی کے جذبات اور احساسات آپ کی شاعری کے مضامیں ہیں۔ آپ نے سرائیکی زبان کے علاوہ سندھی' اردو اور فارسی زبانوں میں بھی شعر کہا ہے۔ آپ نے اپنی ثقافت اور روہی کے ریگستان کی حقیقت پسندانہ نوع میں ترجمانی کی ہے۔ عوام کے جذبات احساسات امنگوں اور ارمانوں کی عکاسی کی ہے۔ اس میں اتنا درد سوز اور اثر ہے کہ براہ راست دل پر اثر کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عام و خاص میں بیحد مقبول ہے اور ہر حساس دل کی دھڑکن ہے۔ آپ کے کلام میں جو اثر انگیزی نظر آتی ہے وہ دراصل عشق حقیقی کی تڑپ کی وجہ سے ہے۔ آپ عشق حقیقی کے جذبہ اور کیفیت کو ایسے پر درد اور پرسوز انداز میں بیان کیا ہے کہ اس کا رنگ مجازی بھی نظر آتا ہے اور حقیقی بھی محسوس ہوتا ہے۔

آپ نے زیادہ کلام عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشار ہو کر کہا ہے۔ ایک کافی میں ان جذبات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

اتھاں میں مٹھڑی جند جان بلب۔ اوتاں خوش وسدا وچ ملک عرب

(یہاں میں قسمت کی ماری جاں بلب ہوں مر رہی ہوں۔ اور وہ (میرا محبوب) تو ملک عرب میں خوش براجمان خوش بستا ہے)

ہر ویلے یار دی تانگھ لگی ۔ سنجے سینے سک دی سانگ لگی'
ڈکھی دلڑی دے ہتھ تانگہ لگی ۔ تھسے مل مل سول سولے سب

(ہروقت محبوب کا انتظار ہے برباد خالی سینہ میں انتظار کا نیزہ لگا ہوا ہے دکھی ہوئی دل کو یہی ڈھارس لگی ہے کہ اس میں تمام درد و الم اکٹھے ہو گئے ہیں)

واہ سوہنا ڈھولن یار سجن۔ واہ سانول ہوت حجاز وطن
آ ڈیکھ فرید دا بیت حزن۔ ہم روز ازل دلی تانگھ طلب

(سبحان اللہ اے محبوب حسین پیارا' خیر خواہ' ملیح عربی' حجازی ذرہ اپنے فرید کا بیت الاخذان تو

آکر ملاحظہ کر' اسے روز ازل سے تیری طلب اور انتظار ہے)

حضرت خواجہ صاحب وحدۃ الوجود کے قائل تھے۔ انہوں نے تصوف کا یہ مسئلہ اشارے اور کنایہ سے بیان کرنے کی بجائے بڑی جرات اور وضاحت کے ساتھ اپنے کلام میں بیان کیا ہے۔ اس فکر کے مطابق وجود حقیقی صرف ایک ہے اور تمام کائنات میں اسی ایک ذات کا پرتو ہے۔ کائنات کے مختلف مظاہر کا اپنا کوئی مستقل یا الگ وجود نہیں ہے۔ ہر جگہ ہر مظہر اور تمام شعائر میں اسی کا جلوہ کار فرما ہے۔ یہ نظریہ باقاعدہ ایک فکر کی صورت میں ابن عربی نے پیش کیا۔ اس سلسلہ میں آپ کی دو کتابیں "فصوص الحکم" اور "فتوحات المکیہ" بڑی مشہور ہوئیں۔ حضرت خواجہ صاحب کے مسلک کے بزرگ حضرت خواجہ فخر اور حضرت خواجہ نور محمد مہاروی وغیرہ اسی فکر کے قائل رہے ہیں۔ حضرت خواجہ غلام فرید نے بھی اسی فکر کی ترجمانی کی ہے۔ بلکہ صاف طور پر اعلان کیا ہے کہ:

ملوانے دے وعظ نہ بھانے - بیشک ساڈا دین ایمانے

ابن العربی دا دستور

عاشق مست مدام مدامی - کہہ سبحانی بن بسطامی

آکھ انا الحق تھی منصور

(ملاؤں کے وعظ مجھے پسند نہیں ہیں۔ بلا شک و شبہ ابن العربی کا فکر میرا ایمان ہے۔ عاشق ہمیشہ وحدت میں مست رہتے ہیں۔ بایزید بسطامی کی طرح سبحانی ما اعظم شانی کہہ کر بسطامی بن جا۔ انا الحق کہہ کر منصور ہو جا)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

ٹھپ فقہ اصول عقائد نوں۔ رکھ ملت ابن العربی دی

(فقہ اور اصول فقہ کے عقائد کو چھوڑ دے۔ ابن العربی کا مسلک اختیار کر)

عارف ابن العربی۔ ساڈا ہے استاد

(عارف ابن العربی۔ میرا استاد ہے)

ذیل میں چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں جن میں آپ نے وحدت الوجود کا فکر بڑے پر اثر انداز میں بیان کیا ہے اور اس کی وضاحت میں قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیتیں ثبوت میں پیش کی ہیں:

(۱) نحن اقرب الیہ من حبل الورید

(۲) وھو معکم اینما کنتم

(۳) وفی انفسکم افلا تبصرون۔

حسن قبح سب مظہر ذاتی۔ ہر رنگ میں بیرنگ پیارا۔

(حسن اور قبح (اسی کی طرف سے ہیں) اسی ذات کے مظاہر ہیں اور ہر رنگ میں وہی بیرنگ پیارا فاعل حقیقی ہے۔ یعنی گو کہ ہر رنگ میں وہی جلوہ گر ہے۔ لیکن خود بے رنگ اور بے مثال ہے۔)

نحن اقرب راز انوکھا۔ وھو معکم ملیا ہوکا

سمجھ سنجان عالم لوکا۔ ہے ہر روپ میں عین نظارا

(نحن اقرب کا راز عجیب و غریب ہے اور وھو معکم کا اعلان بھی ہو چکا ہے۔ اے دنیا کے لوگو! اس بات کو اچھی طرح سمجھو اور پہچانو کہ ہر صورت میں عین اسی کا جلوہ ہے)

وفی انفسکم سرائی۔ لو دلیتم خاش گواہی

ہر صورت وچ رانجھ ماہی - کیتا راز داڈھنگ نیاز

(لو دلیتم: صوفیاء کرام کے کتاب میں ایک حدیث مشہور ہے: لو دلی حبل لعلی اللہ حبط معنی ہے: اگر نیچے رسی لٹکائی جائے وہ اللہ پر ہی جا پڑیگی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ذات الٰہی ہر جگہ اوپر نیچے موجود ہے۔ شعر کی معنی یہ ہو گی: وفی انفسکم کا معاملہ ایک راز الٰہی ہے اور لو دلی حبل لعلی حبط کی حدیث صاف گواہی دے رہی ہے کہ محبوب ہر جگہ اور ہر صورت میں جلوہ گر ہے۔ اور اس کے ناز و ادا کے ڈھنگ عجیب ہیں)۔

حضرت خواجہ صاحب نے اسلام کے فیض کا ذکر تمثیلی انداز میں کیا ہے۔

آپ نے بہاولپور کے ریگستان "روہی" کے جغرافیائی معاشی اور معاشرتی حالات کی ترجمانی کر کے تمثیلی انداز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض عام کا ذکر کیا ہے۔ آپ نے کہا ہے کہ جس طرح روہی کے ویران ریگستان میں برسات کی وجہ سے ویرانی' سرسبزی اور شادابی میں تبدیلی ہو جاتی ہے' اس طرح اسلام کے فیض نے ویران دلوں کو آباد کیا اور صالح اور صحتمند معاشرہ وجود پذیر ہوا۔ حضرت خواجہ صاحب نے روہی میں رحمت الٰہی کی بارش کی طرف اشارہ کر کے کہا ہے:

وٹھڑی پالی سدامت والی - مینھ و سراندتے والی آلی

روہی رشک ملمیر - وینڈا البخت ولایا

(روہی: ویران ریگستانی علاقہ جس پر جب برسات ہوتی ہے تو سرسبز و شاداب ہو جاتا ہے۔
ملمیر: سندھ کے ریگستانی علاقہ تھر کا شہر تھے۔ جہاں ماروی رہتی تھی۔ مراد ہے۔
سرسبز و شاداب علاقہ)

شعر کا مطلب ہے سدا متوالے میدان میں خوب بارش ہوئی۔ بارش برسنے کی وجہ سے ریت بھی بھیگی اور روہی کا ریگستان رشک ملمیر (رشک فردوس) ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ سے کھویا ہوا بخت دوبارہ لوٹ آیا ہے۔

تھیاں سرسبز فرید دیا جھوکاں - سبھوں خنکی چائی سوکاں

تھنوں نماتوں کھیر - مولی مارو وسایا یا

(فرید کے مسکن سرسبز و شاداب ہو گئے۔ ہر خشک پودے پر سبزی چھا گئی۔ مال مویشی کے تھنوں میں دودھ سماہی نہیں سکتا۔ (خدا کا شکر ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے ماروؤں کا ملک آباد کیا)۔ حضرت خواجہ صاحب نے تصوف کے مختلف مسائل فنا و بقاء وحدت اور کثرت، معرفت و حقیقت۔ خود شناسی اور خدا شناسی کو بڑی وضاحت سے اور دلچسپ پر کشش اور موثر انداز میں سمجھایا ہے۔ آپ نے ذہن نشین کرایا ہے کہ معرفت حقیقی خود شناسی اور خود کی نفی سے ہی حاصل ہو جاتی ہے۔

حضرت خواجہ صاحب کے اردو شعر کا مضمون بھی یہی ہے۔ آپ کے اردو دیوان سے چند اشعار نمونہ کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں:

سر ہے نثار حضرت عربی کی راہ پر۔ قربان جان و دل ہوئے ہیں اس کی چاہ پر
پاؤں اس کے بادشاہ جہاں چومتے ہیں سب۔ خاک اس کے پاؤں کے پڑی جس کے کلاہ پر
یہ مظہر عین ظاہر ہے کہا پیر مغاں ہم کو۔ نہیں مانیگا وہ جو لذت وحدت سے ہے غافل

----☆----

جو کرے اس پر رضا مند ہوں جان و دل سے۔ کچھ نہ آغاز کی راحت ہے نہ انجام سے کام
نور اس کا عیاں ہے صورت خورشید فرید۔ اس لئے رکھتا ہوں ان سے سحر و شام سے کام

فارسی میں آپ کا ایک رسالہ "فوائد فریدیہ" کے نام سے ملتا ہے۔ جس میں عقائد اور

اعمال صالحہ کا ذکر ہے۔ ان کے علاوہ آپ کے ملفوظات مولوی رکن الدین نے "مقابیس المجالس" کے نام سے جمع کئے ہیں۔ ملفوظات کا یہ مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔

حافظ جمال ملتانی

عالم فاضل اور اہل دل بزرگ تھے۔ آپ کے والد کا نام محمد یوسف اور دادا کا نام حافظ عبدالرشید تھا۔ اعوان قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے دادا "اعوان کاری" کے علاقہ سے نقل مکانی کر کے ملتان آکر قلعہ ملتان کے مشرق کی جانب سکونت پذیر ہو گئے۔ حضرت حافظ جمال کی شخصیت میں علم و عمل کا امتزاج تھا۔ طریقت میں آپ خواجہ نور محمد مہاروی کے مرید اور خلیفہ تھے۔

حضرت حافظ صاحب نے ملتان میں دینی مدرسہ قائم کیا۔ جو علم و فضل کا مرکز بن گیا۔ کئی لوگوں نے آپ سے علمی اور روحانی فیض حاصل کیا۔ ایک طرف عالم فاضل اور روحانی رہبر تھے۔ تو دوسرے طرف تیراندازی میں ماہر تھے اور مجاہدانہ جذبات سے سرشار تھے۔ آپ کے زمانہ میں پنجاب پر سکھوں کا قبضہ تھا' اور مسلمان بڑی تکلیف میں زندگی گزار رہے تھے۔ سکھوں نے ملتان پر کئی بار حملے کئے۔ لیکن حضرت حافظ صاحب کی زندگی میں قابض نہ ہو سکے۔ آپ نے سکھوں کا مقابلہ کیا اور سکھوں کو کامیاب ہونے نہ دیا۔ جب حالات خراب نظر آتے تھے۔ تو خود تیر کمان لئے میدان میں آتے تھے۔ حضرت حافظ صاحب نے ۵ جمادی الاول ۱۲۲۶ھ (۱۸۱۱ء) کو فوت ہوئے۔

حضرت حافظ اتباع شرع پر زور دیتے تھے اور غیر شرعی رسوم کو ناپسند کرتے تھے۔ آپ کے ملفوظات آپ کے علم و فضل اور تعلیمات کے آئینہ دار ہیں۔ آ کے ملفوظات کے بہت مجموعے مرتب کئے گئے جن میں مندرجہ ذیل خاص طور پر مشہور ہیں:

(۱) فضائل رضیہ : یہ مجموعہ مولوی عبدالعزیز نے مرتب کیا۔
(۲) انوار جمالیہ: یہ مجموعہ منشی غلام حسین شہید ملتانی نے مرتب کیا۔
(۳) اسرار لکمالیہ : یہ مجموعہ زاہد شاہ نے مرتب کیا۔

آپ کے ملفوظات میں سے چند باتیں پیش کی جاتی ہیں۔

فرمایا خوارق عادات یہ ہے کہ اپنی عادت نفس میں سے کسی عادت کو خاموش یا ریاضت وغیرہ کے ذریعہ کم کرکے چھڑانا۔ پس اگر اللہ تعالیٰ نے تیری عادت نفس میں سے کسی عادت کو چھڑا دیا تو اس کا ثمرہ دو وجہ پر ہے۔ اول یہ کہ بیٹھ کر اس کے چھڑانے کی پاداش یعنی بدلہ مل جائے اور یہ بد ہے۔ اکثر لوگ اس پر فریفتہ ہوجاتے ہیں اور اس کو کرامت جانتے ہیں' حالانکہ کافران ریاضت کنندگان کو بھی حاصل ہوجاتی ہے۔ دوم یہ کہ پاداش اس کی کچھ نہ ہو' بلکہ حق تعالیٰ عادت باز رکھنے کی وجہ سے معرفت کے مدارج بلند کرے۔ عادت کا چھوٹنا تابع حق ہے' وہ تیری تعظیم اور ابرار شرف کے طرف سے ہے اور یہ نیک ہے۔

فرمایا آیت شریف جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا کے دو معنی ہیں۔ اول اہل ظاہر کے نزدیک جزا گناہ باندازِ گناہ یعنی کوئی کسی کیس اتھ بدی کرے' وہ بھی اسی قدر اس کے ساتھ بدی کرے۔ لیکن عارفوں کے نزدیک بدی کرے۔ لیکن عارفوں کے نزدیک بدی کی جزا دینا بدی ہے۔ مثل اس بدی کے' یعنی عضو مناسب ہے۔ اور جس نے بدی کی جزا بدی دی اس نے بھی اس شخص کی طرح بدی کی۔

حافظ صاحب نے دو شادیاں کیں' لیکن کوئی اولاد نہ ہوئی' آپ کی وفات کے بعد آپ کے خلیفہ مولوی خدا بخش ملتانی سجادہ نشین ہوئے۔ وہ بڑے عالم اور فاضل تھے۔ آپ کے خلیفہ مولوی خدا بخش ملتانی سجادہ نشین ہوئے۔ وہ بڑے عالم اور فاضل تھے۔ آپ نے توحید پر ایک رسالہ "توفیقیہ" نامی لکھا۔ حافظ صاحب کے دوسرے خلیفاء کے نام یہ ہیں۔

زاہد شاہ' مولوی غلام حسن' قاضی عیسیٰ خانپوری' مولوی عبد اللہ ملتانی' مولوی حامد' صاحبزادہ غلام فرید' مولوی عبدالعزیز پہاڑی

حضرت خواجہ محمد سلمان تونسوی

آپ کی ولادت سنہ ۱۱۸۴ھ (۱۷۷۰ء) میں کوہستان گڑگوجی میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام زکریا بن عبدالوہاب تھا' جو افغانوں کے جعفر قبیلہ سے تھا بچپن میں ہی آپ کے والد کا سایہ آپ کے سر سے اٹھ گیا۔ والدہ نے تعلیم اور تربیت کا اہتمام کیا۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں اور تونسہ میں حاصل کی۔ اس کے بعد کوٹ مٹھن میں حضرت خواجہ نور محمد مہاروی

کے خلیفہ حضرت قاضی محمد عاقل کے قائم کردہ مدرسہ میں تعلیم حاصل کی۔

پندرہ سولہ سال کی عمر میں جب کہ آپ کوٹ مٹھن میں تعلیم حاصل کر رہے تھے' آپ کو خواجہ نور محمد مہاروی کے اوچ آنے کی خبر ملی۔ آپ کو اس زمانہ امربالمعروف ونھی عن المنکر کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ حضرت خواجہ نور محمد مہاروی سے سماع پر بحث کرنے اور اس پر تنبیہہ کرنے کے لئے اوچ روانہ ہوئے۔ لیکن جب آپ حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں پہنچے تو دنیا ہی بدل گئی۔ تین روز وہاں رہے لیکن حضرت خواجہ صاحب سے بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ حضرت خواجہ صاحب کو آپ کی دل کی کیفیت کا اندازہ ہوگیا۔ آخری روز جب حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں رخصتی کا سلام کرنے گئے' تو حضرت خواجہ صاحب نے آگے بڑھ کر ہاتھ پکڑ لیے اور حضرت سید جلال بخاری کے مزار کے سرہانے جاکر آپ کو بیعت کرلیا۔

اس کے بعد چھ سال تک اپنے پیر کی خدمت میں رہے اور روحانی استفادہ کرتے رہے۔ اپنے پیر سے انہوں نے تصوف کی کتابیں: آداب المریدین' فقرات' لوائح' عشرہ کاملہ فصوص الحکم وغیرہ کا درس بھی لیا۔ اس کے بعد پیر نے آپ کو حضرت خواجہ فخرؒ کی خدمت میں حاضری کا حکم دیا۔ چنانچہ ۱۱۹۹ھ (۱۷۸۵ء) میں دلاور۔ جو دھپور' اجمیر' جے پور اور بوازی ہوتے ہوئے دہلی پہنچے۔ وہاں پہنچنے کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت خواجہ فخرؒ کا انتقال ہو چکا تھا۔ واپس اپنے پیر کی خدمت میں پہنچے۔ آپ کو اپنے پیر سے بےحد عقیدت و محبت تھی۔ اور ان کی خدمت اور اطاعت میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے۔ آپ کے پیرو مرشد حضرت خواجہ نور محمد مہاروی نے بائیس سال کی عمر میں تمام روحانی منازل طے کرا کر خلافت اور اجازت دے کر مسند ارشاد پر بیٹھنے کا حکم دیا۔

اپنے پیر کے حکم مطابق گڑگوجی کو چھوڑ کر تونسہ آکر ایک جھونپڑی بنا کر عبادت میں مشغول ہو گئے۔ اس زمانہ میں تونسہ ڈیرہ غازی خان سے ۳۰ کوس کے فاصلہ پر غیر آباد گاؤں تھا۔ سب سے پہلے شیخ جمال الدین چشتی اور مولانا محمد باراں نے آپ سے بیعت کی۔ جلد ہی اس علاقہ کا رئیس الف خان آپ کے حلقہ مریدین میں شامل ہو گیا۔ والی ریاست بہاولپور نواب بہاول خان بھی آپ کے معتقد ہو گئے۔ رفتہ رفتہ ہر طرف سے لوگ آکر مرید ہونے لگے اور روحانی فیض حاصل کرنے لگے۔ تونسہ میں آپ نے خانقاہ قائم کی اور مدرسہ

کی بنیاد ڈالی۔ اس طرح تونسہ اس علاقہ کا علمی اور روحانی مرکز بن گیا۔ جہاں سے بے شمار لوگوں نے دور دور سے آکر علمی اور روحانی پیاس بجھائی۔

مدرسہ میں علوم دینیہ کی تعلیم اعلیٰ تعلیم تک دی جاتی تھی۔ اور تقریباً" پچاس جید عالم تعلیم دینے میں مصروف رہتے تھے۔ آپ خود بھی درس دیتے تھے۔ خاص طور پر اپنے خلفاء کو تصوف کی کتابیں: احیاء علوم' فتوحات المکیہ' فصوص الحکم وغیرہ پڑھاتے تھے۔ تقریباً" دو ہزار طالب علم تعلیم حاصل کرتے تھے اور ان سب کو لنگر سے کھانا ملتا تھا۔ لنگر چلانے کے لئے باقاعدہ نظام تھا اور ہر شے موجود رہتی تھی۔ یہاں تک کہ حجام' لوہار' موچی' طبیب وغیرہ سب موجود رہتے تھے اور ان کو باقاعدہ تنخواہ ملتی تھی۔ مدرسہ اور خانقاہ کے اخراجات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ طلباء اساتذہ اور فقراء کی دوائیوں کا خرچ ایک ماہ میں پانچ سو یا سات سو آتا تھا۔ ہر درویش کو تین پاؤ پکی ہوئی روٹی ملتی تھی۔ چھ ماہ کے بعد ہر ایک کو کپڑے اور جوتیاں ملتی تھیں۔ ان کے علاوہ ہر ایک کو تیل اور کنگھی بھی ملا کرتا تھا۔ علماء کرام کو روزانہ ایک سیر پکی ہوئی روٹی اور ماہانہ ایک سیر گھی اور تیل ملتا تھا۔ چھ ماہ کے بعد ان کو لباس دیا جاتا تھا۔ اور اس کے ساتھ ایک لونگی اور ایک گوسفند ملتا تھا۔

لنگر کا یہ باقاعدہ نظام ایک مقصد کے تحت تھا۔ اس طرح کی سہولتیں بہم پہنچا کر علماء و مشائخ کو معاشی فکرات سے آزاد کر کے ان کو درس و تدریس اور تبلیغ و اصلاح کے لئے تیار کرتے تھے۔ آپ کی شخصیت بھی ہر دلعزیز اور پرکشش تھی۔ یہی وجہ تھی کہ شائقین علم و فضل دور دراز علاقوں اور شہروں سے تونسہ آتے رہتے تھے اور حضرت خواجہ صاحب کی تربیت و اصلاح کے ذریعہ ان کی صلاحیتوں کو کار آمد بنانے کی ہر وجہ کوشش کر کے معاشرہ کی اصلاح کے لئے تیار کرتے تھے۔

حضرت خواجہ صاحب اتباع سنت کا بہت خیال رکھتے تھے اور مریدوں اور معتقدوں کو بھی شریعت کی پابندی کی سخت تاکید فرماتے تھے۔ آپ کی کوشش یہ رہتی تھی کہ مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کی روشنی میں اخلاق و عادات سنواریں اور لوگوں کو ذہن نشین کراتے تھے کہ اچھے اخلاق اور عادات صرف اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ آپ سمجھاتے تھے کہ اگر اخلاق و عادات بگڑ گئے۔ اور قول اور فعل میں تضاد ہو گیا۔ تو یہ قومی زوال کی علامت ہے۔ اخلاقی زوال اور کردار کے برائیوں کا

اثر سیاسی سماجی اور معاشرتی سرگرمیوں پر پڑتا ہے اور یہ سیاسی زوال سے کہیں زیادہ مہلک ہوتے ہیں۔

اس زمانہ صوفیاء کی بعض طبقوں میں بد اعتقادیاں اور بد اعمالیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ آپ نے ان کی اصلاح کے لئے بھی جدوجہد کی اور کوشش کی کہ صوفیاء میں اطاعت حق کا جذبہ' شرع کا احترام اور خدمت خلق کا جذبہ پیدا ہو۔ آپ ان کو تصوف کا اصل مقصد ذہن نشین کراتے تھے اور خدا شناسی اور رشد و ہدایت کے سلسلہ میں کوشش کرنے کا درس دیتے تھے۔ علماء کرام کی بے راہ روی' اختلافات اور دنیا پرستی پہ تڑپ اٹھتے تھے اور علماء کی گمراہی کو قوم کی گمراہی کے مترادف سمجھتے تھے۔ غرضیکہ آپ کو ہر وقت قوم کے اصلاح کا خیال رہتا تھا اور آپ ہر وقت اسی جدوجہد میں لگے رہتے تھے۔

حضرت خواجہ صاحب مختلف مذاہب کے لوگوں سے یکساں محبت اور شفقت سے ملتے تھے۔ آپ دیگر اکابر سلسلہ چشت کی طرح ہندوؤں سے بھی شگفتہ تعلقات رکھتے تھے۔ اپنے مریدوں کو ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ آپ اپنے شریعت' تمدن اور مذہب پر قائم رہیں' لیکن دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ رواداری پر عمل پیرا رہیں اور ان سے اچھے برتاؤ کریں۔ اپنے مریدوں کو سمجھاتے تھے کہ ہمارے سلسلہ کے بزرگوں کی ہدایت ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں صلح رکھی جائے۔

اس زمانہ ہندوستان پر برطانوی اقتدار کی وجہ سے عیسائی مشنری کے لوگ اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے سرگرم رہتے تھے۔ آپ کو یہ خبریں ملتی تھیں تو سخت تکلیف ہوتی تھی اور اپنے مریدوں اور معتقدوں کو ہدایت فرماتے تھے کہ عیسائی مبلغوں کے شرارتوں سے دور رہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی ان سے محفوظ رہنے کے لئے جدوجہد کریں۔

عوام کی علاوہ والیاں ریاست حکام اور امراء بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔ اکثر والیاں ریاست کا معمول تھا کہ گدی پر بیٹھتے وقت آپ کے دست مبارک سے پگڑی بندھواتے تھے۔ والئی ریاست بہاولپور نواب صادق محمد خان کا جب انتقال ہوا اور نواب رحیم یار خان' بہاول خان ثالث' کے نام سے والی ریاست ہوئے تو حضرت خواجہ صاحب کو پگڑی باندھنے کے لئے احمد پور شرقیہ لے جایا گیا۔ اس طرح جب حاکم سنگھڑ لعل خان تنائی کی جگہ اسد خان گدی پر بیٹھے تو حضرت خواجہ صاحب نے اس کو نوابی کی دستار

سر پر باندھی۔

غرضیکہ عوام خواہ خواص آپ کی خدمت میں حاضر ہونا باعث افتخار اور سعادت سمجھتے تھے۔ نواب بہاولپور کے علاوہ افغانستان کے معزول بادشاہ شاہ شجاع' افغانستان کا بادشاہ دوست محمد خان اور پنجاب۔ سرحد اور افغانستان کی چھوٹی بڑی ریاستوں کے نواب اور امرا کئی مرتبہ آپ کی خدمت میں عقیدت اور ارادت کے ساتھ حاضر ہوئے۔ والیان ریاست اور امراء کو جب گمراہی میں مبتلا پاتے تھے۔ تو حق گوئی سے باز نہیں آتے تھے اور ان کو سختی سے تنبیہہ کرتے تھے۔ آپ جب کسی حاکم کے ظلم کی داستان سنتے تھے۔ تو بے اختیار ہو جاتے تھے۔ اور ان کو خبردار کرتے تھے کہ خدا سے ڈرو اور انسانوں پر ظلم مت کرو۔ بہر حال آپ نے تمام عمر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ مسلمانوں کو راہ راست پر لانے کے لئے کوشش کی اور ظلم' زیادتی تعصب گمراہیون اور بد اعتقادیوں کو ختم کرنے کے لئے' مصلحت کو بالائے طاق رکھ کر جدوجہد کی۔ آپ نے محبت اخلاق اخلاص خود شناسی انسان دوستی اور رواداری کا سبق دیا۔ آپ نے ذہن نشین کرایا کہ انسان کی فلاح و بہبود شرع کی پابندی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مطابق زندگی گزارنے میں ہے۔ آپ نے ۷ صفر ۱۲۶۷ھ (دسمبر ۱۸۵۰ء) کو اس جہان فانی سے رخصت ہو کر راہی عالم بقا ہوئے۔ نواب بہاولپور نے آپ کا مقبرہ تعمیر کروایا۔

آپ کو دو فرزند ہوئے: خواجہ گل محمد اور خواجہ درویش محمد' لیکن دونوں آپ کی زندگی میں ہی فوت ہوئے۔ اس لئے آپ کے پوتے خواجہ خدا بخش مسند نشین ہوئے۔

خلفاء

حضرت خواجہ صاحب سے ہندوستان کے مختلف علاقوں اور دیگر ممالک کے بے شمار لوگوں نے عرفان اور ایقان کا درس لیا۔ آپ کے خلفاء کی بھی بہت بڑی تعداد ہے' جن کا تعلق ہر علاقہ سے تھا۔ خلفاء کے جو نام ملتے ہیں' ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) خواجہ اللہ بخش تونسوی: آپ کے پوتے اور جانشین تھے' فضل حق خیرآبادی کا مشہور علمی خاندان انہی کے خلیفہ مریدین میں شامل تھا۔ آپ کو انگریزوں سے نفرت تھی ۲۹ جمادی الاول ۱۳۱۹ھ (۱۹۰۱ء) میں فوت ہوئے۔

(۲) صاحبزادہ غلام نصیر الدین کالے صاحب: حضرت خواجہ فخر الدین دہلوی کے پوتے

تھے۔ بہادر شاہ ظفر کو ان سے عقیدت تھی۔

(۳) حافظ محمد علی خیر آبادی: عالم فاضل اور اہل دل بزرگ تھے۔ انگریزوں سے متنفر تھے۔ فارسی زبان کے شاعر تھے۔ لیکن سماع کے معاملہ میں احتیاط کرتے تھے۔ مشہور عالم علامہ فضل حق خیر آبادی نے آپ سے فصوص الحکم کا درس لیا۔ آپ کے خلیفہ احسن الزمان نے حیدر آباد دکن میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ ذوالقعدہ ۱۲۶۶ھ (۱۸۵۰ء) میں فوت ہوئے اور "کھیری" میں سپرد خاک کئے گئے۔ آپ ہمیشہ امراء کی صحبت سے دور رہے۔

(۴) حاجی نجم الدین شیخاواٹی: عالم فاضل اور بزرگ تھے۔ ۳ رمضان ۱۲۳۴ھ (۱۸۱۹ء) میں "جھونجھوں" مضافات "جیپور" میں تولد ہوئے۔ والد بزرگوار کا نام شیخ احمد بخش حمیدی تھا۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد مرشد کی تلاش میں حضرت خواجہ تونسوی کی خدمت میں پہنچے اور مرید اور خلیفہ ہوئے۔ پیر کے ارشاد کے مطابق رشد و ہدایت کے لئے "شیخاواٹی" میں قیام کیا۔ شاعر بھی تھے اور وحدت الوجود کے قائل تھے۔ آپ نے لوگوں کو معرفت کا سبق ذہن نشین کرانے کے لئے اردو میں بعض کتابیں بھی لکھیں۔ مثلاً: (۱) گلزار وحدت (۲) ماحی الغیرت۔ (توحید کے متعلق ہے) (۳) پیرو ملانی غیر بھلانی (ذکرو اذکار کے متعلق ہے) (۴) بارہ ماہیہ نجم (نظم میں عشق الٰہی کا بیان) (۵) افضل الطاعت (نظم میں علم تجوید کا بیان) (۶) پریم گنج (ہندی دوہے) (۷) حیات العاشقین فی لقائے رب العالمین (۸) نجم الاخرہ (۹) فضیلت نکاح (۱۰) بیان الاولیاء (۳) سماع السامعین فی رد المنکرین (۱۲) دیوان نجم اردو (۱۳) تذکرۃ الواصلین دفتر اول۔ دفتر دوم۔

اردو کے علاوہ آپ نے فارسی میں بھی کتابیں لکھیں۔ ۱۹۔ رمضان ۱۲۸۷ھ (۱۸۷۰ء) میں فوت ہوئے اور آپ کا جنازہ فتح پور میں لاکر سپرد خاک کیا گیا۔ کئی لوگوں نے آپ سے روحانی اور علمی فیض حاصل کیا۔ آپ کے خلفاء کی بھی بہت بڑی تعداد ہے جو مختلف علاقوں کے باشندے تھے۔ مثلاً امروہہ جودھپور پنجاب سرسہ کشن گڑھ' بیکانیر' فتح پور' شاہ پور میواڑ ڈیڈوانہ پانی پت وغیرہ۔

آپ کے خلفاء میں مولانا سید حکیم محمد حسن امروہوی (۱۳۲۳ء = ۱۹۰۰ء) "نے "تفسیر القرآن" کے نام سے قرآن حکیم کی تفسیر لکھی۔ جو پہلے فارسی میں شائع ہوئی۔ بعد میں

"غایت البرہان فی تاویل القرآن" کے نام سے چھپی۔ اس کے علاوہ آپ نے دیگر کتابیں بھی لکھیں۔

(۴) حافظ محمد باراں: سب سے پہلے حضرت خواجہ تونسوی نے آپ کو خلافت سے نوازا

(۵) صاحبزادہ نور بخش: نبیرہ حضرت خواجہ نور محمد مہاروی۔

(۶) مولانا فضل بخش الٰہی: آپ نے بیکانیر میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔

(۷) خواجہ شمس الدین سیالوی: آپ کا تفصیلی ذکر بعد میں آئیگا۔

(۸) مولانا محمد علی کھنڈی۔ (۹) مولانا احمد تونسوی (۱۰) قطب الدین۔ (صاحبزادہ نور بخش کے بھائی) (۱۱) مولوی نور جہانیاں بہاولپوری (۱۲) مولوی شہسوار سکنہ نواحی مہار (۱۳) حاجی بختاور (۱۴) حاجی برخوردار (۱۵) مولوی سرفراز ڈیرہ اسماعیل (۱۶) میاں عبدالشکور خیر آبادی (۱۷) سردار خان ولایتی (۱۸) حسن شاہ قندھاری (۱۹) ولی اللہ خراسانی (۲۰) مولوی محمد حیات دہلوی (۲۱) حسن عسکری دہلوی (۲۲) میر فضل علی جھجری (۲۳) مولوی قیام الدین دہلوی (۲۴) مولوی شرف الدین سوتری (۲۵) شیخ احمد مدنی (۲۶) مولوی صالح محمد تونسوی (۲۷) میاں عبداللطیف چینا پٹنی (۲۸) مولوی نور محمد ملتانی (۲۹) حافظ نور الدین ڈھنڈھی' نواحی مہار (۳۰) مولوی امام الدین (حضرت خواجہ صاحب کے ملفوظات نافع السالکین کے مرتب)' (۳۱) نور احمد سندھی (۳۲) نور عالم' سکنہ کھنڈ (۳۳) فاضل شاہ کشمیری (۳۴) امیر الدین بن فضل شاہ کشمیری (۳۵) سید شیر شاہ پاک پٹنی (۳۶) سید مستان شاہ کابلی (۳۷) ابوالحسن لاٹھوی سکنہ سنگھڑ (۳۸) حافظ عظمت علی مغیروی' نواحی مہار (۳۹) فیض اللہ شاہ نجھوی (۴۰) میاں دلیل خانپوری (۴۱) مولوی محمد یار بمناروئی (۴۲) مولوی نور محمد نارووالہ (۴۳) مولوی شمس الدین سکنہ ساہیوال (۴۴) میاں نظام الدین ساکن بمبئی (۴۵) مشرف الدین گرو ہستانی (۴۶) غلام محمد رسول پوری (۴۷) غلام احمد پٹنی (۴۸) پیر محمد فاضل شاہ ساکن گڑھی شریف (۴۹) سمس خان سکنہ ہشندی ان کے خلفاء میں سے خواجہ احمد میروی اور خواجہ نور محمد بساوی مشہور بزرگ ہو گزرے ہیں۔

حضرت خواجہ تونسویؒ کے ملفوظات: حضرت خواجہ صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ "نافع السالکین" کے نام سے ملتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کا مطالعہ بھی بہت وسیع تھا اور آپ نے دنیوی حالات اور معاملات کا بھی گہرا مشاہدہ کیا تھا۔ آپ

کے ملفوظات میں ہر جگہ قرآن حکیم کے آیات احادیث بزرگان دین کے اقوال اور فقہی مسائل کے حوالے ملتے ہیں۔ آپ نے تصوف کی کتابوں عوارف المعارف "فصوص الحکم" وغیرہ کی مثالیں بھی دی ہیں۔ حکایات سے بھی باخبر تھے۔ اپنی بات کو سمجھانے کے لیے آپ نے واقعات حالات اور حکایات بیان کر کے اپنا نقطہ نظر سمجھایا ہے۔ آپ کے ملفوظات میں سے چند باتیں پیش کی جاتی ہیں۔

ملفوظات میں آپ نے بری صحبت' غیبت' غرور' تکبر' لالچ' عیب جوئی' شراب خوری' عشق بازی اور رشوت خوری سے بچنے کی ہدایت کی ہے اور نیکی' انسان دوستی مہمان نوازی' خدمت' خلق بعجز انکساری اور ایمان داری کا درس دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: غرور و نخوت کی وجہ سے دینی کاموں میں رکاوٹ پیدا ہوتی اور انسان کے اندر روحانی ترقی کی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔

فرمایا: جو کوئی حرام کھاتا ہے۔ اس کا رزق تنگ ہو جاتا ہے اور وہ عاجز ہو جاتا ہے۔ چنانچہ چور ہمیشہ خوار ہوتے ہیں۔

فرمایا: جو شخص چاہتا ہے کہ حق تعالیٰ کا محبوب ہو جائے۔ اسے چاہئے کہ ظاہر و باطن میں شریعت کی متابعت کرلے۔

آپ کا خیال تھا کہ حکومت کفر کے ساتھ چل سکتی ہے لیکن ظلم و ناانصافی کے ساتھ نہیں۔ فرمایا کہ ظالم حکمراں کا مسلط ہونا۔ لوگوں کی بد اعمالی کی دلیل ہے۔

فرمایا کہ سالک کو چاہیے کہ حق تعالیٰ کو عین حکمت خیال کرے۔ اگرچہ اس کی حکمت سے مطلع نہ ہو پھر بھی اس ذات پاک پر اعتراض نہ کرے کیوں کہ اعتراض کرنے والا دونوں جہانوں میں مردود ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی: حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے پوتے تھے۔ شروع میں شان و شوکت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ جب بڑے ہوئے تو سب چیزیں چھوڑ دیں اور سادہ زندگی بسر کرنے لگے اور عبادت اور ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ دادا کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ سجادہ پر بیٹھنے کے بعد ہندوستان کی سیرو سیاحت کی اور مشائخ سلسلہ کے مزارات پر حاضری دی۔ بیکانیر کی ایک مسجد میں تین چار دن کے قیام کے دوران کئی لوگوں کو سلسلہ میں داخل کیا۔ مریدوں کو ہدایت کی کہ شریعت کی پابندی کریں۔

دہلی گئے حضرت چراغ دہلوی کی درگاہ میں مقیم رہے۔ بہادر شاہ ظفر ملاقات کے لئے آئے تو دوسرے دروازہ سے نکل کر جنگل کی طرف چلے گئے۔ بہت منت سماجت کے بعد واپس آئے اور بہادر شاہ ظفر کو ملاقات کا شرف بخشا۔ علامہ فضل حق خیر آبادی کا خاندان آپ کے حلقہ مریدین میں شامل تھا۔

آپ کو تعمیرات کا بڑا شوق تھا۔ آپ نے کئی مساجد' مدرسے' کنویں اور سرائیں تعمیر کروائیں۔ اس کا مقصد خلق خدا کو سہولتیں پہنچانا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔ آپ نے ان صلاحیتوں کو سلسلہ کی نشرو اشاعت اور مخلوق خدا کی خدمت میں استعمال کیا۔ اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ غریبوں اور بے کسوں پر خاص توجہ فرماتے تھے۔ دوست خواہ دشمن۔ سب سے خلوص اور محبت سے ملتے تھے۔

آپ نے ہر طبقہ کی اصلاح و تربیت کی طرف توجہ دی۔ خاص طور پر علماء کی اصلاح پر زور دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ علماء کی اصلاح سے مسلم معاشرہ خود بخود صحیح ہو جائیگا۔ ۲۹۔ جمادی الاول ۱۳۱۹ھ (۳۔ ستمبر ۱۹۰۱ء) کو آپ نے وفات پائی۔ آپ کو تین فرزند ہوئے۔ حافظ احمد' حافظ محمود اور حافظ موسیٰ۔ آپ کی وفات کے بعد حافظ موسیٰ سجادہ نشین ہوئے۔

خواجہ شمس الدین سیالوی

آپ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے عزیز ترین خلیفہ تھے۔ آپ کی ولادت سنہ ۱۲۱۴ھ (۱۷۹۹ء) میں سیال میں ہوئی۔ سات سال کی عمر میں قرآن حکیم حفظ کیا۔ اس کے بعد موضع میکی ڈھوک علاقہ پنڈی کہیب میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر مکھڈ میں جاکر تعلیم کی تحصیل کی۔ مکھڈ میں آپ کے استاد مولانا محمد علی تھے۔ جو آپ کے خلوص اور جذبہ سے بہت متاثر ہوئے اور محبت اور مہربانی کا برتاؤ کرنے لگے۔ مولوی محمد علی صاحب کو روحانی فیض کے لئے رہبر کی تلاش رہتی تھی۔ جب انہوں نے حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کی تعریف سنی تو ان سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہو گیا۔ آخر اپنے شاگرد خواجہ شمس الدین کو لے کر حضرت تونسوی کی خدمت میں گئے۔ دونوں مرید ہوئے اور کچھ عرصہ مرشد کے یہاں قیام کرنے کے بعد مکھڈ واپس آگئے۔ اس وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔

خواجہ سیالوی کو اپنے مرشد سے بڑی عقیدت اور محبت تھی۔ وہ کئی مرتبہ ان کی

خدمت میں گئے۔ ۱۴ مرتبہ ان کے ہمراہ "مہار" گئے اور ان کا سامان اپنے کاندھوں پر رکھ کر پیادل چلتے تھے۔ ۳۶ سال کی عمر میں حضرت خواجہ تونسوی نے آپ کو خلافت اور اجازت سے نوازا۔ اس کے بعد حضرت خواجہ سیالوی نے "سیال" میں رہ کر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔

حضرت خواجہ سیالوی نے "سیال" میں خانقاہ قائم کی اور اس کو اعلیٰ پایہ سے چلایا۔ لنگر خانہ قائم کیا۔ جس سے زائرین مسافروں غربا اور مساکین کو کھانا ملتا تھا۔ خانقاہ میں مسافروں درویشوں اور فقراء کے رہنے کا بھی اچھا انتظام تھا۔ ہر ایک کو چارپائی اور بستر دیا جاتا تھا۔ مستقل طور خانقاہ میں رہنے والوں کو کپڑے بھی دیئے جاتے تھے۔ حضرت خواجہ سیالوی شفیق طبیعت کے مالک تھے۔ ہر ایک سے بڑے خلوص اور محبت سے ملتے تھے۔ اور ان کے دکھ درد بڑے غور سے سنتے تھے۔ ان سے ہمدردانہ برتاؤ کرتے تھے۔ ان کی دلجوئی کرتے تھے۔ اور ان کی مشکلات دور کرنے کے لئے ان کی مدد کرتے تھے۔ شریعت کے معاملہ میں بہت سخت تھے۔ خود بھی شرع کی پابندی کرتے تھے۔ اور مریدوں کو بھی شریعت کا پابند رہنے کی سختی سے تاکید کرتے تھے۔ نماز با جماعت پڑھتے تھے اور مزا میر کے ساتھ سماع سے اجتناب کرتے تھے۔

بے شمار لوگوں کو روحانی فیض سے مستفیض کر کے ۲۱۔ صفر ۱۳۰۰ھ (دسمبر ۱۸۸۲ء) کو فوت ہوئے۔ آپ کے تین فرزند ہوئے۔ خواجہ محمد الدین' خواجہ فضل الدین اور خواجہ شعاع الدین۔ آپ کی وفات کے بعد خواجہ محمد الدین سجادہ نشین ہوئے۔ جن کو خواجہ اللہ بخش تونسوی نے خرقہ پہنایا۔ خواجہ محمد الدین ۲۔ رجب ۱۳۲۷ھ (۱۹۰۹ء) کو فوت ہوئے۔ ان کو چار فرزند ہوئے۔ جن میں سے محمد ضیاء الدین صاحب سجادہ ہوئے۔

حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی کے ۳۵ خلفاء کے نام ملتے ہیں۔ جو پنجاب سندھ' کشمیر' افغانستان اور سرحد کے مختلف شہروں کے رہنے والے تھے۔ چند نام یہ ہیں:

(۱) پیر غلام حیدر شاہ جلال پور (۲) پیر مہر علی شاہ گولڑہ (۳) مولوی فضل الدین چاچڑ ساکن شاہ پور (۴) مولوی معظم الدین ساکن مرولہ والہ تحصیل بھیرہ
(۵) مولوی محمد امین ساکن چکوڑی ضلع گجرات (۶) شیخ عبدالجلیل ساکن تحصیل شاہ پور
(۷) سید شاہ محمد غزنوی ساکن کناوارہ علاقہ بوبک خیل خراسان۔

(۸) سید اکرم شاہ ساکن سلمو کے علاقہ رسول نگر (۹) سید نو بہار شاہ ساکن سنجر ضلع ڈیرہ غازی خان
(۱۰) سید حسین شاہ ساکن سنجر ضلع ڈیرہ غازی خان (۱۱) صالح شاہ ساکن سلطان پور ضلع جھنگ
(۱۲) میاں پیر بخش قریشی ساکن خواجہ آباد میاں والی (۱۳) سید جند وڈا شاہ ساکن عیسیٰ خیل میانوالی
(۱۴) مولوی سلطان محمد ناڑیوالہ ساکن چھپڑ۔ تحصیل خوشاب (۱۵) مولوی احمد الدین صوفی ساکن کلور میانوال (۱۶) ملا خوشنود یوسف زئی ساکن کابل (۱۷) مولوی غلام محمد ساکن لا بتی۔ تحصیل خوشاب (۱۸) سید رستم علی شاہ ساکن ہنجہ کشمیر نارلہ والا
(۱۹) سید محمد سعید شاہ ساکن بہرتہ متصل لاہور منصف "مرایۃ العاشقین"
(۲۰) سید گلاب شاہ اورنگ آباد ضلع کیمل پور (۲۱) سید غلام شاہ ہرن پورہ جہلم۔
(۲۲) سید اللہ بخش شاہ حاجی پور ڈیرہ غازی خان (۲۳) سید شاہ خدا بخش سنجر ڈیرہ غازی خان
(۲۴) مولوی علی محمد ساکن کوٹ کالا ضلع شاہ پور (۲۵) مولوی فتح محمد سلیانہ ضلع جھنگ۔
(۲۶) حافظ سموکے والہ ضلع کیمل پور (۲۷) سید فیض شاہ جھانب جھنگ (۲۸) میاں محمد طیب جالندھری۔ (۲۹) سید حیات شاہ نارگ والہ

پیر سید غلام حیدر شاہ جلال پوری

آپ ۳۔ صفر ۱۲۵۴ھ (۱۸۳۸ء) میں جلال پور میں تولد ہوئے۔ جلال پور دریائے جہلم سے پار پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے۔ حضرت سید غلام حیدر شاہ کا سلسلہ نسب دسویں پشت میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے ملتا ہے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام سید جمع شاہ تھا۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد جلال پور سے بیس میل کے فاصلہ پر واقع ہرن پور کے بزرگ سید غلام شاہ سے بیعت کی درخواست کی۔ انہوں نے حضرت خواجہ سیالوی کی خدمت میں جانے کا مشورہ دیا۔ اس کے بعد سیال گئے۔ اور ۷ رجب ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۵ء) کو ان کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔

حضرت شاہ صاحب با اخلاق منکسر المزاج غریب پرور اور شفیق تھے۔ غریبوں اور مسکینوں پر بڑے مہربان تھے اور ان کی دلجوئی کرتے اور ان کی مشکلوں میں ان کی مدد کرتے

رہتے تھے۔ خود پسندی سے کوسوں دور تھے۔ دشمنوں اور مخالفوں کے لئے بھی بد دعا نہیں کرتے تھے۔ شریعت کے سخت پابند تھے اور اپنے مریدوں اور معتقدوں کو بھی شریعت کا پابند رہنے کی ہدایت کرتے رہتے تھے۔ کئی لوگوں کو روحانی فیض سے مستفیض کر کے ۶۔ جمادی الثانی ۱۳۲۶ھ (۱۹۰۸ء) کو فوت ہوئے۔ علامہ اقبال نے تاریخ وفات کہی ہے۔ سال وفات مندرجہ ذیل مصرع سے برآمد ہوتا ہے:

"گفت سال وفات اوبگو مغفور گفت۔ ۱۳۲۶ھ۔

پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی

آپ کی ولادت ۱۔ رمضان ۱۲۷۵ھ (۱۸۵۹ء) میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام نذر دین شاہ بن سید غلام شاہ تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب ۲۵ واسطوں سے حضرت غوث الاعظم حضرت عبدالقادر جیلانی سے جا ملتا ہے۔ آپ کے پر دادا سید روشن شاہ اور اس کے چھوٹے بھائی سید رسول شاہ لوگوں کی روحانی اصلاح کے لئے اپنے آبائی شہر (ساڈھورہ) ضلع انبالہ (بھارت) سے نقل مکانی کر کے علاقہ پوٹھوہار کے موضع گولڑہ میں آکر آباد ہوئے تھے۔

حضرت پیر سید مہر علی شاہ نے ابتدائی تعلیم خانقاہ کے مکتب میں حاصل کی۔ اس کے بعد قصبہ "انگہ" ضلع سرگودھا میں مولوی سلطان محمود سے تعلیم حاصل کی۔ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے علی گڑھ گئے اور مولانا لطف اللہ سے اڑھائی سال تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اس کے بعد سہارنپور میں جاکر شیخ الحدیث مولانا احمد علی سے حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ سنہ ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۸ء) میں مولانا احمد علی سے حدیث کی سند حاصل کر کے واپس "گولڑہ" آئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۰ سال تھی۔ واپس آکر شادی کی۔

آپ کے خاندان کا سلسلہ قادری تھا۔ خود آپ بھی اپنے خاندان کے بزرگ حضرت پیر سید فضل دین شاہ کے مرید ہوئے۔ لیکن طالب علمی کے زمانہ سے ہی آپ حضرت خواجہ سیالوی سے متاثر تھے۔ اور ان کی خدمت میں جاتے رہتے تھے۔ تعلیم کی تحصیل کے بعد جب "گولڑہ" واپس آئے تو سیال جاکر حضرت خواجہ سیالوی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔

سنہ ۱۳۰۷ھ (۱۸۹۰ء) میں حج ادا کرنے گئے۔ وہاں آپ نے مدرسہ صولتیہ کے علماء کرام سے صحبتیں کیں اور بحث مباحثے کئے۔ ان میں سے مدرسہ صولتیہ کے صدر مولانا

حاجی رحمت اللہ مہاجر مکی، قاری عبداللہ مکی، قاری احمد علی مکی، قاری عبدالرحمٰن الہ آبادی، قاری عبدالرحمٰن جونپوری اور استاذ العلماء مولانا محمد غازی کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہ علماء کرام ہندوستانی تھے۔ اور ١٨٥٧ء کی جنگ آزادی کے بعد ہجرت کر کے مکہ مکرمہ میں جاکر آباد ہو گئے تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی بھی اس زمانہ میں وہاں تھے۔ ان سے بھی آپ کی ملاقاتیں ہوئیں۔ انہوں نے آپ کو تاکید کی ہندوستان میں عنقریب ایک فتنہ نمودار ہو گا۔ تم ضرور اپنے وطن واپس جاؤ۔ اگر بالفرض تم ہندوستان میں خاموش بھی بیٹھے رہے۔ وہ فتنہ ترقی نہ کریگا اور ملک میں سکون رہیگا۔ وہ بات صحیح ثابت ہوئی۔ ہندوستان میں قادیانیت کا فتنہ کھڑا ہوا۔ جس کا حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

حضرت گولڑوی نے اپنی زبان اور قلم دونوں سے قادیانیوں کے عقائد باطلہ کی پر زور تردید کی۔ ان کوششوں سے قادیانیت کی اصل حقیقت واضح ہو گئی اور مسلمان اس فتنہ کے طوفان سے بچ گئے۔

حضرت سید صاحب متبحر عالم اور شاعر تھے۔ آپ کے ملفوظات آپ کے فکر کی بلند مطالعے کی وسعت اور دینی علوم کی مہارت کے آئینہ دار ہیں۔ کئی لوگوں نے آپ سے علمی اور روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ کو غیر شرعی رسومات سے نفرت تھی اور اپنے مریدوں اور معتقدوں کو ان سے دور رہنے کی ہدایت کرتے تھے۔ آپ نے اپنے ملفوظات میں سنت نبوی کی پیروی کی تلقین اور تاکید کی ہے۔ آپ کا شعر فارسی کے علاوہ اپنے علاقے کی زبان پوٹھوہاری (پنجابی) میں بھی ملتا ہے۔ جو پوٹھوہار کے علاقہ میں زبان زد خاص و عام ہے۔

حضرت سید صاحب وحدت الوجود کے قائل تھے اور اس فکر پر بڑا عبور رکھتے تھے۔ علامہ اقبال نے ایک مرتبہ آپ کو خط لکھ کر شیخ اکبر ابن عربی کے فلسفہ وحدت الوجود کے متعلق چند باتیں معلوم کیں۔ علامہ مرحوم کا خط پیش کیا جاتا ہے:

لاہور۔ ٨ اگست ١٩٣٣ء۔

مخدوم و مکرم حضرت قبلہ السلام علیکم

اگرچہ زیارت اور استفادہ کا شوق ایک مدت سے ہے۔ تاہم اس سے پہلے شرف نیاز حاصل نہیں ہوا۔ اب اس محرومی کی تلافی اس عریضہ سے کرتا ہوں اگر مجھے اندیشہ ہے کہ

اس خط کا جواب لکھنے یا لکھوانے میں جناب کو زحمت ہو گی۔ جناب کے وسعت اخلاق پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ چند سطور لکھنے کی جرات کرتا ہوں کہ اس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو پیش نظر مقصد کے لئے کھٹکھٹایا جائے۔

میں نے گزشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانی پر ایک تقریر کی تھی۔ جو وہاں کے اداشناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی۔ اب پھر ادھر جانے کا قصد ہے اور اس سفر میں حضرت محی الدین ابن عربی پر کچھ کہنے کا ارادہ ہے۔ نظربایں حال چند امور دریافت طلب ہیں۔ جناب کے اخلاق کریمانہ سے بعید نہ ہو گا اگر ان سوالات کا جواب شافی مرحمت فرمایا جائے:

(١) اول یہ کہ حضرت شیخ اکبر نے تعلیم حقیقت زمان کے متعلق کیا کہا ہے۔ اور آئمہ متکلمین سے کہاں تک مختلف ہے۔

(٢) یہ تعلیم شیخ اکبر کی کون سی کتب میں پائی جاتی ہے اور کہاں کہاں۔ اس سوال کا مقصد یہ ہے کہ سوال اول کی روشنی مین خود بھی ان مقامات کا مطالعہ کر سکوں۔

(٣) حضرات صوفیہ میں اگر کسی بزرگ نے بھی حقیقت زمان پر بحث کی ہو تو ان بزرگ کے ارشادات کے نشان بھی مطلوب ہیں۔ مولوی سید انور شاہ مرحوم مغفور نے مجھے عراقی کا ایک رسالہ مرحمت فرمایا تھا۔ اس کا نام تھا "درایۃ الزمان" جناب کو ضرور علم ہو گا۔ میں نے یہ رسالہ دیکھا ہے۔ چونکہ یہ رسالہ بہت مختصر ہے۔ اس لئے مزید روشنی کی ضرورت ہے۔

میں نے سنا ہے جناب نے درس و تدریس کا سلسلہ ترک فرما دیا ہے۔ مجھے یہ عریضہ لکھنے میں تامل تھا۔ چونکہ مقصد خدمت اسلام ہے مجھے یقین ہے اس تصدیعہ کے لئے جناب معاف فرمائینگے اور جواب باصواب سے ممنون فرمائینگے۔ باقی التماس دعا۔

مخلص

محمد اقبال

حضرت سید صاحب حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی سے بھی عقیدت رکھتے تھے اور ان کے علمی اور روحانی کمالات کی تعریف کی ہے۔ شاعری کے علاوہ کتابیں بھی تصنیف کیں۔ آپ کے ملفوظات کے مجموعہ "ملفوظات طیبہ" کے علاوہ آپ کہ مندرجہ ذیل تصانیف کے نام

ملتے ہیں:

تحقیق الحق فی کلمۃ الحق۔ الاصلاح الفتح لا عجاز المسیح معروف بہ سیف چشتیائی۔ شمس الھدایہ ' اعلاء کلمۃ الحق فی بیان وما اھل بہ بغیراللہ۔ عجابہ"

آپ کے مکتوبات کا مجموعہ بھی ملتا ہے۔ ۲۹۔ صفر ۱۳۵۶ھ (۱۱ مئی ۱۹۳۷ء) کو واصل بالحق ہوئے اور گولڑہ شریف (ضلع راولپنڈی) میں مدفون ہوئے۔ آپ کی پنجابی شاعری میں بڑی دلا آویزی اور اثر انگیزی ملتی ہے۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور وجودی فکر کی ترجمانی آپ کی شاعری کے خاص مضامین ہیں۔ آپ نے حسن و عشق فراق وصال کے لطیف اور خوشگوار جذبات اور احساسات سے اپنے افکار کو مزین کیا ہے۔ آپ عرفان اور ایقان کے جن منازل سے گزرے ہیں آپ کے اشعار ان مقامات کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں۔ نمونہ کے طور پر چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں:

کن فیکون تاں کل دی گل اے۔ اساں اگے پریت لگائی

(کن فیکون تو کل کی بات ہے ہم نے تو اس سے پہلے محبت کی لو لگائی تھی)

توں میں حرف نشان آہا۔ جدوں دتی میم گواہی

(جب تو اور میں کا نامہ نشان نہ تھا' یعنی تمام عالم بے نام و نشان تھا! اس وقت "میم" نے ہونے کی گواہی دی۔ یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا کیا۔)

ہوواں میں سگ مدینہ دی گلی دا۔ ایہو رتبہ ہے کامل ولی دا

(میں مدینہ منورہ کی گلیوں کا سگ ہوں یہی کامل ولی کا رتبہ ہے)

آپ کی بہت ہی مشہور اور مقبول نعت سے چند اشعار:

آج سک متراں دی ودھیری اے۔ کیوں دلڑی اداس گھنیری اے

لوں لوں وچ شوق چنگیری اے۔ اج نیناں لائیاں کیوں جھڑیاں

(آج محبوب سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے دل کیوں بہت اداس ہے۔ نس نس میں شوق بہت ہے۔ آج آنکھوں سے کیوں جھڑیاں لگی ہیں۔)

مکھ چند بدر شعشانی اے' متھے چمکے لاٹ نورانی اے

کالے زلف تے اکھ مستانی اے' مخمور اکھیں من موہ بھریاں

(چہرہ اک بدر شعشانی ہے۔ ماتھے پر نورانی لاٹیں ہیں۔ زلف کالے اور آنکھ مستانی ہے۔ آنکھیں مخمور اور مدھ بھری ہیں۔)

دو ابرو قوس مثال دسن۔ جیں توں نوک مژہ دے تیر چھٹن

لباس سرخ آکھاں کہ لعل یمن۔ چٹے دند موتی دیاں ہن لڑیاں

(دو ابرو مثال قوس نظر آتے ہیں۔ جن سے مژگاں کے تیر چل رہے ہیں۔ لب لعل یمن کی طرح سرخ ہیں۔ اور دانت موتی کی لڑیاں ہیں)

اس صورت نوں میں جان آکھاں۔ جاناں کہ جان جہاں آکھاں

سچ آکھاں تے رب دی شان آکھاں۔ جس شان تھیں شاناں سب نبیاں

(اس صورت کو میں جان کہوں۔ جاناں کہ جان جہاں کہوں سچ کہوں تو رب کی شان کہوں جس شان سے سب نبیوں کو شان ملا۔

-عطیک ربک داشان تساں۔ فترضیٰ تھیں پوری آس اساں

لج پال کریسی پاس اساں۔ و شفع تشفع صحیح پڑھیاں۔

(-عطیک ربک (ولسوف -عطیک ربک فترضیٰ۔ الضحیٰ :۔ ۵

ترجمہ:

(اور تمہیں پروردگار عنقریب وہ کچھ عطا فرمائیگا کہ تم خوش ہو جاؤ گے)

(-عطیک آپ کا شان ہے۔ فترضیٰ کے ارشاد سے ہماری امید پوری ہوئی۔ وہ لج پال ہمیں اپنے پاس رکھے گا۔ و شفع تشفع (کیوں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم تو راضی اس میں ہونگے کہ ان کی امت کی بخشش ہو) ہمارا ورد زبان ہے)

لاہو مکھ توں مخطط برد یمن۔ من بھا نوری جھلک دکھاؤ سجن

اوہا مٹھیاں گالیں لاؤ سجن۔ جو حمرا وادی سن کریاں

(چہرے سے بردیمن ہٹاؤ۔ اے میرے محبوب اپنی دل لبھانے والی صورت دکھاؤ میرے محبوب وہ مٹھیاں باتیں کرو جو حمرا وادی میں کی تھیں۔)

حجرے توں مسجد آؤ ڈھولن' نوری جھات دے کارن سب سکن

دو جگ اکھایاں دا فرش کرن۔ سب انس و ملک حوراں پریاں

(میرے محبوب حجرے سے مسجد کو آؤ۔ آپ کی ایک نوری جھلک کا سب کو اشتیاق ہے۔

دونوں جہاں اپنی آنکھیں آپ کی راہ کا فرش کریں گے تمام انس و ملک' حوراں اور پریاں)

انھاں سکدیاں تے کرلاندیاں تے۔ لکھ واری صدقے جاندیاں تے
انھاں بردیاں مفت و کاندیاں تے۔ شالا آون وت بھی اوہ گھڑیاں

(ان محبت میں تڑپنے اور رونے والوں پر۔ لکھ وار قربان ہو جانے والوں پر
ان بے دام غلاموں پر۔ وہ گھڑیاں آئیں)

سبحان اللہ ما اجملک۔ ما احسنک ما اکملک
کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا۔ گستاخ اکھیاں کتھے جا لڑیاں

اختتامیہ

قدیم زمانہ سے اس سلسلہ کے بزرگوں میں ملفوظات مرتب کرنے کا رواج رہا ہے۔ قدیم بزرگوں نے کتابیں تصنیف اور تالیف نہیں کیں' لیکن ان کے مریدوں نے ان کے ملفوظات مرتب کئے جن سے ان کی تعلیمات کی وضاحت ہوتی ہے۔ اس دور کے چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں کے ملفوظ کے مجموعے ملتے ہیں۔ ان کے علاوہ اس دور کے بزرگوں نے کتابیں بھی تصنیف اور تالیف کیں۔ خاص طور پر راجستھان کے بزرگ حاجی نجم الدین شیخاواٹی نے قدیم اردو نثر میں کئی کتابیں لکھیں۔ اس سلسلہ کے بعض بزرگ باکمال شاعر ہوئے۔ فارسی شعراء میں خواجہ غلام فرید کے بھائی فخرالدین اوحدی اور سید مہر علی شاہ گولڑوی کے نام قابل ذکر ہیں۔ فارسی کے علاوہ پنجابی' اردو اور سرائیکی زبان میں انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ حضرت خواجہ غلام فرید سرائیکی کے عظیم شاعر ہیں۔ جنہوں نے سرائیکی کو نیا حسن اور نئی زندگی بخشی۔ سوزوگداز' عشق رسول' خود شناسی خدا اشناسی ثقافت کی ترجمانی اور معاشی اور معاشرتی حالات کی عکاسی ان کی شاعری کی خصوصیات ہیں۔ حضرت سید مہر علی شاہ گولڑوی "پوٹھوہاری" (پنجابی) کے باکمال شاعر ہیں۔ انہوں نے پوٹھوہاری میں شاہکار نظمیں دوہے اور کافیاں لکھیں۔ حضرت خواجہ غلام فرید حضرت سید مہر علی شاہ گولڑوی' حاجی نجم الدین شیخاواٹی اور دوسرے بزرگوں کا قدیم نوعیت کا اردو شعر بھی ملتا ہے۔ ان بزرگ شاعروں نے اپنے اشعار میں وحدت الوجود کا فکر تصوف کے مختلف مسائل اور اخلاقی اقدار سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ حضرت مہر علی شاہ گولڑوی وجدوی فکر

اس طرح بیان کرتے ہیں:

ایہہ صورت ہے بے صورت تھیں۔ بے صورت ظاہر صورت تھیں۔
بے رنگ دے اس مورت تھیں۔ وچ وحدت بھٹیاں جد گھڑیاں

(یہ صورت بے صورت سے ہے۔ صورت صورت میں ظاہر ہوئی۔ گویا بے رنگ کی مورت ہے۔ وحدت میں کثرت نمودار ہوئی۔)

دسے صورت راہ بے صورت دا۔ توبہ راہ کی عین حقیقت دا
پر کم نہیں بے سر بھت دا۔ کوئی ورلیاں موتی لے تریاں

(یہ صورت بے صورت کی راہ دکھائے۔ ہاں بلکہ حقیقت تک پہنچائے لیکن بے سوجھ اس کو سمجھ نہیں سکے گا۔ اتھلوں کو موتی کہاں ملتے ہیں)

ایہا صورت شالا پیش نظر۔ رہے وقت نزع تے روز حشر
وچہ قبر تے پل تھیں جد ہوسی گذر۔ سب کھوٹیاں تھیسن تد کھریاں

(یا رب' شال یہ صورت پیش نظر رہے۔ نزع کے وقت اور حشر کے روز
قبر میں اور جب پل سراط سے گذر ہو۔ جہاں ان کی طفیل سب کھوٹے بھی کھرے ہونگے)

اس دور میں سندھ کے بزرگ بھی وحدت الوجود کے قائل نظر آتے ہیں۔ البتہ نقشبندی سلسلہ کے سندھی بزرگ وجودی فکر کے قائل نہیں تھے۔ پھر بھی اس سلسلہ کے بعض بزرگوں کے اشعار میں اشارتاً" اس فکر کی ترجمانی ملتی ہے۔ قادری سلسلہ کے شعرا مثلاً حضرت سچل سرمست قادر بخش بیدل وغیرہ نے بہت نمایاں طور پر وحدت الوجود کے نظریہ کا ذکر کیا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت خواجہ غلام فرید بھی حضرت سچل سرمست سے متاثر نظر آتے ہیں۔ انہوں نے وجودی فکر بیاں کرنے میں سچل سرمست کا انداز بیان اختیار کیا ہے۔

چشتیہ سلسلہ کے اس دور کے بزرگوں نے بھی امراء اور حکام کے یہاں جانے سے اجتناب کیا۔ یعنی اپنے قدیم بزرگوں کے مسلک پر کاربند رہے۔ پھر بھی امراء اور حکام ان کے پاس آتے تھے۔ اور ان سے عقیدت رکھتے تھے۔ وہ جب بھی فیض و برکت حاصل کرنے کے لئے ان کے پاس آتے تھے تو وہ ان کو ہدایت اور نصیحت کرتے تھے۔ اور حق اور سچ بات منہ پر کہنے میں کوئی پس و پیش نہیں کرتے تھے۔ وہ ان کو ظلم سے باز رہنے کی

تلقین کرتے تھے اور عدل اور انصاف قائم کرنے کی ہدایت کرتے تھے۔ وہ ان کو تاکید کرتے تھے کہ خدا کی مخلوق کی خدمت کرو ان کی مشکلاتیں دور کرو۔ ان کے لئے آرام و آسائش کی سہولتیں مہیا کریں اور دنیا اسلام کی خدمت کریں۔

ماخذ

۱۔ حامد بن فضل اللہ جمالی: سیر العارفین، اردو ترجمہ: ڈاکٹر محمد ایوب قادری، مرکزی اردو بورڈ لاہور، ۱۹۷۶ء

۲۔ امیر خورد: سیر الاولیاء، اردو ترجمہ: اعجاز الحق قدوسی، مرکزی اردو بورڈ لاہور۔ ۱۹۸۰ء

۳۔ محمد غوثی مانڈوی شطاری: گلزار ابرار، اردو ترجمہ، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۳۹۵ھ

۴۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، اردو ترجمہ، لاہور ۱۹۶۳ء

۵۔ شیخ بہاؤ الدین محمود ناگوری چشتی: سیر العارفین، اردو ترجمہ، اللہ والے کی قومی دکان لاہور

۶۔ شیخ عبدالرحمان چشتی: مراۃ الاسرار، اردو ترجمہ: کپتان واحد بخش سیال، صوفی فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۸۲ء

۷۔ سراج عفیف: تاریخ فیروز شاہی، اردو ترجمہ، نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۵ء۔

۸۔ محمد قاسم فرشتہ: تاریخ فرشتہ، اردو ترجمہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور،

۹۔ محمد بلاق: روضۃ الاقطاب، اردو ترجمہ، مطبع محب ہند فیض بازار دہلی، ۱۳۰۹ھ (۱۸۹۱ء) (محمد بلاق، حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء کے بھانجے تھے)

۱۰۔ مولوی نور اللہ: انوار الرحمٰن (حالات و ملفوظات مولانا عبدالرحمٰن سندھی لکھنوی) لکھنؤ، ۱۲۸۷ھ (۱۸۷۰ء)

۱۱۔ مولوی اللہ بخش بلوچ: خاتم سلیمانی (حالات و ملفوظات خواجہ محمد سلیمان تونسوی) لاہور، ۱۳۲۵ھ (۱۹۰۷ء)

۱۲۔ مولانا عبدالحی بریلوی لکھنوی: نزھۃ الخواطر، اردو ترجمہ، مقبول اکیڈمی لاہور، ۱۹۸۵ء (چار جلدیں)

۱۳۔ ضیاء الدین برنی: تاریخ فیروز شاہی، اردو ترجمہ، مرکزی اردو بورڈ لاہور۔

۱۴۔ مفتی غلام سرور لاہوری: حدیقۃ الاولیاء، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۷۶ء

۱۵۔ خواجہ غلام فرید: دیوان اوحدی (فارسی)، مکتبہ جمال، جہانیاں منڈی، تحصیل خانیوال، ضلع ملتان

۱۶۔ ہشت بہشت (بزرگان چشت کے ملفوظات: انیس الارواح، دلیل العارفین، فوائد السالکین، راحت القلوب، اسرار الاولیاء، افضل الفوائد، راحت المحبین، اور فوائد الفواد) اردو ترجمہ، اللہ والے کی قومی دکان، لاہور

۱۷۔ فوائد الفواد، ملفوظات حضرت نظام الدین اولیاء، مرتب: امیر علاؤ سنجری، اردو ترجمہ: شمس بریلوی، مدینہ پبلشنگ ہاؤس کراچی، ۱۹۷۸ء

۱۸۔ خلیق احمد نظامی: تاریخ مشائخ چشت، مکتبہ عارفین کراچی، ۱۹۷۵ء

۱۹۔ نافع السالکین (ملفوظات خواجہ محمد سلیمان تونسوی) اردو ترجمہ، صاحبزادہ محمد حسین للٰہی، شعاع ادب لاہور،

۲۰۔ مولانا محمد زکریا: تاریخ مشائخ چشت، مجلس نشریات اسلام کراچی،

۲۱۔ فوائد السالکین، ملفوظات خواجہ بختیار کاکی، مرتب: خواجہ فرید الدین گنج شکر، اردو ترجمہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱۸۹۸ء

۲۲۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن: بزم صوفیہ، ادبستان لاہور، ۱۹۸۲ء

۲۳۔ معین الدین چشتی اجمیری اور شمس الحسن شمس بریلوی، لمعات خواجہ، کراچی ۱۹۷۸ء

۲۴۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی: کلیات امدادیہ، مکتبہ تھانوی، دیو بند

۲۵۔ مولانا عبدالرحمٰن سندھی لکھنوی: وحدت الوجود: کلمۃ الحق، اللہ والے کی قومی دکان لاہور

۲۶۔ خواجہ غلام فرید: دیوان فرید (اردو)، مرتب: صدیق طاہر، اردو اکیڈمی بہاولپور، ۱۹۷۲ء

۲۷۔ خواجہ غلام فرید: دیوان فرید (سرائیکی) اردو ترجمہ: مولوی عزیز الرحمٰن، بہاولپور

۲۸۔ اسدیہ ابن شیخ عبدالرحیم: سیر الاقطاب، اردو ترجمہ، نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۷۲ء

۲۹۔ سید اولاد علی گیلانی: اولیائے ملتان، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۶۳ء

۳۰۔ کرم حیدری: مہر علی شاہ: لوک ورثے کا قومی ادارہ، اسلام آباد، ۱۹۸۰ء

۳۱۔ مولانا سید عبدالحی: اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں، اعظم گڑھ، ۱۹۷۰ء

۳۲۔ حاجی نجم الدین: مناقب المحبوبین: مطبع محمد حسن رامپور ۱۲۸۹ھ (۱۸۷۲ء)
۳۳۔ ماہنامہ تاج کراچی، جون ۱۹۶۰ء (شاہ عبدالرحمٰن لکھنوی سندھی کے متعلق، محمد خصلت صابری کا مضمون)
۳۴۔ سہ ماہی مہران (سندھی)، سال ۱۹۸۶ء نمبر۳ (ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی کا مقالہ چشتی سلسلہ سندھ میں)
۳۵۔ مقالات جلد ہشتم، بین الاقوامی ہجرہ کانفرنس، مارچ ۱۹۸۱ء اسلام آباد (ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی کا مقالہ "ملفوظات")
۳۶۔ تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی، تالیف: خواجہ نعمت ہروی، اردو ترجمہ: ڈاکٹر محمد بشیر حسین، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، ۱۹۷۸ء
۳۷۔ تاریخ دعوت و عزیمت، حصہ سوم: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۷۹ء۔

باب پنجم

طریقہ قلندری

قلندری سلسلہ

قلندر: قلندر دراصل صوفیائے کرام کی وضع کی ہوئی اصطلاح ہے۔ طریقت کے ان سالکوں کو "قلندر" کہا جاتا ہے، جن کا ظاہری عمل عام لوگوں کی نظر میں اتنا زیادہ نظر نہ آئے۔ لیکن درحقیقت ان کا قلبی عمل بہت زیادہ ہوتا ہے، جو عام لوگوں سے پوشیدہ رہتا ہے۔ وہ غیر حق کے طرف کچھ بھی توجہ نہیں دیتے۔ اپنے ارادوں، خواہشوں اور تمناؤں کو ترک کرکے راضی بہ رضا رہتے ہیں۔ اور اس میں ہی دلی سکون حاصل کرتے ہیں۔ غرضیکہ تمام توجہ کا مرکز اور محور دل کے روحانی جذبات کو بنانا، قلندر کی خصوصیت ہے۔ اسی لحاظ سے قلندری طریقہ کے دو جز بیان کئے جاتے ہیں: ایک زہد، دوسرا محبت۔ مقصد یہ ہے کہ صرف ایک کا ہو جانا چاہئے، دوسروں کو ترک کرنا چاہئے اور ان سے کوئی بھی تعلق نہیں رکھنا چاہئے۔ حضرت خواجہ عبیداللہ نے فرمایا ہے۔

"خود کو مناعات سے مجرد کرنا، یعنی نفس کے خلاف چلنا اور جیسے حق تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس طرح کرنا قلندری طریقہ ہے۔"

تحقیقات الصوفیہ میں آیا ہے:

"قلندر اس کو کہا جاتا ہے، جو تارک الدنیا ہو، مجرد ہو اور نفسانی لذتوں سے دور ہو۔"

کشف اللغات میں آیا ہے۔ "قلندر اس کو کہا جات ہے، جو دونوں جہانوں سے آزاد ہو اور صرف معبود میں محو ہو۔"

غرضیکہ معرفت نفس، راضی بہ رضا رہنا، اپنے جذبات خواہشات اور ارادوں کو ترک کرنا، استغنا، عالی ہمتی، مسلسل جہد قلندری طریقہ کے اجزائے ترکیبی ہیں، اسی کیفیت کا نام مستی ہے اور مستی ہی قلندری طریقہ کی پہچان ہے۔ علامہ اقبال نے بھی قلندریت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ اقبال کے نزدیک قلندر وہ ہے جس کے دل میں دنیا کے خطرات اور مشکلات کا خوف و ہراس نہ ہو۔ فرماتے ہیں:

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

قلندر کو جو روحانی فتوحات حاصل ہوتی ہیں، وہ کسی بادشاہ کی فوجیں بھی حاصل نہیں کرسکتیں، علامہ اقبال فرماتے ہیں:

دبدبۂ قلندری، طنطنۂ سکندری
آں ہمہ جذبۂ کلیم ایں ہمہ سحر سامری
آں بہ نگاہ می کشد ایں بہ سپاہ می کشد
آں ہمہ صلح و آشتی، ایں ہمہ جنگ و داوری

مستی: طریق قلندریہ کا راز مستی میں مضمر ہے۔ مستی کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ مستی جذباتی اورر تصوراتی انسان کے ہمت کا مظہر ہے" جو حق اور انصاف سے نمودار ہوتی ہے اور حالات کے دستور کے موافق عمل کا رخ اختیار کرتی ہے، جو تردد اور تاویلات کے توہمات سے بالا تر ہوتی ہے۔ یعنی مستی کا مفہوم عمل صالح میں مضمر ہے۔ اور عمل بھی وہ جو ناکامی سے روشناس نہ ہوتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مستی کی وجہ سے زندگی جہد مسلسل بن جاتی ہے۔ اور لاکھوں انسانوں کے روحانی، ذہنی، اخلاقی اور سیاسی اصلاح کا باعث بنتی ہے۔ غرضیکہ مستی عشق کی اعلیٰ و ارفع منزل ہے۔ جوش، جذبہ، محویت اور استغراق اس کی خصوصیات ہیں۔

حضرت سچل سرمست نے اپنی فارسی مثنوی "رہبر نامہ" میں "مستی" کی تشریح اس طرح کی ہے:

مستی آنست کہ از خود رہد
غافل از کار جہانی می شود

یعنی مستی وہ ہے جو انسان خود سے آزادی حاصل کرے اور دنیوی کاروبار سے بے خبر ہوجائے۔ ایک دوسری جگہ حضرت سچل سرمست نے فرمایا ہے کہ تمام دوست جذب و مستی کے عالم میں خود پرستی سے توبہ کرنے لگے۔

یاران ہمہ جذب و مستی
شد توبہ کناں زخودپرستی

یہی وجہ ہے کہ حضرت سچل سرمست، مستی کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں۔ اور مستی کے

بغیر ہر بات کو بیوقوفی اور بے خبری تصور کرتے ہیں۔

ایں کہ جز مستی ہمہ ناقابل است
غافلی و غافلی و غافلی است

ایک صاحب نظر حضرت علی کرم اللہ وجہ' کے تدبر اور عمل کو قلندر کی مستی کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ حضرت کرم اللہ وجہ عظیم مدبر تھے' جنہوں نے قرآن حکیم کی حکمت حاصل کر کے مکر اور منافقت کے خلاف سخت جدوجہد کی انہوں نے بدعتی اشخاص کے بدکرداریوں کو ظاہر کیا اور انسانی معاملات میں صحیح اور صحت مند اصولوں کو عملی صورت میں ہمارے سامنے رکھا۔

قلندری طریقہ: "قلندر نامہ" کے مصنف حکیم فتح میں سیوہانی کا دعویٰ ہے کہ حضرت قلندر شہباز مرندی سیوہانی کا سلسلہ قلندری حضرت امام زین العابدین کے واسطہ سے سرور کائنات صلی اللہ عیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ کیونکہ یہ سلسلہ سید جمال سے حضرت علی بن موسیٰ رضا' امام جعفر صادق' امام زین العابدین اور حضرت علی کرم اللہ وجہ سے ہوتا ہوا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

کئی تذکرہ نگاروں نے قلندر شہباز کا سلسلہ طریقت قادری بتایا ہے۔ تذکرۃ الفقرا میں دارا شکوہ کا جو شجرہ ہے وہ لعل شہباز کے واسطے سے حضرت غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی تک اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"داراشکوہ مرید ملا شاہ بدخشی' وہ مرید میاں میر سیوہانی' وہ مرید حضرت خضر سیوستانی' وہ مرید' شاہ سکندر' وہ مرید خواجہ خاکی' وہ مرید سید علی قادری' وہ مرید حضرت مخدوم سید عثمان قلندر شہباز' وہ مرید شاہ مجرد کے' وہ مرید ابو اسحاق ابراہیم کے' وہ مرید مرتضیٰ سبحانی کے' وہ مرید حضرت احمد بن مبارک اور وہ مرید سید عبدالقادر جیلانی کے۔"

بعض تذکروں میں آیا ہے کہ حضرت سید عثمان قلندر شہباز' حضرت غوث بہاؤ الحق زکریا ملتانی کے مرید ہوئے تھے۔ لیکن یہ درست نہیں ہے۔ حضرت قلندر شہباز کا طریقہ قلندری تھا' جو سلسلہ سہروردیہ سے مختلف تھا اور اس طریقہ کی نسبت حضرت جمال مجرد سے ہے۔

سید جمال مجرد: حضرت سید جمال مجرد' مصر کے عالم' فاضل اور بزرگ تھے۔ خیر المجالس

میں حمید شاعر نے تحریر کیا ہے۔ کہ شیخ المشائخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی نے فرمایا کہ:

"سید جمال مجرد ایک مدت تک مصر میں مفتی رہے۔ اہل مصر ان کو "کتاب خانہ رواں" (چلتا پھرتا کتب خانہ) کہتے ہیں۔ جو استفتاء مشکل ہوتا تھا' وہ اس کا جواب دیتے تھے اور ہرگز کسی کتاب کو نہیں دیکھتے تھے۔ ناگاہ ان پر ایسا جذبہ اور حال طاری ہوا کہ داڑھی مونچھ منڈوا کر قبرستان چلے گئے اور ایک چادر اوڑھ کر قبلہ کے طرف رخ کر کے متحیر اور دیوانہ دار آنکھیں آسمان سے لگائے ہوئے بیٹھ گئے۔"

سیر العارفین میں حامد بن فضل اللہ جمالی نے آپ کا نام جمال الدین ساوٴجی لکھا ہے۔ اور آپ کے متعلق فرمایا ہے:

"مصر میں ایک عالم تھا' جب ان کو خبر ہوئی کہ سید جمال الدین ساوٴجی کی ایسی حالت ہوگئی ہے کہ داڑھی مونچھ منڈوا کر اور تاک الصلوۃ ہو کر بے ہوش و مبہوت بیٹھے ہیں' تو وہ عالم' جو مصر کے ملک العلماء تھے۔ علمائے ظاہر کی ایک جماعت کے ہمراہ مصر سے ان کی عیادت کے لئے گئے۔ انہوں نے حضرت جمال کو اس حال میں دیکھا تو حکم دیا کہ رانگ گرم کر کے ان کے حلق میں ڈالیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا' لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔"

جمالی سیر و سیاحت کے بعد جب وہاں گئے' تو وہاں جو کچھ سنا' اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

جب میں اس مقام پر پہنچا' تو میں نے اس علاقہ کے اکابر سے سنا کہ حضرت سید جمال ایک عرصہ تک مصر میں رہے۔ وہ بہت خوبصورت اور نہایت باکمال حسن کے مالک تھے۔ جس طرح زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام پر عاشق ہوگئی۔ اس طرح مصر کے امراء میں سے ایک رئیس کی بیوی حضرت کے حسن پر فریفتہ ہوگئی اور اکثر ان کے عبادت میں خلل انداز ہوتی تھی۔ چنانچہ سید صاحب آدھی رات کے وقت مصر سے فرار ہو کر مقام دمیاط پہنچے جو وہاں سے سات آٹھ روز کی مسافت پر ہوگا۔ اس زمانہ میں وہ مقام حضرت یوسف کے وقت سے ویران تھا۔ وہ وہاں گوشہ نشین ہوگئے اور دعا کی کہ اے پروردگار یہ حسن جو میرے لئے فتنہ بن گیا ہے۔ اس کو تبدیل کردے کہ کسی کی رغبت میری طرف نہ ہو۔ اس دعا کے بعد جب انہوں نے اپنے دست مبارک چہرے پر ملے تو ان کی مونچھیں داڑھی اور بھویں سب گر گئیں' آپ نے اس عورت کو جو ان پر عاشق تھی اپنے پاس بلایا۔ جب اس

عورت نے یہ خبر سنی تو بے سروپا ان کی طرف دوڑی۔ جب سید صاحب کو اس حال میں دیکھا تو ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور سید صاحب نے اس سے رہائی پائی۔ حضرت سید کی رحلت کے بعد جو درویش ان کا قائم مقام ہوا اس نے داڑھی مونچھ اور ابرو منڈوا ڈالیں اور وہی صورت اور لباس اختیار کیا۔

سید جمال مجرد کے مریدوں میں سے صاحب سیر العارفین نے بابا احمد اندبوسی اور سید عبدالقدوس کے نام لئے ہیں۔

بابا احمد اندبوسی : کے متعلق لکھتے ہیں : اندبوس سر زمین افریقہ میں ایک شہر ہے۔ احمد جوالقاپوش، حضرت سید جمال مجرد کے مریدوں میں سے ایک مرید تھے۔ دمیات میں جہاں سید جمال کا روضہ ہے۔ ان کا تکیہ تھا۔ جمالی دہلوی اپنے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ اندبوس میں پانچ ماہ رہے اور سید جمال مجرد کی زیارت کے لئے دمیات گئے اور پندرہ روز اس مقام پر مقیم رہے۔

سید عبد القدوس : جمالی دہلوی ان کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ وہ موصل کا رہنے والا تھا۔ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس اور حج بیت اللہ سے مشرف ہونے کے بعد مصر پہنچے اور وہاں سے دمیات کے علاقے میں آئے۔ اس نے حضرت جمال مجرد کے مقبرے پر بابا احمد اندبوسی سے قلندروں کا لباس پایا۔ اس کے بعد حضرت غوث بہاؤالدین زکریا سے ان کی ملاقات ہوئی اور ان سے روحانی فیض حاصل کیا۔ حضرت زکریا نے انہیں اپنے خرقہ خاص سے مشرف کیا۔ اور چند روز تک اپنی صحبت میں رکھا۔ سید جمال مجرد کے متعلق انہیں یہ بتایا کہ :

"سید جمال نے اپنی داڑھی، مونچھ اور بھویں اپنے اختیار سے صاف نہیں کرائی تھیں ۔ بلکہ وہ از خود گر گئیں تھی۔"

سید عبدالقدوس کے روضہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ ان کا مقبرہ قصبہ نائن میں ہے۔ جو یزد اور اردستان کے درمیان میں واقع ہے۔ جمالی خود وہاں گئے تھے اور ان کے مقبرہ کی زیارت کی تھی۔

داڑھی وغیرہ صاف کرنے کی رسم : سید جمال مجرد کی وجہ سے رسم رائج ہوگئی۔ جب بھی کوئی قلندری طریقت میں داخل ہوتا، داڑھی، مونچھ، بھنویں اور سر صاف کرواتا۔ یہ

رسم اب بھی موجود ہے۔

حضرت قلندر شہبازؒ

نام اور لقب : آپ کا اصل نام سید عثمان ہے اور مندرجہ ذیل آپ کے لقب ہیں : لعل، شہباز قلندر، سیف لسان، شمس الدین، مہدی، مخدوم۔ آپ کا شجرہ نسب حضرت سید اسماعیل کے ذریعے حضرت امام جعفر صادق تک اس طرح پہنچتا ہے :

"حضرت سید عثمان مرندی بن سید کبیر بن سید شمس الدین بن سید نور شاہ بن سید محمود شاہ بن سید احمد شاہ بن سید ہادی شاہ بن سید مہدی بن شاہ سید منتخب بن سید غالب بن سید منصور بن سید اسماعیل بن امام جعفر صادق"۔

ولادت : حضرت سید عثمان قلندر شہباز کے والد بزرگوار سید کبیر، جمادی الثانی ۵۰۱ھ (۱۱۰۸ء) میں تولد ہوئے اور سنہ ۵۹۰ھ (۱۱۹۳ء) میں فوت ہوئے۔ آپ کا مقبرہ "مرند (آذربائیجان)" میں ہے۔ حضرت عثمان "مرند" میں تولد ہوئے۔ آپ کی ولادت کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ تذکروں میں آپ کی ولادت کی تاریخیں ۵۳۸ھ، ۵۵۲ھ اور ۵۷۳ھ میں ملتی ہیں۔ آپ نے قرآن حکیم حفظ کیا اور عربی اور فارسی میں مہارت حاصل کی۔

تعلیم اور روحانی تربیت : ماثر الکرام کی روایت ہے کہ جب سن بلوغت کو پہنچے، تو بابا ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے، جو حضرت جمال مجرد کے مرید تھے ۔ ان کی خدمت میں رہ کر کمالیت کو پہنچے اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔

سیاحت : اس کے بعد آپ سیر و سیاحت کو نکلے اور اسلامی دنیا کے کئی ممالک کی سیر کی۔ حرمین شریفین جا کر حج بھی ادا کیا۔ بغداد سے نکل کر کیچ مکران کے راستہ سے سندھ میں آئے اور سندھ کے مختلف علاقوں کی سیاحت کی۔ اس کے علاوہ ملتان، گجرات اور برصغیر پاک و ہند کے مختلف علاقوں کی سیرو سیاحت کی اور دین اور روحانیت کی تبلیغ کی۔

سندھ میں آمد : ملتان میں حضرت غوث بہاؤ الدین زکریا ملتانی سے ملے اور ان کی صحبت میں رہے اور ان کے ساتھ سندھ کے دورے کئے۔ تذکروں اور تاریخوں میں چار یاروں کا مل کر سندھ اور ملتان کی سیرو سیاحت کرنا مشہور ہے۔

وہ چار دوست ہیں : غوث بہاؤ الحق زکریا ملتانی، حضرت قلندر شہباز، سید جلال سرخ

بخاری اور حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر۔ سیر و سفر کے بعد سیوھن میں اقامت پذیر ہوگئے۔ حضرت غوث العالم کی وفات کے بعد پھر سے ملتان گئے اور حضرت صدر الدین عارف سے ملے۔ اس زمانہ میں ملتان کے گورنر شہزادہ محمد ہوا کرتا تھا۔ شہزادہ محمد بزرگوں کا بے حد احترام کرتے تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ محفل سماع اپنے دربار میں منعقد کی، جس میں حضرت قلندر شہباز اور صدر الدین عارف بھی شریک ہوئے۔ شہزادہ محمد نے آپ کو استدعا کی کہ ملتان میں سکونت اختیار کریں لیکن آپ نے انکار کیا اور سیوھن میں اقامت پذیر ہونے کو ترجیح دی۔ آپ ملتان سے واپس سندھ میں آئے اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ لاکھوں کی تعداد میں لوگ آپ کی تبلیغ اور تلقین کے ذریعہ راہ راست پر آئے اور کئی لوگ آپ کے دست حق پرست پر مسلمان ہوئے۔ آپ نے سیوھن اور سندھ کے دوسرے شہروں میں سخت جدوجہد کرکے برائیوں کا قلعہ قمع کیا۔ اخلاقی اقدار بحال کیا اور صالح اور صحت مند معاشرے کے لئے راہ ہموار کی اور لوگوں کے دلوں میں اسلام اور روحانیت کی محبت پیدا کی۔

خاص طور پر آپ نے حضرت غوث بہاؤ الحق ملتانی کے ساتھ مل کر سندھ میں اسلام کی تبلیغ کی اور روحانی اور اخلاقی اقدار پھیلانے کے لئے بڑی جدوجہد کی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قلندر شہباز کا سندھ میں آنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ یہاں کے لوگوں کی روحانی اور اخلاقی اصلاح کی جائے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ نے یہ کام بخوبی سرانجام دیا۔ اس سلسلہ میں آپ نے سندھ کے مختلف علاقوں کے دورے کئے اور اپنی نظر فیض اثر سے لوگوں کو مستفیض کیا۔ آپ کی شخصیت میں اتنی کشش تھی کہ لوگ خودبخود آپ کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔

وفات: بعض تذکروں میں آپ کی وفات کی تاریخ ۶۵۰ ھ (۱۲۵۲ء) آئی ہے۔ اور یہ بھی آیا ہے کہ سیوھن میں وفات سے ایک سال قبل آئے۔ حقیقت میں یہ سن وفات صحیح نہیں ہے، کیونکہ برنی کی تاریخ فیروز شاہی ملتان میں بلبن کے فرزند شہزادہ محمد سے آپ کی ملاقات کا ذکر ملتا ہے۔ اور یہ ملاقات حضرت غوث العالم کی وفات کے بعد اندازاً سنہ ۶۶۹ھ میں ہوئے۔ اندازہ ہے کہ آپ سیر و سیاحت کے بعد سنہ ۶۴۹ھ (۱۲۵۱ء) میں سیوھن میں آئے اور اقامت پذیر ہوئے۔ اس سے پہلے بھی ملتان گئے تھے اور حضرت غوث العالم کے

ساتھ سیر و سیاحت کرچکے تھے۔ دوسری مرتبہ سنہ ۶۶۹ ھ میں ملتان گئے۔ واپس آکر سیوھن میں سکونت پذیر ہوگئے اور اس کے بعد وصال فرمایا۔

آپ کا مقبرہ سنہ ۷۵۷ ھ (۱۳۵۶ء) میں فیروز شاہ تغلق کی طرف سے سیوھن کے گورنر ملک اختیار الدین نے تعمیر کروایا۔ اس کے بعد اکبر بادشاہ کے زمانہ میں سندھ کے حاکم مرزا جانی بیگ نے نئی طرح روضہ کی تعمیر کروائی۔ جانی بیگ کے فرزند غازی بیگ نے مقبرہ کی مرمت کروائی۔ اس کے بعد سندھ کے کلہوڑہ حکمران "میاں غلام شاہ" نے ۱۱۷۳ھ میں خانقاہ میں پتھر کا فرش لگوایا، بلند دروازہ بنوایا اور علم بھیجا۔

آپ کے خلفاء میں سے سید علی سرمست، سید علی سیوستانی، مخدوم علی سیوستانی، سید عبدالوہاب، سید عبداللہ شاہ علوی، سکندر بودلہ، میرکلاں، بھورہ بادل شیر، سید صلاح الدین، شیخ مکھن، شاہ گودڑیہ، پیرپٹھو، لعل بکر اور لعل موسیٰ کے نام قابل ذکر ہیں۔ آپ کی درگاہ کی زیارت کے لئے جو بزرگ آتے رہے ہیں۔ ان میں سے حضرت مخدوم بلال حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی، حضرت قادر بخش بیدل روہڑی والے اور ان کے فرزند محمد محسن بیکس کے نام قابل ذکر ہیں۔

شاعری: بعض تاریخوں اور تذکروں میں آپ کا فارسی کلام ملتا ہے۔ اس کے علاوہ "دیوان راجا" بھی آپ کی طرف منسوب ہے۔ حقیقت میں "دیوان راجا" آپ کا دیوان نہیں ہے۔ بلکہ "راجو قتال" کا ہے۔ البتہ کچھ غزلیں ایسی بھی ملتی ہیں، جو آپ کی طرف منسوب ہیں اور تحقیق کے بعد کسی دوسرے کی معلوم نہیں ہوتیں۔ ان میں سے انتخاب پیش کیا جاتا ہے:

(۱)

رسیدم من بدریائے کہ موجش آدمی خوارست
نہ کشتی اندر ان دریا نہ ملاح عجب کارست
شریعت کشتی باشد طریقت بادبان او
حقیقت لنگرے باشد کہ راہ فقر دشوار ست
چو آتش جملہ خوں دیدم بتر سیدم ازاں دریا
بدل گفتم چرا ترسی گذر باید کہ ناچار است

انداز حق چنیں آمد مگر از جاں می ترسی
ہزاراں جان مشتاقاں دریں دریا نگوسار است
بگفتم من ہمی آیم مگر بستم چوغو اصاں
چہ ترسم از نگانے کہ گل پیوست باخار است
ایا عثمان مروندی سخن با پردہ دارا کو
نیابی درجہاں یاری پرز اغیار است

(۲)

زعشق دوست ہر ساعت درون ناری رقصم
گہے برخاک میں غلطم گہے بردار میں رقصم
شدم بدنام در عشقت بیا اے یار من اکنوں
نمی ترسم ز رسوائے بہربازار می رقصم
بیا اے مطرب و ساقی سماع و شوق را دردہ
کہ من از شادی و صلش قلندر واری رقصم
اگر صوفی شدن خواہی بیاتا خرقہ پوشم
چہ خوش زنار بر بستم بہ ایں دیداری رقصم
مرا مخلوق می گوید گدا چنداں چہ می رقصم
بدل داریم اسرارے ازاں اسرار می رقصم
خلائق گر کند برمن ملامت زیں سبب ہر دم
مگر نازم برایں ذوقیکہ پیش یاری رقصم
من آں عثمان مروندی کہ یار خواجہ منصورم
نہ لرزم از ملامت آن کہ من بردار می رقصم

(۳)

من آں درم کہ در بحر جلال اللہ بودا ستم
بکوہ طور باموسیٰ کلیم اللہ بوداستم

بہ آبے زندہ ہم بودم بہ خضری زندہ بود واستم
بہ سکندر در آں لشکر بہ لشکر گاہ بودا ستم
بہ اسماعیل پیغمبر بہ ابراہیم بن آذر
در آن سر وقت قربانی بہ قربان گاہ بو داستم
گہے بر تخت گریا نم، گہے بردار خندا نم
گہے در مذہب ترسا بے محنت کشید استم
دو صد جامہ کہن کر دم لباس فقر پوشیدم
برآں برجے کہ من بودم ہزاراں یک رسیدہ استم
ایا عثمان مروندی چرا مستی در ایں عالم
بجز مستی و مدہوشی دگر چیزے نہ دانستم

(۴)

کمند عشقش درگردن مرا مسرور و خوش آید
خم و خمار و خرم ہمہ ازاں مخمور و خوش آید
تجلیٔ جلالم کرو موسیٰ رابہ بے ہوشی
بہ بیں کار جلالم را کہ چوں بر طور خوش آید
بیا اے مرد راز بیں ازیں جاتو چرا لرزی
شہنشاہم بزم من ہمہ مذکور خوش آید
قلندر من ز شہبازم مرا آشیانہ گوتا گوں
بہر جای روم آنگاہ بامن نور خوش آید

ماخذ

عربی

ابن خلکان : وفیات الاعیان۔ قم (ایران)

فارسی۔ (قلمی)

۱۔ راجہ قتال : دیوان راجا۔ (۱) پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور

۲- قاضی علی اکبر درازی لائبریری روہڑی

۳- ایک اور قلمی نسخہ

۴- قادر بخش بیدل روہڑی والے :(۱) سند الموحدین (۲) رموز العارفین (۳) تاریخ ہائے

فارسی مطبوعہ

(۱) حمید شاعر: خیر المجالس، مرتبہ: خلیق احمد نظامی، علی گڑھ ۱۹۵۹ء

(۲) خدا داد خان: لب تاریخ سندھ، مطبع ریاض ہند امرتسر، ۱۹۰۰ء

(۳) عبدالقادر ٹھٹوی: حدیقۃ الاولیاء، مرتبہ: پیر حسام الدین راشدی، سندھی ادبی بورڈ، کراچی، ۱۹۶۷ء

(۴) علی شیر قانع: ٹھٹوی: مقالات الشعراء۔ مرتب: پیر حسام الدین راشدی، سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۵۷ء

(۵) علی شیر قانع ٹھٹوی: مکلی نامہ، مرتب: پیر حسام الدین راشدی، سندھی ادبی بورڈ، حیدر آباد، ۱۹۶۷ء

(۶) عبدالغفور بن حیدر سیوستانی: تذکرہ مشائخ سیوستان (تالیف ۱۰۳۹ھ) مرتب: پیر حسام الدین راشدی (سہ ماہی مہران، جلد ۲۳ نمبر ۳ - ۴ سال ۱۹۷۴ء)

(۷) غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء نولکشور لکھنؤ، ۱۹۱۴ء

(۸) غلام علی آزاد بلگرامی: ماثر الکرام، آگرہ ۱۹۱۰ء

(۹) فرید بکھری: ذخیرۃ الخوانین، مرتب: ڈاکٹر معین الحق، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی ۱۹۶۱ ع

اردو

۱- اعجاز الحق قدوسی: تذکرہ صوفیائے سندھ، اردو اکیڈمی کراچی ۱۹۵۹ء

۲- جامی، عبدالرحمن، مولانا: نفحات الانس، اردو ترجمہ، ۱۹۸۲ء

۳- جے۔ بے اسٹرنج: جغرافیہ خلافت مشرقی، اردو ترجمہ، حیدر آباد دکن ۱۹۳۰ء

۴- حامد بن فضل اللہ جمالی: سیر العارفین اردو ترجمہ، مرکزی بورڈ لاہور، ۱۹۷۶ء

۵- داراشکوہ: سفینۃ الاولیاء، اردو ترجمہ، پیکجز لمیٹڈ لاہور، ۱۹۷۱ء

۶- سراج عفیف: تاریخ فیروز شاہی، اردو ترجمہ، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۶۳ء

۷- محمد غوثی شطاری مانڈوی: گلزار ابرار، اردو ترجمہ، ۱۳۲۶ھ (۱۹۰۸ء)

۸- محمد اکرام شیخ: آب کوثر، فیروز سنز لاہور، ۱۹۶۵ء

۹- ہشت بہشت اردو (مجموعہ ملفوظات مشائخ چشت)

۱۰- وحید احمد مسعود: سوانح بابا فرید الدین گنج شکر، کراچی ۱۹۶۵ء

سندھی:

۱- برٹن: سندھ اور سندھو ماتھری میں آباد قومیں، سندھی ترجمہ: محمد حنیف صدیقی، سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۷۱ء

۲- حکیم فتح محمد سیوہانی: قلندر نامہ سندھی

۳- ضیاء الدین بلبل: ضیاء القلندر، قلندر شہباز میموریل کمیٹی سیوھن، ۱۹۶۵ء

۴- علی شیر قانع ٹھٹوی: تحفۃ الکرام، سندھی ترجمہ، سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد، ۱۹۵۷ء

۵- میر معصوم بکھری: تاریخ معصومی، سندھی ترجمہ، سندھی ادبی بورڈ ۱۹۵۳ء

۶- مولائی شیدائی، رحیم داد خان: جنت السندھ، سندھی ادبی بورڈ، حیدر آباد، ۱۹۵۸ء

۷- گدو مل ہرجانی: دیوان بیدل، سکھر، ۱۹۳۰ء

۸- دین محمد وفائی، مولانا: تذکرہ مشاہیر سندھ (تین جلدیں)، سندھی ادبی بورڈ

۹- قلیچ بیگ مرزا: قدیم سندھ، حیدر آباد، ۱۹۲۵ء

۱۰- میمن عبدالمجید سندھی، ڈاکٹر: تذکرہ شہباز، سندھی ادبی اکیڈمی لاڑکانہ، ۱۹۶۹ء

باب ششم

سہروردی سلسلہ

فصل اول

سہروردی سلسلہ

سہروردی سلسلہ قدیم دور کی ایک صوفیانہ تحریک تھی' اس تحریک کے ذریعے برصغیر پاک و ہند میں بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور روحانی فیض حاصل کیا۔ خاص طور پر پاکستان میں بے شمار لوگ مستفیض ہوئے۔ اس تحریک کو کامیاب بنانے میں حضرت غوث بہاؤ الحق زکریا ملتانی نے اہم اور بنیادی کام سرانجام دیا۔ سندھ میں حضرت غوث کی آمد سے قبل ان کے پیر بھائی حضرت نوح بکھری نے' سندھ کے لوگوں کو اس تحریک سے متعارف کرایا تھا۔

سلسلہ کا تعارف : سہروردی سلسلہ کی بنیاد حضرت شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی نے رکھی۔ ان کی ولادت سنہ ۴۹۰ ھ (۱۰۹۷ء) میں ہوئی۔ حجتہ الاسلام امام محمد غزالی کے بھائی شیخ احمد غزالی سے روحانی فیض حاصل کیا۔ جن کا سلسلہ طریقت سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی سے ملتا ہے۔ حضرت شیخ ابوالنجیب نے حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی سے بھی روحانی فیض حاصل کیا۔ اس کے علاوہ شیخ حماد باس کی صحبت سے بھی مستفیض ہوئے۔ آپ کے متعلق ابن خلکان نے "وفیات الاعیان" میں لکھا ہے۔

"وفیها توفی الشیخ ابو النجیب السهروردی الصوفی الفقیه وکان من الصالحین المشهورین"

دینی اور روحانی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دو سال بغداد کی مشہور درسگاہ نظامیہ میں مدرس اعلیٰ رہے۔ سنہ ۵۵۷ ھ (۱۱۶۱ء) میں بغداد سے یروشلم کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔ لیکن سیاسی حالات نے ان کی خواہش کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچنے دیا اور دمشق میں ہی اسلام و روحانیت کے درس میں مشغول ہوگئے۔ ان کے مواعظ و ہدایت کا ان کے شاگردوں اور معتقدین پر بڑا گہرا اثر ہوا۔

اس کے علاوہ اعلیٰ درجہ کے مصنف بھی تھے۔ اور اسلامی تصوف پر بلند پایہ کتابیں تحریر کیں۔ لیکن افسوس کہ آداب المریدین اور شرح اسماء الحسنیٰ کے علاوہ دوسری کتابیں معلوم نہ ہو سکی ہیں۔

سنہ ۵۶۴ ھ (۱۱۶۸ء) میں بغداد میں وفات پائی۔ ان کے خلفا نے آپ کی صوفیانہ تحریک کو جدا جدا ناموں سے رائج کیا، مثلاً "کبرویہ" شطاریہ، فردوسیہ وغیرہ، لیکن خاص سلسلہ سہروردیہ کو ان کے بھتیجے حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی نے رائج کیا اور اپنے خلفا کے ذریعے دنیا کے کونہ کونہ میں پہنچایا۔

حضرت ابونجیب عبدالقاہر کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اس طرح ملتا ہے:

"شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بکری المعروف بہ شیخ عمویہ بن سعد بن حسین بن قاسم بن سعد بن نصر بن عبدالرحمان بن قاسم بن ابوبکر صدیقؓ"

آپ کا شجرہ طریقت اس طرح ہے:

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی

(وفات ۳۰۳ ھ = ۹۱۵ء مدفن بغداد رھیلا حور)

سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی نے حضرت سری سقطی، شیخ حارث محاسبی اور شیخ محمد قصاب قدس اللہ اسرارہم کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ حضرت سری سقطیؒ کا مکان صوفیہ کرام کا اجتماع گاہ تھا۔ جہاں وہ سکون کے ساتھ بیٹھ کر اپنے مسائل پر بحث کیا کرتے تھے۔ حضرت سری سقطیؒ نے اپنی کوئی تحریر پیچھے نہیں چھوڑی۔ حضرت سقطی اور حضرت جنید کے باہمی تعلقات کو ہم سقراط اور افلاطون سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ سری سقطیؒ تصوف کے مسائل پر تقریباً افلاطونی مکالمہ کے انداز میں صرف زبانی اظہار خیال کرتے رہے۔ وہ بحثیں چھیڑتے، سوالات کرتے اور اپنے حلقہ میں مسائل کا فہم و شعور پیدا کرتے۔ وہ ایک عملی صوفی تھے۔ حضرت جنید نے تصوف کا باقاعدہ نظام مرتب کیا اور اس کو تحریر میں لے آئے۔

ان وجوہات کی بنا پر حضرت سری سقطیؒ کو تصوف کے بغدادی اسکول کا بانی تسلیم کیا گیا ہے، جس کا اصل موضوع "توحید" تھا۔ اس اسکول کا طرۂ امتیاز اس کے "اشارات" نیز مدارج تصوف اور مقام صوفی کے موضوعات پر اس کی بحثیں تھیں۔

حضرت سری سقطی، عظیم المرتبت صوفی ابو محفوظ ابن فیروز الکرخی (متوفی ۲۰۰ یا ۲۰۱) کے شاگرد تھے۔ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معروف کرخیؒ نے صبر و رضا کی عملی تعلیم دی اور خدا کی عبادت میں محو ہونا اور مشاغل دنیا سے کنارہ کش ہونے کا درس دیا۔

حضرت معروف کرخی، حضرت داؤد الطائی (وفات ۱۶۵ ھ) کے ہم مجلس تھے اور حضرت داؤد نے حبیب العجمی (متوفی ۱۳۰ ھ) سے اکتساب فیض کیا، اور انہوں نے حضرت حسن بصری سے اور حضرت حسن بصری نے سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے اخذ فیض کیا تھا۔ محققوں کا خیال ہے کہ یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت حسن بصری کی ملاقات حضرت علیؓ سے ہوئی تھی، کیونکہ جب حضرت علیؓ نے وفات پائی اس وقت حضرت حسن بصری کم سن تھے۔ البتہ ان کے رفقاء سے ضرور ملے ہوں گے۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرت جنید نے سری سقطی سے، انہوں نے معروف کرخی سے، انہوں نے فرقد السنجی (متوفی ۱۳۱ ھ) سے، انہوں نے حضرت حسن بصری سے اور انہوں نے حضرت انس بن مالک (متوفی ۹۰ھ) سے فیض حاصل کیا۔

تعلیمات: چونکہ سہروردی سلسلہ کا شجرہ طریقت حضرت جنید بغدادی سے جا ملتا ہے، اس لئے پہلے حضرت جنید کے تعلیمات کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت جنید کے تعلیمات: آپ نے فرمایا ہے:

اپنی محبت کو خداوند بزرگ و برتر کی طرف پھیر اور اس بات سے بچ کہ جس آنکھ سے تو اللہ تعالیٰ کو دیکھے اسی آنکھ سے غیراللہ کو دیکھے اور اللہ تعالیٰ کی نظروں سے گر جائے۔

توحید کے متعلق فرماتے ہیں:

"خدا کی واحدیت کا اقرار کیا جائے اور ارباب و انداد اور اشکال و اشباہ کو نظر و مشاہدہ سے ساقط کیا جائے اور خدا کے حکم کو ظاہر و باطن دونوں میں نافذ کیا جائے اور خدا تعالیٰ کے ماسوا دوسری ہستیوں سے امید و خوف کے جذبات کو بالکلیہ ختم کر دیا جائے اور یہ سب کچھ نتیجہ ہو انسان کے اس تصور کا کہ حق تعالیٰ کی ذات ہر جگہ ہر آن اس کے ساتھ موجود ہے۔ نیز یہ کہ حق تعالیٰ اسے پکارتا ہے۔ اور اس کا جواب دیتا ہے۔"

حضرت جنید "فنا" کے تین درجے قرار دیتے ہیں:

"فنا تین قسم کی ہوتی ہے۔ پہلی قسم کی فنا یہ ہے کہ تم اپنی صفات، اخلاق اور مزاج کی

قید سے آزاد ہو جاؤ اور اس حالت پر اپنے اعمال سے دلائل بہم پہنچاؤ۔ وہ یوں کہ تم خوب محنت و ریاضت کرو اور اپنے نفس کو خواہشات کے خلاف عمل کرو۔ جو کچھ تمہارا نفس چاہتا ہے اس کے بجائے اسے وہ چیز دو' جس سے وہ نفرت کرتا ہے۔ دوسرے قسم کی فنا یہ ہے تم اپنے نفس سے بالکل دستبردار ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ طاعت میں جو لذت ایک عابد و زاہد کو ملتی ہے' اس کا احساس بھی تم سے جاتا رہے۔ تم خود اسی کے اور صرف اسی کے ہو جاؤ تمہارے اور ذات حق کے درمیان کوئی واسطہ باقی نہ رہے۔ اور تیسری قسم کی فنا یہ ہے کہ تجلیات ربانی کا تم پر اتنا غلبہ ہوجائے کہ تمہارے اس وجود موجود کی حقیقت تمہاری آنکھوں سے اوجھل ہو جائے۔ ایسی حالت میں تم ایک ایسا وجود فانی ہو جاؤ گے۔ جو وجود ابدی کے ساتھ متحد ہو کر خود بھی ابدی ہوگیا ہوگا۔ تمہارا وجود' وجود خداوندی کے سبب ہی ہوگا۔ اس لئے کہ تمہاری فنا تو ہوچکی' تمہاری رسم (یعنی ظاہری شکل) باقی رہے گی۔ لیکن تمہارا نام اور تمہاری انفرادیت مٹ جائے گی۔"

حضرت جنید کی نظر میں صوفی وہ ہے جو توحید میں فنا ہوچکا ہے۔ فرماتے ہیں :

"(صوفی) اپنی ذاتی صفات بالکل گم کر دیتا ہے۔ اور اس گمشدگی وصفات کے باعث وہ وجود خداوندی میں پوری طرح مدغم ہو جاتا ہے اور ذات خداوندی میں مدغم اور متصل ہو جانے کے سبب وہ اپنے آپ سے بالکل گم ہوجاتا ہے۔ اس طرح جب وہ اپنے آپ سے گم ہو جاتا ہے۔ تو پیش گاہ خداوندی میں "عینیۃ" حاضر ہوتا ہے۔"

حضرت جنید نے علم اور معرفت کے الفاظ علم ذات خداوندی کے لیے یکساں استعمال کئے ہیں۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ معرفت الٰہی ہر ایک کو حاصل ہوتی ہے' فرق اگر ہے تو معرفت الٰہی کے درجات میں ہے۔ چانچہ فرماتے ہیں :

"مجھ سے معرفت الٰہی کی بابت سوال کیا گیا اور یہ کہ وہ کیسے حاصل کی جاتی ہے۔ میں نے اس کو جواب یہ دیا کہ چونکہ اس علم کا موضوع ایک ہی ہے۔ اس لئے معرفت خداوندی چاہے وہ ایک ولی کو حاصل ہو یا ایک عام آدمی کو' ایک ہی نوعیت کی چیز ہے۔ البتہ اس کے مدارج مختلف ہیں اور یہ ظاہر بات ہے کہ ایک ولی اللہ کو باقی لوگوں کی نسبت زیادہ گہرا علم ہوتا ہے۔ تاہم ذات حق کا مکمل علم کسی صورت میں ممکن نہیں' اس لئے کہ وہ ذات غیر محدود ہے اور نہ معرفت خداوندی انسان کے اندر اپنی منتہا کو پہنچ سکتی ہے۔

اس لئے کہ علم' عقل ہے اور عقل اور متخیلہ اپنی فطرت کے لحاظ سے ہی محدود ہیں۔"

حضرت جنیدؒ نے ابویعقوب یوسف بن الحسین الرازی کے نام خط میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اہل معرفت سے اس امر کا اقرار کیا ہے کہ وہ اس تعلیم کو لوگوں پر واضح کریں۔ چنانچہ ابویعقوب کو ہدایت فرماتے ہیں۔

"خدا تعالیٰ نے تمہیں جو علم اور معرفت ودیعت فرمائی ہے۔ اس کو لوگوں سے بیان کرو اور جو نعمتیں بخشی گئی ہیں' انہیں ظاہر کرو اور ان کا ذکر عام کرو۔ پس اے بھائی! تم دلچسپی اور سنجیدگی کے ساتھ اپنے مریدیں کی طرف متوجہ ہو۔ اپنا رخ ان کی طرف پھیرو۔ اپنی ساری منطق اور استدلال انہی کے لئے وقف کردو۔ انہیں شفقت اور مہر میں لپیٹ لو اور اپنی راہنمائی اور حسن ارشاد میں انہیں دوسروں پر ترجیح دو۔ اور اپنے علم و معرفت کے فوائد ان تک پہنچاؤ۔"

حضرت جنید کے تعلیمات کا جائزہ : مذکورہ بالا اقوال روشنی حضرت جنید کے تعلیمات کا جائزہ ہم اس طرح بیان کرسکتے ہیں :

(۱) آپ نے توحید کی تعلیم دی ہے۔

(۲) آپ نے توحید کی جو تعریف بیان کی ہے وہ قرآن حکیم کے تعلیمات کے مطابق ہے۔

(۳) آپ نے معرفت الٰہی کی حقیقت بڑے موثر انداز میں سمجھائی ہے۔

(۴) آپ نے درس دیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کریں اور اپنی ذات کو اس طرح فنا کریں کہ ہمارے اور ذات حق کے درمیان کوئی واسطہ باقی نہ رہے۔

(۵) آپ نے اپنی معتقدین اور مخلصین کو سمجھایا ہے کہ ان حقائق کو نہ صرف خود تک محدود رکھیں' بلکہ اس کی تبلیغ کریں' پھیلائیں اور اپنے مخلصین' معتقدین اور مریدین کو اس کی عملی تعلیم دیں۔

تعلیمات شیخ ابونجیب : حضرت شیخ ضیاء الدین ابونجیب عبدالقاہر سہروردی بانی سلسلہ سہروردیہ کی تعلیم بھی اسی نوعیت کی ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کی کتاب "آداب المریدین" سے آپ کے تعلیمات کا جائزہ بھی پیش کیا جاتا ہے :

آپ نے اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات کے متعلق صوفیہ کرام کا عقیدہ اس طرح بیان کیا ہے :

مقامات: ان سے مراد بندہ کا وہ مقام جو عبادات میں اس کو اللہ کے سامنے حاصل ہوتا ہے مقامات یہ ہیں۔

انتباہ: پہلا مقام "انتباہ" ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ گناہ کے بعد ہمیشہ ندامت اور کثرت سے استغفار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا۔

انابت: اس کے معنی ہے رغبت یعنی اللہ تعالیٰ کے دیدار اور اس کی رحمت کی طرف رغبت کرنا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ توبہ ظاہر میں اور "انابت" باطن میں ہوتی ہے۔

ورع: مشتبہ چیزوں کو چھوڑنے کا نام ہے۔ پھر نفس کا محاسبہ ہے اور اس کی کمی و زیادتی کو ڈھونڈھ نکالنا کہ کہاں اس نے مفید کام کیا ہے۔ کہاں مضر باتوں پر اقدام کیا ہے۔

ارادت: ہمیشہ سختی اٹھانا اور راحت کو ترک کر دینے کا نام ہے۔

فقر: کسی چیز کا مالک نہ ہونا اور قلب کو ہر اس چیز سے خالی کرنا، جس سے ہاتھ خالی ہو۔

صدق: اس سے مراد ہے ظاہر و باطن کی یکسانی۔

تصبر: اس کا مطلب ہے نفس کو مکروہات پر قید کرنا اور کڑوے گھونٹ پینا اور یہ مرید کا آخری مقام ہے۔

صبر: شکوہ کو ترک کرنا، یعنی شان و شوکت سے دور رہنا۔

رضا: بلا سے لذت اٹھانا، یعنی درد میں بھی سرور محسوس کرنا

اخلاص: خلق کو حق کے معاملہ سے نکالنا۔ یعنی اس بات کا یقین رکھنا کہ جو کچھ ہو رہا ہے۔ اس کی طرف سے ہو رہا ہے۔

توکل علی اللہ: اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنا اور ماسوئی سے طمع کو زائل کرنا۔

احوال: احوال قلب کے معاملات میں سے ہیں اور وہ حالت ہے جو ذکر کی صفائی سے قلب پر طاری ہوتی ہے۔ حضرت جنید بغدادی نے کہا ہے کہ "حال" وہ کیفیت نازلہ ہے پر اترتی ہے اور ہمیشہ نہیں رہتی۔

قرب: اس کے بعد ہمت کو خدا کے سامنے جمع کرنے کا نام قرب ہے۔ وہ اس طرح کہ موسوائے غیوبت (غائب ہونا) حاصل ہو جائے۔

محبت: پھر محبت ہے اور وہ محبوب کے ساتھ اس کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ چیز میں موافقت کا نام ہے۔

"صوفیا نے اس بات پر اجماع کیا ہے۔ کہ کلام مجید اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں خدا کی نسبت منہ، ہاتھ، نفس، سمع، بصر کا جو ذکر کیا ہے، وہ بغیر تمثیل اور تعطیل کے بجائے خود ثابت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لیس کمثلہ شی وھوا لسمیع البصیر (اس کے جیسا کوئی نہیں ہے اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔)

بعض صوفیہ سے اللہ تعالیٰ کی نسبت سوال کیا گیا، تو انہوں نے کہا: اگر تم اس کی ذات کی نسبت پوچھتے ہو وہ لیس کمثلہ شیء (اس جیسا کوئی نہیں) اور اس کی صفات کے متعلق سوال کرتے ہو، تو وہ **واحد، صمد، لم "یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا" احد"** (وہ ایک ہے، حاجت روا ہے، نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ اس کو کسی نے جنا اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے)

اگر تم اس کے نام کے متعلق سوال کرتے ہو، تو وہ **"لاالہ الا ھو عالم الغیب و الشھادۃ ھو الرحمن الرحیم"** (کوئی معبود نہیں سوائے اس کے، وہ کھلی ہوئی اور چھپی ہوئی سب باتوں کو جانتا ہے۔ اور وہ رحمن اور رحیم ہے)

اگر تم اس کے فعل کے متعلق سوال کرتے ہو، تو وہ **کل یوم ھو فی شان** (وہ ہر روز ایک کام میں ہے)

اس سے واضح ہوگا کہ تعلیمات کا ماخذ قرآن حکیم اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کا طریقہ شریعت کے مطابق ہے۔ آپ نے اپنی مذکورہ کتاب میں مختصر مگر جامع انداز میں صوفیانہ اصطلاحات کی وضاحت کی ہے۔ اور صوفی کی خصوصیات بیان کی ہیں۔ نمونہ کے طور پر آپ کے ارشادات پیش کئے جاتے ہیں۔

اخلاق: صوفیوں کے اخلاق میں حلم، تواضع، نصیحت، شفقت، برداشت، موافقت، احسان، مدارات، ایثار، خدمت، الفت، بشاشت، فتوت (مردانگی)، کرم، بذل جاہ، مروت، تخفف، طلاقت (کشادہ دلی سے ملنا) سکون وقار مسلمانوں کے لئے اور جو اس پر زیادتی کرے اس کے لئے دعا کرنا، ان کی تعریف کرنا اور ان کے ساتھ حسن ظن رکھنا اور اپنے نفس کو چھوٹا سمجھنا بھائیوں کی توقیر کرنا اور مشائخ کی تعظیم اور چھوٹوں بڑوں پر ترحم، جو کچھ کسی کو دے اگرچہ بہت ہو اس کو کم سمجھنا اور جو کچھ کسی سے لے اگرچہ وہ کم ہو اس کو زیادہ جاننا۔ یہ سب باتیں داخل ہیں:

کہا گیا ہے کہ علم باطن، علم ظاہر سے مستنبط ہے اور علم باطن جس کو علم ظاہر قائم نہ کرے باطل ہے۔

علم اور عقل: علم، عقل پر حکومت کرتا ہے۔ لیکن عقل کی حکومت علم پر نہیں ہے۔ نیز کہا گیا ہے کہ علم بغیر عقل کے فائدہ بخش نہیں ہوسکتا، بلکہ علم بغیر عقل کے حاصل ہی نہیں ہوسکتا۔ کہا گیا ہے کہ ادب درحقیقت تمہاری عقل کی صورت ہے اس لئے عقل کو جس طرح چاہو بناؤ (اچھی یا بری)

صوفیہ کے آداب گفتگو اور طریقہ مخاطبت: چونکہ صوفیاء کرام کا مقصد تعلیمات تصوف کو دوسروں تک پہنچانا ہوتا ہے۔ اس لئے حضرت شیخ کے نقطہ نگاہ سے:

صوفی کے کلام کا مقصد نصیحت ارشاد اور طلب نجات ہونا چاہئے۔ اور ایسی بات کہنی چاہئے۔جس کا نفع سب کو پہنچے، نیز لوگوں سے ان کے عقلوں کے مطابق گفتگو کرنی چاہئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہم جماعت انبیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں کی عقلوں کے مطابق گفتگو کریں۔"

صوفیوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کسی مسئلہ کے متعلق گفتگو اس وقت تک نہیں کرتے جب تک اس کے متعلق ان سے پوچھا نہ جائے اور جب پوچھا جائے تو وہ سوال کرنے والے کی حیثیت کے مطابق جواب دیتے ہیں۔"

سلسلہ سہروردیہ کی اشاعت

حضرت ابونجیب نے تصوف کی تعلیمات کو پھیلانے اور لوگوں تک پہنچانے کے لئے، اپنے خلفاء کو اس مقصد کے لئے باقاعدہ تیار کیا، جنہوں نے تمام اسلامی ممالک کے کونہ کونہ تک اس روحانی تعلیم کو پہنچایا۔ حضرت کے خلفاء اور آپ کی اولاد میں سے بعض لوگ برصغیر پاک وہند میں بھی آئے۔ آپ کے خلفاء نے الگ الگ سلسلے بھی جاری کئے اور ان سلاسل سے وابستہ بزرگوں نے بھی برصغیر پاک و ہند میں تبلیغ و ارشاد کے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ آپ کے خلیفہ شیخ نجم الدین کبریٰ نے کبرویہ سلسلہ جاری کیا۔ عبداللہ شطار خراسانی آٹھویں صدی ہجری میں خراسان سے ہندوستان آئے اور یہاں "شطاریہ" سلسلہ جاری کیا۔ شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری نے یہاں آکر "فردوسیہ" سلسلہ جاری کیا۔

رجاء: پھر رجا ہے اور وہ حق تعالیٰ کی ان باتوں میں تصدیق جن کا اس نے وعدہ کیا ہے۔

خوف: پھر خوف ہے۔ اور وہ قلب کا خدا تعالیٰ کے سطوت اور غضب کا مطالعہ کرتا ہے

حیا: پھر حیا ہے یعنی قلب کو انبساط سے روکنا۔

شوق: محبوب کے ذکر کے وقت قلب کے ہیجان کا نام "شوق" ہے۔

انس: اللہ کی طرف سکون اور تمام امور میں اس سے استعانت کا نام ہے۔

طمانیت: اللہ تعالیٰ کی مقدورات پر سکون حاصل کرنے کا نام ہے۔

یقین: وہ تصدیق ہے، جو شک کو دور کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔

مشاہدہ: درحقیقت رویت یقین اور رویت العین علیحدہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم اپنے اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہ دیکھو تو وہ تم کو دیکھتا ہے۔ یہ آخر احوال ہے۔"

فواتح: اس کے بعد فواتح حاصل ہوتے ہیں۔ فواتح، فاتحہ کی جمع ہے، جس کے معنی ہے: کشادہ کرنے والی چیز۔ یعنی اسرار کائنات اس پر کشادہ ہونے لگتے ہیں۔

شطحیات: شطحیات، شطح کی جمع ہے، جس کے معنی بلند مرتبہ ہونے کے ہیں جب محققین پر حقیقت کی تجلی ہوتی ہے۔ تو وہ اپنے آپ میں نہیں رہتے۔ اور ان کی زبان سے ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں، جو بظاہر خلاف شرع معلوم ہوتے، جیساکہ حضرت بایزید بسطامی نے کہا تھا: سبحانی ما اعظم شانی اور حضرت منصور حلاج نے کہا تھا: انا الحق۔ حضرت ابونجیب نے فرمایا ہے:

"جو شطحیات حضرت بایزید بسطامی وغیرہ کی جانب منسوب کئے گئے ہیں اس کے متعلق یہ سمجھنا کافی ہے۔ کہ وہ غلبہ حال اور سکر اور وجد کی حالت میں سرزد ہوئے ہیں، نہ ان کو قبول کرنا چاہئے اور نہ رد۔"

علم باطن: حضرت سہیل بن عبداللہ نے بیان کیا کہ علم تین ہیں: ایک وہ علم ہے جو اللہ کی جانب سے ہو وہ علم ظاہر ہے، جیساکہ امرونہی اور احکام و حدود۔ دوسرا علم اللہ کے ساتھ ہے اور وہ خوف و رضا اور محبت و شوق اور تیسرا علم اللہ سے متعلق ہے اور وہ اس کے صفات اور اوصاف کا علم ہے۔

کہا گیا ہے کہ علم ظاہر راستہ کا علم ہے اور علم باطن منزل (منزل مقصود) کا علم ہے۔

لیکن سب سے زیادہ سلسلہ سہروردیہ کو حضرت ابو نجیب کے بھتیجے شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے خلفاء نے یہاں پھیلایا اور لوگوں کو مستفیض کیا۔

حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی

آپ کی ولادت سنہ ۵۳۹ ھ (۱۱۴۵ء) میں ہوئی۔ اپنے چچا کے علاوہ حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی سے بھی روحانی فیض حاصل کیا۔ حضرت غوث الاعظم نے آپ کے متعلق فرمایا:

"یا عمرانت آخر المشھورین بالعراق"

(اے عمر! آپ عراق کے آخری مشہور انسان ہوں گے)

حضرت غوث الاعظم سے آپ کو بے حد عقیدت تھی۔ اس کا ثبوت آپ کی کتاب "بہجۃ الاسرار" ہے، جس میں حضرت غوث الاعظم کے مناقب بڑی محنت اور محبت سے جمع کئے گئے ہیں۔

حضرت شیخ شہاب الدین کے والد بزرگوار کا نام محمد بن عبداللہ ہے۔ بغداد میں آپ نے اپنے چچا کی زیر نگرانی دینی تعلیم حاصل کی اور تفسیر، حدیث، فقہ اور دوسرے علوم میں تبحر حاصل کیا۔ دینی علوم میں آپ کے کمال کا ذکر امام سبکی نے "طبقات الکبریٰ" میں کیا ہے۔ شیخ سعدی نے "بوستان" میں آپ کی بڑی تعریف کی ہے۔ ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں لکھا ہے کہ آپ کی آخری عمر میں آپ کا ثانی کوئی نہیں تھا۔

حضرت شیخ الشیوخ سنہ ۵۶۴ ھ (۱۱۶۸ء) میں اپنے چچا اور مرشد کے مسند پر رونق افروز ہوئے اور لاکھوں بندگان خدا کو روحانی فیض سے مستفیض کیا۔

سنہ ۶۰۹ ھ (۱۲۱۱ء) میں وحدت الوجود کے شارح محی الدین ابن عربی سیر و سیاحت کرتے ہوئے بغداد آئے اور حضرت شیخ شہاب الدین سے ملاقات کی اور صوفیانہ مسائل اور تعلیمات پر تبادلہ خیال کیا۔ سنہ ۶۳۲ ھ (۱۲۳۴ء) میں آپ نے وفات پائی۔ آپ کا روحانی فیض صرف عراق تک محدود نہیں تھا، بلکہ آپ سے مصر، شام، حجاز اور برصغیر پاک و ہند کے بے شمار لوگ مستفیض ہوئے۔ آپ کے خلفاء میں مندرجہ ذیل بزرگوں کے نام قابل ذکر ہیں:

۱۔ شیخ نجم الدین علی برغش: جس کے ذریعے عجم میں سہروردی سلسلہ کی بڑی اشاعت ہوئی۔

۲۔ شیخ نور الدین مبارک غزنوی: جس کی کوشش سے شمالی ہندوستان میں سہروردی سلسلہ کی بڑی اشاعت ہوئی۔

۳۔ شیخ ضیاء الدین رومی:

۴۔ شیخ محمد یحییٰ یمنی: ان کا فیض بھی سندھ میں پہنچا۔

۵۔ شیخ جلال الدین تبریزی: ان کے ذریعہ بنگال میں سہروردی سلسلہ پھیلا۔

۶۔ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی: انہوں نے بھی حضرت شیخ شہاب الدین سے خلافت حاصل کی، لیکن آپ کو زیادہ عرصہ تک مرشد کی خدمت میں رہنے کا موقعہ نہ ملا۔

۷۔ حضرت شیخ نوح بکھری (سندھ)

۸۔ حضرت غوث بہاؤ الدین زکریا ملتانی

۹۔ قاضی حمید الدین ناگوری

۱۰۔ مولانا ماجد الدین

اولاد

آپ کی اولاد بھی برصغیر پاک و ہند میں آکر سکونت پذیر ہوئی۔ ان کا تفصیل سے ذکر بعد میں آئے گا۔

تصانیف: اسلامی تعلیم اور تصوف پر آپ کی لکھی ہوئی کتابیں بھی ملتی ہیں:

۱۔ **جذب القلوب فی مواصلۃ المحبوب:** اس کا موضوع تصوف ہے۔

۲۔ **کشف النصائح:** اس کا موضوع علم الکلام ہے اور اس میں کلامیوں کے اقوال اور نظریات کی تردید کی گئی ہے۔

۳۔ **اعلام الہدیٰ:** یہ کتاب امام غزالی کی کتاب "المنقذ من الضلال" کی طرح قدیم فلسفیوں کی نظریات کی رد میں ہے۔

۴۔ **بہجتہ الاسرار:** اس میں حضرت غوث العالم سید عبدالقادر جیلانی کے سوانح اور مناقب بیان کئے گئے ہیں۔

۵۔ **عوارف المعارف:** تصوف پر ایک مبسوط اور جامع تصنیف ہے۔

عوارف المعارف، صوفیائے کرام کے لئے ایک دستور العمل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں صوفیانہ تعلیم کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور صوفی کی تربیت کے لئے، اس میں

ہر وہ چیز سمجھائی گئی ہے، جس کے ذریعے وہ روحانی منازل طے کرسکے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب ہر طبقہ کے صوفیائے کرام کے یہاں مقبول رہی ہے۔ اور ان کی روحانی تربیت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں لکھی گئی تھی، لیکن بعد میں اس کے ترجمے مختلف زبانوں میں ہوچکے ہیں۔ اس کتاب کے حوالے سے حضرت شیخ شہاب الدین کے تعلیمات کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

علم تصوف کا منشاو مبداء: آپ نے سمجھایا ہے کہ تصوف کی تعلیم کا ماخذ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے۔ آپ نے اپنے پیر کا قول نقل کرکے لکھا ہے:

"شیخ ابوالنجیب سہروردی نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے اس کی قبولیت اور پذیرائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے قلوب اور نفوس قدسی بنائے تب صفائی کا فرق اور طہارت کا تفاوت فائدہ اور نفع کی شکل میں ظاہر ہوا۔"

اس کے بعد صوفیائے کرام قلوب کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بعض قلوب تالابوں کے مانند ہیں یا جھیل کی طرح ہیں کہ ان میں پانی جمع ہوتا رہتا ہے۔ (اور یہ جھیلیں صوفیہ اور مشائخ ہیں) کہ ان صوفیاء اور مشائخ سے عالموں اور زاہدوں کے قلوب پاک و صاف ہوگئے اور یہ حضرات مزید بندشوں کے ساتھ مخصوص کردیئے گئے۔ یعنی جھیل اور تالاب جس طرح بندشوں سے پانی جمع کرنے کے قابل بن جاتے ہیں۔ یہی حال ان حضرات کا ہے۔ حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی خدمت میں رہا ہوں۔ میں نے ان کو جھیلوں اور تالابوں کی طرح پایا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔"

پس صوفیائے کرام کے قلوب حافظ ہیں (اسرار الٰہی کے) اس لئے کہ دنیا کی طرف انہوں نے رغبت بہت کم کی اور اس کے بعد جب تقویٰ کی جڑ اور بنیاد ان کے اندر مستحکم ہوگئی تو پرہیزو تقویٰ سے ان کے نفوس پاکیزہ اور زہد کی بدولت ان کے دل صاف و شفاف ہوگئے۔ اور جب انہوں نے دنیا کے علائق کو زہد کی حقیقت سے نیست و نابود کردیا تو اس وقت ان کے بطون کے مسامات کھل گئے اور گوش دل سے وہ سننے لگے اور زہد دنیا اس میں ان کا معاون و مددگار ہوا۔"

حضرت شیخ صوفیہ سے مراد مقربین الٰہی لیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"دراصل صوفی کا دوسرا نام مقرب ہے۔ قرآن کریم میں صوفی کا اسم کہیں نہیں آیا ہے۔ اس کے لئے لفظ مقرب استعمال کیا گیا ہے۔۔۔۔۔۔ ہمیں یہ خیال رکھنا چاہئے کہ صوفیہ سے ہماری مراد حضرات مقربین الٰہی ہیں۔"

تصوف کی ماہیت: آپ نے تصوف کی ماہیت بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"حضرت نافع، حضرت ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر شے کی ایک کنجی ہے اور جنت کی کنجی مساکین اور صبر کرنے والوں سے محبت کرنا ہے کہ یہ لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہم نشین ہیں۔" پس یہی تصوف کی ماہیت میں موجود ہے اور یہی اس کی اساس اور اس کی بنیاد ہے۔"

تصوف کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے رہیں:

"بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ تصوف کا اول علم ہے اور اس کا اوسط عمل ہے اور آخر موہبت ہے۔ اور اسی سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ تصوف نام ہے ذکر باجماعت، وجد یا سماعت اور عمل بہ تقلید و بیعت کا، بعض حضرات کا قول ہے کہ تصوف ترک تکلف اور بذل روح کا نام ہے۔"

صوفی کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"شیخ عبدالواحد سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کے نزدیک صوفی کون ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میرے نزدیک صوفی وہ لوگ ہیں، جو اپنے عقل کے بقدر فہم سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قائم ہیں۔ اور اپنے دلوں کے ساتھ ان کی طرف متوجہ ہیں۔ اور اپنے نفوس کو شرارتوں سے بچنے کے لئے اپنے پیشوا اور سردار کا دامن پکڑے ہوئے ہیں۔ میری نظر میں یہ لوگ صوفی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہی صوفی کی پوری پوری اور جامع تعریف ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم اپنے آقا و مولیٰ کے ساتھ فقر کا تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں تک آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ کہ الٰہی مجھے طرفتہ العین کے لئے بھی نفس کے حوالے مت کر اور میری نگہبانی اس طرح فرما جیسے بچہ کی کرتے ہیں۔"

جن چیزوں میں صوفیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں کامیاب ہوئے ان میں تمام اشرف اور اعلیٰ ان کا وصف فقر دوامی ہوتا ہے۔ اور ہر وقت اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے

اختیار کرتے رہنا ہوتا ہے۔

تصوف میں فقر کی اہمیت واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"فقر، تصوف کی اساس ہے۔ تصوف کے مراتب تک فقر کے راستہ سے پہنچا جاسکتا ہے۔ حضرت جنید فرماتے ہیں کہ تصوف یہ ہے کہ وہ تجھے تجھ ہی سے مارے اور اسی پر تجھے زندہ کرے۔"

متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں :

"جس شخص کو جتنا وافر حصہ متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوگا اتنا ہی زیادہ حصہ اس کو اللہ تعالیٰ کی محبت سے نصیب ہوگا۔"

مومن کا دل : مومن کا دل روح اور نفس کے مابین ہے اور اس کے دو رخ ہیں ایک رخ تو نفس کی طرف ہے اور ایک رخ روح کی جانب ہے۔ باعتبار روح وہ روحانی اثرات سے بہرور ہوتا ہے۔ اور نفس کے رخ کے اعتبار سے اس پر نفسانی اثرات ہوتے ہیں۔ اس طرح اس کے باطن میں یہ کشمکش جاری و ساری رہتی ہے۔ لیکن جب نفس کو سکون ہوجاتا ہے تو گویا اس نے سیاحت نفس کا تکملہ کرلیا۔ اس کا سلوک منتہا کو پہنچ گیا۔ نفس سے فراغت حاصل کرنے کے بعد پھر سالک قلب کی طرف متوجہ اور اس کی اصلاح کے لئے مستعد ہوتا ہے۔ کہ قلب میں جو میلان نفس کی طرف ہے اس کا یہ میلان ختم ہوجائے۔

سالک : وہ ہے جس کی ابتداء مجاہدہ، محنت کشی یعنی ریاضت، معاملات بالاخلاص اور ایفائے شرائط کے ساتھ ہو۔ جب وہ ان مراتب پر پورا اترتا ہے۔ تو اس مجاہدہ کی تپش سے نکل کر راحت پر پہنچا دیا جاتا ہے۔

مشیخیت کا مقام : اس مقام پر سالک کو اللہ تعالیٰ کشف اور انوار یقین عطا فرماتا ہے۔ اور اس کے قلب سے تمام پردے اٹھا دیتا ہے اور اس کو مشاہدہ کے انوار سے منور فرماتا ہے۔ اور اس کے دل کو انشراح و فراخ حاصل ہوتا ہے۔ وہ اس دار غرور (دنیا) سے دور ہوتا ہے اور دارالخلد کی طرف رجوع کرتا ہے۔

خرقہ پوشی : خرقہ پوشی یا خرقہ، شیخ اور مرید کے مابین ایک رشتہ ارتباط ہے اور مرید کی جانب سے شیخ کی خدمت میں ایک ذریعہ تحکم ہے۔ یعنی مرید شیخ کو اپنا حاکم تسلیم کرلیتا ہے۔ وہ مذہبی امور میں اس کو اپنا رہبر بناتا ہے۔ تاکہ شیخ اس کو راہ ہدایت پر لگا دے اور اس کو

آفات نفس کی بصیرت عطا کرے، اعمال کے فساد سے وقوف بخشے اور بتائے کہ نفس دشمن کن کن راستوں سے راہ پالیتا ہے۔ اس طرح مرید اپنے نفس کو شیخ کے حوالے کردیتا ہے اور اس کی رائے کو تسلیم کرلیتا ہے۔ اور تمام معاملات میں اس کی صوابدید کا پابند ہو جاتا ہے۔ پس خرقہ پوشی اس امر کا اظہار ہے کہ اب شیخ کو اس پر پورا پورا تصرف حاصل ہوگا۔

تعلیمات کا جائزہ :

(۱) آپ نے تعلیمات تصوف کو قرآن حکیم اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ آپ نے ثابت کیا ہے کہ تصوف شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ تصوف کا ماخذ اسلامی تعلیمات ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں ہی روحانی ترقی کا راز مضمر ہے۔

(۲) آپ نے روحانی تعلیم کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے باقاعدہ رشد و ہدایت کا نظام قائم کیا، خانقاہی نظام کا بنیاد رکھا اور اپنے خانقاہ اور مریدین کی تربیت کی۔

(۳) تعلیمات تصوف کو عام کرنے کے لئے کتابیں تصنیف کیں۔ خاص طور پر ایک مفصل کتاب "عوارف المعارف" لکھی، جس میں تصوف کا ماخذ، ماہیت، اہمیت اور افادیت بیان کرنے کے ساتھ ایک صوفی کی تربیت کے لئے ترتیب وار اور تفصیل سے درس دیا۔

(۴) اس زمانہ میں حضرت محی الدین ابن عربی، وحدت الوجود کا نظریہ فلسفیانہ انداز میں پیش کرچکے تھے۔ انہوں نے بغداد میں آپ سے ملاقات بھی کی اور تبادلہ خیال بھی کیا۔ لیکن آپ کی کتاب "عوارف المعارف" سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اس کا اثر قبول نہیں کیا۔

(۵) حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے ہمنام صاحب حکمت الاشراق (ولادت ۵۴۹ھ۔ ۱۱۵۳ء وفات ۵۸۷ھ = ۱۱۹۱ء) بہت بڑے فلسفی اور صوفی ہو گزرے ہیں۔ وہ سرزمین مشرق میں مشائی فلسفے کے جس پر امام غزالی نے شدید تنقید کی تھی، قائم مقام تھے۔ انہوں نے اپنے فلسفہ کو بڑے موثر انداز میں پیش کردیا تھا۔ لیکن اس بزرگ حضرت شہاب الدین عمر سہروردی پر اس کے فلسفہ کا اثر بھی نظر نہیں آتا۔

(۶) حضرت شیخ پر صرف اپنے سلسلہ کے بزرگوں : حضرت جنید بغدادی، حضرت سری سقطی اور ابو نجیب عبدالقاہر سہروردی کی تعلیمات کا اثر نظر آتا ہے۔ حضرت شیخ نے جگہ جگہ اپنے سلسلہ کے مذکورہ بزرگوں کے اقوال اور ارشادات درج کئے ہیں اور ان کی وضاحت اور شرح

بیان کی ہے۔

(۷) حضرت شیخ نے اپنے مقصد کو سمجھانے کے لئے کئی جگہوں پر قرآن حکیم کی آیات اور احادیث نبوی کو مثال اور دلیل کے طور پر درج کیا ہے۔

(۸) آپ نے تصوف اور صوفی کی ایسی واضح تعریف بیان کی ہے۔ کہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہیں ملتا کہ اسلامی تصوف نے' غیر اسلامی نظریات اور عقائد کا اثر قبول کیا ہے۔

(۹) آپ نے رشد و ہدایت کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے کے لئے' خلفاء کی ایک جماعت تیار کی' جو دنیا کے مختلف ممالک میں پھیل گئی۔ برصغیر میں جن بزرگوں نے اس سلسلہ کو عام کیا ان کا تذکرہ پیش کیا جاتا ہے۔

فصل دوئم

برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ سہروردیہ کی اشاعت

سلسلہ سہروردیہ برصغیر پاک و ہند میں حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے خلفاء خاص طور پر حضرت غوث بہاؤالدین زکریا ملتانی کے ذریعہ پھیلا اور مختلف علاقوں تک پہنچا۔ لیکن یہ سعادت موجودہ پاکستان کے علاقوں پنجاب اور سندھ کو حاصل ہے کہ یہ روحانی اور اخلاقی تحریک پہلے یہاں پہنچی اور یہاں سے دور دراز علاقوں اور شہروں تک پہنچ گئی۔ اس تحریک کے بزرگوں نے تبلیغ کے ذریعہ اسلام کی اہم خدمت انجام دی۔ کئی غیر مسلموں نے اس سلسلہ کے بزرگوں کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ بے شمار لوگ روحانی فیض سے مستفیض ہوئے اور سندھ اور ملتان کے قرمطی اور اسماعیلی لوگوں نے اپنے عقائد ترک کرکے سنی حنفی عقائد اختیار کئے۔

اس سلسلہ کے بزرگوں نے نہ صرف اپنی روحانی ترقی پر توجہ دی' بلکہ تبلیغی جذبہ کے تحت جدوجہد کی اور اسلامی تصوف کو عام کرنے اور اسلام کو پھیلانے کے لئے سیر و سفر کئے اور لوگوں کو محبت' اخلاق اور اخلاص سے متاثر کرکے ان کی زندگی کا رخ موڑ دیا۔ اس طرح محبت' اخوت' اخلاق اور امن و سلامتی کی فضاء قائم ہوگئی۔

اس سلسلہ کے بزرگوں کا یہ طریقہ بھی رہا کہ انہوں نے حکمرانوں سے تعلقات پیدا کئے اور ان کے طریقہ کار میں تبدیلی پیدا کی۔ ان بزرگوں کے اثر کی وجہ سے حکمران طبقہ کی زیادتیوں میں کمی رہی' بلکہ انہوں نے اسلام کی خدمت کی۔ اس سے علاوہ ان بزرگوں نے مختلف علاقوں کے حکمرانوں کے درمیان صلح کروائے اور قتل و غارت' خون خرابہ اور جنگ و جدل کو روکنے کی کوشش کی۔

اب سلسلہ سہروردیہ کے ان بزرگوں کا تذکرہ پیش کیا جاتا ہے' جو پاکستان میں ہو

گزرے ہیں۔ ان کے حالات سے مذکورہ بالا باتیں واضح ہوجائیں گی۔

شیخ نوح بکھری: حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ بکھر(سندھ) کے رہنے والے تھے۔ یہ بزرگ حضرت غوث بہاؤ الدین زکریا سے پہلے حضرت شیخ سے فیض حاصل کرکے واپس سندھ آگئے تھے۔ جب حضرت زکریا ان سے مستفیض ہوکر خرقہ خلافت پاکر واپس ہو رہے تھے تو حضرت شیخ نے آپ سے فرمایا "میرے باہدایت مریدوں میں سے ایک صاحب ہدایت مرید سندھ کے شہر فرشتہ (بکھر کا نام) میں ہے اس سے ضرور ملنا' کیوں کہ وہ چراغ 'بتی اور تیل اپنا ہی لایا تھا۔ صرف لو کی ضرورت تھی"

حضرت زکریا اپنے مرشد کی ہدایت پر حضرت شیخ نوح بکھری کی ملاقات کے لئے بکھر آئے ' لیکن اس سے پیشتر حضرت نوح انتقال فرما چکے تھے۔ حضرت شیخ نوح کا مقبرہ جزیرہ بکھر (سندھ) میں اس ریلوے روڈ کے قریب ہے جو اس جزیرہ سے گزرتا ہے۔

حضرت شیخ بکھری نے سندھ میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا اور سلسلہ سہروردیہ کو پھیلانے کے لئے جدوجہد کرکے میدان ہموار کیا۔ اس کے بعد جب حضرت زکریا نے اس علاقہ میں تبلیغ اور اشاعت کے لئے کام کیا تو ان کو سازگار ماحول میسر آیا۔

قاضی حمید الدین ناگوری: آپ کا اصل نام محمد بن عطا تھا۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ کو سماع سے بڑی دلچسپی تھی۔ آپ جامع علوم شریعت و حقیقت تھے۔ طبیعت ظریفانہ تھی۔ آپ کو شیخ فرید الدین گنج شکر سے بڑی محبت تھی۔ سنہ ۶۰۵ ھ (۱۲۰۸ء) میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار خواجہ قطب الدین کے پاس ہے۔ آپ کئی تصانیف کے صاحب تھے۔ آپ کی ایک تصنیف کا نام "طوالع شموس" ہے جس میں اسمائے حسنیٰ کی شرح بیان کی گئی ہے۔

شیخ جلال الدین تبریزی: شیخ ابوسعید تبریزی کے مرید تھے ان کی وفات کے بعد شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں رہے اور اکتساب فیض کیا۔ خواجہ قطب الدین اور غوث بہاؤالحق زکریا ملتانی سے آپ کے دوستانہ مراسم تھے۔ خواجہ قطب الدین کے زمانہ میں دہلی میں آکر رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد بدایوں میں پہنچے۔ کئی لوگ آپ کی نظر فیض اثر سے راہ راست پر آئے اور دین اسلام قبول کیا۔ آپ نے غوث بہاؤالحق زکریا ملتانی سے مل کر سیر و سیاحت بھی کی۔

شیخ جلال الدین بدایوں میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد بنگال روانہ ہوئے۔ وہاں خانقاہ بنائی اور لنگر جاری کیا۔ بے شمار لوگ آپ کے مرید ہوئے اور روحانی فیض سے مستفیض ہوئے۔ سنہ ۶۴۱ ھ (۱۲۴۳ء) میں آپ کا انتقال ہوا اور دیو تلہ (دیو محل) میں مدفون ہوئے۔

سید نور الدین مبارک غزنوی: حضرت شیخ شہاب الدین کے خلیفہ تھے۔ دہلی کے بڑے عالم اور شیخ الاسلام تھے۔ سنہ ۶۳۲ ھ (۱۲۳۵ء) میں فوت ہوئے۔

شیخ احمد نہروانی: حضرت قاضی حمید الدین کے مرید تھے۔ آپ کا پیشہ بافندگی تھا۔ بہت بڑے بزرگ تھے۔ حضرت بہاؤالحق زکریا بھی آپ کی بزرگی کی تعریف کرتے تھے۔ آپ کی مزار بدایوں میں ہے۔

خواجہ محمود موئینہ دوز: قاضی حمید الدین ناگوری کے مرید اور حضرت خواجہ قطب الدین کے مصاحبوں اور عقیدت مندوں میں سے تھے۔ آپ کا مزار خواجہ قطب الدین کے مقبرہ کے جوار میں ہے۔

شیخ ضیاء الدین رومی: حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے۔ آپ کا مقبرہ خواجہ قطب الدین کے مقام کے راستہ میں "بجے منڈل" سلطان محمد عادل کے سامنے ہے۔

شیخ عبدالعزیز: شیخ حمید الدین کے فرزند تھے۔ عنفوان شباب میں حالت سماع میں واصل بحق ہوئے۔ آپ کے تین فرزند تھے۔ شیخ وحید' شیخ فرید اور شیخ نجیب۔

شیخ فرید: اپنے جد بزرگوار کے مرید اور خلیفہ تھے۔ سلطان محمد کے زمانہ میں ناگور سے دہلی آئے اور یہیں سکونت اختیار کی۔ آپ کا مزار قدیم شہر کے باہر خواجہ قطب الدین کے مقام کے راستہ میں ہے' جو بجے منڈل کے مشرقی جانب واقع ہے۔ قیام گاہ بھی اسی جگہ تھی۔

شیخ مالک بن محمد: شیخ علی بکری کی اولاد میں سے تھے' جن کا شجرہ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اس طرح ملتا ہے:" شیخ مالک بن محمد بن بوالحسن بن محمد بن طیار بن عبدالباری بن عزیز بن فضل بن علی بن اسحاق بن ابراہیم بن ابی بکر بن قائم بن عتیق بن محمد بن عبد الرحمان بن حضرت ابوبکر صدیق"

صدیقی خاندان کی یہ شاخ غالباً سنہ ۱۷۰ھ (۷۸۶ء) میں خلیفہ مہدی یا ہارون کے زمانہ میں سندھ میں آکر آباد ہوئی۔ اس خاندان کے فرد علی بکری قریباً ۱۷۰ھ میں سندھ میں آئے اور سکونت پذیر ہوگئے۔

سندھ میں آنے کے بعد ٹھٹھ میں گرد و نواح میں رہنے لگے۔ سندھ میں عرب حکومت کے زوال کے بعد یہ خاندان نقل مکانی کرکے "کچھ" چلا گیا اور اس خاندان کے افراد لکھپت، و "بنجھان"، چھگو، اور گونڈاری کے گرد و نواح میں رہنے لگے۔

شیخ علی بکری کی اولاد میں سے شیخ مالک بن محمد حج ادا کرنے گئے، وہاں مکہ مکرمہ میں آپ کی ملاقات حضرت محمد یمانی سے ہوئی۔ جو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے۔ شیخ محمد آپ سے بہت متاثر ہوئے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ڈیڑھ سال حضرت کی صحبت میں رہ کر خرقہ خلافت حاصل کیا۔ سندھ اور کچھ میں کئی لوگوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ کچھ خواہ سندھ سے کئی لوگ آپ کے مرید ہوئے۔ سندھ کے مرید آپ کی زیارت کے لئے کچھ جاتے تھے۔ آپ ہمیشہ فقیر کہلوانا پسند کرتے تھے۔

شیخ عبداللطیف کلاں: آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند شیخ عبداللطیف کلاں سجادہ نشین ہوئے۔ سندھ کے مریدوں کے اصرار پر سنہ ۹۱۰ھ (۱۵۰۴ء) میں سندھ میں آکر رہنے لگے۔ بہت بڑے عالم، فاضل اور عارف تھے۔ شریعت کے پابند تھے اور لوگوں کو بھی شریعت کی پابندی کی تلقین کرتے تھے، ایک سو سال سے زیادہ عمر پائی۔ آپ کا مقبرہ راٹھوڑ میں ہے۔ اس لئے راٹھوڑی مشہور ہوئے۔ راٹھوڑ چونکہ دیہہ راہوٹ میں ہے اس لئے آپ کو راہوٹی بھی کہا جاتا ہے۔ سلسلہ کے لحاظ سے سہروردی سلسلہ سے منسلک رہے۔ آپ کے بھائی شیخ شمس الدین اہل دل بزرگ ہو گزرے ہیں۔

شیخ عبداللطیف کو تین فرزند ہوئے جن میں سے دو بچپن میں ہی فوت ہوگئے۔ تیسرے فرزند شیخ عبدالواحد سجادہ نشین ہوئے۔ ان کو ایک فرزند ابراہیم ہوئے، جن کا مزار کچھ کے گاؤں "نریہ" میں ہے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند شیخ طیب سجادہ نشین ہوئے۔ عابد، زاہد اور اہل اللہ تھے۔ شیخ طیب کے بعد ان کے فرزند شیخ حاجی عبداللطیف سجادہ نشین ہوئے۔ انہوں نے لواری میں رہائش اختیار کی۔ جو بدین کے قریب گاؤں ہے۔ حاجی عبداللطیف شیخ فیض اللہ بن مخدوم آدم نقشبندی کے مرید ہوئے۔ یعنی اس خاندان میں

سہروردی سلسلہ شیخ طیب تک رہا۔

حضرت سخی سرور: آپ کا سلسلہ نسب حضرت اسماعیل بن حضرت امام جعفر صادق سے ملتا ہے۔ آپ کے آباؤ اجدا عرب کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار حضرت زین العابدین بغداد سے یہاں آئے اور ملتان سے متصل ۱۲ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں میں سکونت پذیر ہوئے، جو آج کل شاہکوٹ کے نام سے مشہور ہے۔ غالباً ۵۲۰ھ (۱۱۲۶ء) میں یہاں آئے۔ حضرت سخی سرور کا اصل نام سید احمد سلطان ہے۔ آپ کئی لقبوں سے مشہور ہوئے۔ مثلاً سخی سرور، لکھ داتا، لکھی خان، لالہ نوالہ، روہیوالہ، پیر خانو وغیرہ۔ شروع میں اپنے والد سے تعلیم حاصل کی بعد میں لاہور جاکر مزید تعلیم حاصل کی۔

خالہ زاد بھائیوں کی عداوت کی وجہ سے برصغیر پاک و ہند چھوڑ کر بغداد گئے اور وہاں سے سید عبدالقادر جیلانی سے روحانی فیض حاصل کیا۔ اس کے بعد حضرت شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی سے روحانی فیض حاصل کیا۔ بعد میں خواجہ مودود چشتی سے بھی سلسلہ چشتیہ میں بیعت کی۔ بغداد سے واپس آنے کے بعد لاہور آئے اور تعلیم کی تکمیل کی۔ اس کے بعد سوہدرہ آئے، جو وزیر آباد سے متصل ہے۔ وہاں ہزاروں کی تعداد میں لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوگئے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ لاہور سے دور نکل آئے۔ بعد ازاں اپنے وطن کرسی کوٹ (شاہ کوٹ) آئے۔ خالہ زاد بھائیوں کی عداوت کی وجہ سے پھر ہجرت کر کے ملتان سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر نگاہ پہنچے۔ یہاں بھی آپ کے خالہ زاد بھائیوں نے چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ آخر موقع پاکر آپ کو اور آپ کے تمام عزیزوں کو شہید کردیا۔ آپ کی شہادت ۵۷۰ھ (۱۱۷۴ء) میں ہوئی۔ حضرت سخی سرور کے عقیدت مند پنجاب کے کم و بیش ہر شہر میں موجود ہیں اور ان میں مذہب کی کوئی قید نہیں ہے۔

سید محمد مکی: آپ کے والد سید محمد شجاع مشہد کے رہنے والے تھے۔ سید شجاع مشہد سے نکل کر سیر و سفر کرتے ہوئے بغداد آئے اور حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے مرید ہوئے۔ حضرت شیخ الشیوخ سہروردی نے اپنی صاحبزادی ان کے نکاح میں دی۔ کچھ عرصہ رہنے کے بعد شیخ شجاع اپنی زوجہ محترمہ کے ساتھ مکہ مکرمہ آئے، جہاں آپ کو فرزند تولد ہوا، جس کا نام "محمد مکی" رکھا گیا۔ شیخ شجاع اپنے اہل و عیال کے ساتھ واپس مشہد آئے

اور وہیں وفات کی۔ حضرت امام موسیٰ کاظم کے مقبرے میں مدفون ہوئے۔

سید محمد مکی ہجرت کر کے بکھر (ضلع سکھر، سندھ) میں آکر متوطن ہوئے۔ آپ کو دو فرزند ہوئے۔ شاہ صدرالدین اور بدرالدین، دونوں عالم، فاضل اور اہل دل بزرگ تھے۔ سید محمد مکی کا شجرۂ نسب اس طرح ہے۔

"سید محمد مکی بن محمد شجاع بن سید ابراہیم بن سید قاسم بن سید زید بن جعفراصغر بن حمزہ بن امام ہارون بن عقیل بن اسماعیل بن امام جعفر ثانی بن امام علی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی موسیٰ رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق"

سید محمد مکی کی وفات ٦٤٤ھ (١٢٤٨ء) میں ہوئی۔ آپ کا مزار سکھر میں ہے۔ جب سید جلال سرخ بخاری بکھر میں آئے تو سید محمد مکی کے بڑے فرزند سید بدرالدین نے اپنی دختر نیک اختر ان کے نکاح میں دی۔ اس بی بی صاحبہ کی وفات کے بعد سید بدرالدین نے دوسری بیٹی ان کے نکاح میں دی۔ سید جلال بخاری کچھ عرصہ کے بعد بکھر سے اوچ چلے گئے اور وہاں سکونت پذیر ہوگئے۔ سید بدرالدین کی اولاد میں سے کچھ افراد نے بعد میں اوچ جا کر رہائش اختیار کی۔ سید محمد مکی کے دوسرے فرزند (وفات ٦٦٩ھ = ١٢٧٠ء) کا مقبرہ "سکھر" میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

سید صدرالدین کے فرزند بدر عالم کے بڑے فرزند شعبان الملت سید مرتضیٰ سکھر سے نقل مکانی کر کے جھونسی (ہندوستان) میں مقیم ہوئے۔ ان کی اولاد وہاں پھیلی اور وہاں تبلیغ اور ہدایت کا کام سرانجام دیا۔ منبع الانساب" کے مولف ان کی اولاد میں سے تھے۔

اس خاندان کے بعض افراد (سکھر) سے نکل کر سندھ کے مختلف شہروں میں جاکر آباد ہوئے۔ سید حمید بکھر سے نکل کر سندھ کے قدیم شہر "جون" میں آکر آباد ہوئے۔ کچھ لوگ نصرپور میں آکر رہے۔ نصرپور میں اس خاندان سے میوں شاہ عنات رضوی سندھی زبان کے باکمال شاعر ہو گزرے ہیں۔ سید محمد مکی کی اولاد میں سے سید عبدالرزاق اپنے بھائی سید میر محمد یوسف کے ساتھ بکھر سے ٹھٹہ آکر رہے۔ میراں محمد جونپوری جب سندھ میں آئے تو سید میر محمد یوسف ان کے مرید ہوئے۔

اس خاندان کے افراد بعد میں بکھر چھوڑ کر روہڑی میں آکر رہے۔ روہڑی کے رضوی سادات میں سے بھی کئی بزرگ، عالم، فاضل اور شاعر گزرے ہیں، مثلاً فارسی زبان کے

باکمال شاعر میر جان اللہ شاہ رضوی (وفات ١١٦٧ھ = ١٧٥٤ء) مرید و خلیفہ شاہ عنایت شہید جھوک والے، جان اللہ شاہ ثانی، سید موسیٰ بن علاؤالدین، سید شہاب الدین بن سید موسیٰ، سید علاؤالدین بن شہاب الدین، سید حیدر حقانی، میر میراں رضوی، سید یعقوب وغیرہ

فصل سوم

غوث بہاؤ الحق زکریا ملتانی

آپ کی ولادت کو مورخین نے سنہ ۵٦۵ ھ یا ۵٦٦ ھ بتایا ہے۔ آپ کوٹ کروڑ (ضلع مظفر گڑھ) میں تولد ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب اسس طرح ہے۔

"ابو محمد زکریا بن وجیہ الدین محمد بن کمال الدین شاہ علی قریشی (بعض کتابوں میں شاہ ابوبکر درج ہے) بن سلطان محمد جلال الدین بن سلطان علی قاضی بن شمس الدین محمد کروڑی بن سلطان حسین بن سلطان عبداللہ بن الحسین بن سلطان مطرفہ بن سلطان خذیمہ بن امیر باضم بن امیر تاج الدین بن امیر عبدالرحیم بن عبدالرحمٰن بن ھبار (بن اسد بن ہاشم بن عبدالمنان)"

حضرت غوث کے جد امجد شیخ کمال الدین علی شاہ مکہ معظمہ سے خوارزم آئے اور بعد میں ملتان میں سکونت اختیار کی۔ یہاں آنے کے بعد آپ کے والد مولانا وجیہہ الدین تاتاریوں کے حملوں کی وجہ سے نقل مکانی کرکے کوٹ کروڑ میں آکر متوطن ہوئے اور اسی شہر میں حضرت زکریا کی ولادت باسعادت ہوئی۔ پھر ملتان آکر سکونت پذیر ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ملتان میں مولانا نصیرالدین بلخی سے حاصل کی اور قرآن حکیم قرآت کے ساتھ حفظ کرلیا۔

اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد خراسان گئے اور سات برس تک ظاہری اور باطنی علوم کی تحصیل کی۔ یہاں سے بخارا آئے۔ بعد ازاں مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور فریضہ حج ادا کیا۔ حج سے فارغ ہوکر مدینہ منورہ آئے اور پانچ برس تک یہاں مقیم رہے۔ اس عرصہ میں جلیل القدر محدث شیخ کمال الدین محمد یمنی سے حدیث کا علم حاصل کیا اور مجاہدہ کیا۔ پھر بیت المقدس سے ہوتے ہوئے، بغداد تشریف آئے اور یہاں شیخ شہاب الدین

سہروردی کے مرید ہوئے اور سترہ روز کی مختصر مدت میں معرفت کی منزلیں طے کرتے ہوئے خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت شیخ الشیوخ نے آپ کو فرمایا کہ اب ملتان جا کر سکونت اختیار کرو اور اس ملک میں تبلیغ اسلام کی خدمت انجام دو اور وہاں کے باشندوں کو روحانی فیض پہنچاؤ۔

ملتان آنے کے بعد کچھ عرصہ تک عبادت اور ریاضت میں مشغول رہے۔ بعد ازاں خلق خدا کی روحانی اصلاح اور تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں زور شور سے کام شروع کیا۔ ان دنوں برصغیر پاک و ہند التمش کے زیر نگین تھا اور اوچ اور شمالی سندھ پر ناصرالدین قباچہ کا اقتدار تھا۔ بہت جلد آپ کے روحانی فیض کا شہرہ ملک کے کونے کونے تک پہنچ گیا۔ بہت جلد اس عہد کے حکمران بھی آپ کی عزت کرنے لگے۔ البتہ ایک بار ناصرالدین قباچہ کو آپ سے رنجش ہوئی تھی، لیکن جلد ہی وہ دور ہوگئی اور قباچہ بھی آپ کی عزت کرنے لگے۔

شمس الدین التمش کو بھی جب آپ کے روحانی مرتبہ کا علم ہوا، تو وہ بھی آپ کی عزت کرنے لگے۔ یہاں تک کہ عزت و احترام سے آپ کو دہلی بلایا اور آپ کو شیخ الاسلام مقرر کیا۔ یہ عہدہ بڑے عرصہ تک آپ کے خاندان میں قائم رہا۔ آپ نے کئی مرتبہ ہندو سندھ کا تبلیغی سفر کیا اور بہت سے ہندوؤں کو مسلمان بنایا۔ مثلاً بھٹی، انڈھڑ وغیرہ۔ بعض دفعہ شیخ فرید الدین گنج شکر، سید عثمان قلندر شہباز مرندی سیوھانی اور اپنے مرید سید جلال سرخ بخاری کے ساتھ سفر کیا۔

ملتان میں آپ نے ایک دینی درسگاہ اور خانقاہ قائم کی۔ نذر و نیاز اور عطیات سے آپ کے پاس بہت بڑی دولت جمع ہوئی تھی، جس سے مدرسہ اور خانقاہ کے اخراجات کے علاوہ غربا، مساکین، محتاجوں اور مسافروں کی مدد بھی فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ زراعت اور تجارت پر بھی آپ کی توجہ تھی اور بہت سے ملازم، گماشتے اور کارندے یہ کام انجام دیتے رہتے تھے۔ اس سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ بھی انہی کاموں میں خرچ ہوتی تھی۔ خانقاہ میں لنگر عام تھا۔ جس سے امیر و غریب، مہمان اور مسافر کو کھانا ملتا تھا۔ علمائے کرام اور مشائخ عظام کی خاطر و تواضع پر ذاتی توجہ فرماتے تھے۔

سنہ ٦۵۵ ھ (۱۲۵۷ء) میں تاتاریوں نے ملتان پر قبضہ کرکے شہر کو برباد کرنا شروع

کیا۔ حضرت غوث نے ایک لاکھ روپیہ اپنے خزانہ سے دے کر اہل ملتان کو قتل و غارت سے بچایا۔ اس قدر دولت اور دنیوی سازو سامان کے باوجود آپ سادگی اور قناعت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔

آپ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ راحت القلوب میں سنہ ٦٥٦ ھ درج ہے۔ اخبار الاخیار اور بعض دوسری کتابوں میں سنہ ٦٦١ ھ ہے۔ آئین اکبری ' اذکار ابرار اور مراۃ الاسرار میں ٦٦٥ ھ لکھا ہوا ہے۔ سفینۃ الاولیاء ' تاریخ فرشتہ ' معارج الولایت اور بعض دوسری کتابوں میں ٦٦٦ھ آیا ہے۔ البتہ یوم وصال کے سلسلہ میں ٧ صفر روز پنجشنبہ پر متفق ہیں۔ آپ نے اپنا مقبرہ خود تعمیر کروایا تھا۔ مقبرہ ایک منفرد نوعیت کے طرز تعمیر کا نمونہ ہے۔ برصغیر میں اس طرح کا مقبرہ صرف ایک ہے ' جو "سونی پت" مین ہے۔ مقبرہ میں آپ کی مزار کے علاوہ آپ کے فرزند اور سجادہ نشین شیخ صدرالدین عارف اور آپ کے خاندان کے بعض دوسرے افراد کی قبریں بھی ہیں۔

اولاد: آپ کو سات فرزند ہوئے ' جن کے نام یہ ہیں: شیخ صدرالدین (عارف) ' شیخ قطب الدین ' شیخ شمس الدین (محمد) ' شیخ شہاب الدین ' شیخ علاؤ الدین (یحیٰ) شیخ برہان الدین (احمد) ' شیخ ضیاء الدین (حامد) اذکار ابرار میں شیخ قطب الدین اور شیخ شہاب الدین کے بجائے شیخ کمال الدین اور شیخ محبوب مجذوب نام آئے ہیں۔ آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت شیخ صدرالدین عارف آپ کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔

فارسی زبان کے باکمال شاعر فخرالدین عراقی آپ کے مرید اور داماد تھے اور پچیس برس تک آپ کی خدمت میں رہے اور آپ کی وفات کے وقت بھی ملتان میں موجود تھے۔ عراقی نے آپ کی تعریف میں کئی قصائد لکھے ہیں۔ ایک قصیدہ میں لکھتے ہیں:

در دم او تافتہ از دم عیسیٰ نشان
دردش افروختہ ز آتش موسیٰ شہاب
ناشر علم الیقین کاشف عین الیقین
واجد حق الیقین ہادی مہدی خطاب

آپ کے وفات کے بعد ایک پردرد مرثیہ بھی لکھا تھا

خلفاء: حضرت غوث بہاؤ الحق زکریا ملتانی کے فرزندوں کے علاوہ آپ کے کئی خلفا کے نام

بھی ملتے ہیں۔ آپ کے سندھی مریدوں اور خلفاء میں پیر پٹھو د-بل ' شیخ ریحان جھنگی ' پیر عمر ' پیر پتھورو ' مخدوم جمار کا ذکر ملتا ہے۔ ان کے علاوہ آپ کے مندرجہ ذیل خلفاء کے نام ملتے ہیں۔

سید جلال سرخ بخاری ' میر حسین ' مولانا عراقی ' شیخ کبیر الدین عراقی ' نواب موسیٰ ' حسن افغان ' خواجہ کمال الدین ' مسعود شیروانی ' خواجہ فخرالدین گیلانی ' شیخ بدر سجستانی ' شیخ عبدالستار ' عبدالقادر موصلی ' شیخ زندہ سجستانی ' نجم الدین یوسف کاشغری ' پیر پتھوارو وغیرہ۔ ان کے بھی بہت سے مرید اور خلیفہ ہوئے • ان میں سے چند بزرگوں کا ذکر بعد میں پیش کیا جائے گا۔

تبلیغی کوششیں: اس زمانہ میں پنجاب اور سندھ میں قرامطہ موجود تھے ' جن کے عقائد ' اسلامی تعلیمات کے منافی تھے۔ ان کی ملحدانہ تعلیم غیر شعوری طور پر عوام کے قلب و دماغ پر چھائی جا رہی تھی۔ سندھ میں خانوادے سومرہ کی حکومت تھی ' جو قرامطہ تھے۔ اس کے علاوہ پنجاب کے کئی قبائل ابھی تک غیر مسلم تھے اور مسلمانوں میں بھی وہ اسلامی جذبہ نہیں رہا تھا۔ روحانی اور اخلاقی تعلیم کا فقدان تھا اور امن و سلامتی مفقود تھی۔ اسلامی معاشرہ انتشار کا شکار تھا۔

یہ حالت دیکھ کر حضرت غوث بہاؤ الحق زکریا نے رشد و ہدایت ' اور تبلیغ اسلام کے لئے ایک منصوبہ بنایا اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ' اپنے خلفاء ' فقراء اور مشائخ کی ایک جماعت تیار کی۔ ان کو اس مقصد کے لئے پنجاب ' سندھ اور مکران کے تبلیغی دورے کرنے کی ہدایت کی۔ ان میں سے کچھ بزرگان دین کو بعض جگہوں پر متعین کیا کہ وہ وہاں رہ کر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کریں اور تبلیغ اسلام کی خدمات سرانجام دیں۔

اس کے علاوہ آپ نے خود بھی سندھ اور پنجاب کے کئی دورے کئے۔ اس زمانہ میں ایک شاہراہ موجود تھی ' جو ملتان سے سندھ کو جاتی تھی اور پھر وہاں سے کچھ (بھارت کا علاقہ) کو جاتی تھی۔ وہ دشوار گزار راستہ تھا اور پنجاب اور سندھ کے ریگستانوں سے گزرتا تھا۔ آپ اپنی جماعت کے ساتھ اس راستہ کے ذریعہ پنجاب ' سندھ اور کچھ (موجودہ بھارت کا علاقہ) کے کئی شہروں میں گئے اور لوگوں کو اسلام اور اسلامی تصوف سے روشناس کرایا۔ آپ کی شخصیت اور گفتگو میں بڑا اثر تھا۔ آپ کی مجالس میں جو بھی آتے تھے ' ان

کے دلوں کی کائنات بدل جاتی تھی۔ چنانچہ کئی غیر مسلم قبائل نے آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا، کئی لوگ راہ راست پر آئے، سندھ کے حکمرانوں سومروں نے قرامطہ عقائد ترک کرکے سنی عقائد اختیار کئے اور کئی لوگ آپ کے روحانی فیض سے مستفیض ہوئے۔

آپ تنہا سفر پر بہت کم روانہ ہوئے۔ اکثر جماعت کے ساتھ جاتے تھے۔ بعض سفروں میں آپ کے دوست حضرت فرید الدین گنج شکر، حضرت سید عثمان قلندر شہباز سیوھانی اور سید جلال سرخ بخاری نے آپ کے ساتھ سفر کیا۔

حکمرانوں سے تعلقات: آپ نے ضروری سمجھا کہ مسلمان حکمرانوں میں تبدیلی پیدا کی جائے اور ان سے اسلام کی خدمت کا کام لیا جائے۔ اس زمانہ میں "اوچ" کے حکمران ناصر الدین قباچہ تھے۔ وہ ملتان آئے، تو حضرت غوث سے بھی ملے اور بڑے متاثر ہوئے۔ اس زمانہ سلطان شمس الدین التمش ہندوستان کا حکمران تھا اور ناصر الدین قباچہ اس کا حریف تھا۔ حضرت زکریا کا قلبی رجحان سلطان التمش کی طرف تھا، کیونکہ وہ دیندار اور شریعت کا پابند تھا۔ بلکہ حضرت زکریا نے سلطان التمش کو قباچہ کے مظالم سے آگاہ کرنے کے لئے ان کو خط لکھا، جو قباچہ کو ہاتھ لگ گیا۔ قباچہ نے آپ کو طلب کیا۔ جب حضرت زکریا کے ہاتھ ان کا مکتوب دیا گیا، تو آپ نے دیکھتے ہی فرمایا کہ بے شک یہ خط میرا ہے مگر میں نے حق تعالیٰ کے حکم سے لکھا ہے اور صحیح لکھا ہے۔ یہ سن کر قباچہ پر لرزہ طاری ہوگیا اور معذرت کرکے حضرت کو اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کر دیا۔

آپ سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خاطر حکام سے اشتراک عمل کرنے میں بھی دریغ نہ فرماتے، ایک بار ملتان میں سخت قحط پڑا۔ والی ملتان کو غلہ کی ضرورت ہوئی۔ حضرت زکریا نے غلہ کی بڑی مقدار اپنے ہاں سے اس کے پاس بھیجی۔

ملتان میں آپ کی بڑی خانقاہ تھی، جس میں درس و تدریس کے ساتھ، صوفیائے کرام کی تربیت ہوتی تھی۔ رشد و ہدایت کے لئے جماعتیں تیار کی جاتی تھیں اور فقراء اور مساکین کی مالی مدد کی جاتی تھی۔ آپ کے مطبخ میں طرح طرح کے کھانے پکتے تھے اور مہمانوں، مسافروں اور درویشوں کو کھلائے جاتے تھے۔ آپ کو مال و دولت کی کبھی کمی نہیں ہوئی۔ کبھی کوئی حاجت مند آپ کے ہاں سے محروم نہیں گیا۔

دولت کی فراوانی کے باوجود آپ ہمیشہ مستغنی و بے نیاز رہے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ نے خادم سے فرمایا کہ وہ صندوقچی اٹھا لائیں جس میں پانچ ہزار دینار سرخ رکھے ہوئے ہیں۔ خادم کے تلاش کے باوجود وہ صندوقچی مل نہ سکی۔ اس نے مایوس ہو کر، حضرت غوث کو اطلاع دی کہ صندوقچی مل نہیں رہی ہے۔ آپ نے کچھ تامل کے بعد فرمایا: الحمد للہ۔ تھوڑی دیر بعد خادم نے پھر آکر کہا صندوقچی مل گئی ہے۔ حضرت شیخ پھر بھی الحمد للہ کہہ کر خاموش ہوگئے۔ حاضرین دونوں بار الحمد للہ سن کر حیران ہوگئے اور عرض کیا کہ اس میں کیا حکمت تھی جواب میں فرمایا۔ فقیروں کے لئے دنیا کا وجود اور عدم دونوں برابر ہیں۔ ان کو کسی چیز کے آنے پر نہ خوشی ہوتی ہے اور نہ اس کے جانے کا غم ہوتا ہے۔ اس کے بعد پانچ ہزار دینار حاجت مندوں میں تقسیم کرا دیئے۔ آپ کی جود و سخا کی اور بھی کئی مثالیں ملتی ہیں:

سلطان التمش آپ کے مرید تھے۔ آپ ان سے ملنے جب دہلی جاتے تھے، تو آپ کی سفارش پر کئی لوگوں کی مشکلاتیں حل ہوجاتی تھیں۔ سلطان نے آپ کو شیخ الاسلام کا عہدہ پیش کیا، جس کو آپ نے قبول کیا اور ایک مد مدید تک یہ عہدہ ان کے خاندان میں جاری رہا۔

سماع سے بھی کبھی کبھی شغل فرماتے تھے۔ آپ کے پیر حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی بھی کبھی کبھی سماع، شوق کے ساتھ سنتے تھے۔ حضرت ابونجیب عبدالقاہر سہروردی کی کتاب "آداب المریدین" میں سماع پر بحث موجود ہے۔ سندھ میں حضرت غوث کے مریدوں میں سماع کا ایک طریقہ موجود ہے۔ سماع کا یہ طریقہ "سمں" کے نام سے موجود ہے۔ یہ لفظ بھی دراصل لفظ "سماع" کی بدلی ہوئی صورت ہے "سمں" کے طریقہ یہ ہے کہ ایک حلقہ بناتے ہیں، جس میں چند فقیر بغیر ساز و سرود کے حمدیہ، نعتیہ اور دعائیہ سندھی بیت خوش الحانی سے پڑھتے ہیں اور اس کے ساتھ "ذکر" بھی کرتے رہتے ہیں۔

حضرت زکریا بڑے حلیم، بردبار، خوش اخلاق اور پر کشش طبیعت کے مالک تھے۔ غایت تواضع میں اپنی تعظیم و تکریم پسند نہیں فرماتے تھے۔ دوسرے بزرگوں سے بڑی محبت سے ملتے تھے اور ان کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی جب ہندوستان میں وارد ہوئے، تو ملتان آئے۔ حضرت زکریا آپ سے بڑی محبت، تعظیم اور

شفقت سے ملے اور کچھ دنوں کے لئے آپ کو اپنے ہاں مہمان کر کے رکھا۔ حضرت بختیار کاکی بھی آپ کی بڑی قدر کرتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت بختیار کاکی کے مریدوں نے آپ کو ملتان میں قیام کرنے کی دعوت دی۔ تو فرمایا کہ ملتان کی سرزمین پر شیخ بہاؤ الدین کا قبضہ اور سایہ کافی ہے۔ یہاں ان کا ہی تعلق ہے اور ان ہی کی حمایت تم لوگوں کے ساتھ رہے گی۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی بھی عزت کرتے تھے۔ ان کے ساتھ سیرو سیاحت بھی کی۔ ان کے علاوہ وہ حضرت قلندر شہباز، حضرت جلال الدین تبریزی اور دوسرے بزرگوں کے ساتھ بھی بڑی محبت اور خلوص سے ملاقاتیں کرتے رہے۔

ان خصوصیات کی وجہ سے آپ اپنے مقصد میں کامیاب رہے اور لوگوں کے عقائد، اخلاق، معاشی اور معاشرتی حالات میں خوشگوار، تبدیلی اور پاکیزگی پیدا کی، دین اسلام کی تبلیغ بڑے موثر انداز میں ہوئی۔ عوام کے عقائد درست ہوئے اور مادی ترقی کے ساتھ روحانی ترقی کی طرف بھی متوجہ ہوئے۔ آپ کی طبیعت میں اللہ تعالیٰ نے اتنی کشش رکھی تھی، کہ لوگ آپ کی طرف کھنچے چلے آتے تھے اور آپ کی مریدی پر فخر کیا کرتے تھے۔ یہ آپ کا روحانی کمال ہے کہ لوگ پاپیادہ دور دراز علاقوں سے سفر کرکے ہر سال آپ کے عرس میں شریک ہوتے رہے۔ یہ سلسلہ آج بھی قائم ہے۔

تعلیمات: حضرت زکریا ملتانی کے بعض ملفوظات مجمع الاخبار کے حوالہ سے "اخبار الاخیار" میں درج ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنے کسی مرید کے گزارش پر "الاوراد" نامی ایک رسالہ بھی لکھا تھا۔ یہ ایک فقہی تصنیف ہے۔ جو تصوف کے رنگ میں لکھی گئی ہے۔ اس کا قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔ مولوی محمد شفیع نے اپنے تحقیقی مقالہ میں اس کا تعارف دیا ہے۔ سنہ ۱۹۷۸ء میں یہ کتاب مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اور اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔ محمد میاں صدیقی نے اس کو مرتب کیا ہے اور حواشی لکھی ہے۔ حضرت غوث کی تعلیمات میں سے نمونہ کے طور پر چند باتیں یہاں پیش کی جاتی ہیں۔ یہ اقتباسات کتاب الاوراد سے ہیں۔ آخری دو باتیں اخبار الاخیار سے ماخوذ ہیں۔

مقصد زندگی: فرماتے ہیں کہ "معرفت الٰہی کے سلسلہ میں پہلا قدم ترک دنیا ہے۔ جب انسان دنیوی کاموں میں مشغول ہو جاتا ہے تو اس مقصد سے دور ہو جاتا ہے۔ جس مقصد

کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ وہ مقصد ہے: اللہ تعالیٰ کی عبادت۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **وما خلقت الجن والانس الالیعبدون**۔ عبودیت، اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک سر ہے اور وہ ہے: قربت۔ انسان مصلحت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ حجاب کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ تک پہنچ نہیں سکتا۔ نفسانی خواہش، حجاب کا سبب ہوتی ہے۔

اصلاح دل: انسان کی اصل چیز دل ہے۔ دل کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ تو بدن کی اصلاح بھی خود بخود ہوجاتی ہے۔ جسمانی موت کے سواء زندہ حالت میں بھی انسان کے دل کی حیات بھی ہے اور ممات بھی۔ البتہ دل کی حیات و ممات جداگانہ نوعیت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **اومن کان میتا فاحییناہ**

جب دل دنیوی لذتوں میں مشغول ہو جاتا ہے، تو اس میں غفلت آ جاتی ہے اور اس پر وسواس کا غلبہ ہوجاتا ہے اور اس میں ہر قسم کا اندیشہ داخل ہونے لگتا ہے۔ یہ چیزیں دل کو سیاہ کردیتی ہیں۔ جب دل سیاہ ہوجاتا ہے، تو اس کی موت واقع ہوجاتی ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ جب زمین میں خس و خاشاک بہت پیدا ہو، تو وہ زمین اناج پیدا کرنے کے قابل نہیں رہتی۔ اس کو کہتے ہیں یہ زمین مردہ ہے۔" شاہ عبداللطیف بھٹائی کے پردادا شاہ عبدالکریم بلڑی والے نے بھی ان لوگوں کے لئے، جن کا دل مردہ ہوجاتا ہے، فرمایا ہے:

"جن کا دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہے، وہ کھوکھلے ہیں اور بے مقصد زندگی گذار رہے ہیں۔"

"فرماتے ہیں لیکن جب دل سے دنیا کا تعلق زائل ہو جائے اور اس میں سے ہوائے نفس دور ہوجائے اور بندہ اپنے وقت میں پیوستہ ذکر و تلاوت میں مصروف رہے، تو وہ دل نور ذکر سے زندہ ہوجاتا ہے .... پس اسی راستہ میں اصل کام صلاحیت دل ہے اور یہ کیفیت اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک آدمی اپنے باطن کو مذمومات سے کلی طور پر پاک نہ کرے۔"

نماز: نماز، نیاز سے ہے اور نیاز خشیت سے ہے۔ خشیت علم سے ہے اور علم سے مراد ہے: جاننا۔ جو شخص کہتا ہو اور عمل بھی کرتا ہو، لیکن جانتا نہ ہو، وہ عین جہل ہے اور جہل مانع قرب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **تعلموا ماتقولون**۔ زبان دل کی ترجمانی کرتی ہے اور دل مقام عیان ہے۔ پس اگر نماز پڑھنے کے وقت دل کسی دوسری جگہ ہو، تو نہ اس کا دل

عیاں میں ہوتا ہے ' نہ زبان گفتار میں اور نہ قالب کردار میں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک شخص پر پڑی ' جو نماز کا حق نہیں جانتا تھا۔ آپؐ نے اس کو فرمایا کہ آپ نے جو نماز پڑھی وہ نماز نہ تھی۔

خلوت : دل کو پلیدیوں سے پاک رکھنا چاہئے۔ جو چیزیں دل کو تباہ کر دیتی ہیں ' ان کی اصل ایک ہی ہے اور وہ ہے : دنیا کی محبت ' خلوت و عزلت سے دنیا کی محبت دل سے نکلتی ہے۔ اس لئے راہ حقیقت میں پہلا قدم خلوت ہے۔

خلوت اختیار کرنے کے لئے دس باتیں ضروری ہیں : اول علم تاکہ خلوت صحیح ہو اور اس کے ذریعہ حق کو باطل سے الگ کیا جاسکے۔ دوم " زہد " سوم شدت اور محنت کو اپنی مرضی سے اختیار کیا جائے۔ چہارم خلوت کو سلامتی کے لئے اختیار کیا جائے۔ پنجم نظر عقبی کی طرف ہونی چاہئے۔ ششم خود کو تمام لوگوں سے کمتریں سمجھا جائے تاکہ اپنی برائیاں کی جاسکیں ہفتم عمل میں سستی نہ کی جائے۔ ہشتم اپنی حالت پر تکبر نہ کیا جائے۔ نہم دل کو فضول باتوں سے خالی رکھا جائے۔ دھم جو چیز بھی حق تعالیٰ سے باز رکھے اس سے قطع تعلق کیا جائے۔ اور تمام خلق سے ملنے جلنے سے پرہیز کی جائے .... خلوت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا دل میں کوئی غیر نہ رہے۔

شریعت کا علم : مرید کے لئے لازم ہے کہ وہ شریعت کا عالم ہو تاکہ علم کے ساتھ عمل کرے۔ علم اس کا رہبر ہوگا تو شیطان اس پر دست درازی نہ کر سکے گا۔

مراقبہ : فرماتے ہیں کہ " مراقبہ میں اگر حدیث نفس غالب آجائے تو سو جانا چاہئے۔ کیونکہ عالم کا سونا اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے : **نوم العالم عبادة** ." سندھی زبان کے عظیم شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی نے فرمایا ہے :

" سونے کی حالت میں بھی ان کا چہرہ پرنور معلوم ہوتا ہے ' کیونکہ ان کی نیند بھی عبادت ہے "

شاہ عبداللطیف بھٹائی کے پردادا شاہ عبدالکریم بلڑی والے نے فرمایا ہے :

" جو کچھ بیداری کے عالم میں زبان پر رہتا ہے ' نیند کی حالت میں بھی وہی کچھ جاری رہتا ہے ' کیونکہ میرا دل میرے محبوب نے اپنے قبضہ میں کر رکھا ہے۔"

تلاوت قرآن مجید : حضرت زکریا ملتانی نے قرآن حکیم کے سلسلہ میں فرمایا ہے کہ "

طالب کو چاہئے کہ قرآن مجید کی تلاوت کے دوران قرآن کریم کی معنی سمجھنے کی کوشش کرے اور تفکر کرے۔ تفکر خدا کی تخلیق پر کیا جائے اور نہ خالق میں۔ اللہ تعالیٰ کی بخششوں اور نعمتوں ' آسمان و زمین ' بہشت و دوزخ پر تفکر کیا جائے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔"

شاہ لطیف نے فرمایا ہے :

" پڑھتے تو رہتے ہیں ' لیکن غور و فکر نہیں کرتے "

نفس کی پاکیزگی : ایک جگہ حضرت غوث نے لکھا ہے کہ جب بندہ کی ارادت حق تعالیٰ کے ساتھ قوی ہو جاتی ہے تو حق تعالیٰ اس کے نفس کو دنیوی غلاظتوں سے پاک کر دیتا ہے۔ اس حالت میں اس کی حرکات و سکنات نفسانی نہیں رہتی ' بلکہ ربانی ہو جاتی ہیں۔ اس کے بعد وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی نگہداشت میں آجاتا ہے۔ بندۂ کو جب یہ مقام حاصل ہوتا ہے تو امید ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو منزل مقصود پر پہنچا دے گا۔

اخلاص : " مجمع الاخبار " کے حوالہ سے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب "اخبار الاخیار" میں حضرت غوث العالم کی وصایا نقل کی ہے۔ حضرت غوث نے فرمایا ہے کہ بندہ پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت صدق و اخلاص کے ساتھ کرے اور یہ اس طرح ہو کہ عبادات و اذکار میں غیر کی نفی کرے اور ماسوائے اللہ کے تصور کو مٹائے اور یہ حالت اس وقت درست ہوگی جب اپنے احوال کو درست کرے اور اقوال و افعال میں نفس کا محاسبہ کرے ' بلا ضرورت کوئی بات نہ کہے اور نہ کوئی کام کرے۔ ہر قول و فعل سے پہلے اللہ کے حضور میں التجا کرے اور اس بے اعمال خیر کے لئے مدد مانگے۔ ایک مرید کو نصیحت فرماتے ہیں کہ تم اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذکر کو اپنے اوپر لازم کرلو ' ذکر ہی سے طالب ' محبوب تک پہنچتا ہے۔ محبت ایسی آگ ہے جو تمام میل کچیل کو جلا ڈالتی ہے۔ جب محبت راسخ ہو جاتی ہے تو مذکور مشاہدے کے ساتھ تو ذکر ' فی الواقع ہو جاتا ہے۔ یہی وہ ذکر کثیر ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے اس قول **واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون** (اللہ کا ذکر بکثرت کرو تاکہ تم فلاح پاؤ) میں فلاح کا وعدہ کیا گیا ہے۔

سلامتی : ایک مرید کو لکھتے ہیں : بدن کی سلامتی کم کھانے میں ہے ' روح کی سلامتی ترک گناہ میں ہے اور دین کی سلامتی حضرت خیرالانام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں

حضرت بہاؤ الدین زکریا کے چند خلفاء کا تعارف

حضرت شیخ فخر الدین عراقی: آپ کا پورا نام شیخ فخر الدین ابراہیم ہے۔ تاریخ گزیدہ میں آپ کے والد بزرگوار کا نام بزرجمہر بن عبدالغفار الجوالقی ہے۔ مگر سیر العارفین، خزن الغرائب، تذکرہ دولت شاہ اور مراۃ الخیال میں "شہریار" ملتا ہے۔ سیر العارفین میں مرقوم ہے کہ حضرت عراقی حضرت غوث بہاؤ الحق زکریا کے بھانجے تھے۔ بعض تذکروں میں آیا ہے کہ آپ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے بھانجے تھے۔ ہمدان کے نواح میں قریہ کمجان (باکو نجان) میں پیدا ہوئے۔ سترہ سال کی عمر میں ہمدان کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کر کے فارغ التحصیل ہوئے۔ ہمدان سے بغداد آئے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں رہ کر روحانی فیض حاصل کیا اور ان سے بیعت ہوئے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے آپ کو عراقی تخلص عطا کیا۔ ہندستان حضرت غوث بہاؤ الحق زکریا ملتانی کے پاس جانے کا حکم دیا۔ یہاں پہنچ کر حضرت غوث العالم سے روحانی فیض سے مالا مال ہوئے۔

دوسری روایت کے مطابق تعلیم سے فارغ ہو کر ہمدان کے مدرسہ میں درس دینے لگے۔ کسی دن وہاں قلندروں کی ایک جماعت پہنچی۔ حضرت شیخ فخر الدین نے درویشوں کی دعوت کی۔ ان میں سے ایک شخص بڑا حسین و جمیل تھا۔ اس لڑکے پر نظر پڑی تو بیتاب ہوگئے اور صبر ہاتھ سے جاتا رہا۔ دل میں عشق کی آگ بھڑک اٹھی۔ قلندروں کے ساتھ ہمدان سے چل کھڑے ہوئے۔ جب سیر و سیاحت کرتے ہوئے ملتان آئے، تو قلندروں کے ساتھ حضرت غوث العالم کی خانقاہ میں قیام کیا۔ حضرت غوث العالم کی ان پر نظر پڑی تو عراقی کو پہچان لیا، لیکن کچھ ظاہر نہیں کیا۔ شیخ فخر الدین نے بھی کشش محسوس کی۔ پھر قلندروں کے ساتھ ملتان سے روانہ ہوئے اور دہلی سے ہوتے ہوئے سومنات کی طرف چلے۔ راستہ میں سخت آندھی آئی، جس کی وجہ سے سب ایک دوسرے سے الگ ہوگئے۔ شیخ عراقی ساتھیوں سے الگ ہوگئے اور ادھر ادھر پھرتے رہے۔ بالآخر ملتان آئے۔ حضرت غوث العالم آپ کو اپنی خلوت میں لے گئے۔ جہاں شیخ عراقی دس روز تک چلہ میں بیٹھے رہے۔

آخر حضرت غوث العالم نے آپ کو باہر بلایا۔ باہر آکر مرشد کے قدموں پر سر رکھ کر دیر تک روتے رہے۔ مرشد نے آپ کو اٹھایا اور سینہ سے لگایا، شیخ عراقی نے اسی وقت ایک غزل کہی، جس کا مطلع یہ ہے:

در کوئے خرابات کسے را کہ نیاز است
ہوشیاری و مستیش ہمہ عین نماز است

(جسے خرابات کے کوچہ میں نیاز حاصل ہے، اس کی مستی اور ہوشیاری سب نماز میں شامل ہے)

مرشد نے اسی وقت خرقہ اتار کر آپ کو پہنایا اور اپنی صاحبزادی ان کے نکاح میں دی۔ اس کے بعد ۲۵ سال اپنے مرشد کی خدمت میں رہے۔ آپ کو فرزند ہوا، جس کا نام شیخ کبیر الدین رکھا گیا۔ حضرت غوث العالم کی وفات کے بعد حج کے ارادہ سے ملتان سے روانہ ہوئے۔ مست و سرشار مکہ معظمہ پہنچے۔ احرام باندھتے وقت ایک قصیدہ لکھا، جس کا مطلع یہ تھا:

اے جلالت فرش عزت جاوداں انداختہ
گوئے در میدان وحدت کامراں انداختہ

(اے کہ تیرے جلال نے عزت کا فرش جاوداں بچھا رکھا ہے اور وحدت کے میدان میں کامیابی سے گیند ڈال رکھی ہے)

مدینہ منورہ پہنچے تو آپ پر وجدانی کیفیت طاری ہوگئی اور ایک رات میں پانچ قصیدے لکھے۔ ان میں سے ایک قصیدہ کا مطلع یہ ہے:

عاشقاں چوں بر در دل حلقہ سودا زنند
آتش سودائے جاناں در دل شیدا زنند

(عاشق جب دل کے دروازے پر جنون کا کنڈا لگا دیتا ہے، تو محبوب کے جنون کی آگ شیدا کے دل میں لگا دیتے ہیں)

مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہونے کے بعد روم پہنچے اور شہر قونیہ میں آئے۔ وہاں حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کے خلیفہ اور سجادہ نشین حضرت شیخ صدر الدین سے ملے اور کچھ عرصہ تک ان کی صحبت میں رہے۔ اس کی صحبت میں ابن عربی کی مشہور کتاب

"فصوص الحکم" کا مطالعہ کیا۔ اس کے بعد تصوف میں "لمعات" نامی کتاب لکھی، جو فصوص کی طرز پر ہے اور اس میں بھی فصوص کی طرح اٹھائیس لمعے۔ (فصلیں) ہیں۔ کتاب "لمعات" بھی صوفیائے کرام کے یہاں مقبول رہی ہے۔ ملا نور الدین عبدالرحمٰن جامی نے "اشعۃ اللمعات" کے نام سے اور مولانا صائن الدین علی ترکہ اصفہانی نے "ضو اللمعات" کے نام سے اس کی شرحیں لکھیں۔ ان کے علاوہ صدر خاوری نے بھی اس کی شرح لکھی۔

اس کے بعد حضرت عراقی روم، شام، مصر وغیرہ کی سیاحت کرتے رہے۔ ہر جگہ آپ کو بڑی عزت ملی اور امراء اور حکمرانوں نے آپ کی قدر افزائی کی۔ آخری عمر میں کچھ عرصہ مصر میں رہنے کے بعد دمشق آئے۔ یہاں ان کے چھ ماہ قیام کرنے کے بعد ان کے فرزند شیخ کبیر الدین، ملتان سے ملنے آئے۔ بیٹے کے آنے کے کچھ دنوں بعد وفات کی۔ آپ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ ے خانہ اور نفحات الانس میں سنہ ۶۸۸ ھ ہے۔ تاریخ گزیدہ میں ۶۸۶ ھ ہے اور تذکرہ دولت شاہی میں ۷۰۹ ھ ہے۔ لیکن ۶۸۸ ھ (۱۳۸۹ء) صحیح معلوم ہوتی ہے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۸۸ سال تھی۔ آپ کا مزار شیخ محی الدین ابن عربی کے مزار کے پیچھے دمشق میں محلہ صالحیہ میں ہے۔ آپ کے فرزند کبیر الدین کا مزار بھی آپ کی قبر کے پہلو میں ہے۔

آپ کی تصانیف میں "لمعات" کے علاوہ ایک مثنوی اور ایک دیوان ہے۔ "لمعات" اور دیوان شائع ہو چکے ہیں۔ آپ کے شعر کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

بیا اے دیدہ تایک دم بگریم
نیم چوں خوش دل و خرم بگریم
گہے از درد بے درماں بنالیم
گہے از زخم مرہم بگریم
نہ شد جان محرم اسرار جاناں
براں محروم نامحرم بگریم
عراقی راکنوں ماتم بداریم
براں مسکین دریں ماتم بگریم

☆☆☆☆☆

چہ کہ دم کر دلم از فراق خون کردی
چہ اوفتاد کہ درد دلم فزوں کردی
حدیث وفا و وصال می گفتی
چہ عاشق تو شدم قصہ باژگوں کردی
بہ سوختی دل و جانم گداختی یکدم
بہ آتش غمت از بسکہ آزموں کردی
سیاہ روئے دو عالم شدم کرو رحم فقر
گلیم بخت عراقی سیاہ گوں کردی

شیخ صدر الدین احمد بن نجم الدین سید حسنی: المعروف بہ شیخ امیر حسنی، رسالہ مزارات ہرات اور نفحات الانس میں آپ کا نام حسین بن عالم بن ابی الحسین، تذکرہ دولت شاہی میں حسین بن عالم بن الحسن الحسینی تاریخ فرشتہ میں صرف امید حسینی بن نجم الدین شاہ اور سیرالعارفین میں صدر الدین احمد بن نجم الدین آیا ہے۔ آپ غور کے ایک گاؤں "کریوہ" کے رہنے والے تھے۔ بعد میں ہرات میں سکونت پذیر ہوگئے، تجارت کی غرض سے اپنے والد کے ساتھ ملتان آئے۔ حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں آئے، لیکن بوجہ زعم علم و کمال مرید نہ ہوئے، والد کے انتقال کے بعد اچانک دنیا ترک کردی اور ملتان میں آکر حضرت کے مرید ہوگئے انہوں نے ایک سال تک ملتان میں رہ کر ریاضت شاقہ کیں اور حضرت کی صحبت میں رہ کر صاحب کمال ہوئے۔ آپ کی وفات کی تاریخ نفحات الانس میں ۱۶ شوال ۷۱۸ ھ (۱۳۱۹ء) آئی ہے، لیکن تذکرہ دولت شاہی میں سال وفات ۷۱۹ ھ ہے۔ مزار مصرخ (ہزات) میں ہے۔ آپ کی تصانیف میں مندرجہ ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں، جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں:

۱۔ نزہت الارواح ۲۔ طرب المجالس ۳۔ صراط المستقیم ۴۔ گنج نامہ الٰہی ۵۔ زادالمسافرین ۶۔ کنز الرموز ۷۔ کنز السا کین ۸۔ الارواح ۹۔ سوالات گلشن راز ۱۰۔ دیوان

پیر موسیٰ نواب: حضرت غوث بہاؤ الحق زکریا کے چچا زاد بھائی تھے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام احمد غوث ہے، جو کوٹ کروڑ میں رہتے تھے۔ سنہ ۵۸۹ ھ میں (۱۱۹۳ء) میں

ان کی وفات ہوئی اور کوٹ کروڑ میں موفون ہوئے۔ سنہ ۵۸۴ ھ (۱۱۸۸ء) میں کوٹ کروڑ میں حضرت موسیٰ نواب کی ولادت ہوئی۔ دینی تعلیم مولانا نصیر الدین بلخی سے حاصل کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد کوٹ کروڑ " میں درس دینے لگے۔ اس دوران آپ کی بہن کی شادی حضرت غوث بہاؤ الحق زکریا ملتانی سے ہوئی۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ ملتان آئے اور حضرت زکریا کے مرید ہوئے۔ تقریباً تین سال اپنے مرشد کے ہاں فیوض و برکات سے مستفیض ہوتے رہے۔ دریں اثنا اپنے مرشد کے مویشی چرانے کی خدمت بھی انجام دیتے رہے۔ حضرت غوث آپ سے اتنے خوش ہوئے کہ آپ کو نواب الاولیاء کا خطاب عطا فرمایا۔ آپ کو خرقہ خلافت عطا فرمایا اور بیعت کرنے کی اجازت بھی دی۔ اور ولایت سندھ پر رشد و ہدایت عام کرنے کے لئے مامور فرمایا' جب کوٹ کروڑ میں یہ خبر پہنچی تو آپ کے بھائی راول دریا بھی ملتان آئے اور اپنے بھائی حضرت موسیٰ نواب کی بیعت کرلی۔

اپنے مرشد حضرت زکریا کے ارشاد کے مطابق حضرت موسیٰ نواب اپنے بھائی مخدوم راول دریا المعروف بہ حاجی محمد شاہ اور مریدوں کے ساتھ " سیوراہی " کے طرف روانہ ہوئے۔ سفر کے دوران ہر جگہ کئی لوگوں نے آپ سے بیعت کی اور کئی قوموں نے آپ کے دست حق پرست اسلام قبول کیا۔ مندرجہ ذیل قومیں آپ سے مستفیض ہوئیں۔

" راہوڑی (مظفر گڑھ) ' ترہیڑی (علی پور و سیتپور) گورمانی ' لنجوانی ' چوہان اور گوپانگ (راجن پور و جام پور) کھور ' کمہار ' موچی ' لاڑ' چانڈیہ (پکا لاڑاں و ظاہر پیر) ' جتوئی ' ہلیلی بلوچ ' چاکی (خانپور کا علاقہ نیل گڑھ) چاچڑ (ضلع رحیم یار خان موضع ڈھوراسر بھوری) سیال (خانپور ' چاچڑاں) ' کانجو (علاقہ کھنڈائی ' تاج گڑھ) سانگی (موضوع وڈی سانگی) موہانہ ' موچی ماڑیچہ ' کھوسہ (آدم صحابی) بھیٹ (موضع لاکڑ والی) ' درند (ولہار) ' آڈھوچہ (آدم پور ' کوٹ سنجر خان ' تربلی ' چوہان ' ڈھر ' ولانہ ' شر موش ' کپڑا ' بھارہ (ضلع رحیم یار خان) وغیرہ "

آپ کے ہاتھ پر جو قومیں مسلمان ہوئیں ' ان میں سے قوم جھلن ' بھارہ اور انڈھڑ قابل ذکر ہیں۔

آخر آپ نے سرواہی میں پہنچ کر یہاں مستقل قیام کیا اور گرد و نواح کے لوگوں کو فیوض و برکات سے نوازا۔ آپ کا دستور تھا ماگھ ' پھگن اور چیت کے مہینوں میں سندھ کا

دورہ کرتے تھے اور ساون کے مہینے میں راجستھان جاتے تھے۔ ایک مرتبہ راجستھان کے علاقہ کے دورہ پر تھے کہ انڈھڑ قوم کے سردار " میاں جیو " آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ آپ سے اتنے متاثر ہوئے کہ بیعت ہوئے اور سہروردی سلسلہ میں داخل ہوئے ' جب حضرت موسیٰ نواب سیوراہی کے طرف روانہ ہوئے ' تو "میاں جیو " بھی اپنے خاندان کے ساتھ سیو راہی آئے ' اس کے بعد اس خاندان نے دریائے سندھ کے کنارے رہائش اختیار کی اور اس آبادی کا نام " بھنگ " مشہور ہوگیا۔ کچھ عرصہ کے بعد حکومت سندھ نے میاں جیوکو علاقہ سیوراہی میں جاگیر دی " بھنگ " کی مشہور خوبصورت مسجد غازی خان انڈھڑ کی تعمیر کردہ ہے ' جو " میاں جیو " کی اولاد میں سے تھے۔

" میاں جیو " کے چھوٹے بھائی ' شیخ احمد بھی حضرت نواب الاولیاء کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ان کی اولاد میں سے کئی عالم اور بزرگ پیدا ہوئے ' جنہوں نے سندھ میں سکونت اختیار کی۔ ان میں سے چند بزرگوں کے نام یہ ہیں : خضر سلطان ' ہوندہ سلطان ' اور دائم سلطان۔ ان کا مزاریں چیچڑا شریف عرف بگا شیر (تحصیل پنوں عاقل ' سکھر ' سندھ) میں واقع ہے۔

حضرت نواب الاولیاء کے سیوراہی میں قیام کے دوران حضرت غوث بہاؤالحق زکریا ملتانی اپنے دوستوں : حضرت قلندر شہباز سیوھانی ' بابا فرید گنج شکر اور سید جلال سرخ بخاری کے ساتھ سندھ جاتے ہوئے۔ سیو راہی میں منزل انداز ہوئے۔ کچھ دن یہاں رہنے کے بعد سندھ کی طرف روانہ ہوگئے۔ حضرت نواب الاولیاء نے ان کی رہائش کی یادگار کے طور پر مسجد تعمیر کروائی ' جو مسجد " چاریار " کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت نواب الاولیاء تمام عمر مجرد رہے۔ ۲۵۰ ذوالحج ۶۶۷ ھ (۱۲۶۹ء) میں فوت ہوئے اور سیوراہی میں موفون ہوئے۔ آپ کے بھائی مخدوم راول دریا نے آپ کی ہی زندگی ۶۵۷ ھ (۱۲۵۹ء) میں وفات کی۔ اس لئے آپ کے بھتیجے اور مخدوم راول دریا کے فرزند حضرت پیر محمد اسماعیل آپ کے سجادہ نشین ہوئے ' جنہوں نے ۴۷ سال کی عمر میں ۲۴۔ رمضان ۷۱۱ ھ (۱۳۱۱ء) کو وفات پائی۔ آپ کے خلیفہ " شیخ احمد انڈھڑ " کی اولاد میں سے کئی عالم ' فاضل اور بزرگ ہوئے ' ان سے چند یہ ہیں :

میاں محمد مستقیم عرف بگو شیر: حضرت محمد حسین شہید کی اولاد میں سے تھے ' جو بہت

بڑے بزرگ ہو گزرے ہیں اور " حضوری " لقب سے مشہور تھے۔ حضرت محمد حسین شیخ احمد انڈھڑ کی اولاد میں سے تھے۔ درگاہ بگو شیر تحصیل پنوں عاقل (ضلع سکھر، سندھ) میں ہے، جہاں بگو شیر کی مزار کے علاوہ قبرستان میں اس خاندان کے دوسرے بزرگوں کی مزاریں بھی ہیں۔

مولانا محمد جامی: یہ بزرگ بھی انڈھڑ خاندان کے فرد تھے۔ عالم، فاضل اور بزرگ تھے۔ کئی لوگوں نے آپ سے علمی اور روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ کے خلفاء میں سے مندرجہ ذیل بزرگوں کے نام قابل ذکر ہیں۔

" مولانا محمد ابراہیم سرحدی، میاں محکم الدین، میاں محمد جمال الدین، مولانا شمس الدین، مولانا محمد ابوبکر" مولانا محمد ابراہیم سرحدی کے شاگردوں میں سے مولانا نذر محمد انڈھڑ بڑے عالم اور بزرگ ہو گزرے ہیں۔ انہوں تقریباً ۳۵ سال قبل وفات کی۔ مولانا عبدالرزاق ڈھر (خطیب مسجد بھنگ) اور رئیس غازی خان (جس نے بھنگ کی مسجد تعمیر کروائی) آپ کے شاگرد تھے۔

مولانا محمد جامی نے سندھ کے نامور معماروں کو ساتھ لے کر حضرت موسیٰ نواب کے مقبرہ کی نئی تعمیر کروائی، مولانا جامی کی درگاہ شکار پور (سندھ) کے قریب ہے اور "جامی جا قبا" کے نام سے مشہور ہے۔

خواجہ حسن افغان: حضرت غوث بہاؤالحق زکریا کے مرید تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاء نے فرمایا ہے کہ وہ صاحب ولایت اور بہت بڑے بزرگ تھے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب اخبار الاخیار میں آپ کا تذکرہ کیا ہے۔ مولانا جامی نے سیر العارفین میں لکھا ہے کہ وہ کوہ سلیمان کے دامن کے باشندے تھے۔ خواجہ نعمت اللہ ہروی نے " مخزن افغانی " میں لکھا ہے کہ ننبند کا رہنے والا تھا، لیکن سندی کے بجائے خونوں مشہور ہوگیا۔ خواجہ نعمت اللہ نے یہ بھی لکھا ہے۔ آپ افغان نہیں، بلکہ سید تھے۔ حضرت غوث العالم کے مرید ہونے کے بعد کچھ عرصہ ملتان میں رہ کر ریاضتیں اور مجاہدے کئے۔ جب ولایت کے مرتبہ کو پہنچے، تو حضرت غوث العالم نے آپ کو حکم دیا کہ افغان قوم میں جاکر رشد و ہدایت کی شمع روشن کرو۔ اس حکم کے مطابق غرغشیوں کی قوم میں آکر رہے اور زندگی بھر مخلوق خدا کو احکام خداوندی کی طرف دعوت دیتے رہے۔ شیخ حسن افغان نے سنہ ۶۸۹ھ (۱۲۹۰ء)

میں وفات پائی اور ملتان میں اپنے پیر کے روضہ کے پاس مدفون ہوئے۔

مخدوم شیخ حمید الدین حکام قریشی ہکاری: آپ کا شجرہ نسب حضرت ابوسفیان بن حارث، صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح ملتا ہے:

"شیخ حمید الدین بن سلطان بہاؤ الدین بن قطب الدین بن رشید الدین بن ابو علی بن شیخ موسیٰ بن ابو طاہر بن ابراہیم ابوالحسن علی ہاشمی ہکاری بن شیخ محمد بن شیخ یوسف بن شیخ شریف محمد عمر بن شیخ عبدالوہاب بن حضرت زہد بن ابو سفیان ملقب زید بن الحارث بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمناف"

آپ کا بزرگوار قطب الدین مکران کا بادشاہ تھا اور ان کا نانا سید احمد لاہور کے بزرگ تھے۔ مخدوم شیخ حمید الدین کی ولادت ۱۲ ربیع الاول ۵۷۰ھ (۱۱۷۴ء) کو ہوئی۔ آپ نے سلطنت ظاہری ترک کردی راہ فقر اختیار کی۔ مرشد کی تلاش میں لاہور آئے اور اپنے نانا سید احمو توختہ ترمذی کی خدمت میں پہنچے اور کچھ عرصہ مجاہدات اور ریاضات میں مشغول ہوئے، حضرت شیخ ترمذی نے آپ کو خرقہ خلافت کا سلسلہ شناریہ سے نوازا اور فرمایا کہ آپ کو روحانی فیض کا باقی حصہ خاندان سہروردیہ سے ملے گا۔ مرشد کی وفات کے بعد بغداد گئے اور حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے روحانی فیض حاصل کیا۔ انہوں نے آپ کو ملتان جانے کا حکم دیا۔ بغداد سے ملتان آرہے تھے کہ راستہ میں قلعہ مو مبارک آیا۔ یہ ایک پر فضا مقام تھا۔ آپ کو پسند آگیا اور قلعہ کے ایک گوشہ میں قیام پذیر ہوگئے۔

جب چنگیز خان نے مکران پر حملہ کیا، تو آپ کے بھائی شیخ رکن الدین حاتم اپنی والدہ اور عم شیخ تاج الدین احمد کے ہمراہ مئو مبارک آئے۔ ان کے آنے کے بعد حضرت شیخ حمید الدین ملتان گئے اور حضرت شیخ العالم کی صحبت میں رہے اور آپ سے کسب فیض کیا۔ حضرت غوث العالم نے آپ کو خرقہ خلافت عطا کیا اور اپنی بیٹی فاطمہ بی بی آپ کے عقد میں دیدی۔ بعد ازاں آپ معہ اپنی زوجہ محترمہ مئو مبارک واپس آئے۔ آپ نے بڑی طویل عمر پائی۔ آپ کی عمر جب ۷۹ سال تھی کہ شاہ رکن عالم تولد ہوئے۔ حضرت رکن عالم کے ساتھ آپ کی بڑی عقیدت تھی۔ ان سے بیعت ہوئے۔ حضرت رکن عالم نے بھی آپ کی زندگی میں وفات پائی۔ آپ ۱۶۷ سال کی عمر میں ۱۲ ربیع الاول سنہ ۷۳۷ھ (۱۳۳۶ء) کو اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔ بے شمار لوگ آپ کے روحانی فیض سے مستفیض ہوئے۔

ایک روایت کے مطابق ۲۲ لاکھ افراد بیعت ہوئے۔ ان میں سے تین لاکھ ہندو آپ کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ کی مزار مئو مبارک میں مرجع خاص و عام ہے۔

شیخ عبدالجلیل المعروف بہ قطب العالم چوہڑ بندگی: آپ کا شجرہ نسب چار واسطوں سے ساتھ شیخ حمید الدین حاکم سے ملتا ہے۔ شجرہ نسب اس طرح ہے:

"شیخ عبدالجلیل بن ابوالفتح بن عبدالعزیز بن شہاب الدین بن نورالدین بن حمید الدین"

"چوہڑ" کی معنی ہے: شکار کو تدبیر سے قابو میں لانا۔ چونکہ آپ نے اپنے نفس کو مجاہد و ریاضت سے اپنے قبضے میں کیا تھا۔ اس لئے "چوہڑ" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

آپ کی ولادت مئو مبارک (ضلع رحیم یار خان) میں ہوئی۔ اپنے والد بزرگوار سے روحانی فیض حاصل کیا۔ سلطان بہلول لودھی (۱۴۵۱ء۔ ۱۴۸۹ء) کی بیٹی ہے آپ کی شادی ہوئی۔ دور دراز ملکوں کی سیاحت کی۔ کئی بزرگوں سے فیض حاصل کیا۔ پنجاب کے علاوہ سندھ کے لوگ بھی آپ کے مرید تھے۔ آپ کے یہاں سماع کی محفلیں بھی منعقد ہوا کرتی تھیں۔ سندھی ذاکر ان سماع کی محفلوں میں سندھی ابیات بھی پڑھتے تھے۔

قریباً ۸۸۰ھ (۱۴۷۵ء) میں بزرگ نے لاہور میں آکر سکونت اختیار کی۔ ۹۱۰ھ (۱۵۰۴ء) میں فوت ہوئے اور لاہور میں مدفون ہوئے۔ آپ کی تصانیف میں "رسالہ مسائل شریعت و طریقت" اور "رسالہ جلیلہ" کے نام ملتے ہیں۔ آپ کے بھائی جلال الدین ابوبکر نے آپ کے احوال کے متعلق "تذکرہ تنبیہ" نامی کتاب لکھی۔ آپ کی اولاد میں سے بھی کئی بزرگ گزرے ہیں۔ ان میں سے شیخ کرم شاہ قریشی لاہوری کا نام قابل ذکر ہے۔

شیخ جمال الدین ابوبکر: حضرت شیخ عبدالجلیل چوہڑ بندگی کے بھائی تھے۔ آپ نے سلطان سکندر لودھی کے زمانہ میں "مئو" سے نقل مکانی کرکے آگرہ میں اقامت اختیار کرلی۔ اور تبلیغ و ارشاد کا سلسلہ شروع کیا۔ عالم، فاضل، عابد اور زاہد تھے۔ شیر شاہ سوری کے زمانہ میں سنہ ۱۵۴۵ء میں فوت ہوئے۔ آگرہ کے اطراف میں "جوگی پورہ" میں دفن ہوئے۔ آپ کی کتابوں کے نام ملتے ہیں:

(۱) وصایا امام محمد کی شرح (۲) اصول .دوری کی شرح (۳) تذکرہ تنبیہ

شیخ علم الدین: حضرت شیخ عبدالجلیل چوہڑ بندگی کے خلیفہ تھے۔ عابد اور زاہد تھے۔ اپنے

مرشد کے کپڑے دھونے کی خدمت ان کے سپرد تھی۔ روحانی منازل کی تکمیل کے بعد مرشد کے حکم نے قصبہ چونیاں کی طرف مامور ہوئے اور تمام عمر وہاں ہدایت خلق میں مصروف رہے۔ سنہ ۹۱۶ھ (۱۵۱۰ء) میں وفات پائی۔

شیخ موسیٰ آہنگر: پہلے شیخ شہراللہ ملتانی کے مرید تھے۔ بعد میں لاہور آکر شیخ عبدالجلیل چوہڑ بندگی سے روحانی فیض حاصل کر فرقہ خلافت پایا۔ آہنگری کا کام کرتے تھے۔ آپ کے والد کا نام سلطان عرب بن سید شمس الدین تھا۔ آپ کا شجرہ نسب امام باقر بن امام زین العابدین سے ملتا ہے۔ ۲۷ رجب ۸۴۱ھ (۱۴۳۷ء) میں نواحی ملتان میں پیدا ہوئے۔ تعلیم اور تربیت کے بعد لاہور میں ارشاد و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۸ صفر ۹۶۲ھ (۱۵۵۴ء) میں فوت ہوئے۔ آپ کی مزار لاہور میں قلعہ گوجر سنگھ سے متصل ہے۔ آپ کے خلفاء کے نام یہ ہیں: میر ہاشم شاہ بخاری، حاجی اسحاق سندھی، شیخ موہری، مخدوم علم الدین بن عبدالسلام کھوکھر، شاہ نور، شاہ رزاق اللہ بنیانی وغیرہ۔

پیر عمر سہروردی: سندھ کے باشندے تھے۔ ملتان جاکر حضرت غوث العالم حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے مرید ہوئے۔ اور ہمیشہ کے لئے ان کی صحبت میں رہے۔ حضرت غوث العالم کی وفات کے بعد حضرت صدر الدین عارف کی خدمت میں رہے۔ وہیں وفات پائی اور مدفون ہوئے۔

بانگا بلال: حضرت غوث العالم کی مسجد کے موذن تھے۔ رنگ کے سانولے تھے، اس لئے حضرت آپ کو شفقت سے بانگا بلال کہہ کر پکارتے تھے۔ حضرت غوث العالم کے خلفاء اور مرید آپ کا احترام کرتے تھے۔ حضرت صدر الدین عارف کے زمانہ میں آپ کا انتقال ہوا۔ جس حجرہ میں رہتے تھے۔ محلّہ والوں کی خواہش پر اسی حجرہ میں آپ دفن کیا گیا۔ یہ محلّہ آپ کے نام سے مشہور ہے۔

منگ شاہد شہید: حضرت غوث العالم کے حاضرباش خادم تھے۔ حضرت غوث العالم آپ کو بمثل اولاد عزیز رکھتے تھے اور ان پر اعتماد کرتے تھے۔ حضرت صدرالدین عارف کا بھی معتمد علیہ رہا۔ ان کے زمانہ میں فوت ہوئے۔

شیخ اسماعیل قریشی عمرپوری: ذات کے قریشی صدیقی تھے۔ موضع حجرہ (سندھ) میں پیدا ہوئے۔ دس برس کی عمر میں حضرت غوث العالم کے مرید ہوئے۔ بیس سال کی عمر میں

حضرت غوث العالم نے آپ کو شمنی (مقام اتصال دریائے چناب و ستلج) کے جنگل میں چلہ کشی کے لئے بھیجا۔ اس کے بعد آپ کو اقوام درگھ "اور ڈھول" کی اصلاح کے لئے متعین فرمایا۔ آپ بے شمار لوگوں کو راہ راست پر لے آئے۔ اسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ مقبرہ "عمرپور" میں ہے۔

شیخ کبیر الدین: حضرت فخرالدین عراقی کے فرزند تھے۔ حضرت غوث العالم کی نگرانی میں تعلیم و تربیت حاصل کی اور انہی سے روحانی فیض حاصل کیا۔ اپنے والد بزرگوار کی آخری عمر میں ملتان سے جا کر دمشق میں ان سے ملے۔ والد کی وفات کے بعد وہیں ۷۳۶ ھ (۱۳۳۵ء) میں وفات پائی اور والد کی مزار کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند شیخ ابراہیم (وفات ۷۷۲ ھ - ۱۳۷۰ء، مدفن جنت البقیع) سجادہ نشین ہوئے۔ جو والد کے ساتھ ملتان سے دمشق گئے تھے۔

پیر پٹھو: آپ کا اصل نام حسین، لقب شاہ عالم اور کنیت ابوالخیر تھی۔ لیکن "پیر پٹھو" یا "شیخ پٹھو" مشہور ہوئے۔ آپ کے والد کا نام "راجپار" ذات کا "پلان"۔ ٹھٹہ کے قریب پہاڑی کی ایک غار میں ہمیشہ عبادت اور ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت قلندر شہباز اور غوث بہاؤ الدین زکریا ملتانی سیر و سیاحت کرتے ہوئے آکر آپ سے ملے۔ اس ملاقات دوران "پیر پٹھو" حضرت زکریا کے مرید ہوئے۔ کئی لوگوں نے "حضرت پیر پٹھو" سے روحانی فیض حاصل کیا۔ ان میں سے ایک بزرگ شاہ جمیل گرناری "سید عبدالهادی بن سید عبدالعطس) بھی ہیں۔ جن کی مزار حضرت پیر پٹھو کے مقبرہ کے قریب ہے۔ پیر پٹھو نے سنہ ۶۶۶ ھ (۱۲۴۸ء) میں وفات کی۔ آپ کا مقبرہ اسی جگہ پر ہے جہاں بیٹھ کر عبادت کرتے تھے۔

دہلی کے سلطان محمد تغلق نے سندھ پر حملہ کیا، لیکن کامیاب نہیں ہوئے اور ٹھٹہ کے قریب فوت ہوگئے۔ اس کے بعد فیروز تغلق نے سنہ ۱۳۷۱ء میں سندھ پر حملہ کیا۔ اس کو بھی کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ آخر حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے حاکم سندھ جام بانبینہ اور سلطان فیروز تغلق کے درمیان مصالحت کرا دی۔ ٹھٹہ کے باشندوں نے اس کو حضرت پیر پٹھو کی برکت سمجھی اور ان میں مندرجہ ذیل فقرہ مشہور ہوگیا:

" برکت پیر پٹھو، ہک موئو بیو ٹھٹو" (پیر پٹھو کی برکت سے ایک مرگیا اور ایک واپس

گیا)

شیخ ریحان جھنگی: حضرت غوث بہاؤ الحق زکریا کے مرید تھے۔ ان کے فرزند "دودہ" کی شہادت کے بعد حضرت قلندر شہباز عذر خواہی کے لئے آپ کے پاس آئے تھے۔ "رکن پور" میں موفون ہیں۔

پیر پتھورو: سندھ کے "مینگھواڑ" قوم کے فرد تھے۔ حضرت غوث بہاؤ الحق زکریا کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور ان سے روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ کے والد کا نام "مانڈن" تھا اور قوم کے "بھان" تھے۔ آپ کے آستان کو "ماڑی" کہا جاتا ہے، جو تحصیل سامارو، ضلع تھرپارکر میں "اکڑی" ریلوے اسٹیشن سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ آپ کے والد بھی اسی جگہ پر رہتے تھے اور بھینسیں پالتے تھے۔ "پیر پتھورو" نے شادی نہیں کی۔ اس کے بھائی "پونیرو" کی اولاد اب تحصیل "چھاچھرو" ضلع تھرپارکر میں رہتی ہے اور خود کو "پتھورو پوترہ" کہلاتی ہے۔ "ہندوؤں کے مہینے "بڈہ" میں چاند رات کو "پیر پتھورو" کے آستان دماڑی پر میلہ لگتا ہے، جس میں مینگھواڑ قوم کے لوگ بہت بڑے تعداد میں دور دورے آکر شریک ہوتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں سندھ کے علاوہ مارواڑ سے بھی بڑے مقدار میں لوگ آکر میلہ میں شریک ہوتے تھے۔ "مینگھواڑ" ہندو مذہب کے ہیں اور پیر پتھورو کو گرو مانتے نہیں۔ اس میلہ میں مسلمان بھی شریک ہوے ہیں۔

قدیم زمانہ میں بزرگوں کو معلوم تھا کہ پیر پتھورو مسلمان تھا اور حضرت غوث بہاؤالحق زکریا ملتانی کا مرید تھا۔ اس حقیقت کو واضح کرنے کیلئے حضرت سلطان الاولیا خواجہ محمد زمان لواری والے کے خلیفہ اور بہت بڑے عالم، فاضل اور مجاہد حضرت مخدوم عبدالرحیم گرہوڑی نے عملی قدم اٹھائے آپ نے پیر پتھورو کے آستان میں مسجد تعمیر کروائی اور پیر پتھوری کی ہندو طرز ئی بنی ہوئی ڈیوری منہدم کروا کر مقبرہ تعمیر کروایا۔ اس کے ساتھ یہ انتظام بھی کیا کہ میلہ کے موقع پر آپ نے اپنے ایک مرید کو اس کام پر مقرر کیا کہ وہ مسجد میں اذان دیتے تھے اور اعلان کرتے تھے کہ "پیر پتھورو" مسلمان تھے۔

مخدوم جمار: حضرت غوث بہاؤ الحق زکریا ملتانی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ کا مقبرہ "رانی پور" (ضلع خیر پور سندھ) کے جنوب میں ایک میل کے فاصلہ پر شاہراہ پر واقع ہے۔ مقبرہ کے قریب "گذیجی" نامی گاؤں ہے۔

شیخ اسمٰعیل سڑبنی: شیخ بیٹن بٹنی کے فرزند تھے، جو اہل دل بزرگ تھے اور "لودی" کے لقب سے مشہور تھے۔ ان کی پرورش ان کے چچا سڑبن کے زیر سایہ ہوئی، اس لئے وہ "سڑبنی" کہلائے۔ دور دراز کے سفر کرکے اپنے وقت کے اولیاء اور مشائخ سے فیض حاصل کیا۔ حضرت غوث بہاؤالدین زکریا سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ کوہ سلیمان کے رہنے والے تھے۔ سیر و سیاحت کے بعد وہ وطن میں آکر مستقل سکونت اختیار کی اور "خواجہ خضر" کے قصبہ کو اپنا مسکن بنایا اور "روہستان" میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ بہت جلد دور دراز علاقوں میں آپ کے علم و عرفان کی شہرت ہوگئی۔ کئی لوگ آپ کی خدمت میں آکر مستفیض ہونے لگے۔ آپ چھٹی صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ آپ کا مزار کوہ سلیمان کے اوپر مرجع خلائق ہے اور لوگ اس مقام کو "مرادوں والی وادی" کہتے ہیں۔ پشتو زبان میں آپ کے کچھ اشعار بھی ملتے ہیں، نمونہ ملاحظہ ہو:

شیطان سے بھاگنا چاہئے
جب وہ کسی کو نظر آجائے،
تو وہاں سے نور رخصت ہو جاتا ہے،
آدمی شیطان سے بھی بدتر ہو جاتا ہے،
اور وہ کند چھری سے زخمی ہو جاتا ہے،
جس نے شیطان کی نہ مانی،
وہ شخص زیارت کے قابل ہے،
جو کوئی ابلیس کے دھوکے میں آگیا
اس کے گھر میں صف ماتم بچھ جاتی ہے

حیدر زرکنی: علاقہ سمرقند کے رہنے والے تھے اور اپنے وقت کے صاحب دل ولی تھے۔ "شادان" ندی کے کنارہ پر ان کے گھر تھا۔ حضرت بہاؤالدین زکریاملتانی سے فیض حاصل کرکے اپنے علاقہ میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔

شیخ احمد ولد موسیٰ: یہ بزرگ بھی حضرت غوثؒ کے مرید اور خلیفہ تھے اور کوہ سلیمان کے رہنے والے تھے۔ جب انہوں نے سنا کہ شیخ اسماعیل نے خواجہ خضر کے مقام پر خانقاہ بنائی ہے، تو ان سے ملنے آئے۔ اس کے بعد ان کی آپس میں محبت، یگانگت رہی۔ ان کا

مزار بھی کوہ سلیمان کے اوپر ہے۔ ان کے تین فرزند ہوئے: بدو، محمود، سلیمان۔ حضرت زکریا کے فرزند شیخ صدرالدین نے شیخ سلیمان کو اپنے والد کی گدی پر بٹھایا اور سلیمان دانا کا خطاب مرحمت فرمایا۔

شیخ سلیمان دانا: حضرت صدر الدین عارف کی رہنمائی میں بزرگی اور کمال کے مرتبہ کو پہنچے۔ ایک دن آپ کے پیر نے آپ کو فرمایا کہ بادشاہ علاؤ الدین خلجی نے چتوڑ کا محاصرہ کر رکھا ہے، لیکن قلعہ فتح نہیں ہو رہا ہے۔ اس کی فتح اس وقت ہوگی، جس وقت تم وہاں پہنچوگے۔ چنانچہ مرشد کے حکم کے مطابق چتوڑ روانہ ہوگئے۔ چتوڑ پہنچے، تو قلعہ بھی فتح ہوگیا۔ لاشوں کے درمیان ان کو ایک لڑکی ملی، جس کو مسلمان کرکے اس کے ساتھ شادی کی۔ چند روز کے بعد اس کو ساتھ لے کر وطن واپس آئے۔ آپ کو دو فرزند اور ایک بیٹی ہوئی۔ فرزندوں کے نام تھے:

شیخ محمود اور ملی۔ ان میں شیخ حاجی محمود سجادہ نشیں ہوئے۔

شیخ ملی قتال: طلب علم اور کسب فیض کے لئے سیر و سفر کرتے سیوھن (سندھ) پہنچے۔ حضرت قلندر شہباز کی درگاہ میں رہ کر ریاضت و عبادت میں ہمہ تن مصروف رہنے لگے۔ جلد ہی مرتبہ کمال کو پہنچے۔ وطن واپس آکر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ بے شمار لوگ آپ سے مستفیض ہوئے۔ "قتال" کے لقب سے مشہور تھے۔ اسی لقب کے متعلق دو وجوہات بیان کی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ تحفہ اور ہدیہ کے طور پر جو کچھ ان کے پاس آتا تھا، اسے فوراً فقراء اور درویشوں میں خرچ کر دیتے تھے۔ دوسرے یہ کہ کوئی بے ادبی کی بات یا گستاخی کا کلمہ کہتا، تو وہ اسی روز بلکہ اسی گھڑی کسی نہ کسی آفت و بلا کا شکار ہو جاتا۔

ان کے دو فرزند ہوئے: شیخ علی اور شیخ بایزید دونوں اہل دل بزرگ تھے شیخ علی کو "شیخ علی شہباز" اور شیخ بایزید کو بایزید دریا کہتے تھے۔

شیخ محمود حاجی: شیخ ملی قتال کے بھائی اور اپنے والد شیخ سلیمان دانا کے سجادہ نشین تھے۔ اکثر جذب مستی کی کیفیت میں رہتے تھے۔ جب ہوش میں آتے، تو رشد و ہدایت کی راہ پر گامزن ہوتے۔ کئی لوگوں کو فیض پہنچایا۔ ان کو دو بیٹے ہوئے۔ شیخ محمد حاجی اور شیخ برمزید سربنی۔ دونوں اہل دل بزرگ تھے۔

مخدوم ابوسعید: سندھ کے عظیم صوفی شاعر حضرت سچل سرمست کے جد اعلیٰ تھے۔ اس

خاندان کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروق سے جا ملتا ہے۔ اس خاندان کا جد امجد شہاب الدین اول بن عبدالعزیز سنہ ۹۳ھ (۷۱۱ء) میں فاتح سندھ محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ میں آئے۔ محمد بن قاسم نے آپ کو سیوھن کا حاکم مقرر کیا۔ آپ کی وفات ۹ محرم سنہ ۹۵ (۷۱۳ء) کو ہوئی۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے پوتے شیخ محمد فاروق سیوھن کے حاکم ہوئے۔ ان کی وفات ۱۴ ذوالقعد سنہ ۱۲۴ھ (۷۴۱ء) کو ہوئی۔ ان کے بعد ان کے فرزند عبداللطیف سیوھن کے حاکم ہوئے۔ جنہوں نے ۳ - جمادی الثانی ۱۹۳ھ (۸۰۹ء) میں وفات پائی۔ اس طرح اس خاندان کے فرد سیوھن کے حاکم ہوتے رہے۔ محمود غزنوی نے جب سندھ پر حملہ کیا تو اس نے اس وقت کے سیوھن کے حاکم محمد فاروق کو برطرف کیا اور اس خاندان کے لئے سالیانہ پنشن مقرر کی۔

کچھ عرصہ بعد اس خاندان کے کچھ افراد نقل مکانی کرکے "خدا آباد" (ضلع دادو سندھ) کے قریب اپنا الگ گاؤں نورجن آباد کرکے اس میں رہنے لگے۔ وہاں کے رہنے والے فاروقی خاندان کے فرد محمد فاروق سیوھانی کے خاندان سے مخدوم نورالدین بن وحیدالدین کو چار فرزند ہوئے: مخدوم ابوسعید، مخدوم بدرالدین، مخدوم رکن الدین اور ضیاالدین۔ ان میں سے دو بھائی مخدوم ابوسعید اور بدرالدین حضرت غوث بہاؤالحق زکریا ملتانی کے خلیفہ شاہ جمار کے مرید ہوئے۔ اپنے پیر کا قرب اور صحبت حاصل کرنے کے لئے سیوھن اور "نورجن" کی سکونت ترک کرکے "گاگڑی گاگن" پرگنہ (موجودہ تحصیل گمبٹ، ضلع خیرپور میرس) میں آکر رہے۔ مرشد سے فیض حاصل کرنے کے بعد ان دونوں بھائیوں نے بڑی ریاضتیں اور مجاہدے کئے۔ وہ جنگلوں میں رہتے تھے اور جنگل کے پھلوں پر گزارہ کرتے تھے، جس کو سندھ میں "ڈتھ" کہا جاتا ہے۔ حضرت غوث بہاؤالحق زکریا ملتانی جب سندھ میں آئے تو یہ دونوں بھائی بھی جاکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت زکریا نے جب ان کی حالت دیکھی تو ان کو ڈوتھیڑا (ڈتھ پر گذارہ کرنے والے) کا لقب دیا۔

مخدوم ابوسعید کا مقبرہ "رانی پور" کے قریب "موسیٰ" میں ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد مخدوم ابوسعید کے خاندان کے لوگ "موسیٰ" سے نقل مکانی کرکے رانی پور میں آکر رہنے لگے۔ اس خاندان میں سے مخدوم قاضی محمد شریف بہت بڑے عالم، محدث، شاعر اور اہل اللہ گزرے ہیں۔ اس فاروقی خاندان کو حکومت میں بھی بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا۔ اس

خاندان کے ایک بزرگ میاں احمد کو حکومت کی طرف سے گمبٹ اور رانی پور کے درمیان ایک جاگیر ملی، جس میں بعد میں "درازا" نامی گاؤں آباد ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد فاروقی خاندان کے لوگ درازا گاؤں میں منتقل ہوگئے۔ اب اسی گاؤں میں اس خاندان کی درگاہ اور حضرت سچل سرمست کا مقبرہ ہے۔ درازا، رانی پور سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔

کلہوڑہ دور حکومت میں حضرت سچل سرمست کے دادا خواجہ محمد حافظ عرف میاں صاحبڈنو بہت بڑے بزرگ ہو گزرے ہیں۔ اس زمانہ میں عبید اللہ گیلانی اپنے بھائیوں شاہ کلیم اللہ اور شاہ عبدالمالک کے ساتھ اجمیر شریف جاتے ہوئے سندھ سے گزرے۔ حضرت خواجہ محمد حافظ کی آپ سے ملاقات ہوئی تو ان سے اتنا متاثر ہوئے کہ ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس طرح اس خاندان میں خواجہ محمد حافظ سے سہروردی سلسلہ کے بجائے قادری سلسلہ جاری ہوا۔ اس کے بعد اس خاندان کا سلسلہ قادری رہا ہے۔ حضرت سچل سرمست کا سلسلہ بھی قادری تھا۔

فصل چہارم

صدر الدین عارف

صدرالدین عارف : شیخ الاسلام حضرت غوث بہاؤالحق زکریا ملتانی کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ سنہ ۶۲۱ھ (۱۲۲۴ء) میں ملتان میں تولد ہوئے۔ ظاہری اور باطنی تعلیم کی تکمیل اور تربیت آپ نے اپنے والد بزرگوار سے کی۔ جمالی دہلوی نے اپنی کتاب سیرالعارفین میں لکھا ہے کہ آپ کو عارف اس لئے کہتے تھے کہ جب کلام اللہ پڑھتے تھے تو اس پر بہت غور و فکر فرماتے تھے اور جس وقت بھی قرآن کریم کی تلاوت کرتے تو ان پر دوسرے معانی و مطالب ظاہر ہوتے۔ اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد جب آپ سجادہ نشین ہوئے تو دنیوی سامان میں سے اپنے پاس کچھ نہیں رکھا۔

سیر العارفین میں مذکورہ ہے کہ حضرت غوث بہاؤالحق زکریاں کی وفات کے بعد جو اسباب و نقد متروکہ تھا۔ وہ ان کے فرزندوں میں تقسیم ہوا۔ حضرت صدرالدین عارف کو دوسرے اسباب اور سامان کے علاوہ سات لاکھ تنکے ورثہ میں ملے۔ انہوں نے اسی دن تمام سامان درویشوں میں تقسیم کردیا۔ ایک درم یا دینار بھی اپنے پاس نہیں رکھا۔ یہاں تک ان درویشوں میں سے ایک درویش نے ان سے عرض کیا کہ آپ کے پدر بزرگوار کے خزانہ میں اتنا سامان اور نقد تھا' لیکن وہ آہستہ آہستہ خرچ کرتے تھے آپ نے کیوں یکبارگی ختم کردیا اور ترک و تجرید کو اختیار کیا حضرت شیخ صدر الدینؒ نے جواب دیا کہ میرے والد ہمیشہ دنیا پر غالب رہے اور اس کو مغلوب کرکے خرچ کرتے تھے میں اگرچہ دنیا پر بیشتر غالب ہی ہوں ۔ لیکن کبھی میں اس کو مساوی بھی پاتا ہوں۔ یعنی مجبوراً اس مردم آزار شے کو اپنے سے دور کردیا اور اس کو دور کرکے اپنے دل کو مطمئن کردیا۔ا۔

ا۔ سیر العارفین : حامد بن فضل اللہ جمالی اردو ترجمہ : محمد ایوب قادری' مرکزی اردو بورڈ لاہور سال

۱۹۷۶ء ص ۱۸۰ (۲) ایضاً' ص ۱۸۱

فیاضی اور جود و سخا کے باوجود ان کے یہاں دولت کی فراوانی رہتی تھی اور آپ کے یہاں علماء' فقراء کی بڑی تعداد موجود رہتی تھی۔ آپ کا دسترخوان کشادہ تھا اور ہر ایک کو پرتکلف طعام کھلائے جاتے تھے۔ آپ روز درس بھی دیا کرتے تھے اور روحانی تربیت بھی فرماتے تھے۔ آپ کے خوارق و کرامات کی بہت سی حکایتیں مشہور ہیں۔ آپ کی صحبت اور تربیت سے بہت سے بزرگان دین اولیائے کرام اور اہل دل اور اہل کمال پیدا ہوئے' جو اسلامی دنیا کے مختلف مقامات میں پھیل گئے اور مخلوق خدا کو ظاہری اور باطنی اخلاق کو آراستہ کرنے میں مشغول رہے۔ ان کا ذکر بعد میں آئے گا۔

حضرت صدر الدین عارف کا وصال ۳۔ ذوالحج کو ظہر و عصر کے درمیان ہوا' آپ کے سال وصال میں اختلاف ہے۔ تاریخ فرشتہ میں سنہ وفات ۶۷۷ھ آیا ہے۔ سفینۃ الاولیا' مراۃ الاسرار اور خزینۃ الاصفیا کے مطابق ۶۸۴ھ ہے۔ مولانا نوراحمد خان فریدی نے لکھا ہے کہ جامع السلاسل کے مولف نے "صدر الدین عارف" کے مادہ سے آپ کی تاریخ وفات نکالی ہے جو ۷۰۹ھ ہے۔ (۱) آپ کا مزار مبارک ملتان میں آپ کے والد بزرگوار حضرت غوث العالمؒ کے پہلو میں رہے۔

تعلیمات : آپ نے ایک علمی یادگار "کنوز الفوائد" بھی چھوڑی ہے' جو ان کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ یہ ملفوظات آپ کے ایک مرید خواجہ ضیاء الدین نے مرتب کیا ۔ اخبار الاخیار میں اس کے طویل اقتباسات ملتے ہیں۔ ان میں سے بعض ملفوظات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں :

حدیث قدسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا الہ الا اللہ **حصنی فمن دخلہ امن عذابی**' یعنی اللہ تعالٰی سے ارشاد ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ میرا حصن (قلعہ) ہے' جو کوئی اس میں داخل ہوا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہوگیا۔ اس قلعہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ قلعہ کی تین قسمیں ہیں۔ ظاہر' باطن اور حقیقت۔ ظاہر یہ ہے کہ خدا کا خوف اور نفع کی امید کے سوائے خدا کے لئے سب کچھ ترک کردے ۔ اگر تمام عالم اس کا دشمن ہوجائے یا دوست بن جائے تو خدا تعالٰی کے حکم کے بغیر اس کو کوئی نفع و ضرر اور خیر و شر نہیں پہنچ سکتا۔ باطن یہ ہے کہ تحقیق جان لے کہ جو کچھ موت سے پہلے اس سرائے فانی

میں پیش آتا ہے۔ ہمیشہ رہنے والا نہیں ہے اور اس پر قدم عدم چل چکا ہے۔ یعنی دنیا کی کسی چیز کو ثبات نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دل میں نہ بہشت کی آرزو ہو اور نہ دوزخ کا خوف' یعنی صرف اللہ ہی اللہ ہو۔ دل میں جب یہ سچائی راسخ ہو جائے گی تو بہشت خود بخود پیچھے چلی آتی ہے اور دوزخ دور بھاگ جاتی ہے۔

ایک مرتبہ مریدوں کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی شرط یہ ہے کہ جس پر ایمان لائے' اس پر ایمان لا کر بندۂ ثابت قدم رہے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک بے شک و شبہ دل سے معتقد نہ ہو۔ رضا و رغبت اور محبت و معرفت کے ساتھ دل میں یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا اور اپنی صفات میں یگانہ ہے۔ وہ ہمیشہ صفات کمال سے موصوف ہے' تمام اسماء و صفات و افعال کے ساتھ قدیم ہے۔ اوہام و افہام کے ادراک سے بالاتر ہے' حدوث و عوارض و اجسام کے علامتوں سے پاک ہے۔ تمام عالم اس کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اس کی ذات و صفات میں چوں چرا کرنا درست نہیں۔ نہ وہ کسی چیز سے مشابہ ہے اور نہ کوئی چیز اس سے مشابہت رکھتی ہے۔ تمام پیغمبر اسی کے بھیجے ہوئے ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں میں افضل ہیں اور جو کچھ آپ نے فرمایا ہے صحیح اور درست ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں' خواہ یہ باتیں عقل میں آئیں یا نہ آئیں۔ اگر نہ آئیں تو بھی ان کو تسلیم کرنا چاہئے تاکہ اعتقاد درست رہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے حکم کو جانا اور چاہا اور اس کی کیفیت معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اگر اللہ تعالیٰ کی حکم کے تاویل آیات اور احادیث کے مطابق ہو تو تاویل کرنا جائز ہے۔ ایمان کی علامت یہ ہے کہ اگر بندہ نیک کام کرے تو اس کو دل میں خوشی محسوس ہو اگر برائی سرزد ہو تو اس کو برا محسوس ہو۔ بندہ کے ایمان کی علامت یہ ہے کہ علم کے بجائے ذوق و حال کے بنا پر اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب رکھے۔

حضرت صدر الدین عارف کے خلفاء

شیخ جمال الدین خنداں رو: نامور عالم' محدث اور اہل دل بزرگ تھے۔ مشہور صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ ان

کے والد بزرگوار حضرت شیخ رضی الدین عثمان صاحب کمال بزرگ تھے اور "اوچ" کے رہنے والے تھے۔ اوچ میں حضرت جمال خنداں رو کے جدامجد حضرت حاجی رجب غزنی غالباً شہاب الدین غوری کی معیت میں آئے اور سکونت پذیر ہوئے۔ وہ سید احمد کبیر رفاعی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ان کا انتقال پٹن (نہروالہ۔ گجرات) میں ہوا۔

حضرت جمال اوچ میں اپنے مدرسے میں درس دیتے تھے۔ طریقت میں حضرت صدرالدین عارف کے مرید تھے۔ سنہ ۷۲۵ ھ (۱۳۲۵ء) میں وفات پائی۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے آپ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ آپ کی علمی شہرت نہ صرف برصغیر پاک و ہند تک محدود تھی' بلکہ باہر کی دنیائے اسلام میں بھی مشہور و معروف تھے۔ آپ اتباع سنت کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ ہمیشہ موٹا کپڑا پہنتے تھے۔ غیاث الدین تغلق آپ کا مرید تھا۔ آپ کے دوسرے مرید شیخ فہیم الدین سے "جمالی سلسلہ" چلا۔ آپ کو شیخ رضی الدین گنج' علم نامی فرزند ہوا جو بڑے پائے کے بزرگ ہو گزرے ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد انہوں نے مدرسہ کا نظام سنبھالا۔ بڑی عمر پا کر سنہ ۷۷۰ ھ (۱۳۶۸ء) میں فوت ہوئے۔

شاہ جمال لاہوری: آپ کا سلسلہ طریقت حضرت جمال خنداں رو کے خلیفہ شیخ فہیم الدین سے ملتا ہے۔ شجرہ طریقت اس طرح ہے۔

"شاہ جمال لاہوری' مرید شیخ لکڑا بیگ کے اور وہ مرید شاہ شرف کے' وہ مرید شاہ معروف کے' وہ مرید جعفرالدین کے' وہ مرید فہیم الدین کے' وہ مرید شیخ جمال کے۔"

حضرت شاہ جمال حسینی سید تھے اور لاہور میں سکونت پذیر تھے۔ آپ کی خانقاہ لاہور میں تھی اور وہیں ۱۴ ربیع الاول ۱۰۵۰ ھ (۱۶۴۰ء) میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار "اچھرہ" سے متصل ہے جس کو شاہ جمال کا دمدمہ کہتے ہیں۔

مولانا کمال کاشمیری آپ کے بھائی تھے' جو بہت بڑے عالم ہو گزرے ہیں' جن سے حضرت مجد الف ثانی' مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی اور نواب سعداللہ خان (وزیر اعظم شاہجہان) چنیوٹی نے تعلیم حاصل کی۔ شاہ کمال کا مقبرہ اچھرہ کے قریب بستی "راواں" میں واقع ہے۔

حضرت شاہ جمال بڑے فیاض بزرگ تھے۔ کئی لوگ روحانی فیض حاصل کرنے کے لئے آپ کے پاس آتے تھے۔ ہندوؤں کی بھی آپ سے بڑی عقیدت تھی۔ آپ کے ایک ہندو معتقد "ورد مل" کا ایک لڑکا آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو کر آپ کے فیض صحبت سے درجہ

کمال کو پہنچا۔ آپ کے خلفاء میں شیخ حسن گنبدا گر (وفات ۱۰۱۲ھ۔ ۱۶۰۳ء) کا نام ملتا ہے۔ جن کا مزار لاہور میں ہے۔

مولانا علاؤ الدین خجندی: خجند کے باشندے تھے' عالم' فاضل اور اہل دل بزرگ تھے۔ حضرت صدر الدین عارف کے مرید تھے اور تقریباً چودہ سال ان کی خدمت میں رہے اور مقام قرب پر فائز ہوئے۔ حضرت عارف آپ کو محبوب اللہ کہتے تھے۔

شیخ حسام الدین ملتانی: معروف بہ جمال ملتانی۔ حضرت صدر الدین عارف کے مرید اور خلیفہ تھے۔ سنہ ۶۸۷ ھ (۱۲۸۸ء) میں فوت ہوئے۔ بداؤں میں موفون ہیں۔

شیخ فضل بن محمد ملتانی: حضرت صدر الدین عارف کے فرزند تھے' عالم' فاضل اور اہل دل بزرگ تھے۔ اپنے والد بزرگوار سے روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ سے شیخ شمس الدین مصری محدث نے اکتساب فیض کیا۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانہ میں ہوگذرے ہیں۔

شیخ احمد معشوق الٰہی: قندھار کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد کی قندھار میں سوداگری کی دکان تھی۔ جب جوان ہوئے تو والد نے کہا کہ رقم لے لو اور کسی شہر میں جا کر علیحدہ دوکان کھولو۔ چنانچہ یہ قندھار سے نکل کر ملتان آئے اور تجارت کی دوکان کھولی۔ ایک روز وہاں سے حضرت صدرالدین عارف کا گزر ہوا اور آپ کی نظر شیخ احمد پر پڑی۔ خانقاہ میں پہنچنے کے بعد شیخ احمد کو اپنے پاس بلایا اور اپنا پس ماندہ شربت اس کو پلایا۔ شربت پیتے ہی اس کی طبیعت بدل گئی اور صدق دل سے مرید ہوا۔ دوکان کو ختم کرکے رقم فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دی۔ سات برس تک حضرت صدر الدین عارف کی صحبت اور خدمت میں رہے۔ حضرت نے آپ کو معشوق الٰہی کے خطاب سے نوازا۔ جذب و کیف کی حالت میں رہتے تھے۔ سنہ ۷۲۳ ھ (۱۳۲۲ء) میں فوت ہوئے اور ملتان میں موفون ہوئے۔

فصل پنجم

حضرت رکن الدین ابو الفتح

حضرت رکن الدین ابوالفتح عظیم المرتبت پیر طریقت تھے۔ ظاہری اورر باطنی علوم میں کامل دستگاہ رکھتے تھے اور کشف و کرامات میں مشہور و معروف تھے۔ حضرت صدر الدین عارف کے فرزند اور حضرت غوث بہاؤالحق زکریا ملتانی کے پوتے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام بی بی راستی تھا' جو زہد و تقویٰ کی وجہ سے اپنے وقت کی رابعہ بصری کہلاتی تھیں۔ انہوں نے اپنے خسر حضرت غوث بہاؤ الدین زکریا سے روحانی و باطنی تعلیم و تربیت حاصل کی تھی۔ قرآن حکیم کی تلاوت سے انہیں خاص شغف تھا اور روزانہ کلام مجید ختم کرتی تھیں۔

حضرت رکن عالم ۹ رمضان المبارک ۶۴۹ ھ (۱۲۵۱ء) کو جمعہ کے روز تولد ہوئے۔ بچپن میں آپ "شاہ جلولہ" کے نام سے موسوم تھے۔ ظاہری تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی اور آپ کی روحانی تربیت اور پرورش حضرت غوث کی نگرانی میں ہوئی۔ والد اور دادا دونوں آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے اور حضرت رکن عالم دونوں کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ نہ ان کی آنکھوں سے آنکھیں ملاتے تھے اور نہ ان کے سامنے بلند آواز سے بولتے تھے۔ بچپن میں ان کے اس ادب سے متاثر ہو کر حضرت خواجہ شمس الدین تبریزیؒ کو "رکن الدین عالم" کا لقب عطا فرمایا۔ بعد میں "رکن عالم" کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان بزرگوار کی تربیت اور صحبت کا نتیجہ تھا کہ آپ بہت سی خوبیوں سے آراستہ تھے۔ علم' حلم' تواضع' شفقت' موافقت' مروت' بشاشت' عفو' حیا' وقار' حسن ظن اور تسخیر نفس جملہ صفات ان میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ آپ نے ریاضت' مجاہدہ' مکاشفہ اور محاسبہ سے بہت سے روحانی مدارج طے کر لئے تھے۔ اس لئے آپ کو بہت سے القاب سے یاد کیا جاتا تھا' مثلاً منبع جود نامتناہی' ادریس خلوت وحدت' برجیس برج معرفت' گوہر معدن' زبدۃ المشائخ'

مفتاح فضل حق الیقین۔ آپ کے مرید خاص اور خلیفہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے اپنی ملفوظات میں فرمایا ہے کہ حضرت رکن عالم اپنے روحانی کمال کو پہنچنے کے بعد بھی تہجد کے وقت سے دوپہر تک ریاضت اور عبادت میں مشغول رہتے تھے۔

صاحب انوار غوثیہ نے لکھا ہے کہ آپ سات برس کی عمر میں صوم و صلوٰۃ کے باقاعدہ پابند تھے اور ہمیشہ باجماعت نماز ادا کیا کرتے تھے۔ فرضی نمازوں کے علاوہ تہجد' اشراق اور دوسری عبادات بھی روزانہ پابندی سے ادا کرتے تھے۔ رمضان المبارک کے علاوہ دوسرے مہینوں میں بھی روزے رکھا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ اکثر وقت ذکر خفی و جلی و مراقبہ و محاسبہ میں گزارتے تھے۔ دس برس کی عمر میں کشف قلوب' کشف قبور و طے ارض و طے لسان میں فائق ہوئے۔ پچیس برس کی عمر سے کمالات صوری و معنوی سے آراستہ تھے۔ مجلس میں جس کے دل میں کوئی بات آتی تھی تو آپ کو اس کا کشف ہو جاتا تھا اور اس کی دل جوئی کرتے تھے۔

چھتیس سال کی عمر میں مسند نشین ہوئے۔ لوگ جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیضیاب ہوتے رہے۔ جو آدمی بھی آپ کے پاس آتا اور اس کا جو مدعا ہوتا اس کو پورا کرتے۔ چنانچہ مخلوق خدا آپ کو قبلہ حاجات کہا کرتی تھی۔ آپ مشائخ سے بھی ملتے تھے اور سلاطین سے بھی۔ سلاطین اور حکومت کے کارندے آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔ سلطان علاؤ الدین خلجی کے زمانے میں ایک مرتبہ دہلی تشریف لائے۔ تو سلطان نے دہلی سے باہر آکر آپ کا استقبال کیا اور بڑی عزت و احترام کے ساتھ دہلی لائے دو لاکھ ٹنکے نذرانہ پیش کئے۔ جب رخصت ہوئے تو پانچ لاکھ ٹنکے نذر کئے۔ آپ نے دہلی سے واپس جاتے وقت تمام رقم فقراء اور مساکین میں تقسیم کردی۔ سلطان وقت کے عزت اور احترام کے باوجود فرماتے تھے کہ میں حضرت نظام الدین اولیاء کی وجہ سے دہلی آتا ہوں۔ حضرت نظام الدین اولیاء سے آپ کو بڑی محبت اور دلی لگاؤ تھا۔ دہلی آنے کے بعد اور سلطان کے مہمان ہونے کے باوجود اکثر وقت حضرت نظام الدین اولیاء کی صحبت میں بسر کرتے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کا بہت احترام کرتے تھے۔ غائبانہ طور پر بھی ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے۔ محبت کا اظہار اس واقع سے بھی ہوتا ہے: حضرت رکن عالم نے اپنے محبوب خلیفہ شیخ وجیہہ الدین عثمان سیاح سنامی کو محبوب الٰہی کی قربت کی خاطر دہلی میں قیام کرنے کا حکم دیا۔

حضرت رکن عالم سلاطین وقت سے تعلقات رکھتے تھے۔ اس لئے کہ ان تعلقات کی وجہ سے خلق خدا کی مشکلات دور کی جاسکے اور ان کو شرعی احکام کی پابندی کرنے کی ترغیب دی جاسکے۔ آپ کا دستور تھا کہ جب سلطان قطب الدین کے پاس تشریف لے جاتے تو راستہ میں اپنی سواری رکواتے تاکہ لوگ اپنی درخواستیں سلطان سے منظور کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں پیش کریں۔ بعض لوگوں کی ضرورتیں خود زبانی بھی سنتے۔ شاہی محل میں دو دروازوں تک تخت رواں پر سوار رہتے۔ تیسرے دروازے پر سلطان آپ کی عزت اور احترام کرنے کے لئے استقبال کے لئے موجود ہوتا۔ سلطان آپ کو بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ دربار میں لے جاکر بٹھاتا اور خود ادب سے دوزانوں ہو کر سامنے بیٹھ جاتا اور حضرت کے آنے کو بڑی بات سمجھتا۔ حضرت اپنے خادم کو حکم دیتے کہ وہ لوگوں کی تمام عرضیات لائے۔ اور سلطان کے سامنے رکھ دے۔ سلطان تمام عرضیوں کو پڑھتا اور اس کی پشت پر اسی وقت حکم لکھتا اور مہر لگا دیتا۔ حضرت رکن عالم اس وقت تک واپس نہ ہوتے جب تک کہ مخلوق خدا کے تمام معاملات حل نہ ہوجاتے۔ واپسی کے وقت تمام درخواستیں اپنے ساتھ لاتے اور راستہ میں لوگ آکر آپ سے لے جاتے۔

غیاث الدین تغلق سے بھی آپ کے تعلقات خوشگوار رہے۔ غیاث الدین کے بعد محمد تغلق تخت پر بیٹھے۔ ان سے بھی حضرت رکن عالم کے تعلقات قائم رہے اور اس کے یہاں آکر مہمان رہے۔ یہ زمانہ حضرت محبوب الٰہی کے مرض الموت کا تھا۔ حضرت شیخ آپ کی عیادت کو آئے۔ حضرت محبوب الٰہی اس وقت عالم متحیر میں تھے۔ لیکن اس کے باوجود حضرت رکن عالم کی تعظیم کے لئے چارپائی سے اترنا چاہا لیکن ضعف کی وجہ سے اتر نہ سکے اور حضرت رکن عالم کو چارپائی پر بیٹھنے کو کہا۔ حضرت شیخ تعظیم کی وجہ سے چارپائی پر نہیں بیٹھے۔ اس لئے آپ کے بیٹھنے کے لئے کرسی لائی گئی۔ اس ملاقات کے بعد حضرت محبوب الٰہی اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے۔ نماز جنازہ حضرت رکن عالم نے پڑھائی اور اس سعادت پر ہمیشہ فخر کرتے رہے۔

دس سال بعد حضرت رکن عالم نے بھی وفات کی۔ روایت ہے کہ وفات سے تین ماہ قبل مخلوق کی طرف سے گوشہ نشینی اختیار کی اور نماز کے علاوہ اپنے حجرے سے باہر نہیں آتے تھے۔ ۱۶ رجب المرجب ۷۳۵ ہجری (۱۳۳۵ء) مغرب کے نماز کے وقت مقرر امام کو

اندر بلایا اور فرض نماز ادا کی۔ نماز اوابین کے بعد سجدے میں سر رکھا اور محبوب حقیقی سے جا ملے۔ ملتان میں آپ کا مقبرہ فن تعمیر کا نادر نمونہ ہے۔

آپ کو صلبی فرزند نہ تھا۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے بھائی شیخ اسماعیل کے فرزند، شیخ صدر الدین محمد آپ کے سجادہ نشین ہوئے۔

تعلیمات : صاحب اخبار الاخیار نے مجمع الاخبار سے آپ کی تعلیمات میں سے چند باتیں نقل کی ہیں۔ لکھا ہے کہ آپ نے بعض مریدوں کو مکتوبات لکھے تھے۔ جن میں آپ کے ملفوظات بھی ملتے ہیں۔ ایک مرید کو کہتے ہیں۔

"عزیز کو معلوم ہو کہ آدمی دو چیزوں سے عبارت ہے صورت اور صفت۔ حکم صرف صفت پر ہے نہ کہ صورت پر۔ **ان اللہ لا ینظر الی صور کم اواعما لکم ولا کن ینظر الی قلو بکم** (اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں یا اعمال کو نہیں دیکھتا بلکہ دلوں کو دیکھتا ہے) لیکن حکم صفت کی تحقیق صرف دار آخرت میں ظہور پذیر ہوگی۔ کیونکہ وہاں اشیاء کے حقائق ظاہر ہوتے ہیں اور یہ شکل و صورت نیست و نابود ہو جاتی ہے۔ وہاں ہر شخص کو اس صورت میں جمع کرتے ہیں جو اس کی صفت کے موافق ہو۔

تزکیہ نفس اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک بندہ حضرت عزت کی بارگاہ میں التجا و استعانت نہ کرے۔ **وما ابری النفسی لا مارۃ بالسوء الامن رحم ربی لغفور رحیم۔** (جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمت دستگیری نہ کرے۔ تزکیہ نفس حاصل نہیں ہوتا) **ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ ماز کی منکم احد ابدا** اور فضل و رحمت کے ظہور کی علامت یہ ہے کہ بندہ کی چشم بینا میں اس کے عیوب ظاہر ہو جاتے ہیں اور عظمت الٰہی کے انوار کے پرتو سے کہ جن کے سامنے تمام اسرار معدوم ہوجاتے ہیں۔ اس کا باطن منور ہوجاتا ہے یہاں تک کہ تمام دنیا اور اس کی شان و شوکت اس کی نظر میں خاک معلوم ہوتی ہے اور اہل دنیا کی اس کے دل میں کوئی قدر نہیں رہتی۔ جب تک اس کے باطن پر یہ کیفیت مستولی ہوجاتی ہے تو ناچار اس کو ارباب دنیا کے حیوانی اوصاف سے نفرت آتی ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ یہ اوصاف فرشتوں کے اوصاف میں تبدیل ہو جائیں۔ چنانچہ اس میں ظلم کے بجائے عفو اور غضب کے بجائے حلم، کبر کے بجائے تواضع، بخل کے بجائے سخاوت اور حرص کے بجائے ایثار کی خوبیاں پیدا ہوجاتی ہیں مگر یہ معاملہ عقبیٰ کے طلب کرنے والوں کے

لئے ہے۔ الہیان حق کا کام اس سے بالا تر ہے۔ تخلقوا باخلاق اللہ خاص انہیں کے لئے ہے۔ وہاں تک پہنچنے کے لئے ہر شخص کی عقل کام نہیں آتی۔

عبدیست مرمرا کہ نگریم بجز تو دوست۔ شریست مرمرا کہ نخواہم بجز تو ہیچ۔

ایک مرید کو وصیت کرتے فرماتے ہیں کہ اعمال پر متابعت یہ ہے کہ اعضاء و جوارح کی شرعی ممنوعات و مکروہات سے قولاً و فعلاً باز رکھے۔ یعنی مجلس سے بھی پرہیز لازمی ہے۔ وہ چیز جو طالب کو حق سے برگشتہ کرکے دنیا کی طرف مائل کرتی ہے اس کے اوقات کو بیہودہ ضائع کرتی ہے۔ بطالوں کی صحبت سے بھی احتراز ضروری ہے۔ جو شخص کہ طالب حق نہیں ہے۔ حقیقت میں وہ بطال ہے۔

حضرت زکریا سے لے کر حضرت رکن عالم اور اس سلسلہ کے دوسرے بزرگان دین اپنے پاس مال و دولت رکھتے تھے اور ضرورت مندوں کو وقت بوقت دیتے رہتے تھے۔ اس سلسلہ میں ایک روایت خیرالمجالس میں شیخ نصیرالدین محمود سے منقول ہے کہ جب شیخ الاسلام رکن عالم ملتان سے دہلی آئے تو قلندر اور جو القی درویش ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ قلندروں نے شیخ" سے شہرت کی درخواست کی۔ شیخ نے ان کو کچھ دیا۔ پھر جوالقی نے شیخ صاحب کو خرچ دینے کو کہا۔ انہوں نے ان کو بھی کچھ دیا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ جو شخص قوم کا پیشوا ہو اس کے پاس تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے : اول اس کے پاس مال ہو تاکہ جو لوگ اس کو طلب کریں ان کو دے سکے۔ دوم ان کے پاس علم ہو تاکہ جب علما کی صحبت میں بیٹھے تو ان کے ساتھ علم کی باتوں میں حصہ لے سکے۔ سوم حال کی ضرورت ہو تو درویشوں کے ساتھ حال میں شریک ہو۔

فصل ششم

درگاہ زکریا کے سجادہ نشین اور دوسری اولاد اور مریدین

حضرت غوث بہاؤ الحق زکریا کی درگاہ کے سجادہ نشین: حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح کو نرینہ اولاد نہیں تھی۔ آپ نے اپنے بھتیجے شیخ صدرالدین محمد کو اولاد کی طرح پرورش کی تھی۔ آپ کی وفات کی بعد شیخ صدر الدین محمد مسند پر بیٹھے۔ انہوں نے خانقاہ اور مدرسہ کے انتظام پر خاص توجہ دی اور لنگر خانہ کو بھی اسی شان سے قائم رکھا۔ فیروز تغلق کے طرف سے آپ کو شیخ الاسلام کا منصب ملا۔ اسی سلسلہ میں آپ وقتاً فوقتاً بادشاہ کے پاس بھی جاتے تھے۔ سلطان فیروز جب سندھ کی مہم سے واپس دہلی جا رہا تھا' تو ملتان سے گزرے۔ اس نے ملتان کے بزرگان دین کی زیارت کا ارادہ کیا۔ حضرت شیخ الاسلام اور دوسرے لوگوں نے ایک منزل بڑھ کر سلطان کا استقبال کیا اور شاہانہ شوکت کے ساتھ شہر میں لے گئے۔ اس طرح حضرت شیخ صدرالدین محمد نے بھی اپنے بزرگوں کی طرح خلق خدا کی فلاح و بہبود کے لئے سلطان وقت سے تعلقات قائم کر رکھے۔

حضرت شیخ صدر الدین محمد نے سنہ ۷۶۶ ہجری (۱۳۶۵ء) میں وفات پائی۔

آپ کی وفات کے بعد شیخ رکن دین بن اسمٰعیل (وفات ۸۰۱ ہجری۔ ۱۳۹۸ء) سجادہ نشین ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند شیخ عماد الدین مسند پر رونق افروز ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند شیخ صدرالدین محمد ثالث سجادہ نشین ہوئے۔

شیخ صدرالدین محمد ثالث حلیم لاولد فوت ہوئے۔ اس لئے ان کی وفات کے بعد ان کے چھوٹے بھائی شیخ محمد یوسف صاحب سجادہ ہوئے۔ اس زمانے میں دہلی حکومت بہت کمزور ہوگئی تھی اور مغل فوج ملتان پر حملہ آور ہوئی۔ اس مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لئے اہل ملتان نے صلاح اور مشورہ کر کے شیخ محمد یوسف قریشی کو اتفاق رائے سے سنہ ۸۴۷ ھ (۱۴۴۳ء) میں ملتان کا خود مختار حاکم بنایا۔ بالآخر لانگاہوں کی سازش اور غدر کے باعث شیخ محمد

یوسف تخت سے دست بردار ہوئے اور گجرات چلے گئے۔ ابھی چتور ہی پہنچے تھے کہ وفات پائی۔ وہیں آپ کو دفن کیا گیا۔

ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند شیخ شہر اللہ (وفات ۲۳۔ ذوالحج ۹۲۰ ہجری۔ ۱۵۱۴ء) سجادہ نشین ہوئے۔ اس کے بعد ان کے فرزند شیخ بہاؤالدین ثانی سجادہ نشین ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد مندرجہ ذیل سجادہ نشین ہوئے۔

شیخ الکبیر' المنیر' شیخ محمد قائم' شیخ کبیر ثانی' شیخ بہاؤ الدین قریشی' شیخ کبیر قریشی' حضرت بہاوالدین قریشی' شیخ قائم ثانی' شیخ وجیہہ الدین' شیخ محمد زکریا' شیخ محمد زمان' شیخ محمد غوث' شیخ بہاوالدین ثانی الملقب بہ بھاون شاہ' شیخ محمد غوث' مخدوم ولایت شاہ قریشی' مخدومہ بی بی راجی رحمتہ اللہ علیہا' مخدوم شاہ محمود' شیخ بہاول بخش' شیخ حسن' نواب مخدوم شیخ مرید حسین قریشی' مخدوم محمد سجاد حسین قریشی

دوسرے شہروں اور علاقوں میں افراد خاندان زکریا ملتانی: حضرت غوث العالم کی اولاد برصغیر پاک و ہند میں پھیل گئی اور وہاں سکونت پذیر ہوگئی۔ انہوں نے وہاں رہ کر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا اور بے شمار بندگان خدا کو راہ راست پر لائے اور ان کو روحانی فیض سے مستفیض کیا۔ ان میں سے بعض کا تذکرہ اوپر آچکا ہے اور بعض کا تعارف ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ان کے ساتھ ان کے بعض مریدوں اور خلفاء کا بھی تذکرہ دیا جائے گا۔

شیخ سلیمان: بن برہان الدین (احمد) بن غوث العالم حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی فقہ حدیث اور عربی ادب میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ سیر و سیاحت اور حج کے ارادے سے ملتان سے نکلے اور بغداد اور عراق کے شہروں کی سیاحت کرتے ہوئے مکہ مکرمہ پہنچے۔ حج اور زیارت سے مستفیض ہوئے۔ مذکورہ شہروں میں مختلف اساتذہ کی صحبت میں رہے۔ سیاحت کے بعد سلطان غیاث الدین کے زمانہ میں دہلی آئے۔ دہلی سے پھر ملتان آئے۔ دہلی میں سلطان غیاث الدین تغلق نے انہیں اور قاضی جلا الدین کو اپنے اور حضرت نظام الدین اولیاء کے درمیان حکم مقرر کیا کہ سماع جائز ہے یا نہیں۔ اس پر شیخ سلیمان نے سماع کی اباحت میں رسالہ تالیف کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے فضل اذکار پر بھی ایک کتاب لکھی۔

مفتی جنید قریشی: حضرت شیخ بہاوالدین ثانی سجادہ نشین درگاہ غوث العالم کے فرزند تھے۔ عالم فاضل اور اہل دل بزرگ تھے۔ اپنے والد سے اکتساب علوم کے بعد ان کی نیابت میں

افتاد نویسی شروع کر دی۔ سخاوت میں مشہور تھے۔ دستر خوان پر اپنے ساتھ کئی مہمانوں کے بغیر نہ بیٹھتے تھے۔ صاحبان احتیاج کے حق میں آپ کی سفارش موثر ہوا کرتی تھی۔ ۴ شعبان ۹۹۸ ہجری (۱۵۸۹ء) میں فوت ہوئے۔ آگرہ میں مدفون ہیں۔

شیخ شمس الدین ملتانی: بن شیر اللہ ملتانی لاہوری' حضرت شیخ کبیر بہاوالدین سجادہ نشین درگاہ غوث العالم کی اولاد میں سے تھے۔ اپنے والد بزرگوار سے دینی تعلیم اور روحانی فیض حاصل کر کے ملتان سے لاہور آ کر سکونت پذیر ہو گئے۔ ۲۶ ربیع الاول ۹۸۰ ہجری (۱۵۷۲ء) کو فوت ہوئے۔

شیخ فخر الدین جون پوری سہروردی: بن کبیر الدین' حضرت غوث العالم کی اولاد میں سے تھے۔ جون پور میں تولد ہوئے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد درس و تدریس کو مشغلہ بنایا ۔ دس سال درس دینے کے بعد یہ شغل ترک کر کے زہد و عبادت کی طرف مائل ہو گئے۔ یکے بعد دیگرے کئی چلے کھینچے۔ مشائخ وقت نے ان سے استفادہ کیا۔ ۲۲ شعبان ۹۹۴ ہجری (۱۵۸۵ء) کو فوت ہوئے۔

شیخ عثمان سیاح: حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح کے مرید تھے اور دہلی کے رہنے والے تھے۔ آپ نے بہت سیاحت کی لیکن بعد میں پھر وطن میں ہی آ گئے۔ صاحب ذوق و سماع تھے۔ حضرت شیخ نصیر الدین محمود کی مجلس میں آیا کرتے تھے اور سماع اور رقص میں شریک ہوتے تھے۔ آپ کا مقبرہ قدیم دہلی کے میدان میں ہفت پل کے قریب ہے جو سلطان محمد عادل نے بنوایا تھا۔

شیخ نعمت اللہ: حضرت شیخ محمد یوسف سجادہ نشین درگاہ غوث العالم کو چار فرزند ہوئے۔ شاہ نعمت اللہ' شیخ یحیٰ' شیخ شیر اللہ اور شاہ عبداللہ قریشی' شیخ شیر اللہ سجادہ نشین ہوئے۔ شیخ نعمت اللہ تمام عمر دہلی میں رہے اور وہیں وفات پائی۔ آپ کو شیخ علاو الدین نامی ایک فرزند ہوا۔

احمد بن محمد بخاری: المعروف بہ خواجہ کرک اللہ الکروی۔ بچپن میں آپ کے والد فوت ہو گئے۔ اس کے بعد گھر سے نکلے اور سیر و سفر کرتے ہوئے بھر ولی نواح الہ آباد میں آ نکلے۔ یہاں ان کی ملاقات شیخ اسماعیل قریشی ملتانی سے ہوئی اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان کی صحبت میں کچھ عرصہ رہے۔ اس کے بعد کڑہ (مانک پور) آئے اور کڑہ میں ہی سپرد خاک

ہوئے۔ فارسی زبان میں شعر بھی کہتے تھے۔

شیخ عبداللہ قریشی دہلوی: حضرت شیخ محمد یوسف کے تیسرے صاحبزادے تھے۔ بڑے عابد و زاہد تھے۔ آپ کے زہد و عبادت سے متاثر ہو کر سلطان بہلول لودھی نے اپنی بیٹی آپ کے نکاح میں دی۔ آپ دہلی میں سکونت رکھتے تھے۔ آپ کو چار فرزند ہوئے۔ شیخ احمد' شیخ محمود' شیخ نصراللہ اور شیخ رکن الدین ۔ جب لودھی سلطنت کا زوال ہوا تو ان بزرگوں کی اولاد سندھ اور جنوبی ہند میں منتقل ہو گئی۔

حضرت شیخ عبداللہ پر عام طور پر سکرو جذب کا عالم طاری رہتا تھا۔ آپ ۲۲ صفر سنہ ۹۰۰ھ (۱۴۹۴ء) کو فوت ہوئے۔ اور دہلی پرانی میں مدفون ہوئے۔ آپ کے مریدوں اور خلفاء میں سے حاجی شیخ عبدالوہاب بخاری کا نام قابل ذکر ہے۔

شیخ عبدالوہاب بخاری: بن محمد رفیع الدین بخاری اوچی مشہور حاجی صاحب (وفات ۹۳۲ ھ - ۱۵۲۵ء) حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی اولاد میں سے تھے۔ سنہ ۸۶۹ ھ (۱۴۶۴ء) میں تولد ہوئے۔ اوچ میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اپنے خسر صدرالدین بن حسین بن کبیر الدین بخاری سے تعلیم حاصل کی اور برسوں ان کی خدمت میں رہے۔ حج اور زیارت سے فائز ہو کر واپس آ کر ملتان میں کچھ روز قیام کیا۔ بعد میں دہلی آئے اور طریقت میں عبداللہ بن یوسف قریشی ملتانی سے مزید استفادہ کیا۔ بعد میں دوسری مرتبہ حج اور زیارت کو گئے۔ واپس آ کر دہلی میں قیام کیا۔ یہ سلطان سکندر لودھی کا زمانہ تھا۔

سکندر لودھی آپ کی بڑی تعظیم کرتا تھا۔ آپ عالم فاضل اور اہل اللہ تھے۔ آپ نے کچھ کتابیں بھی تصنیف و تالیف کیں مثلاً :

۱ ۔ تفسیر القرآن۔ ماہ ربیع الثانی سنہ ۹۱۵ ھ (۱۵۰۹ء) میں قرآن حکیم کی تفسیر لکھنا شروع کی اور ۱۷ شوال میں اسی سال تفسیر مکمل کر لی۔ اس تفسیر کا بہت بڑا حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے فضائل' اوصاف اور آپ کی ذات سے محبت پر مشتمل ہے۔ اس کے ساتھ صوفیانہ انداز میں وجد کے حقائق اور فوائد بھی بیان کئے ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ تفسیر غلبہ حال میں لکھی ہے۔

۲ ۔ رسالہ در شمائل نبویہ و قصائد مدحیہ در شان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ سنہ ۹۳۲ ھ (۱۵۸۵ء) میں دہلی میں رحلت فرمائی۔

سید جمال الدین بخاری : سید عبدالوہاب بخاری، جن کا ذکر آچکا ہے کے بھائی اور خلیفہ تھے۔ آخری سلاطین کشمیر کے عہد میں کشمیر جاکر ارشاد و تبلیغ کا کام سرانجام دیا اور ہزاروں بندگان خدا کو صراط مستقیم دکھائی اور روحانی فیض سے سرفراز کیا۔ حضرت مخدوم "حمزہ" کشمیری بھی آپ کی نظر فیض اثر سے کمال کو پہنچے۔ آپ کے خوارق اور کرامات کے سلسلہ میں کتاب "عرفان جمال" لکھی گئی ہے۔ کشمیر میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد واپس دہلی آئے اور سنہ ۹۴۸ ھ ۔ ۱۵۴۱ء میں فوت ہوئے۔

مخدوم شیخ حمزہ کشمیری : سنہ ۹۰۰ ہجری (۱۴۹۴ء) میں تولد ہوئے۔ موضع تجراز پرگنہ "زینہ گیر" (کشمیر) کے رہنے والے تھے۔ بچپن سے ہی ان کی طبیعت عبادت الٰہی کی طرف مائل تھی اور پہاڑوں کی غاروں میں جاکر یاد الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ سید جمال الدین بخاری جب کشمیر آئے تو ان سے بہت متاثر ہوئے۔ ان سے روحانی فیض حاصل کرکے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ اس کے بعد ہدایت و ارشاد خلق میں مصروف رہے۔ کئی لوگ آپ سے مستفیض ہوئے۔ سنہ ۹۸۴ ہجری (۱۵۷۶ء) میں وفات پائی۔ بابا داؤد خاکی نے اپنی کتاب وردالمریدین میں آپ کے مناقب لکھے ہیں۔

بابا داؤد خاکی کشمیری : کشمیر کے بڑے عالم، فاضل اور بزرگ تھے۔ شیخ حمزہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ کے زمانہ میں کشمیر کے حکمران "چک" خاندان نے کشمیر کے سنی علماء پر بڑے مظالم کئے اور حضرت قاضی موسیٰ کشمیری کو شہید کردیا۔ وہ آپ کے مرشد مخدوم شیخ حمزہ کے بھی سخت مخالف رہے تھے۔ حضرت بابا داؤد کشمیر سے باہر تھے کہ آپ کو "چک" خاندان کے مظالم کی خبریں ملیں۔ آپ نے عہد کیا کہ جب تک "چک" خاندان کی حکومت ختم نہیں ہو جاتی، ہم کشمیر نہیں آئیں گے۔ چنانچہ ۹۹۴ ہجری (۱۵۸۵ء) میں اکبر نے کشمیر پر حملہ کیا اور کشمیر کے اس خاندان کا خاتمہ کردیا۔ حضرت بابا داؤد خاکی اکبر بادشاہ کے لشکر کے ساتھ کشمیر پہنچے اور اسی سال انتقال کیا۔ آپ نے کچھ کتابیں بھی لکھیں، مثلاً ورد المریدین، دستور السالکین، شرح ورد المریدین، قصیدہ جلالیہ اور رسالہ غسلیہ۔

بابا نصیب الدین : داؤد کشمیری کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ نے تمام عمر ترک اور تجرد میں گزاری۔ کبھی کوئی لذیذ طعام، میوہ وغیرہ تناول نہیں فرمایا۔ دنیا کی لذتوں سے خود کو دور رکھا۔ خشک نان کے سوا کوئی چیز استعمال نہ کرتے تھے۔ زہد اور عبادت میں اس طرح زندگی

گزاری کہ کوئی دم یاد الٰہی سے غافل نہ رہے۔ بے شمار لوگوں کو راہ راست دکھائی اور روحانی فیض پہنچایا۔ سنہ ۱۰۴۷ ھ (۱۶۳۷ء) میں وفات پائی۔ آپ نے ریشان کشمیر کے حالات پر ایک کتاب لکھی ہے، جس میں بابا نور الدین ولی ریشی کے مفصل حالات کے علاوہ شیخ حمزہ اور ان کے خلفاء کے حالات اور ملفوظات وغیرہ بھی ملتے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے بزرگوں کے حالات بھی اس کتاب میں ملتے ہیں، مثلاً بابا امام الدین، زین الدین، لطف الدین، ناصر الدین، رجب الدین، شکر الدین، لطیف الدین معہ خلفاء، بابا نوروز ریشی۔ کتاب کا نامہ نور نامہ یا ریشی نامہ ہے۔ لیکن ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔

ریشی دراصل لفظ "رشی" کا بگڑا ہوا تلفظ ہے۔ کشمیری ہندو خواہ مسلمان بزرگوں اور درویشوں کو "ریشی" کہتے تھے۔ جو بعد میں "رشی" بن گیا۔ یہ بزرگ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور مسلمانوں خواہ ہندوؤں میں یکساں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ شیخ نورالدین جنہیں ہندو "نندہ رشی" کہتے ہیں تمام رشیوں کے مرشد تھے۔ شیخ عبداللہ کے خلیفہ شیخ عبدالوہاب کے بھائی اور خلیفہ سید جمال بخاری کے کشمیری خلیفہ شیخ حمزہ کشمیری کے مریدوں کا سلسلہ اس طرح ہے :

سید جمال الدین بخاری سہروردی
شیخ حمزہ کشمیری

بابا داؤد خاکی

بابا نصیب الدین کشمیری

شیخ محمد صدرالدین : درگاہ حضرت غوث العالم کے سجادہ نشین شیخ شہر اللہ کے تیسرے صاحبزادے تھے۔ آپ کی اولاد پنجاب کے مختلف شہروں لاہور، سرگودھا، میانوالی، جہلم، میں آباد ہوئی۔ آپ کو تین فرزند ہوئے۔ پیر علی قتال، شیخ شمس الدین لاہوری اور شیخ ابوبکر۔

پیر علی قتال : کوٹ کروڑ میں آباد تھے۔ مریدوں کی استدعا سے وہاں سے نقل مکانی کرکے موضوع پپل غازی (ضلع شاہ پور) میں آباد ہوگئے۔ آپ کے وعظ و نصیحت سے ہزاروں غیر

مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ آپ کا مقبرہ "پیل غازی" میں ہے' جو "پیر پیراں" کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کے دو فرزند ہوئے۔ پیر محمد شاہ جو لاولد فوت ہوئے اور مخدوم الملک پیر خواجہ نوری شاہ' جو اپنے زمانہ کے بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کو تین فرزند ہوئے اور دو صاحبزادیاں ہوئیں۔ فرزندوں کے نام یہ ہیں۔ پیر محمد حسین' پیرابن شاہ اور پیر عالم شاہ۔

پیر محمد حسین: یہ بزرگ کرولی میں آکر سکونت پذیر ہوئے' جو کوہستان نمک پر واقع ہے۔ آپ کو آٹھ فرزند اور دو صاحبزادیاں ہوئیں۔

شاہ جمال: پیر محمد حسین کی اولاد میں سے شاہ کرم اللہ المعروف پیر منھ شاہ شہراللہ بہت مشہور ہوئے۔ آپ کرولی سے نقل مکانی کرکے "کوہ نمک سار" کی بلند چوٹی پر سکونت پذیر ہوئے۔ آپ کو چھ فرزند ہوئے جو سب صاحب اولاد ہوئے۔ آپ کے فرزندوں میں حافظ پیر رکن الدین زیادہ مشہور ہوئے۔

اس خاندان کے کچھ قبائل پونچھ (کشمیر) میں جا کر آباد ہوئے۔

حضرت غوث العالم کی اولاد میں سے تھے۔ راجا موتی سنگھ آپ کا معتقد تھا۔ اس نے موضع سلوتری لنگر خانہ کے لئے نذر کیا اور موضع بھاگلہ علاقہ سوھرن آپ نے بطور اجارہ حاصل کیا۔ آخری عمر میں آپ اپنے وطن ڈھوک پیرا ضلع جہلم چلے گئے اور وہیں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کو تین فرزند ہوئے۔ پیر ولایت شاہ' پیر ہدایت شاہ' پیر سید شاہ۔

پیر موج دین شاہ: حضرت غوث العالم کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کے دو فرزند ہوئے۔ پیر بھاون شاہ اور پیر رکن الدین شاہ۔ پیر بھاون شاہ نے موضع "گاہی" میں سکونت اختیار کی اور پیر رکن الدین شاہ کے پوتے علی شیر نے جموں اور کشمیر میں جا کر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ حافظ پیر رکن الدین شاہ نے بھی کشمیر میں تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں بڑا کام کیا۔ پیر رکن الدین شاہ کے ایک فرزند کی اولاد موضع "تے" میں آباد ہے۔ اس خاندان کے ایک اور فرد پیر مبارک شاہ نے سوہاوہ کے نزدیک "کوٹ گکھر" میں جا کر سکونت اختیار کی۔

شاہ دولہ دریائی گجراتی: پنجاب کے مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کا شجرہ طریقت درگاہ غوث العالم کے سجادہ نشین شیخ کبیر سے اس طرح ملتا ہے۔

"شاہ دولہ مرید و خلیفہ شیخ سید سرمست کے وہ مرید شاہ مونگا کے اور وہ مرید شاہ کبیر کے۔" سنہ ۱۰۸۷ھ۔ ۱۶۷۶ء میں وفات پائی۔ مزار گجرات میں ہے۔

پنجاب کے شہروں میں حضرت غوث کی اولاد: آپ کی اولاد میں سے کچھ افراد پنجاب کے مختلف شہروں میں پھیل گئے اور پیری مریدی کا سلسلہ جاری کیا۔ ان کے علاوہ ان کے مریدوں اور خلفاء نے بھی روحانی فیض جاری کیا۔ ذیل میں مختلف شہروں کے ان بزرگوں کی فہرست پیش کی جاتی ہے:۔

غوث پور قریشی: شیخ صدرالدین قریشی' شیخ مراد قریشی' شیخ محمد حیات قریشی' شیخ غلام رکن الدین قریشی'

میاں والی: مخدوم غلام علی شاہ قریشی

کوٹ مخدوم: مخدوم صدرالدین جد امجد قریشی کیسرانی

سرواہی **(ضلع رحیم یار خان):** حضرت موسیٰ نواب' خلیفہ حضرت زکریا

احمد پور شرقیہ: پیر بہاؤالدین آخر قریشی

گڑھی اختیار خان: شیخ عبدالستار' خلیفہ حضرت زکریا

مئو مبارک: سلطان حمید الدین حاکم' شیخ حامد سرمست' شیخ یوسف گدا' شیخ نور الدین' شیخ رکن الدین' شیخ علی' سید ابوالفتح' شیخ شہاب الدین' شیخ عبدالعزیز' شیخ ابوالفتح' شیخ عماد الدین حماد' شیخ روح اللہ' شیخ جلال' شیخ کبیر الدین' شیخ ابوحنیفہ' شیخ مغل' شیخ واہن' شیخ عبداللہ جہانیاں۔

لاہور: شیخ عبدالجلیل چوہڑ بندگی' شیخ جمال الدین ابوبکر' ابوالفتح اول' ابو الفتح ثانی' خواجہ خلیل' شیخ عبدالجلیل ثانی' شیخ ابو البقا' شیخ فخر اللہ' شیخ ابوالحسن ثانی' پیر غلام رکن الدین' مراد شاہ' سکندر شاہ امداد' شیخ محمد اسماعیل المشہور میاں وڈا' مولوی محمد تیمور' شیخ حامد' شیخ جان محمد ثانی' مولانا کمال الدین' شیخ عنایت اللہ' مفتی عبدالسلام' مفتی محمد محمود' مولانا برہان الدین' مولانا عتیق اللہ' مفتی عبدالسمیع' مولانا کمال الدین' حافظ محمد تقی' حافظ رحمت اللہ مفتی غلام محمد' مفتی غلام سرور' شاہ جمال (نزد اچھرہ) شاہ عالم' شاہ بہاؤ الدین' شاہ نورنگ' شیخ شمس الدین قریشی وغیرہ۔

رتہ پیراں **(ضلع شیخوپورہ):** پیر قلندر شاہ' پیر فرح بخش قریشی۔

کوٹلہ باقر شاہ (〃): شیخ ابوبکر قریشی۔

پہاڑ کھوکھر (〃): شیخ محمد کاظم قریشی

کوٹلی پیراں (″): شیخ غلام علی قریشی۔
منڈیاں والہ (ضلع شیخوپورہ): پیر اعتبار شاہ۔
شرق پور (″): پیر محبوب شاہ (موضع قریشانوالہ)
مردانہ (″): غلام رکن الدین مراد شاہ۔
شاہ کوٹ (″): شاہ ابوالخیر سہروردی
ننکانہ (″): شیخ بہاؤالدین بن عبدالجلیل، شیخ محمد، شیخ محمود پیر عبدالسلام، پیر فتح اللہ، شیخ سید علی، شیخ سیف اللہ، شیخ صدرالدین، شیخ بہاؤ الدین ثانی۔
کھلن (ضلع لاہور): شیخ بولاتی، شیخ محمد باقر
چونیاں (″): شیخ فرید الدین قریشی، شیخ فیض اللہ، شیخ میراں۔
گڑھی: شیخ محمد ابوبکر قریشی سہروردی۔
قصور: شیخ حماد قریشی سہروردی (موضوع شیخ حملو)
سیالکوٹ: شاہ بہلول، سید سرمست سیالکوٹی۔
گجرات: حضرت شاہ دولہ
دیپالپور: حضرت مولانا رکن الدین سہروردی۔
پنڈی موسیٰ (ضلع فیصل آباد): شیخ موسیٰ، شیخ بدرالدین، شیخ مونگر، شیخ نظام الدین، شیخ حماد الدین۔
کاہنوں وال (ضلع گرداسپور): شیخ برہان الدین شاہ سہروردی۔
موضع تلواڑہ (ضلع جھنگ): شاہ جمال قریشی، شیخ حبیب اللہ، شیخ بہلول قریشی۔
کوٹ سدھانہ (″): شیخ آدم۔
بوہڑی غلام جہانیاں (″): شیخ طہٰ، شیخ حبیب اللہ، شیخ ابوالحسن، شیخ قطب الدین۔
حویلی شیخ راجو (″): شیخ راجو
جھنگ شہر: شیخ گل محمد قریشی۔
کروڑ لعل حسین (ضلع مظفر گڑھ): شیخ محمد یوسف المعروف لعل حسین، شیخ محمود قریشی، شیخ علی اکبر قریشی، شاہ عبداللہ قریشی، پیر یوسف قریشی۔
چنیوٹ (ضلع جھنگ): شیخ برہان الدین قریشی، شیخ جمال قریشی۔

پیل پیراں (ضلع سرگودھا): مخدوم الملک پیر علی قتال قریشی، پیر خواجہ نوری شاہ۔
پنڈ دادن خان (″): پیر مصطفیٰ شاہ قریشی، شیخ طیب قریشی
وٹلی پیراں (″): پیر جمال شاہ
کھارو پیراں (″): پیر کرم شاہ قریشی
بھیرہ (″): پیر اعظم شاہ، پیر امیر شاہ، پیر فتح شاہ، پیر یٰسین شاہ۔
کرولی (″): پیر محمد حسن شاہ قریشی، شاہ کرم اللہ قریشی۔
کھیوہ میٹھی (″): پیر محمد شاہ قریشی۔
سرویہ (″): پیر نور شاہ قریشی، پیر حسین شاہ قریشی۔
شمس آباد: پیر شیخ طیب قریشی۔
دھنگوال: پیر فتح شاہ قریشی۔
دھروکی: پیر شریف شاہ قریشی۔

سندھ

سندھ میں بھی آپ کی اولاد میں سے بعض افراد نے رہائش اختیار کی۔ ان کا اور ان کے مریدوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے:

شیخ اسماعیل: شیخ شہر اللہ سجادہ نشین درگاہ حضرت زکریا کو تین فرزند ہوئے۔ مخدوم بہاؤالدین، شیخ محمد اسماعیل اور شیخ صدر الدین، جن میں سے مخدوم بہاؤالدین سجادہ نشین ہوئے۔ اس زمانہ میں شاہ حسن ارغون نے سندھ پر قابض ہونے کے بعد سنہ ۹۳۳ھ (۱۵۲۶ء) ملتان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اہل ملتان نے شیخ اسماعیل بن شیخ شہراللہ کو شاہ حسن ارغون کی طرف بھیجا کہ وہ ان کو ملتان پر حملہ کرنے سے روکیں۔ شاہ اسماعیل نے بکھر میں آکر شاہ حسن سے ملاقات کی، لیکن گفتگو کامیاب نہیں ہوئی۔ دل شکستہ ہو کر شیخ ملتان واپس نہیں گئے، لیکن اہل ملتان کو شاہ حسن ارغون کے ارادہ سے واقف کیا۔

بکھر سے وہ جنوبی سندھ "لاڑ" چلے گئے اور "بدین" کے گرد و نواح میں مستقل سکونت اختیار کی۔ کئی لوگ آپ سے مستفیض ہوئے۔ وہیں فوت ہوئے۔ آپ کا مقبرہ "بدین" کے قریب زیارتگاہ خاص و عام ہے۔ آپ کی اولاد میں سے بہت سے اہل دل لوگ ہو

گزرے ہیں۔ مثلاً:

ابھن شاہ: کا مزار پرگنہ کگرالہ میں قدیم سمندری بندر "اورنگا بندر" سے سولہ میل کے فاصلے پر ہے۔ آپ کی اولاد میں سے کئے نامور بزرگ پیدا ہوئے۔ "بہاوالدین پور" نامی گاؤں آباد کرکے اس میں سکونت پذیر ہوئے۔ ان کی اولاد میں سے شیخ علیم الدین' ابھن شاہ ثانی اور شیخ امام الدین کے نام قابل ذکر ہیں۔

پیر عثمان علی شاہ: مخدم شہاب الدین بن اسماعیل کی اولاد میں سے تھے۔ پیر عثمان علی شاہ کے جد امجد پیر "اللہ ورایو" "بدین" سے نقل مکانی کرکے "مٹو" میں آکر سکونت پذیر ہوئے۔ پیر عثمان علی شاہ نے "مٹو" میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ کی سخاوت کے کئی قصے مشہور ہیں۔ ۵ جمادی الاول سنہ ۱۳۰۳ھ (۱۸۸۵ء) میں فوت ہوئے اور "مٹو" مین ہی مدفون ہوئے۔ آپ کے مقبرہ کے قریب ایک گاؤں "گوٹھ سخی عثمان" موجود ہے۔

پیر علی شیر: مخدوم شہاب الدین بن شیخ اسماعیل کی اولاد میں سے تھے۔ بدین سے نقل مکانی کرکے "کچھ" کے گاؤں "ناڑاپے" میں سکونت پذیر ہوگئے۔

پیر محمد باقر شاہ: پیر علی شیر کی اولاد میں سے تھے۔ سنہ ۱۳۱۳ھ (۱۸۹۵ء) میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار "کچھ" کے گاؤں "ناڑاپے" میں ہے۔

پیر علی محمد: بدین کے بزرگ شیخ اسماعیل کی اولاد میں سے دو خاندان ہوئے۔ ایک خاندان مخدوم شہاب الدین المعروف بہ "راجن شاہ" کی اولاد میں سے ہوا اور دوسرا شیخ اسماعیل کے دوسرے فرزند "جمن شاہ" کی اولاد سے ہوا۔ "راجن شاہ" کی اولاد میں سے ایک بزرگ پیر "اللہ ورایو" "مٹو" میں جاکر سکونت پذیر ہوا۔ ایک اور بزرگ پیر علی شیر کچھ کے گاؤں "ناڑاپے" میں آباد ہوا۔ ان کی اولاد وہاں پھیلی۔ جمن شاہ کی اولاد میں سے ایک بزرگ "ابھن شاہ" ہوئے جن کا ذکر ہوچکا ہے۔ ابھن شاہ کی اولاد میں سے پیر "غازی شاہ" نقل مکانی کرکے "کچھ کے دارالحکومت نکھیت میں متوطن ہوئے۔ان کا مقبرہ بھی وہیں ہے۔ پیر علی محمد شاہ' جمن شاہ کی اولاد میں سے گزرے ہیں۔ پیر علی محمد حضرت پیر احمد شاہ کے مرید ہوئے' جو قلندری مسلک کے تھے۔ پیر علی محمد نے ۵ ذوالقعدہ ۱۲۸۱ھ (۱۸۶۴ء) کو فوت ہوئے۔ ان کا مقبرہ ٹنڈو غلام حیدر (ضلع حیدر آباد سندھ) میں ہے۔

حاجی شیخ بہاؤالدین: حضرت زکریا کی اولاد میں سے تھے۔ نویں صدی ہجری میں حج سے

واپسی پر ٹھٹہ میں فوت ہوئے اور ٹھٹہ میں ہی مدفون ہوئے۔

شیخ اسماعیل قریشی: حضرت زکریا کی اولاد میں سے تھے۔ علاقہ شال (ضلع دادو سندھ) میں پہاڑ کے دامن۔ برساتی نالے کے کنارے پر مدفون ہیں۔

شیخ عالی: سندھ کے حکمران خاندان "ترخان" کے دور حکومت (۹۶۲ھ - ۱۰۰۰ء) میں سیرو سیاحت کرتے ہوئے ٹھٹہ آئے اور یہیں سکونت پذیر ہوگئے۔ یہیں شادی کی' جس سے آپ کو چار فرزند ہوئے۔ ابو محمد' صالح محمد المعروف بہ فاضل محمد' ولی محمد اور محمد واصل۔ آپ نے سنہ ۹۹۸ھ (۱۵۸۹ء) میں وفات کی۔ ان کے بعد ان کے فرزند ولی محمد واصل سجادہ نشین ہوئے۔

شیخ کالو قریشی: حضرت بہاؤالحق زکریا کی اولاد میں سے تھے ۔ یہ بزرگ بھی ترخانی دور حکومت میں ٹھٹہ آئے اور سکونت پذیر ہوئے۔ خسرو خان چرکس نامی امیرنے اپنی بیٹی آپ کے نکاح میں دی' جس سے اولاد ہوئی۔

شیخ جیو بن شیخ نعمت اللہ: حضرت زکریا کی اولاد میں سے تھے۔ سولھویں صدی عیسوی کے شروع میں ملتان سے نقل مکانی کرکے ٹھٹہ میں آکر سکونت پذیر ہوئے۔ اس زمانہ میں حضرت زکریا کی درگاہ کے سجادہ نشین شیخ بہاؤالدین ثانی تھے' جو سنہ ۹۲۰ھ (۱۵۱۴ء) میں مسند نشین ہوئے۔ درگاہ زکریا کے اس سجادہ نشین نے سندھ پر بڑی توجہ دی اور رشد و ہدایت کے لئے وقتاً فوقتاً سندھ میں آتے رہے۔ شیخ جیو آپ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ شیخ بہاؤ الدین ثانی جب سندھ میں آتے تھے' تو شیخ جیو ان کی صحبت میں رہتے تھے۔ شیخ جیو نے بے شمار لوگوں کو روحانی فیض سے مستفیض کیا۔ آپ کے روحانی مرتبہ کی وجہ سے آپ کو "شیخ جیو مکی جو ڈیو" (شیخ جیو' مکی کادیہ) کہا جاتا تھا۔ غلطی کو وجہ سے لوگوں نے آپ کو شہید کردیا۔

شیخ فاضل قریشی: حضرت زکریا کی اولاد میں سے تھے۔ آپ گیارھویں صدی عیسوی کے شروع میں سندھ میں آئے اور "بکیرا" نامی ایک گاؤں میں متوطن ہوگئے' جو نصرپور سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ آپ کامل بزرگ ہونے کے علاوہ دنیوی کاروبار میں بھی ذی اثر تھے

شیخ شہر اللہ: یہ بزرگ بھی حضرت زکریا کی اولاد میں سے تھے۔ شیخ فاضل کے زمانہ میں

سندھ میں آئے۔ شیخ فاضل نے آپ کو داماد بنایا اور جانشین بھی مقرر کیا' کیونکہ ان کے نرینہ اولاد نہیں تھی۔ شیخ شہر اللہ کو دو فرزند ہوئے۔ شاہ سراج الدین' اور شاہ قائم الدین' کو اولاد نہیں ہوئی۔

شاہ سراج الدین: شیخ شہر اللہ کے بعد آپ کے فرزند شاہ سراج الدین جانشین ہوئے۔ آپ نے پیری مریدی کو وسیع کیا اور شاہی دربار میں اثر و رسوخ حاصل کیا۔ شاہ سراج الدین کو دو فرزند ہوئے۔ فاضل شاہ' مہر شاہ۔ پہلے فاضل شاہ مسند نشین ہوئے اور بعد میں آپ کے بھائی مہر شاہ سجادہ پر بیٹھے۔ شیخ شہر اللہ کی اولاد اب "غوث پوترہ" کے لقب سے مشہور ہے۔ اور ان کا پیری مریدی کا سلسلہ جاری ہے۔

شیخ بھرکیو بن شاہو کاتیار: "کاتیار" سندھ کے قدیم پرگنہ ساواتی کا قدیم گاؤں ہے۔ وہاں شیخ بھیرکیہ مشہور مجذوب گزرے ہیں۔ یہ زمانہ نظام الدین سمہ کی حکومت کا تھا۔ یعنی سولہویں صدی عیسوی کے شروع کا زمانہ تھا۔ حضرت شیخ بھرکیہ نے سخت ریاضتیں اور مجاہدے کئے۔ سردی اور گرمی میں صرف ایک چادر اوڑھے رہتے تھے۔ اکثر دریائے سندھ کے کنارے بسر کرتے تھے اور غسل کرکے چادر تر کرکے نماز میں مشغول ہوجاتے تھے۔ پھر جب چادر خشک ہوجاتی تھی' تو پھر سے غسل کرکے نماز پڑھنے لگتے تھے۔ تمام عمر اس طرح دشت پیمائی اور چلہ کشی کرتے رہے۔ ایک مرتبہ ملتان گئے اور حضرت غوث بہاؤالحق زکریا ملتانی کے سجادہ نشیں سے بیعت ہوئے۔

مخدوم نور اللہ: عرف نو رنگ' سومرہ خاندان سے تھے۔ سندھ کے قدیم پرگنہ "جون" کے گاؤں "دریاہ" کے رہنے والے تھے۔ ملتان کی سہروردیہ خانقاہ کی طرف سے لاڑ (سندھ کے نشیبی علاقہ) کے لئے خلیفہ تھے۔ آپ کا زمانہ دسویں صدی ہجری ہے۔ آپ کا مقبرہ ٹنڈو غلام حیدر میں ہے۔ آپ کی اولاد اب "نورنگ پوترہ" کہلاتی ہے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند مخدوم عبدالحمید سجادہ نشین ہوئے۔ جو اپنے وقت کے متبحر عالم اور عارف کامل تھے۔ اس کے بعد ان کے فرزند مخدوم اسحاق سجادہ نشیں ہوئے' جو وقت کے مشہور عالم ہو گزرے ہیں۔ مشہور بزرگ مخدوم رحمت اللہ ٹھٹوی آپ کے پوتے تھے۔ اس خاندان میں شعر و شاعری کا شوق بھی رہا ہے۔

چرکس بن ڈنو سرکی: سندھ کے قدیم پرگنہ "چاچکاں" کے رہنے والے تھے۔ اہل دل

بزرگ تھے۔ حضرت زکریا کی درگاہ کے سجادہ نشین شیخ بہاؤالدین ثانی کے مرید اور خلیفہ تھے۔

ابراہیم ناگوری: سندھ کے ایک قدیم دریا "پران" کے ایک گاؤں کے باشندے تھے۔ قوم کے "تھیبہ" تھے اور شیخ بہاؤالدین کے مرید تھے۔

مخدوم احمد بھٹی: "ہالا" (ضلع حیدر آباد۔ سندھ) کے تارک الدنیا بزرگ تھے۔ قوم کے بھٹی تھے اور مخدوم اسحاق کے فرزند تھے۔ ان کا خاندان حضرت غوث زکریا کے خاندان کا عقیدت مند تھا۔ آپ نے ظاہری اور باطنی تعلیم مخدوم عبدالرشید سے حاصل کی۔ بہت بڑے متقی تھے اور اکثر گوشہ عزلت میں رہتے تھے۔ البتہ کبھی کبھی سماع اور ذکر کی محفلوں میں تشریف لے جاتے تھے۔ حاکم سندھ جام نظام الدین عرف جام نندو (جس نے نویں صدی ہجری کے آخر اور دسویں صدی ہجری کے شروع میں حکومت کی) آپ کی بڑی عزت کرتا تھا۔ سنہ ۹۳۴ھ (۱۵۲۸ء) میں فوت ہوئے۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے مخدوم فتح اللہ آپ کے سجادہ نشین ہوئے۔

مخدوم محمد: مخدوم احمد کے بھائی اور مخدوم اسحاق کے دوسرے فرزند تھے۔ عالم' فاضل اور اہل دل بزرگ تھے۔ شرع کی مخالفت آپ کبھی گوارہ نہیں کرتے تھے اور خلق خدا کی حاجت روائی اور مدد کے لئے کارداروں اور حاکموں کے پاس جانے سے گریز نہیں فرماتے تھے۔ اس سلسلہ میں حاکم سندھ جام نظام الدین کے پاس ٹھٹھہ بھی جاتے تھے۔ جام صاحب آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند مخدوم یوسف آپ کے سجادہ نشیں ہوئے۔

مخدوم عبدالرؤف بھٹی: مخدوم احمد بھٹی کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے۔ "مخدوم عبدالرؤف بن مخدوم عمر بن مخدوم عبدالحمید بن احمد ثانی بن مخدوم فتح اللہ بن مخدوم احمد"

موصوف اپنے وقت کے بہت بڑے عارف اور کامل بزرگ تھے۔ ہمیشہ عبادت اور ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ حاکم سندھ میاں غلام شاہ کلہوڑو آپ کے بہت معتقد تھے۔ سندھی زبان کے بلند پایہ شاعر تھے' آپ کا تمام کلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا اور صفت میں ہے۔ اور سندھی شاعری کی اصناف' مولود اور مداح پر مشتمل ہے۔ سندھی زبان کے یہ پہلے شاعر ہیں۔ جنہوں نے سندھی نعتیہ شاعری کی صنف "مولود" کو باقاعدہ رائج کیا۔

آپ کی وفات ۱۱۶۶ھ (۱۷۵۳ء) میں ہوئی۔

درویش رکن بھریا: ہالا کے بہت بڑے درویش گزرے ہیں۔ مخدوم احمد کے مرید اور خادم خاص تھے۔

پیر محمد اشرف قریشی: حضرت زکریا کی اولاد سے سندھ میں کئی بزرگ آئے۔ اور سکونت پذیر ہو گئے۔ ان میں سے تیرہویں صدی ہجری میں ایک بزرگ قائم الدین قریشی بکیرائی اور محسن شاہ و نجیبری بھی تھے۔ حضرت زکریا کی ملتان میں رہنے والی اولاد میں سے ایک بزرگ محمد غوث" سندھ کے ان بزرگوں کے عقیدت مند تھے اور ان سے ملنے کے لئے اکثر سندھ میں آتے رہتے تھے۔ آخر سندھ میں ہی سکونت پذیر ہوگئے اور یہیں وفات پائی۔ سنہ ۱۲۳۰ ھ (۱۸۱۴ء) میں آپ نے وفات کی اور "بکیرا" (تحصیل ٹنڈو الہیار۔ ضلع حیدر آباد سندھ) میں آپ کی نعش امانت کے طور پر رکھی گئی۔ بعد میں آپ کو "کلارو" (ضلع حیدر آباد۔ سندھ) میں دفن کیا گیا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند پیر محمد اشرف نے "کلارو" میں ہی مستقل سکونت اختیار کی۔

پیر محمد اشرف سندھی زبان کے باکمال شاعر تھے۔ آپ کے کلام کا مجموعہ "پیر محمد اشرف جو رسالو" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ سنہ ۱۲۷۷ ھ (۱۸۶۰ء) میں آپ کی وفات ہوئے۔

سندھ کے دوسرے شہروں کے بزرگ

شاہ محمود (شکار پور)، شیخ پیر محمد قریشی (ماتیلو۔ ضلع سکھر۔ سندھ)

شاہ عبدالرحمٰن، سلیمان شاہ، شاہ جلال (کوٹ گوہر)، شاہ الہ یار (شیخ اجاری)، شیخ موسو، شیخ راملو (ٹنڈوالہ یار) خان شاہ، نہال شاہ (ٹنڈو باگو) شفیع عثمان (ٹنڈو غلام علی) عبد الغنی نوح، بلادی بادشاہ (و نجیبری) گاڑھو صدر، خلیفہ حضرت غوث بہاؤالحق زکریا (میرپور خاص)

مولانا تاج الدین بکھری اور مولانا حسام الدین بکھری (بکھر۔ سندھ)

کشمیر کے سہروردی مشائخ: شیخ حمزہ کشمیری، بابا داؤد خاکی، شیخ نوروز، علامہ فیروز الدین مفتی کشمیر، بابا روبی ریشی، بابا نصیب الدین کشمیری، ملا عبدالوہاب، خواجہ مسعود پان پتی (پان پور)، شیخ عبدالرحیم، شیخ یعقوب کشمیری (اسلام آباد)، شیخ بہرام کشمیری، مولانا حیدر کاشمیری، شیخ حسن لالو، بابا جاجہ، شاہ محمد قادری سہروردی، بابا عبداللہ، بابا محمد مہدی، بابا عثمان، میر محمد علی،

شیخ محمد ہاشم، مولانا عنایت اللہ، میر عبدالفتح، میر شرف الدین، خواجہ حبیب اللہ، شیخ اسماعیل، شیخ عبداللطیف۔

ہندوستان کے سہروردی مشائخ (دہلی): شیخ صلاح الدین درویش، شیخ محمد یوسف قریشی، شیخ عبداللہ قریشی، شیخ نصراللہ، شیخ محمود شاہ، شیخ بہاؤالدین، شیخ زین العابدین ادھن، حضرت سماء الدین، مولانا جمالی، شیخ عثمان سیاح، شیخ رحمت اللہ (کوٹلہ پٹھان دہلی)

سلطان پور: شیخ ابوبکر قریشی سہروردی

حصار: شیخ عبدالرحیم قریشی

مالیر کوٹلہ: شیخ صدر الدین سہروردی

ظفر آباد: حاجی چراغ ہندی

شاہ جہان پور: شیخ کرم شاہ قریشی

پٹنہ: شاہ ارزانی شہید۔

کندوال: حضرت بہاؤالدین قریشی

آگرہ: شیخ بہاؤالدین قریشی دانشمند۔ مفتی آگرہ، شیخ جنید قریشی، شیخ ابوبکر قریشی

مانک پور: مولانا تاج الدین مانک پوری، مولانا علاؤ الدین۔

مہوں: مولانا مسعود مہونی، مولانا محمد مہونی

الہ آباد: شیخ اسماعیل قریشی سہروردی

کڑہ: علی بن احمد غوری مصنف "کنزالعباد" شرح کتاب "اوراد" خواجہ کرک سہروردی

بدایوں: شیخ حسام الدین سہروردی

بھڑائچ: سید میرماہ، سید تاج ماہ سہروردی

مندور: شیخ عبداللہ بیابانی سہروردی

چتور گڑھ: شیخ یوسف بن عماد الدین اسماعیل

احمد آباد (گجرات): مخدوم سید برہان الدین قطب عالم، مخدوم سید شاہ عالم، قاضی محمود گجراتی، قاضی نجم الدین گجراتی

جوناگڑھ: شیخ عبداللطیف سہروردی

ایرج: شیخ یوسف بدہ

جون پور : سید علم الدین ترندی
لکھنؤ : شیخ قوام الدین سہروردی، شیخ مینا لکھنوی، شیخ قطب الدین سہروردی، شیخ سعد الدین
ٹونکرا شریف (ریاست کشن گڑھ) : مخدوم بہاؤ الدین قریشی۔
سارنگ پور : شیخ سارنگ
راج گڑھ : اخی مخدوم جمشید رضی
سلہٹ (گنج شہیداں) : شاہ جلال مجرد خلیفہ سید احمد کبیر سہروردی
کالپی : مولانا حافظ سراج الدین امام مخدوم جہانیاں

فصل ہفتم

بخاری مشائخ

حضرت سید جلال سرخ بخاری

سید جلال سرخ بخاری کی ولادت ۵۹۵ھ (۱۱۹۸ء) بخارا میں ہوئی۔ آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی سید علی ابو الھوید بن جعفر تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب حسب ذیل ہے۔

"جلال الدین حسین بن علی بن جعفر بن محمد بن محمود بن احمد بن عبداللہ بن علی بن جعفر بن عالی بن محمد بن امام علی رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق"۔

آپ کی تعلیم اپنے والد ماجد سید علی ابو الموئد کی نگرانی میں ہوئی۔ سنہ ۶۳۵ ہجری (۱۲۳۷ء) میں اپنے دونوں فرزندوں : سید علی اور سید جعفر کے ساتھ ملتان آئے۔ اور حضرت غوث بہاؤ الحق زکریا ملتانی کے مرید اور خلیفہ ہوئے۔ بعد میں بکھر (سندھ) میں آکر اقامت اختیار کی۔ بکھر (سندھ) میں سید بدرالدین بکھری کی صاحبزادی سے شادی کی۔ بیوی کے انتقال کے بعد سید بدر الدین کی دوسری بیٹی سے شادی کی۔ کچھ عرصہ کے بعد بھائیوں کے تنازعہ کی وجہ سے مجبور ہو کر "اوچ" چلے آئے۔ جہاں ان کے فرزند تولد ہوئے۔ بخارا سے جو فرزند آپ کے ساتھ آئے تھے، وہ دونوں واپس بخارا چلے گئے اور کبھی پاک و ہند میں نہیں آئے۔

حضرت جلال بخاری ظاہری علوم کے ماہر، ولی کامل اور مشہور سیاح تھے۔ آپ مختلف القاب اور اسماء سے مشہور ہیں۔ مثلاً میر سرخ، شریف اللہ، ابوابرکات، ابو احمد، میر بزرگ، مخدوم اعظم، جلال اکبر اور عظیم اللہ۔ آپ بڑے عرصہ تک اپنے مرشد غوث بہاؤ الحق زکریا کی صحبت میں رہے۔ بلکہ سفر میں بھی ایک ساتھ رہے۔ تاریخوں اور تذکروں میں چار دوستوں کا سندھ اور پنجاب کا سیرو سفر کرنا مشہور ہے۔ وہ چار دوست ہیں۔ حضرت زکریاؒ شیخ

فرید الدین گنج شکرؒ، حضرت سید عثمان مرندی سیوھانیؒ اور سید جلال سرخ بخاریؒ ان چار دوستوں نے کئی مرتبہ آپس میں مل کر ایک ساتھ سیرو سفر کئے اور سندھ اور پنجاب میں اسلامی تعلیمات اور صوفیائے کرام کی تحریک کو عام کیا۔ کئی لوگ ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور کئی مسلمان راہ راست پر آئے۔

اوچ میں قیام کرنے کے بعد بھی اکثر ملتان آتے رہتے تھے اور اپنے مرشد حضرت زکریاؒ کے یہاں قیام کرتے تھے۔ حضرت غوث کی وفات کے بعد ان کے جانشین سے ملنے بھی آتے تھے۔ لیکن ان کی اجازت سے "اوچ" میں مستقل سکونت اختیار کی۔ اس کے بعد اوچ اور اس کے گرد و نواح میں تبلیغ اور اصلاح کا کام پوری مستعدی کے ساتھ شروع کیا۔ اوچ کے علاقہ کے اقوام، چندھڑ، ڈہر، سیال وغیرہ نے آپ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔ ہزار ہا بندگان خدا آپ کی ہدایت پر راہ راست پر آئی۔ شہر جھنگ کی بنیاد آپ ہی نے ڈالی۔

اس علاقہ کا ایک راجا گھلو بھی آپ کی دست حق پرست پر مسلمان ہوا جس کی اولاد ٹھٹہ (سندھ)، گھلوان، اوباڑو، جھنڈ میانی، بیٹوواہی، چوتالہ، خانواہ، ملک پور، سیراہ، کرم علی والا اور سعد اللہ پور (ضلع ملتان) کے موضعات میں پھیلی ہوئی ہے۔ قریباً نوے سال کی عمر میں ۹ جمادی الاول سنہ ۶۹۰ ہجری (۱۲۹۱ء) میں آپ کی وفات ہوئی اور "اوچ" میں مدفون ہوئے۔

سید احمد کبیر: سید جلال سرخ بخاری کے فرزند اور سجادہ نشین تھے۔ آپ کی والدہ سید بدر الدین بکھری کی بیٹی تھی۔ آپ کو اپنے والد بزرگ وار حضرت شیخ صدر الدین عارف سے خلافت اور اجازت حاصل تھی۔ آپ کے کئی مرید تھے۔ آپ کے خلفاء میں شیخ جلال مجرد سلہٹی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جنہوں نے بنگال و سلہٹ میں اسلام کی شمع روشن کی اور آپ کی کوششوں سے کئی لوگ دین اسلام میں داخل ہوئے اور دور دراز علاقوں میں اسلام کی شمع روشن ہوئی۔

مخدوم جہانیاں جہاں گشت

آپ کی ولادت "اوچ" میں ۱۴۔ شعبان ۷۰۷ ہجری (۱۹ جنوری ۱۳۰۸ء) میں ہوئی۔

آپ کا اسم گرامی ان کے جد امجد کے اسم گرامی پر جلال الدین رکھا گیا لیکن مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ لقب ان کو بطور عیدی اپنے سلسلہ کے بزرگوں سے ملا ہے۔ چونکہ آپ نے خوب سیرو سیاحت کی اس لئے جہاں گشت مشہور ہوئے۔ ظاہری تعلیم آپ نے اوچ میں حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ جمال خنداں رو محدث اور شیخ بہاؤ الدین قاضی کے نام ملتے ہیں۔ قاضی بہاؤ الدین کے انتقال کے بعد تعلیم کے حصول کے لئے ملتان گئے۔ وہاں حضرت شیخ رکن الدین نے آپ کی تعلیم، تربیت اور رہائش کا انتظام کیا۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد واپس اوچ آئے۔ اس کے بعد آپ سیرو سیاحت کو نکلے۔ سیرو سیاحت کے دوران اکابر شیوخ اور نامور علماء کرام سے اکتساب فیض کیا۔ خاص طور پر حرمین شریفین کے علماء کرام سے استفادہ کیا جن میں سے شیخ عبداللہ یافعی اور شیخ عبداللہ مطری سہروردی کے نام قابل ذکر ہیں۔ اس طرح آپ علم حاصل کر کے جملہ علوم شریعت و طریقت میں کمال کے درجے پر پہنچے۔

ظاہری علوم کی تحصیل کے بعد حضرت رکن الدین ابو الفتح کی خدمت پہنچے۔ بیعت اور ارادت کے بعد اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کو اپنے پیر سے بڑے محبت اور عقیدت تھی۔ اس کے علاوہ آپ نے چشتیہ سلسلہ میں حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔ حضرت مخدوم صاحب سیرو سیاحت بہت فرمائی اور تمام اسلامی ممالک مثلاً مصر شام عراقین بلخ، بخارا اور خراسان وغیرہ میں گھوم پھر کر علماء اور صوفیاء سے صحبتیں کیں اور ان سے روحانی اور علمی فائدہ حاصل کیا۔ بہت سے حج کئے جن میں سے چھ حج اکبر تھے۔ بکھر اور ٹھٹہ میں بھی آئے۔ اور سندھ کے سمہ حاکم جام جونا اور بانبھینہ میں مصالحت کروائی۔ کئی مرتبہ دہلی بھی گئے۔

محمد تغلق (۱۳۲۵ تا ۱۳۵۱ء) کے عہد میں مخدوم صاحب شیخ الاسلام مقرر ہوئے اور سیوستان (سندھ) کے علاقہ میں چالیس خانقاہوں کا انتظام آپ کے سپرد ہوا۔ لیکن آپ نے جلد ہی یہ عہدہ چھوڑ دیا اور بلاد اسلامیہ کی سیرو سیاحت اختیار فرمائی۔ اندازہ ہے کہ علماء و مشائخ کے خلاف محمد تغلق کی سخت گیر پالیسی کی وجہ سے یہ عہدہ چھوڑ دیا۔ حضرت مخدوم صاحب کو سندھ اور پنجاب میں بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا اور بیشمار لوگ امراء اور حکمران آپ کے معتقد تھے۔

چشتی بزرگوں اور سہروردی سلسلہ کے شیوخ کے طریقہ کار میں کچھ فرق تھا۔ مشائخ چشت عموماً" حکمرانوں کی درباروں سے الگ تھلگ رہ کر مجاہدہ' مکاشفہ اور اصلاح نفس اور تبلیغ کے کاموں میں مصروف رہتے تھے اور حکمرانوں کے میل جول سے دور رہتے تھے۔ سہروردی سلسلہ کے بزرگوں کا مسلک الگ تھا۔ وہ درباروں سے قریب رہ کر بادشاہوں اور حکمرانوں کو صحیح رائے اور مشورہ دینا رعایا کے ساتھ عدل و انصاف اور شریعت کے مطابق ان سے عمل کرانے کو ضروری خیال کرتے تھے۔ حضرت غوث بہاؤ الدین زکریا ملتانی' حضرت صدر الدین عارف اور حضرت رکن الدین اسی مسلک پر قائم رہے۔ حضرت مخدوم جہاں گشت نے بھی اسی مسلک کے مطابق حکمرانوں سے تعلق رکھا۔ آپ نے غریبوں حاجتمندوں اور مظلوموں کی مدد کی اور حکمرانوں سے مل کر ان کی مشکلاتیں دور کروائیں۔ آپ نے حکام کی توجہ دلائی کہ وہ غریبوں اور مسکینوں کی خبرگیری کریں اور ان کی ضروریات اور تکالیف کا لحاظ رکھیں۔ انہیں سمجھایا کہ خدا کی مخلوق کے ساتھ نیک سلوک کرنا چاہئے اور رشوت نہیں لینی چاہئے۔

حضرت مخدوم صاحب کے فیروز تغلق سے بہت اچھے تعلقات تھے وہ دوسرے تیسرے سال دہلی تشریف لے جاتے تھے۔ سندھ کے حکمران بھی آپ سے عقیدت رکھتے تھے۔ اس زمانہ میں محمد تغلق نے لشکر لے کر سندھ پر حملہ کیا۔ لیکن سنہ ۷۵۲ ہجری ۱۳۵۱ء میں ٹھٹہ کے قریب فوت ہوگیا اور ان کی نعش سیوھن میں امانت کے طور پر رکھی گئی۔ پھر فیروز تغلق نے سندھ پر حملہ کیا لیکن فتح حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ اسی مہم کے دوران حضرت مخدوم صاحب نے فیروز تغلق اور سندھ کے سمہ حکمران جام جونا اور بانبھینہ کے درمیان مصالحت کروا دی۔

حضرت مخدوم صاحب نے تمام عمر رشد و ہدایت میں صرف کی۔ سفر خواہ حضر میں رشد و ہدایت کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا۔ "اوچ" میں آپ کی خانقاہ میں کثیر تعداد میں لوگ آتے رہتے تھے اور حضرت مخدوم صاحب سے فیضیاب ہوتے تھے۔ عوام خواص امیروزرا' سلاطین اور علماء سب حاضر ہوتے تھے۔ نہ صرف برصغیر پاک و ہند کے لوگ آپ کی خدمت میں آتے تھے بلکہ بیرون ملک سے بھی بڑی تعداد میں لوگ حصول۔ تعلیم اور روحانی فیض کے لئے خدمت میں آتے تھے۔

آپ مریدین اور طالبین کی تربیت فرماتے ہوئے ان کو شریعت کی پابندی کی تلقین کرتے تھے۔ اور ہربات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا خیال رکھنے کی ہدایت کرتے تھے۔

حضرت مخدوم صاحب سماع کے متعلق سخت احتیاط فرماتے تھے اور مشروط طور پر اس کی اجازت دیتے تھے۔

حضرت مخدوم صاحب نے ایک مرتبہ گفتگو میں فرمایا کہ **مکہ معظمہ** اور مدینہ منورہ کے بعد سندھ و ہند کی سرزمین عظمت والی ہے کیونکہ اس ملک میں ابدال زیادہ آئے ہیں۔ دہلی کے قیام کے زمانہ میں ایک مرتبہ شیخ الاسلام سے بھی اسی گفتگو کو دہرایا تو انہوں نے کہا کہ آپ ہند کو کیوں فضیلت دیتے ہیں؟ آپ اور میں تو یہاں کے نہیں ہیں۔ مخدوم صاحب نے فرمایا میں نے حجاز و عرب میں ایسا ہی سنا ہے' اپنی طرف سے نہیں کہتا ہوں۔

حضرت مخدوم صاحب مسلم معاشرہ کے اتحاد' یک جہتی اور یگانگی کا بڑا خیال رکھتے تھے اور طبقاتی نظام کے مخالف تھے۔ نسل و نسب کے فرق اور امتیاز کو مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ ہروقت ان کے سامنے آیہ کریمہ۔ **"ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم"** رہتی تھی۔ حضرت مخدوم صاحب کی خانقاہ میں درس و تدریس کا بھی باقاعدہ انتظام تھا۔ دور اور نزدیک کے طلباء اس مدرسہ میں آکر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ آپ کے پاس اچھا کتب خانہ بھی تھا۔ جس سے طلباء اور علماء کرام مستفیض ہوتے رہتے تھے۔ آپ کے کتب خانہ میں عوارف المعارف کا وہ خاص نسخہ بھی تھا جو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے درس میں رہا تھا اور آپ کو یہ نسخہ اپنے استاد شیخ عبداللہ مطری سے ملا تھا۔

حضرت مخدوم صاحب نے تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں بھی بڑی کوشش کی اور کئی لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ لوگوں سے مقامی زبانوں سندھی اور ہندی (سرائیکی) میں گفتگو کرتے تھے۔ آپ کی ذریعہ سندھ اوچ اور گجرات میں اسلام کی خوب تبلیغ اور اشاعت ہوئی۔ کسی شخص کے اسلام لانے کے بعد اس کی اچھی طرح تربیت فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ اس شخص کا پورا قبیلہ یا پوری قوم مسلمان ہو جاتی تھی۔

سنہ ۷۳۴ ہجری ۱۳۳۴ء میں مشہور سیاح ابن بطوطہ سیاحت کے دوران سندھ سے

گذر کر اوچ پہنچے۔ مخدوم صاحب کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے اور آپ سے خرقہ حاصل کیا۔ ذوالحج ۷۸۵ ہجری (۳۔ فروری ۱۳۸۴ء) کو رشد و ہدایت فلاح و خیر اور علم و فضل کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مخدوم صاحب کے ملفوظات کا ایک مجموعہ "مظہر جلالی" کے نام سے ملتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے ملفوظات کا دوسرا مجموعہ مناقب مخدوم جہاں گشت کے نام سے ملتا ہے۔ یہ ملفوظات تاریخ کے لحاظ سے بھی اہم ہیں، کیونکہ اس میں فیروز تغلق کے زمانہ کے اکثر سیاسی واقعات مہم ٹھٹہ اور بغاوت گجرات وغیرہ کا ذکر ہے۔ مخدوم صاحب نے شیخ قطب الدین دمشقی کے تصوف کے متعلق لکھے ہوئے "رسالہ مکیہ" کا عربی سے فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ قرآن شریف کا فارسی ترجمہ بھی آپ کی طرف منسوب ہے۔ آپ کے ملفوظات کے دوسرے مجموعے بھی ہیں:

جامع العلوم، مرتب: عبداللہ علاؤ الدین علی بن مسعود دہلوی جو ۷۷۷ ہجری (۱۳۷۵ء) میں مخدوم صاحب کے مرید ہوئے۔ جامع العلوم کا اردو ترجمہ الدار المنظوم فی ترجمہ ملفوظ المخدوم کے نام سے دو جلدوں میں سنہ ۱۸۹۱ء میں دہلی سے شائع ہوا۔

سراج الہدایہ، مرتب: احمد برنی۔ اس کتاب میں فیروز تغلق کی مہم ٹھٹہ کا احوال ملتا ہے۔

مقرر نامہ: مخدوم صاحب کے مکتوبات اور ہدایات کا مجموعہ ہے۔

خزانہ جلالی، مرتب: احمد المدعو بہا بن حسن بن محمود بن سلیمان تلبنی

جواہر جلالی مرتب: فضل اللہ بن ضیا العباسی سنہ ۷۸۱ھ (۱۳۷۹ء) میں مرتب ہوئی۔ مخدوم صاحب کے بے شمار مرید تھے اور آپ کے خلفا کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ آپ کے ملفوظات "الدار المنظوم" میں آپ کے بیالیس خلفاء کے نام ملتے ہیں۔ آپ کے ذریعہ سہروردی سلسلہ برصغیر پاک و ہند میں خوب پھیلا۔ آپ کے خلفاء، خلفاء کے خلفا سندھ پنجاب، یوپی، بہار، بنگال، گجرات، دکن، مدراس وغیرہ میں پھیل گئے اور کئی لوگ ان سے مستفیض ہوئے۔ ان علاقوں کے اکثر مقامات پر آپ کی اولاد بھی جاکر سکونت پذیر ہوئی۔ آپ کے خلفاء میں سے چند بزرگوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

شیخ اخی راجگیری: موضع زہرا پرگنہ دریا آباد سرکار اودھ کے باشندے تھے۔ خرقہ خلافت سے سرفراز ہو کر قنوج کو اصلاح و تبلیغ کا مرکز بنایا۔

شیخ علم الدین: ترمذ کے رہنے والے تھے۔ اور قنوج وطن تھا۔ حضرت مخدوم صاحب نے آپ کو جونپور بھیجا۔ سلطان ابراہیم کی دربار میں رہے۔ جاگیر بھی آپ کو ملی۔

جہانگیر اشرف سمنانی: ماوراء النہر سے سمرقند آئے۔ وہاں سے اوچ پہنچے اور حضرت مخدوم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خرقہ خلافت حاصل کر کے دہلی آئے۔ سنہ ۸۰۸ھ (۱۴۰۵ء) میں فوت ہوئی اور "کچھو چھہ" (ضلع فیض آباد) میں مدفون ہوئے۔

سید شرف الدین مشہدی۔ سید تاج الدین بکھری۔ سید محمود شیرازی۔ سکندر بن مسعود۔

علاؤ الدین علی (مرتب جامع العلوم)۔ شرف الدین۔ مولانا عطاء

خواجہ یحیٰ کبیر: سمرقند کے رہنے والے تھے۔ پیر طریقت کی جستجو میں سفر کرتے ہوئے مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی خدمت میں پہنچ کر مرید ہوئے۔ ان کی خدمت میں رہ کر چلے کاٹے اور برکتیں اور فضیلتیں حاصل کیں۔ حرمین شریفین بھی گئے۔ کچھ عرصہ غزنی میں بھی قیام کیا۔ آخر اپنے وطن آکر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ بے شمار لوگوں کو فیض پہنچا کر ۱۲۷ سال کی عمر میں ۲ صفر ۸۳۴ھ (۱۴۳۰ء) میں اس جہان فانی سے عالم جاودانی کو رحلت کی۔

صوفیانہ تعلیم کے متعلق آپ کے کچھ اقوال ملتے ہیں۔ مثلاً ایک دن شیخ رکن الدین سروانی نے آپ سے پوچھا۔ آدمی موحد کب بنتا ہے؟ آپ نے فرمایا "جب اسے اپنی ہستی نظر ہی نہ آئے اور وہ خالق کی ہستی میں فنا ہو جائے اور اس کے لئے من و تو کا فرق مٹ جائے ایسا لگے جیسے وہ گوشت پوست کا بنا ہوا نہیں ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے: یوم تبدل الارض" (ابراہیم، ۱۴: ۴۸) اس دن (قیامت کے دن) زمین مٹی کی بجائے کسی اور چیز (تانبے) کی بنا دی جائے گی۔ جب انسان کے بھی یہ طبیعی عناصر بدل جائیں تب وہ موحد بنتا ہے۔ جب تک من و تو کا فرق دور نہ ہو، خدا تعالیٰ اور تمہارے درمیان ستر ہزار پردے حائل رہتے ہیں۔ پھر کہاں تو اور کہاں خدا تعالیٰ۔ اے بھائی، مقام فنا ہی کا دوسرا نام بقا ہے۔ جب تک فنا نہیں ہو گے بقا نصیب نہیں ہو گی۔ جب ایک طالب پوری طرح سے اپنے آپ کو فنا کر دیتا ہے اس وقت موحد بنتا ہے۔"

شیخ علی دنکر: خواجہ یحیٰ کبیر کے بھائی تھے۔ ریاضت و مجاہدہ کی وجہ سے دبلے پتلے ہو گئے

تھے، اسی وجہ سے ان کو "دنکر" کہا جاتا ہے، کیونکہ دنکر کی معنی ہے: لاغر۔ شیرانی قبیلے کے لوگ آپ سے اور آپ کے بھائی خواجہ یحییٰ کبیر سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔

شیخ قوام الدین: حضرت جہانیاں کے مرید اور خلیفہ تھے، مقبرہ لکھنؤ میں زیارتگاہ خلق ہے۔

بہار میں سہروردی سلسلہ: حضرت مخدوم صاحب کے ذریعہ صوبہ بہار میں سہروردی سلسلہ کی خوب اشاعت ہوئی۔ صوبہ بہار کی مشہور خانقاہ پھلواری کے شیخ المشائخ شاہ مجیب اللہ (وفات ۱۱۹۱ھ=۱۷۷۷ء) حضرت مخدوم صاحب کے واسطہ سے سہروردی سلسلہ سے منسلک تھے۔ بہار کے مشہور بزرگ حضرت سید محمد عرف پیر دمڑیا عظیم آبادی بھی جلالی سہروردی کے سلسلہ سے منسلک تھے۔

اودھ میں سہروردی سلسلہ: اودھ میں حضرت مخدوم صاحب کا فیض شیخ قیام الدین قوام (وفات ۸۲۰=۱۴۱۷ء) کے ذریعہ سے پھیلا۔ وہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کے مرید ہوئے اور حضرت مخدوم کے خلیفہ تھے۔ شیخ سارنگ نے شیخ قیام الدین کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور آپ کے مرید ہوئے۔ بعد میں ان کو اجازت و خلافت حضرت راجو قتال سے ملی وہ مشرف با سلام ہونے کے بعد عہد فیروز شاہی میں امیر اور منصب دار رہے۔ شیخ سارنگ کا مزار موضع مجگاوان ضلع بارہ بنکی میں ہے۔ شیخ سارنگ کے بعد اودھ میں چشتیہ نظامیہ سلسلہ کو ان کے خلیفہ مخدوم شاہ مینا (وفات ۸۸۴ھ=۱۴۷۹ء) اور ان کے خلیفہ شیخ سعد خیر آبادی (وفات ۹۲۲ھ=۱۵۱۶ء) اور ان کے خلیفہ شیخ عبدالصمد معروف بہ مخدوم شاہ صفی (وفات ۹۴۰ھ=۱۵۳۸ء) کے ذریعہ سے فروغ حاصل ہوا۔

رسول شاہیوں کا ایک سلسلہ سہروردیہ: مخدوم صاحب کے واسطے سے رسول شاہیوں کا ایک سہروردی سلسلہ بھی جاری ہوا۔ یہ سلسلہ اس طرح ہے:

"عبدالرسول شاہ عرف رسول شاہ الوری بیعت تھے حضرت شاہ نعمت اللہ دہلوی سے وہ شاہ داؤد مصری سے، وہ شاہ سخی حبیب سے، وہ شاہ اسمٰعیل سے، وہ شاہ مرتضیٰ سے، وہ شاہ عبدالرزاق سے وہ شاہ اللہ داد سے، وہ شاہ پیرن بندگی سے، وہ شاہ سجن گوشہ نشیں سے، وہ شاہ محمد سے، وہ شاہ محمد اسحاق سے، وہ شاہ داؤد طائی سے اور وہ شاہ راجو قتال سے اور وہ حضرت مخدوم شاہ جہانیاں جہاں گشت سے۔

امروہہ (یو۔ پی): امروہہ کے چشتی بزرگ شاہ امانت علی، سہروردی سلسلہ میں حضرت مخدوم

صاحب کے واسطے سہروردی سلسلہ سے بھی منسلک تھے۔ سلسلہ اس طرح ہے:

"شاہ امانت علی بیعت تھے حافظ موسیٰ مانک پوری سے، وہ سید اعظم روپڑی سے، وہ شاہ سالم روپڑی سے وہ سید بھیک میراں سے، وہ شاہ ابولمعالی انبیٹھوی سے، وہ شیخ داؤد گنگوہی سے، وہ شیخ صادق گنگوہی سے وہ شاہ ابو سعید گنگوہی سے وہ خواجہ نظام الدین بلخی سے، وہ مولانا جلال الدین تھانیسری، وہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے، وہ شیخ درویش اودھی سے، وہ شاہ بڈھن بہرائچی سے، وہ شاہ اجمل بہرائچی سے اور وہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے۔"

کشمیر: حضرت مخدوم صاحب کے سلسلہ کے ایک بزرگ جمال الدین بخاری دہلوی نے کشمیر میں اسلام کو پھیلایا اور لوگوں کی اخلاقی اور روحانی اصلاح کی۔

گجرات: گجرات اور کاٹھیا واڑ میں حضرت مخدوم صاحب کے پوتے اور سید ناصر الدین کے فرزند حضرت برہان الدین قطب عالم اور ان کی اولاد کے دوسرے بخاری پیرواں نے سہروردی سلسلہ کی تبلیغ اور اشاعت کی۔ ان کا ذکر بعد میں بھی آئے گا۔

سندھ

سندھ میں حضرت بہاؤ الدین زکریا، ان کے خلفاء اور اولاد نے سہروردی سلسلہ کو پھیلایا۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی اولاد میں سے بھی بعض لوگ سندھ میں آکر متوطن ہوئے اور اس سلسلہ کو فروغ دیا۔ حضرت مخدوم صاحب کے خلفاء میں بھی دو بزرگ سندھی تھے: شیخ بابو تاج الدین بکھری اور سید محمود بکھری، ٹھٹہ میں مدفون ایک بزرگ سید ابراہیم کا بھی آپ کے سلسلہ سے تعلق تھا۔ آپ کی اولاد سے ایک بزرگ سید عبداللہ قطب اوچ سے پہلے دہلی گئے اور بعد میں شکار پور آئے۔ ان کا مزار شکار پور میں ہے۔

حضرت مخدوم صاحب کی اولاد: حضرت مخدوم صاحب کے چار فرزندوں کے نام ملتے ہیں: سید علی محمود (ناصر الدین)، عبداللہ اور محمد۔ آپ کی اولاد میں بڑی برکت ہوئی اور یہ خاندان خوب پھیلا۔ برصغیر پاک و ہند کے ہر حصہ میں آپ کی اولاد موجود ہے۔ آپ کی اولاد کے ذریعہ پاک و ہند میں اسلام کی اشاعت ہوئی، خدا کی مخلوق کی روحانی اصلاح ہوئی، شعر و ادب اور علوم و فنون کی ترقی ہوئی۔

آپ کے بعد آپ کے بھائی صدر الدین راجو قتال سجادہ نشین ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت مخدوم صاحب کے پوتے فضل الدین بن ناصر الدین محمود سجادہ نشین ہوئے۔

ان کے زمانہ میں والی ڈیرہ غازی خان "غازی خان" نے سنہ ۸۵۷ھ (۱۴۵۳ء) میں حضرت مخدوم صاحب کے مزار پر مقبرہ تعمیر کروایا۔

ناصر الدین محمود کو ۲۵ فرزند ہوئے۔ ان میں سے ۱۰ کو اولاد ہوئی اور ۱۱ بغیر اولاد کے تھے۔ آپ کے فرزند سید برہان الدین قطب عالم احمد آباد میں جاکر ارشاد و تبلیغ کا سلسلہ جاری کیا۔ ان کی اولاد وہاں پھیلی۔ ناصر الدین محمود کے دوسرے فرزند علم الدین کی اولاد بٹالہ میں پھیلی۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی اولاد کے علاوہ آپ کے داوا سید جلال بخاری کی دوسری اولاد نے بھی ارشاد اور تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا اور برصغیر پاک و ہند کے مختلف علاقوں میں آباد ہوئی۔ سید جلال بخاری کی اولاد کا شجرہ نسب پیش کیا جاتا ہے۔

سید جلال سرخ بخاری

سید احمد کبیر (وفات ۵۰م ۱۴۵۵)
سید محمد غوث
سید بہاؤ الدین محمود (معصوم)
سید جعفر (ان کی اولاد ... ہیں)
سید علی
(دختر سید بدر الدین بھکری)
سید رحمت اللہ
سید مبارک
سید راجو
مخدوم جہانیاں جہاں گشت
سعید صدر الدین (راجو قتال)
ادریس
ابو الغیاث
ابو سعید
ابو کریم
محمد
عبداللہ
محمود (ناصر الدین)
علی
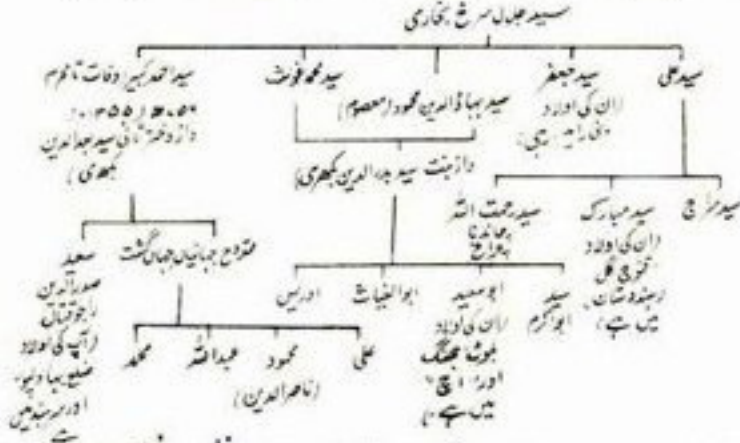
اوچ میں حضرت مخدوم صاحب کے پوتے اور سجادہ نشین فضل الدین بن ناصر الدین محمود کی اولاد میں سے رکن الدین ابو الفتح بہت مشہور ہوئے۔ ان کے بیٹے مخدوم محمد کیمیا تھے۔ ان کے فرزند "حامد بڈھا" تھے۔ جب شاہ حسن ارغون نے اوچ پر حملہ کیا تو "حامد بڈھا" نقل مکانی کر کے عیسیٰ خیل (ضلع میانوالی) میں جاکر سکونت پذیر ہوا۔ ان کے بعد ان کے فرزند "محمد راجن" باپ کے جانشین ہوئے۔ "اوچ" میں حضرت مخدوم صاحب کی اولاد میں سے کئی نامور شخصیتیں گذری ہیں، مثلاً

سید اسماعیل بن سید فضل الدین بن ناصر الدین۔ محمود بن مخدوم جہانیاں جہاں گشت۔ سید راجو بن اسماعیل، سید ابراہیم بن سید راجو، سید قطب الدین بن سید ابراہیم۔ سید فضل اللہ بن سید قطب الدین۔ سید عثمان بن سید داؤد بن سید شکر اللہ بن سید حاجی حمید بن سید راجو بن سید نظام الدین بن سید ابراہیم بن سید راجو بن سید اسماعیل بن سید فضل الدین بن

ناصر الدین محمود بن مخدوم جہانیاں جہاں گشت۔

سید باقر بن سید عثمان اور ان کے بھائی، سید محمد مراد اور سید داریو

سید جلال الدین بن سید داؤد۔ سید نوبہار، سجادہ نشین مخدوم جہانیاں جہاں گشت

سید راجو بن سید حامد الحسن بخاری وغیرہ

سید صدر الدین المعروف بہ شیخ راجن قتال: سید احمد کبیر بخاری کے فرزند تھے اور حضرت جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے بھائی تھے۔ ۲۰ شعبان ۷۶۰ھ (۱۳۵۹ء) کو تولد ہوئے۔ آپ کے لقب "راجو قتال" کے متعلق مناقب الولایت میں آیا ہے کہ "راجن کتال" لفظ ہے۔ "کتال" سریانی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں: بزرگ اور راجن کے معنی ہے "ہیبت ناک"۔ لیکن دوسرے تذکروں میں اس لقب کے معنی "رعب و جلال" بتائی گئی ہے۔

اپنے بزرگوار سے روحانی فیض حاصل کیا اور ان کی وفات کے بعد اپنے بھائی سے بھی مستفیض ہوئے اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ حاکم ہند فیروز شاہ تغلق سے آپ کے گہرے تعلقات تھے اور وہ آپ کی بڑی تعظیم کرتا تھا۔ بادشاہ کے لشکر میں بھی کچھ عرصہ رہے۔ بادشاہ نے الگ دو گاؤں اور ہزار تنکے پیش کیے۔ اپنے بھائی مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ ۱۹ جمادی الاخر ۸۲۷ھ (۱۴۲۴ء) کو رحلت کی اور اوچ میں مدفون ہوئے۔

سید ناصر الدین بن مخدوم جہاں گشت: مخدوم سید جلال الدین جہانیان جہاں گشت کے فرزند تھے اور ان سے ہی روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ کے والد کے بعد سجادہ نشین تو "راجن قتال" ہوئے، لیکن سید ناصر الدین محمود بھی رشد و ہدایت میں مصروف رہے۔ آپ کو کثیر تعداد میں اولاد ہوئی۔ سنہ ۸۴۷ھ (۱۴۴۳ء) میں وفات پائی اور اوچ میں مدفون ہوئے۔

مخدوم حامد: حضرت مخدوم جہانیاں گشت کے پوتے اور سجادہ نشین فضل الدین بن ناصر الدین محمود کی اولاد میں سے مخدوم محمد کیمیا بن رکن الدین ابو الفتح کے فرزند "حامد بڈھا" شاہ حسن ارغون کے حملہ اوچ کے وقت عیسیٰ خیل (میانوالی) میں جاکر آباد ہوئے۔ وہاں سے سندھ میں آئے اور بعد میں کچھ اور بڑودہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کے فرزند سید شاہ

محمود اول بڑودہ میں آباد ہوئے۔ ان کے پوتے شاہ محمود دوم بن شاہ حامد سندھ میں آکر "شاہ پور جہانیاں" (تعلقہ مورو۔ ضلع نواب شاہ) میں آباد ہو گیا۔ ان کی اولاد سندھ میں پھیلی۔

سید شرف الدین مشہدی: حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے داماد اور خلیفہ تھے۔ بھروچ (گجرات) میں آکر سکونت پذیر ہو گئے۔ آپ کا مشہد کے ممتاز خاندان سے تعلق تھا۔ وہاں سے اوچ آئے اور حضرت مخدوم صاحب سے شرف دامادی اور خرقہ خلافت حاصل کر کے "بھروچ" میں آئے اور لوگون کو پیغام حق پہنچایا۔ ۸۰۸ھ (۱۴۰۵ء) میں وفات پائی۔

سید یحیٰی بن علی ترمذی اوچی: حضرت مخدوم جہانیاں اور سید شرف الدین مشہدی سے روحانی فیض حاصل کیا۔ بڑودہ میں جا کر قیام کیا اور سنہ ۸۵۰ھ(۱۴۴۶ء) میں وفات پائی۔

سید برہان الدین قطب عالم: حضرت مخدوم جہانیاں کے پوتے اور ناصر الدین محمود کے فرزند تھے۔ سنہ ۷۹۰ھ (۱۳۸۸ء) میں تولد ہوئے۔ اپنے دادا اور والد اور راجو قتال سے روحانی فیض حاصل کیا۔ اپنے مرشد حضرت صدر الدین راجو قتال کے ارشاد کے مطابق تبلیغ و ارشاد کے لئے اپنی والدہ کے ساتھ سنہ ۸۰۲ھ (۱۴۰۰ء) میں شہر "پٹن" (گجرات) میں آئے۔ اس وقت ان کی عمر ۱۲ سال تھی۔ شیخ فرید الدین گنج شکر کے پوتے شیخ رکن "کان شکر" بھی وہاں رہتے تھے۔ ان کے مشورہ پر "پٹن" میں اقامت پذیر ہوئے۔ سنہ ۸۰۶ھ میں وہاں کے عالم مولانا علی سیر سے تعلیم حاصل کر کے فارغ التحصیل ہوئے۔ جب سلطان احمد نے احمد آباد کا شہر آباد کیا' تو وہ آپ کو "پٹن" سے "احمد آباد" لاکر آباد کیا۔ سلطان احمد آپ کا عقیدت مند تھا۔ سلطان شعرگوئی میں بھی ملکہ رکھتے تھے۔ چنانچہ قطب عالم کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھ کر درباری شاعر کی طرح حضرت قطب عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قصیدہ پڑھا۔ سلطان نے عرض کیا: احمد آباد شہر کے لئے دعا فرمایئے۔ آپ نے کہا اللہ نے چاہا تو احمد آباد شہر ہمیشہ کے لئے آباد رہے گا۔

حضرت قطب عالم پرانے اساول میں "سابرمتی" کے کنارے سکونت اختیار کی اور وہان ایک مسجد تعمیر کروائی۔ نور آباد میں ان کی سکونت کے آثار اب تک موجود ہیں۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد وہاں سے اٹھ کر "بٹوہ" میں رہائش اختیار کی' یہ خطہ بادشاہ نے ان کے اخراجات کے لئے مقرر کیا تھا۔ ۸ ذوالحج ۸۵۷ھ (۱۴۵۳ء) کو اس دار الفانی سے رخصت ہو کر دار البقا کی جانب رحلت کر گئے۔

حضرت قطب عالم کو ۱۲ فرزند ہوئے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند شاہ عالم (ولادت ۸۱۷ھ (۱۴۱۵ء)۔ وفات ۸۸۰ھ (۱۴۷۵ء) سجادہ نشین ہوئے۔ حضرت قطب عالم' اس کی اولاد اور خلفاء نے گجرات کے بے شمار لوگوں کو روحانی فیض پہنچایا۔

سید عثمان شمع برہانی: حضرت قطب عالم کے تلمیذ تھے۔ آپ کے فرمودے کے مطابق براہانپور میں جا کر رہے اور کئی لوگوں کو مستفیض کیا۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف اور شاعر بھی تھے۔ آپ کی ایک کتاب کا نام "مدارج المعارف" ہے۔

شیخ کبیر الدین ملتانی اوچی: حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی اولاد میں سے سید اسمٰعیل بن سید فضل الدین کے فرزند تھے۔ اوچ سے ملتان آکر رہے۔ کئی لوگوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ سنہ ۸۲۵ھ (۱۴۲۲ء) میں فوت ہوئے' آپ کے دو فرزند ہوئے عبدالشکور اور عبدالغفور۔

شیخ روح اللہ: حضرت شیخ صدر الدین راجو قتال کے چار فرزند تھے: شیخ جلال' ابوالخیر' ابو اسحاق اور روح اللہ۔ شیخ روح اللہ "اوچ" سے نقل مکانی کر کے "سرھند" میں آباد ہوئے۔

شیخ محمد بن الحسینی: العلوی الحسینی السندھی گجراتی: سندھ میں پیدا ہوئے' سندھ میں ہی تعلیم و تربیت حاصل کی' تعلیم اپنے والد اور شیخ صدر الدین محمد بن احمد بخاری سے حاصل کی۔ سعادت خان عبداللہ ابن محمود بخاری کے ساتھ گجرات کا سفر کیا اور شہر "پٹن" میں اقامت پذیر ہو گئے۔ وہیں ۵ جمادی الاخر ۸۴۷ھ (۱۴۴۴ء) میں فوت ہوئے۔

شیخ محمد بن الرفیع بن محمد بن عبدالوہاب بن محمد بن الحسین بن محمد بن الحسین بخاری اوچی۔ سندھ میں تولد اور سندھ میں ہی تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اپنے والد سے علوم ظاہری اور طریقت دونوں میں مستفیض ہوئے۔ ۸۸۱ھ (۱۴۷۶ء) میں رحلت فرمائی۔ شیخ الحاج عبدالوحاب بخاری دہلوی آپ کے فرزند ہیں۔

شیخ محمد گجراتی: حضرت قطب عالم کے فرزند اور حضرت شاہ عالم کے بھائی تھے۔ "زاہد" مشہور تھے۔ آپ کی ولادت ۹ رجب ۸۴۸ھ (۱۴۴۴ء) میں ہوئی۔ اپنے بھائی سے تعلیم اور روحانی فیض حاصل کیا۔ بہت سے لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا۔ ۲ شعبان ۸۹۲ھ (۱۴۹۷ء) کو رحلت فرمائی۔ قبر موضع "بٹوہ" کے قریب ہے۔

سید عثمان المشہور بہ جھولہ بخاری: اوچ کے بخاری سادات میں سے تھے۔ شجرہ اس

طرح ہے:

"سید عثمان بن سید محمود بن سید بہاؤ الدین بن سید حامد بن سید محمد بن سید رکن الدین بن سید حامد بن سید ناصر الدین بن مخدوم جہانیاں جہاں گشت"۔

آپ کو چونکہ رعشہ کی بیماری تھی اس لئے "شاہ جھولہ" کہلائے کیونکہ پنجابی میں "رعشہ" کو جھولا کہا جاتا ہے۔ آپ اوچ سے لاہور آکر سکونت پذیر ہوئے۔ لاہور اور گرد نواح کے بہت سے لوگ آپ کے مرید ہوئے۔ ۸ ربیع الاول سنہ ۹۱۳ھ (۱۵۰۶ء) میں فوت ہوئے۔ مزار شاہی قلعہ کے تہ خانہ کے اندر ہے' کیونکہ قلعہ اکبر کے زمانہ میں تعمیر ہوا۔

میرا محمد شاہ المشہور سید موج دریاء شاہ بخاری لاہوری: آپ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی اولاد میں سے تھے۔ ان کے ساتھ آپ کا شجرہ نسب اس طرح ملتا ہے:

"میرا محمد شاہ بن سید صفی الدین شاہ بن سید نظام الدین بن سید علم الدین ثانی بن جلال الدین بن سید علم الدین اوئی بن سید ناصر الدین بن مخدوم جہانیاں جہاں گشت اہل دل بزرگ تھے۔ پہلے اوچ میں رہتے تھے۔ اکبر بادشاہ نے آپ کو چتوڑ گڑھ دعا کے لئے بلایا۔ قلعہ کی فتح کے بعد آپ کو پنجاب میں ایک لاکھ کی جاگیر دی۔ شہر بٹالہ اس جاگیر میں تھا۔ آپ نے جاگیر قبول کر کے لاہور اور بٹالہ میں لنگر جاری کیا جس میں غرباء اور مساکین کھانا کھاتے تھے۔ آپ کی سکونت اکثر لاہور میں رہتی تھی' جہاں کئی لوگ آکر مستفیض ہوتے تھے۔ سنہ ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۵ء) میں وفات پائی۔ آپ کو چار فرزند ہوئے' جو حال و قال کے بزرگ تھے: شاہ شہاب الدین سید صفی الدین' سید بہاؤ الدین اور شاہ فتح اللہ۔ شاہ شہاب الدین نے بٹالہ میں سکونت اختیار کی اور باقی لاہور میں ہی رہے۔

سید جلال الدین حیدر: میراں محمد شاہ بخاری کے بھائی تھے۔ میراں محمد شاہ جاگیر دار اور صاحب دولت تھے' لیکن آپ کو مال و دولت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ آپ نے تمام زندگی صبر و شکر' طلب و رضا' عشق و محبت اور ترک و تجرد' عبادت و ریاضت اور ہدایت و ارشاد میں گذاری سنہ ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ء) میں وفات پائی۔

سید جھولن شاہ المشہور گھوڑے شاہ: سید عثمان جھولا شاہ کے پوتے تھے' جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ آپ کے والد کا نام سید شاہ محمد تھا۔ سید جھولن شاہ کا اصل نام بہاؤ الدین تھا۔ چونکہ آپ کو گھوڑے سواری کا بہت شوق تھا' اس لئے گھوڑے شاہ مشہور ہوئے۔

۱۰۳۰ھ (۱۵۹۴ء) میں فوت ہوئے۔

شیخ سماؤ الدین ملتانی: بن فخر الدین بن جمال الدین ملتانی دہلوی ملتان میں سنہ ۸۰۸ھ (۱۴۰۵ء) میں تولد ہوئے۔ مولانا شاؤ الدین ملتانی سے تعلیم حاصل کی۔ شیخ کبیر الدین اسماعیل حسینی بخاری سے بیعت کی جو صدر الدین راجو قتال کے ولی عہد تھے۔ ملتان میں درس دینا شروع کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد رنتھبور آکر قیام کیا۔ وہاں سے "بیانہ" آئے لیکن تھوڑے عرصے کے بعد دہلی میں آکر سکونت اختیار کی۔ آپ نسباً "کنبوہ" تھے۔ لوگوں کو اللہ کے طرف آنے کی دعوت دی۔ کسی سے سوال نہ کرتے تھے۔ آخر میں نابینہ ہو گئے تھے' لیکن کچھ عرصہ کے بعد کسی علاج کے بغیر بینائی لوٹ آئی۔ ۷ جمادی الاول ۹۰۱ھ (۱۴۹۵ء) کو فوت ہوئے۔ آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف معلوم ہوئیں ہیں:

(۱) شرح لمعات مولفہ شیخ فخر الدین عراقی (۲) مفتاح الاسرار' جو رسائل نفسی سے ماخوذ ہے۔

شیخ جیو گجراتی: بن محمود بن عبداللہ بن محمود' قریہ اساول (گجرات) میں ۸۵۳ھ (۱۴۴۹ء) میں تولد ہوئے اپنے والد بزرگوار اور عم عبداللہ بخاری سے تعلیم اور روحانی فیض حاصل کیا۔ اس کے بعد رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا اور کئی لوگوں کو مستفیض کیا۔ ۲۰ ربیع الثانی ۹۳۱ھ (۱۵۲۵ء) میں فوت ہوئے۔

علی بن اسحاق بخاری دہلوی: آپ کا لقب منہاج الدین تھا۔ عالم اور فاضل تھے۔ دہلی میں درس دیتے تھے۔ دہلی میں رحلت فرمائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپ کے شاگردوں میں ان کے پوتے اسحاق ملقب بہ بدر الدین ابن علی کے علاوہ بے شمار حضرات ہیں۔ آپ کا مدرسہ "مغربیہ" کے نام سے مشہور تھا۔

شیخ سارنگ: سلطان فیروز تغلق کے امراء میں سے تھے۔ ہندوستان کا مشہور شہر "سارنگ پور" آپ کا ہی آباد کیا ہوا ہے۔ آخر سلوک کی راہ میں قدم رکھا۔ پہلے شیخ قوام الدین' خلیفہ مخدوم جہانیاں کے مرید ہوئے۔ پھر حرمین شریفین گئے اور وہاں کچھ عرصہ رہ کر شیخ یوسف ایرجی کی صحبت میں رہ کر ان سے استفادہ کیا۔ واپس آنے کے بعد شیخ راجو قتال نے خرقہ اور دیگر امانتیں بے طلب ان کو بھیج دیں۔

شیخ سراج سوختہ: حضرت مخدوم جہانیاں کے مرید تھے۔ کالپی کے رہنے والے تھے۔

شیخ اسماعیل لاہوری المشہور میاں بڑا: پنجاب کے بہت بڑے عالم' فاضل' صاحب

شریعت، زاہد و متقی گذرے ہیں۔ پنجاب کے بہت سے علماء کرام نے، آپ سے ظاہری اور باطنی فیض حاصل کیا، مثلاً میاں تیمور لاہوری، میاں حامد قادری وغیرہ۔ تمام عمر درس قرآن جاری رکھا۔ آپ کے طریقت کا سلسلہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے اس طرح ملتا ہے۔

"شیخ اسماعیل مرید و خلیفہ شیخ عبدالکریم کے، وہ مرید مخدوم طیب کے، وہ مرید شیخ برہان الدین کے، وہ مرید مخدوم پنن کے، وہ مرید شیخ میلو کے، وہ مرید شیخ حسام الدین ملتانی متقی کے، وہ مرید سید شاہ عالم کے، وہ مرید برہان الدین قطب کے، وہ مرید سید ناصر الدین کے، اور وہ مرید سید جلال مخدوم جہانیاں کے"

شیخ اسماعیل کے والد کا نام فتح اللہ بن عبداللہ بن سرفراز تھا اور قوم کے کھوکھر تھے۔ بے شمار لوگوں کو علمی اور روحانی فیض سے مستفیض کر کے ۱۰۸۵ھ (۱۶۷۴ء) میں اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔ مزار لاہور میں ہے۔

شیخ جان محمد: اپنے وقت کے جید عالم اور صاحب طریقت تھے۔ حضرت شیخ اسماعیل المشہور میاں بڑے کے خلیفہ ہونے سے پہلے کئی لوگ آپ سے مستفید ہوئے۔ سنہ ۱۰۸۲ھ (۱۶۷۱ء) میں فوت ہوئے۔ مزار لاہور میں ہے۔ وڈا کے مرید اور خلیفہ ہونے سے پہلے شیخ اسماعیل کے خلیفہ شیخ عبدالحمید سے مستفیض ہوئے۔

شیخ جان محمد ثانی لاہوری: صاحب شریعت و طریقت تھے حضرت شیخ اسماعیل المشہور میاں تیمور لاہوری سے بھی استفادہ کیا۔ محلہ پرویز آباد (لاہور) میں رہائش پذیر تھے اور وہاں درس دیتے تھے۔ کئی لوگوں کو علمی اور روحانی فیض سے مالا مال کیا۔ سنہ ۱۱۲۰ھ (۱۷۰۸ء) میں فوت ہوئے۔

حامد بن فضل اللہ جمالی دہلوی: عالم، فاضل اور شاعر اور اہل دل بزرگ تھے۔ قوم کے کنبوہ تھے۔ دہلی کے نواح میں قریبا ۸۶۲ھ (۱۴۵۸ء) میں تولد ہوئے۔ حضرت شیخ سماؤ الدین کے مرید تھے، جو ان کے خالو اور سسر تھے۔ جمالی کو بزرگوں کی صحبت میں رہنے اور بزرگان دین کی مزاروں کی زیارت کرنے کا بہت شوق تھا۔ اسی مقصد کے لئے کافی عرصہ سیر و سیاحت کرتے رہے۔ انہوں نے ہندوستان سے باہر دو سفر کئے۔ پہلا سفر سراندیپ کا کیا، جس میں انہوں نے حضرت آدم کے قدم کی زیارت کی۔ دوسرا سفر بلاد اسلامیہ کا تھا۔ جس میں انہوں

نے عراق شام، حجاز مقدس اور دیگر اسلامی ملکوں کی سیر و سیاحت کی، وہ ملتان آئے، بزرگان دین خاص طور پر سہروردی بزرگوں کے مزارات کی زیارت کی اور درگاہ غوث العالم کے سجادہ نشین شیخ شہراللہ سے ملے۔ سندھ میں آئے اور مختلف مقامات دیکھے اور بزرگوں سے ملاقاتیں کیں۔

جمالی کی وفات ۱۰ ذوالقعدہ ۹۴۲ھ (۱۵۳۵ء) میں گجرات میں ہوئی۔ نعش دہلی میں لا کر دفن کی گئی۔ آپ کو تین فرزند ہوئے: حسن، عبدالحی حیاتی (متوفی ۹۵۹ھ=۱۵۵۲ء)، شیخ عبدالرحمن گدائی (متوفی ۹۷۶ھ=۱۵۶۸ء) جمالی دہلوی کی مندرجہ ذیل تصانیف معلوم ہوئی ہیں:

۱۔ مثنوی مراۃ المعانی: اس میں سلوک و عرفان کے نکتے اور مسائل بیان کئے گئے ہیں۔

۲۔ دیوان (۳) مثنوی مہر و ماہ: طویل ترین مثنوی ہے۔

۴۔ سیر العارفین: یہ آپ کی نثری تصنیف ہے، جس میں آپ نے عہد سلاطین کے مشائخ اور صوفیاء کے حالات بیان کئے ہیں۔ اس میں چشتیہ سلسلہ کے چھ مشائخ اور سہروردی سلسلہ کے ساتھ بزرگوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ ضمناً اپنے سفر کے حالات بھی بیان کئے ہیں۔

فصل ہشتم

حضرت شیخ ابو نجیب عبدالقاہر سہروردی کی اولاد

اس بزرگ کی اولاد میں سے شیخ ابوبکر کتانی نقل مکانی کر کے یہاں آئے اور "کوٹ کروڑ" میں آ کر رہے۔ حضرت شیخ ابو نجیب سے آپ کا نسب کا سلسلہ اس طرح ہے:

"شیخ ابوبکر کتانی بن شیخ اسماعیل بن شیخ عبداللہ بن شیخ نصیرالدین بن شیخ سراج الدین بن شیخ ابو نجیب عبدالقاہر"

شیخ ابوبکر کے فرزند سیروسیاحت کرتے ہوئے سندھ میں آئے اور سیوھن کے قریب "بوبک" نامی ایک گاؤں میں آ کر رہے۔ انہوں نے سیوھن میں وفات پائی اور حضرت قلندر شہباز کے روضہ کے قریب مدفون ہوئے۔ ان کی اولاد میں سے فخرالدین صغیرہالہ کنڈی (ضلع حیدر آباد) میں آ کر سکونت پذیر ہوئے۔ مخدوم فخرالدین صغیر کا شجرہ نسب اس طرح ہے:

"مخدوم فخرالدین صغیر بن شیخ عزالدین بن شیخ اسماعیل بن شیخ عبدالوہاب بن پیر میر عرف سرور پیر بن شیخ برہان الدین بن شیخ فخرالدین"

اس خاندان نے ہر جگہ رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا اور ہزاروں بندگان خدا کو راہ راست پر لگایا۔ اس خاندان میں کئی اہل اللہ پیدا ہوئے اور سندھ اور پنجاب میں اس خاندان کے بے شمار مرید ہیں۔

مخدوم نوح ہالائی: اس خاندان میں حضرت مخدوم نوح ہالائی بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں۔ مخدوم فخرالدین صغیر تک ان کا شجرہ نسب اس طرح ہے۔

"مخدوم نوح بن مخدوم نعمت اللہ بن اسحاق بن شہاب الدین صغیر بن فخرالدین صغیر"

حضرت مخدوم نوح کی ولادت سنہ ۹۱۱ھ (۱۵۰۵ء) میں ہوئی اور ۹۹۸ھ (۱۵۸۹ء) میں وفات پائی۔ آپ نے قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا' جو حال ہی میں سندھی ادبی بورڈ کی

طرف سے شائع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے ملفوظات آپ کے خلیفہ بہاؤ الدین گودڑیہ میمن کی کتاب "رسالہ بہاؤ الدین گودڑیہ" میں ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے دوسرے مرید حاجی پنوھر کی کتاب "دلیل الذاکرین" اور آپ کے پوتے مخدوم فتح محمد کی کتاب "رسالہ نتحیہ" میں آپ کے ملفوظات ملتے ہیں۔ آپ کے سندھی ابیات بھی ملتے ہیں۔

ہزار ہا لوگوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ کے خلفاء میں ٹھٹہ کے بہاؤ الدین گودڑیو (وفات ۱۰۳۵ھ۔ ۱۶۲۵ء)۔ سید علی ثانی شیرازی ٹھٹوی اور شاہ عبدالکریم بلڑی والے (وفات ۷۔ ذوالقعد ۱۰۳۲ھ=۱۶۲۲ء) کے نام قابل ذکر ہیں۔ مخدوم بہاؤ الدین گودڑیو بہت بڑے عالم اور فاضل تھے۔ ان کو کتابیں لکھنے اور جمع کرنے کا بہت بڑا شوق تھا۔ سید علی ثانی شیرازی ٹھٹوی ٹھٹہ کے انجوی شیرازی سادات میں سے بہت بڑے بزرگ ہو گذرے ہیں۔ شاہ عبدالکریم بلڑی والے سندھی زبان کے باکمال شاعر تھے۔ سندھی ادب میں آپ کے شعر کو قدامت خواہ فن و فکر کے لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ان کے نسب کا سلسلہ حضرت امام موسیٰ کاظم سے ملتا ہے۔ سندھی زبان کے عظیم شاعر شاہ عبداللطیف بھائی کے پردادا تھے۔ مخدوم نوح کے مرید حاجی دیوان نعمت اللہ اور دوسرے تین مریدوں کے حافظ آباد' سیالکوٹ' جموں' کشمیر اور پنجاب کے دوسرے شہروں میں موجود ہیں۔

مخدوم نوح کی وفات کے بعد آپ کے فرزند امیں محمد اول (وفات ۱۰۱۵ھ=۱۶۰۶ء) سجادہ نشین ہوئے۔ محترم مخدوم محمد زمان طلب المولیٰ آپ کے سترھویں سجادہ نشین ہیں۔

فصل نہم

حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی اولاد

حضرت شیخ شہاب الدین کی اولاد میں سے بھی کچھ بزرگ نقل مکانی کر کے یہاں آئے۔ ان میں سے بعض بزرگوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے:

مخدوم الیاس: حضرت شیخ شہاب الدین کی اولاد میں سے تھے۔ سندھ میں آئے اور سندھ کے ایک قدیم گاؤں "جون" میں آکر آباد ہو گئے۔ اس زمانہ میں یہ گاؤں بہت بڑا تجارتی مرکز تھا' اب ویران ہو گیا ہے۔ ان کے فرزند مخدوم عجائب بھی "جون" میں بڑے اہل دل بزرگ گذرے ہیں۔

مخدوم ضیاء الدین ٹھٹوی: مخدوم عجائب کے فرزند مخدوم ہارون نقل مکانی کر کے ٹھٹہ میں آکر سکونت پذیر ہوئے۔ مخدوم ضیاء الدین ان کے فرزند تھے سنہ ۱۰۹۱ھ (۱۶۷۹ء) میں ٹھٹہ میں تولد ہوئے۔ ٹھٹہ کے عالم مخدوم عنایت اللہ سے تعلیم حاصل کی۔ سندھ کے بہت بڑے عالم' فاضل' محدث' فلسفی اور صوفی مخدوم معین ٹھٹوی آپ کے ہم درس تھے۔ مخدوم ضیاء الدین تحصیل تعلیم کے بعد ٹھٹہ میں الگ مدرسہ قائم کر کے درس دینے لگے۔ آپ کے مدرسہ سے کئی عالم فارغ التحصیل ہو کر نکلے۔ سندھ کے باکمال عالم اور بزرگ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی نے ابتدائی کتابیں آپ کے مدرسہ میں پڑھیں۔

مخدوم ضیاء الدین نے سنہ ۱۱۷۱ھ (۱۷۵۸ء) میں وفات کی۔ آپ کو دو فرزند ہوئے: میاں یار محمد اور مخدوم غلام حیدر۔ آپ نے دینی تعلیم کے سلسلہ میں سندھی زبان میں ایک مفصل کتاب لکھی' جو "الف اشباع" کی نظمی ساخت میں ہے اور "ضیاء الدین جی سندھی" (ضیاء الدین کی سندھی) کے نام سے مشہور ہے اور مدرسوں میں پڑھائی جاتی تھی۔

شیخ یوسف: یہ بزرگ حضرت شیخ شہاب الدین کی اولاد میں سے تھے۔ عراق سے ہجرت کر

کے ملتان آکر رہے۔ بعد میں سندھ آئے اور گاؤں "پاٹ" ضلع (دادو۔ سندھ) میں سکونت پذیر ہو گئے۔ شیخ یوسف نے "پاٹ" میں وفات کی اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپ کی اولاد میں سے سندھ اور ہند میں کئی عالم اور محدث' فقیہ اور اہل اللہ ہو گذرے ہیں۔

شیخ طاہر: شیخ یوسف کے ایک فرزند شیخ طاہر بڑے محدث اور اہل اللہ ہو گزرے ہیں۔ آپ "پاٹ" سے نقل مکانی کر کے "احمد آباد" اور برار سے گذرتے ہوئے "برہانپور" میں آکر متوطن ہوئے۔ جہاں سنہ ۱۰۰۴ھ (۱۵۹۵ء) میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ بلند پایہ تصانیف یادگار چھوڑیں' مثلاً (۱) تفسیر مجمع البحار (۲) مختصر قوۃ القلوب (۳) منتخب مواہب لدنیہ (۴) ملتقط جمع الجوامع سیوطی (۵) مرجز قسطلانی (۶) تفسیر مدارک (۷) اسمای رجال صحیح بخاری (۸) ریاض الصالحین

قاسم بن یوسف: شیخ طاہر کے بھائی تھے۔ سنہ ۹۸۱ھ (۱۵۷۳ء) میں ا۔یلچپور (برار) میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہوئے۔ ان کے فرزند سلیمان اہل دل' صوفی عالم اور فارسی زبان کے شاعر تھے۔

مسیح الاولیاء شیخ عیسیٰ روح اللہ: قاسم بن یوسف کے فرزند تھے۔ سنہ ۹۶۲ھ (۱۵۵۴ء) میں تولد ہوئے اور سنہ ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۱ء) میں فوت ہوئے۔ بہت بڑے عالم اور اہل اللہ تھے۔ کئی لوگوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ نے مختلف کتابوں میں تصوف اور سلوک کے مسائل بیان کئے ہیں۔ ایک عالم اور صوفی شیخ عبداللہ بیابانی نے "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" کی شرح کرتے ہوئے وحدت الوجود کے متعلق عربی زبان میں ایک کتاب لکھی۔ حضرت مسیح الاولیاء نے اس کتاب کی فارسی زبان میں شرح لکھی اور وجودی فکر پر تفصیل سے لکھا۔ اس کے علاوہ آپ نے دوسرا رسالہ تعینات اور حقیقت محمدی کے متعلق لکھا۔

آپ سماع کو عبادت کا درجہ دیتے تھے۔ آپ نے کئی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں' مثلاً (۱) روضۃ الحسنیٰ (شرح اسماء الحسنیٰ) (۲) عین المعانی (اللہ تعالیٰ کے ناموں کی دوسری شرح) (۳) انوار الاسرار (تفسیر قرآن مجید) (۴) رسالہ حواس پنجگانہ (۵) حاشیہ براشارہ غریبہ کتاب "انسان کامل" (شیخ عبدالکریم جیلی کی کتاب انسان کامل پر حاشیہ) (۶) شرح قصیدہ بردہ (۷) رسالہ قبلۃ المذاہب اربع من اشارت اہل تصوف (۸) حاشیہ بر شرح ضیائیہ (مولانا جامی کی

کتاب کافیہ کی شرح) (۹) فتح محمد در علوم -تعلق بہ التفسیر (۱۰) رسالہ عقود)- دو رباعیوں کی شرح (۱۲) ترجمہ اسرار الوحی وغیرہ

آپ کو تین فرزند ہوئے: شیخ عبدالستار اور امام فتح محمد غوث (وفات ۱۰۸۰ھ=۱۶۶۹ء) اور شیخ طہ۔ اس خاندان سے کئی عالم، فاضل اور صوفی پیدا ہوئے، جنہوں نے ہندوستان کے بیشمار لوگوں کو علمی اور روحانی فیض دیا۔ ان میں سے بعض بزرگوں نے تصوف، حدیث، تفسیر فقہ اور دوسرے علوم میں کئی تصنیف یادگار چھوڑیں۔ ان کے خلفاء نے بھی رشد و ہدایت کے سلسلہ ہندوستان کی مختلف جگہوں پر جارے کئے۔

پاٹ اور سیوھن کے صدیقی بزرگ: شیخ یوسف کی اولاد پاٹ میں رہائش پذیر رہی اور پاٹ مین اس خاندان میں کئی بزرگ، عالم، فاضل اور شاعر پیدا ہوئے۔ مفتی عبدالواحد کبیر پاٹائی (وفات ۱۱۲۳ھ=۱۷۱۱ء) اس خاندان میں بہت بڑے عالم فاضل ہو گذرے ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام مولانا عبدالرحمٰن قاری (متوفی ۱۰۸۰ھ = ۱۶۶۹ء) بن محمود سہروردی (متوفی ۱۰۷۰ھ=۱۶۶۰ء) تھا۔ اورنگ زیب کے زمانہ میں پاٹ کی قضا اور فتویٰ آپ کے سپرد تھی ایک مرتبہ سلطان اورنگ زیب سے بھی جاکر ملے۔ واپس آنے کے بعد ٹھٹہ کے مغل گورنر کی طرف سے ایک جاگیر ملی۔ مفتی صاحب کی تصانیف میں سے کشف الاسرار فقہ میں ایک یادگار تصنیف ہے۔

مفتی عبدالواحد کبیر پاٹائی کے فرزند امیر محمد پاٹ سے نقل مکانی کر کے سیوھن میں آکر سکونت پذیر ہوئے۔ پاٹ میں بھی اس خاندان کے بعض افراد بدستور مقیم رہے۔ البتہ امیر محمد کے سیوھن آنے کے بعد یہ دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ اب بھی اس خاندان کے افراد سیوھن اور "پاٹ" میں رہائش پذیر ہیں۔ دونوں شہروں میں اس خاندان سے کئی عالم، فاصل اہل اللہ، اہل قلم اور حکیم ہو گذرے ہیں۔ اس خاندان میں سے مخدوم عبدالواحد صغیر سیوستانی بن مخدوم دین محمد بہت بڑے عالم ہو گذرے ہیں۔ فقہ اور فتاویٰ نویسی کی وجہ سے آپ کو نعمان ثانی کہا جاتا ہے۔ فتاویٰ میں آپ کی کتاب "بیاض واحدی" بہت مشہور اور مقبول ہے۔ آپ نے خواجہ صفی اللہ مجددی کے مرید ہو کر نقشبندی سلسلہ اختیار کیا۔ سندھی اور فارسی زبان کے شاعر بھی تھے۔ سنہ ۱۲۲۴ھ (۱۸۰۹ء) میں آپ نے وفات کی۔

اس خاندان سے اور بھی کئی عالم اور عارف پیدا ہوئے مثلاً مخدوم محمد شفیع پاٹائی، مخدوم محمد عارف سیوھانی، مخدوم محمد سیوھانی، مخدوم بصرالدین سیوھانی وغیرہ۔

فصل دہم

کبرویہ سلسلہ کے بزرگ

شیخ نجم الدین کبریٰ: اس سلسلہ کے بانی شیخ نجم الدین کبریٰ ہیں جنہوں نے حضرت ابونجیب کے خلیفہ حضرت شیخ عماد الدین عمار یاسر (وفات ۵۸۲ھ = ۱۱۸۶ء) کے خلیفہ تھے۔ حضرت نجم الدین کبریٰ نے حضرت شیخ ابو نجیب کے دوسرے خلیفہ شیخ روز بہان مصری سے بھی روحانی فیض حاصل کیا جس کا وطن گازرون تھا، لیکن مصر میں رہتے تھے۔ [illegible]ت روز بہان مصری پر ہروقت استغراق کا عالم طاری رہتا تھا۔ جب نجم الدین کبریٰ ان کی خدمت میں پہنچے، تو حضرت روز بہان ان سے اتنے متاثر ہوئے کہ ان کو اپنا داماد بنایا۔ شیخ روز بہان سنہ ۵۸۴ھ (۱۱۸۸ء) میں فوت ہوئے اور مصر میں مدفون ہوئے۔

[illegible]رت نجم الدین کبریٰ نے خلافت کا خرقہ حضرت ابونجیب کے تیسرے خلیفہ شیخ اسماعیل قصری سے بھی حاصل کیا، جس نے سنہ ۵۸۹ھ (۱۱۵۳ء) میں انتقال کیا۔

حضرت نجم الدین کبریٰ کے سلسلہ کی دو شاخیں ہوئیں۔ ایک سلسلہ شیخ سید علی بن شہاب حسینی ہمدانی نے جاری کیا، جو "کبرویہ" کہلایا۔ دوسرا سلسلہ "فردوسیہ" کے نام سے مشہور ہوا، جس کے بانی شیخ شرف الدین احمد ابن یحیٰی منیری ہیں۔

فردوسیہ سلسلہ: اس سلسلہ کے بانی کا شجرہ طریقت اس طرح ہے:

"شیخ شرف الدین مرید تھے، شیخ نجیب الدین فردوسی کے، وہ مرید تھے شیخ رکن الدین فردوسی کے، وہ مرید تھے شیخ بدر الدین سمرقندی کے اور وہ مرید و خلیفہ تھے حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کے"

شیخ بدر الدین سمرقندی ہندوستان آئے۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء سے آپ کی صحبتیں رہیں۔ حضرت شیخ بدرالدین سماع کی محفلوں میں بھی شریک ہوتے تھے۔ شیخ رکن

الدین فردوسی ان کے مرید تھے اور دہلی میں سکونت رکھتے تھے۔ جب سلطان معزالدین کیقباد نے کیلو کھڑی میں نیا شہر آباد کیا، تو آپ نے بھی شہر سے نکل کر دریائے جمنا کے کنارے قیام کیا۔ ان کے مرید شیخ نجیب الدین فردوسی کی آخری آرام گاہ حوض شمسی سے مشرق جانب صفہ عالی پر مولانا برہان بلخی کے مزار کے نزدیک ہے۔ ان کے مرید شیخ شرف الدین بن یحیٰ منیری، منیری، بہار کے رہنے والے تھے اور انہیں سے یہ سلسلہ جاری ہوا۔

اس سلسلہ کا اثر بہار کے طرف رہا۔ پاکستان کے مختلف علاقوں میں اس سلسلہ کا کوئی خاص اثر نہیں ہے۔

کبرویہ سلسلہ: اس سلسلہ کا شجرہ طریقت حضرت نجم الدین کبریٰ کے خلیفہ شیخ رضی الدین عرف علی الالا سے اس طرح ملتا ہے۔

"سید علی ہمدانی مرید تھے شیخ محمود مزدقانی کے، وہ مرید تھے علاؤ الدین سمنانی کے، وہ مرید تھے شیخ نورالدین کبیر کے، وہ مرید تھے شاہ عبدالرحمٰن مرعشی کرتی کے، وہ مرید تھے شیخ احمد جوزقانی کے اور وہ مرید تھے شیخ رضی الدین عرف علی الالا کے"

اس سلسلہ کے ان بزرگوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے، جن کا تعلق پاکستان سے ہے۔

حضرت سید علی ہمدانی: آپ کا نام سید علی ہمدانی اور لقب امیر کبیر تھا۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام سید شہاب الدین تھا۔ شجرہ نسب اس طرح ہے:

"سید علی ہمدانی بن سید شہاب الدین بن سید محمد بن سید علی بن سید یوسف بن سید شرف الدین بن سید محب اللہ بن محمد ثانی بن سید جعفر بن سید عبداللہ بن سید محمد اول بن سید علی حسن بن سید حسین بن سید جعفر الحج بن سید عبداللہ زاہد بن امام زین العابدین بن امام حسین"

مولانا عبدالرحمٰن جامی نے اپنی کتاب نفحات الانس میں لکھا کہ آپ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ طریقت میں آپ شیخ شرف الدین محمود بن عبداللہ جوزقانی کے مرید تھے۔ لیکن طریقت کی منازل حضرت شیخ تقی الدین علی دوستی سمنانی سے طے کیں تھیں، ان کا شجرۂ طریقت حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ تک اس طرح ہے:

"سید علی ہمدانی مرید شیخ تقی الدین علی دوستی سمنانی کے، وہ مرید شیخ رکن الدین علاؤ الدولہ احمد بن محمد البیابانکی سمنانی (وفات ۲۔ رجب ۷۳۶ھ = ۱۳۳۵ء) وہ مرید شیخ نور الدین کبیر بن

عبدالرحمٰن اسفرائنی کسرتی، وہ مرید شیخ جمال الدین احمد جوزقانی (وفات ربیع الاول ۶۶۹ھ = ۱۲۷۰ء) وہ مرید شیخ رضی الدین علی الالا غزنوی (وفات ربیع الاول ۶۴۲ھ = ۱۲۴۴ء) وہ مرید شیخ نجم الدین کبریٰ، وہ مرید شیخ عمار یاسر اور وہ مرید حضرت شیخ ابو النجیب عبدالقاہر سہروردی کے۔"

حضرت شیخ تقی الدین کے وفات کے بعد شیخ شرف الدین محمود کی طرف رجوع کیا۔ ان کی ہدایت کے مطابق حضرت سید علی ہمدانی نے دنیا کی سیرو سیاحت کی اور کئی اولیاء اللہ سے ملاقاتیں کی۔ آپ نے کچھ کتابیں بھی لکھیں، جن کے نام یہ ہیں:

(۱) ذخیرۃ الملوک (۲) منہاج العارفین (۳) رسالہ نوریہ (۴) مکتوبات (۵) رسالہ در معرفت، صورت و سیرت انسان (۶) شرح اسماء اللہ (۷) شرح فصوص الحکم (۸) شرح خمریہ فارضیہ (۹) اسرار النقطہ وغیرہ

سید علی ہمدانی سلطان قطب الدین کے زمانہ میں سنہ ۷۸۱ھ (۱۳۸۰ء) میں کشمیر میں آئے اور محلہ علاؤ الدین پورہ کی ایک سرائے میں قیام کیا۔ دریائے جہلم کے کنارے ایک چبوترہ بنوا کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہوگئے۔ اسی چبوترہ میں بادشاہ بھی آپ کے کمرہ میں حاضر ہوتا تھا اور ہدایت حاصل کرتا تھا۔ آپ کی آمد کی وجہ سے اس علاقہ میں دین کی روشنی پھیلی اور کفر کی تاریکی دور ہوئی۔ اس سے قبل اس علاقہ میں جہالت کا دور دورہ تھا۔ اسلام کی تعلیم مفقود تھی اور مسلمان۔ غیر مسلموں کی رسومات میں مبتلا تھے۔ آپ کی اصلاحی کوششوں کی وجہ سے مسلمان دین اسلام کی حقیقی تعلیم سے روشناس ہوئے، اور ان کے اخلاق و کردار، عادات و اطوار میں پاکیزگی پیدا ہوئی اور معاشرتی حالات نے ایک نئی صورت اختیار کی۔ غرضیکہ آپ کی رشد و ہدایت کی وجہ سے یہ خطہ اسلام کے نور سے منور ہوگیا۔

چونکہ رعیت پر حاکم وقت کا اثر ایک لازمی امر ہے اس لئے آپ نے حاکم وقت سلطان قطب الدین کی تعلیم اور تربیت کی طرف خصوصی توجہ دی اور اس کو شریعت کا پابند بنایا۔ اس نے غیر مسلموں والی رسومات اور لباس ترک کر دیا اور خود کو اسلامی روایات اور احکام کا پابند بنایا۔ اس سے پہلے شریعت کے احکام کی ناواقفیت کی وجہ سے اس نے دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھا۔ جب اس کو معلوم ہوا، کہ یہ فعل شرع کے منافی ہے۔ تو اس نے اس نکاح کو فسخ کر دیا۔ بادشاہ کی وجہ سے عوام بھی شریعت کی پابندی کرنے لگے۔

سلطان قطب الدین آپ کی بہت عزت کرتا تھا۔ اور آپ کی ہدایت کے مطابق حکومت کے نظام اور معاشرہ کی اصلاح کے سلسلہ میں کوشش کرتا تھا۔ حضرت سید علی ہمدانی بھی اس پر نہایت لطف و شفقت فرماتے تھے۔ آپ نے سلطان کو اپنا کلاہ عنایت فرمایا۔ جس کو اس نے اپنے لئے باعث برکت سمجھ کر تاج کی زینت بنایا۔ بعد میں اس خاندان میں یہ روایت رہی کہ وہ اس کلاہ کو اپنے تاج کی زینت بناتے تھے۔ یہاں تک کہ فتح شاہ نے وصیت کی کہ یہ کلاہ اس کے کفن میں رکھ دی جائے۔ چنانچہ اس کی وفات کے بعد یہ کلاہ اس کے کفن میں رکھ دی گئی۔

کہا جاتا ہے کہ پانچ چھ سال کشمیر میں قیام کرنے کے بعد آپ واپس تشریف لے گئے۔ روانگی کے وقت سلطان قطب الدین کے التماس پر آپ نے مولانا محمد قاری کو جو آپ کے ہمراہ تھے۔ کشمیر میں رہنے کا حکم دیا۔ آپ سنہ ۷۸۶ھ (۱۳۸۴ء) میں کشمیر سے روانہ ہو کر سود اکبر پہنچے۔ جہاں آپ نے ۶۔ ذوالحج ۷۸۶ھ (۱۳۸۵ء) کو وفات پائی۔ شیخ قوام الدین تنہا اس کا تابوت اٹھا کر کبر اور کوہستان چرار کے راستے ختلان (جیکستان) لے گئے اور وہاں ۵۔ جمادی الآخر ۷۸۷ھ (۱۳۸۵ء) کو دفن کیا گیا۔

ایک روایت کے مطابق آپ نے ۲۱ سال کی عمر میں دنیا کی سیروسیاحت کا آغاز کیا۔ تیمور کی ہنگامہ خیزیوں کی وجہ سے اپنے وطن ہمدان کو ترک کر کے سلطان شہاب الدین کے عہد میں سنہ ۷۷۴ھ (۷۳-۱۳۷۲ء) میں سات سو سادات کے ساتھ کشمیر آئے اور وہاں سے حج ادا کرنے گئے۔ دوسری مرتبہ سنہ ۷۸۱ھ (۸۰-۱۳۷۹ء) میں سلطان قطب الدین کے زمانہ میں کشمیر آئے اور دو سال چھ ماہ رہنے کے بعد واپس گئے۔ تیسری دفعہ ۷۸۵ھ (۸۴-۱۳۸۳ء) میں کشمیر آئے اور کچھ دن یہاں رہنے کے بعد اپنے وطن واپس ہوئے۔ راستہ میں پاخلی (مغربی پنجاب) میں اس علاقہ کے حاکم سلطان محمد کے یہاں مقیم ہوئے۔ پاخلی (پاکھلی) سے روانہ ہو کر کونر (کافرستان) پہنچے۔ تو یہاں ۱۔ ذوالحجہ ۷۸۶ھ (۱۳۸۵ء) کو بیمار ہوئے۔ منگل ۵۔ ذوالحجہ ۷۸۶ھ کو ۷۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کی نعش کو ختلان (کولاب) لے جا کر دفن کیا گیا۔

پاخلی (پاکھلی) میں شاندار خانقاہ تعمیر کی گئی۔ بابر نامہ میں آیا ہے کہ "کونار" میں جہاں آپ نے وفات پائی تھی، وہاں آپ کی یادگار کے طور پر ایک عمارت تعمیر کرائی گئی۔ بابر نے

ب سنہ ۹۲۰ھ (۱۵-۱۵۱۴ء) میں چانماں سرائے کو فتح کیا، تو آپ کی وفات کی جگہ پہنچ کر طواف کیا۔

حضرت سید علی ہمدانی کی روحانی اور تبلیغی کارناموں کی وجہ سے نہ صرف کشمیر، بلکہ پنجاب، سندھ اور برصغیر پاک و ہند کے دوسرے علاقوں کو بھی روحانی فیض پہنچا۔ نہ صرف یہ بلکہ تمام اسلامی دنیا میں آپ کو غیر معمولی عظمت اور مقبولیت حاصل ہوئی اور بے شمار لوگوں کو آپ سے روحانی فیض حاصل ہوا۔ ایران، ترکستان اور برصغیر پاک و ہند میں آپ کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ خاص طور پر کشمیر کے لوگوں کو آپ کی ذات کی وجہ سے بڑا دینی فائدہ حاصل ہوا اور زندگی کے حقیقی رخ سے روشناس ہوئے۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند حضرت میر سید محمد ہمدانی ۲۲ سال کی عمر میں ۸۰۲ھ (۳-۱۴۰۲ء) میں کشمیر آئے اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ آپ بڑے عالم، فاضل اور اہل دل بزرگ تھے۔ کشمیر میں بے شمار لوگوں نے آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا۔ تبلیغ اسلام کے ساتھ آپ نے مسلمانوں میں رائج رسومات کی اصلاح کی طرف توجہ دی اور ان رسومات کو ختم کر دیا، جو اسلامی تعلیمات کے منافی تھیں۔ سلطان سکندر بن سلطان قطب الدین آپ کی بڑی عزت کرتا تھا اور آپ کی تبلیغی کوششوں میں آپ سے تعاون کیا کرتا تھا۔ دریائے جہلم کے کنارے جہاں سید علی ہمدانی عبادت کرتا تھا، وہاں عالیشان خانقاہ تعمیر کی گئی۔ ۱۲ سال تبلیغی سرگرمیوں میں کوشاں رہ کر حضرت میر سید محمد نے ۸۱۸ھ (۱۶-۱۴۱۵ء) میں کشمیر میں ہی وفات پائی۔

حضرت سید علی ہمدانی نے فارسی میں شعر بھی کہا ہے۔ نمونہ کے طور پر چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

رندان جانفشاں کہ قدم برفنا زنند۔ برخوان درد ہجر صلای غنا زنند
کسی کز غمزہ ہشش، چو زلف او پریشان شد۔ زنام و ننگ و کفر و دین بکل بے خبر باشد
بر سری کز سری عشقش، والہ و شیدا شد۔ ازبد و نیک وجود خویش بے پرواہ شد
تا پریشان گشت زلفش، بر رخ چوں آفتاب۔ باد شوقش ابرجانم را، پریشاں میکند

سید علی ہمدانی کے وہ رفقا، جو آپ کے ہمراہ کشمیر آئے:

(۱) میر سید حسین سمنانی: آپ کے چچا سید محمد کے فرزند تھے۔ سید علی ہمدانی کے حکم

سے کشمیر کے حالات معلوم کرنے کے لئے سلطان شہاب الدین کے زمانہ میں اپنے اہل و عیال اور متعلقین کے ساتھ کشمیر آئے۔ کشمیر میں دریائے ویشو کے کنارے موضع گولہ گام میں سکونت پذیر ہوئے۔ آپ کے لکھنے پر سید علی ہمدانی کشمیر آئے۔ سید حسین نے کشمیر میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا اور کئی لوگوں نے آپ سے علمی اور روحانی فیض حاصل کیا۔ کشمیر کے مشہور بزرگ شیخ نور الدین اپنے موضع "کیموہ" سے وقت بوقت علمی اور روحانی فیض حاصل کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں آتے رہتے تھے۔

(۲) سید جلال الدین عطائی: کشمیر میں شادی کی اور موضع ہتر پرگنہ کمادر میں متوطن ہو گئے۔ وفات کے بعد مرلہ کے اطراف میں کیہما میں مدفون ہوئے۔

(۳) سید کمال: سید علی ہمدانی نے آپ کو سلطان قطب الدین کو شریعت کی تعلیم دینے کے لئے مقرر کیا۔ کشمیر میں مقیم ہو گئے اور وفات کے بعد محلہ قطب پورہ میں مدفون ہوئے۔

(۴) جمال الدین محدث: سلطان قطب الدین کی گذارش پر سید علی ہمدانی نے آپ کو شریعت کی تعلیم سکھانے کے لئے مقرر کیا۔ وفات کے بعد محلہ اریوت میں دریائے جہلم کے کنارے مدفون ہوئے۔

(۵) سید فیروز: یہ بزرگ بھی کشمیر میں موضع سپور، پرگنہ دہر میں دریائے جہلم کے کنارے سکونت پذیر ہوئے۔

(۶) سید محمد کاظم: آپ سید علی ہمدانی کے کتب خانہ کے حوالدار تھے۔ جب حضرت سید علی ہمدانی کی برکت کی وجہ سے بت خانہ تتہ پور ویران ہوا تو یہ بزرگ وہاں چھوٹے بڑوں کو اسلامی تعلیم دینے کے لئے مقرر ہوئے۔ آخر عمر تک وہیں رہے اور وہیں وفات پائی۔

(۷) سید میر رکن الدین (۸) سید فخر الدین: یہ دونوں بھائی عالم فاضل اور اہل دل بزرگ تھے۔ سید علی ہمدانی کے حکم سے دونوں بھائیوں نے ارن پورہ، پرگنہ اولر میں سکونت اختیار کی اور وہیں زندگی گذار کر فوت ہوئے۔

(۹) سید محمد قریشی: کشمیر میں آنے کے بعد تبلیغی جدوجہد میں مشغول رہے۔ آپ کے تبلیغی جذبہ کی وجہ سے "بجبارہ" کا بت خانہ ویران ہوگیا۔ سید محمد قریشی نے وہاں مسجد بنوائی اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ آپ کا مقبرہ اس مسجد کے قریب ہے۔

(۱۰) مولانا پیر محمد قادری: حافظ قرآن کریم اور قاری تھے۔ سید علی ہمدانی کے ارشاد کے مطابق لوگوں کو اسلامی تعلیم دینے میں مشغول رہے۔ وفات کے بعد سلطان قطب الدین کے مقبرہ میں محلہ لنکرتہ میں مدفون ہوئے۔ آپ کا مزار زیارتگاہ خاص و عام ہے۔

(۱۱) شیخ سلیمان: کشمیر کے معزز ہندو خاندان کے فرد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسلام قبول کرنے کی توفیق دی۔ مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد قرآن مجید حفظ کیا۔ خاندان کی دشمنی کی وجہ سے کشمیر کو خیرباد کہہ کر سمرقند چلے گئے اور ایک عرصہ تک وہاں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ تعلیم کی تحصیل کے بعد کشمیر آئے، لیکن اپنے چچا زاد بھائیون کی دشمنی کی وجہ سے کشمیر چھوڑ کر چلے گئے۔ واپس جانے کے بعد کولاب میں سید علی ہمدانی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے وطن پوچھا تو اس نے کشمیر کے بجائے "باغ سلیمان" بتایا۔ شاہ ہمدانی نے ان کا نام سلیمان رکھا۔ حضرت شاہ ہمدانی نے ان کے فرزند شیخ احمد جو ان کے ساتھ تھے۔ تعلیم و تربیت کی۔ شیخ سلیمان وفات کے بعد جامع مسجد کے نزدیک سید محمود لورستانی کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔

۱۲۔ شیخ احمد خوش خوان: شیخ سلیمان کے فرزند تھے چونکہ قرآن کریم نہایت خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اس لئے خوش خوان کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ کی تعلیم و تربیت سید علی ہمدانی کی زیر نگرانی ہوئی۔ کشمیر کے قیام کے زمانہ میں حضرت سید علی ہمدانی نے آپ سے بڑا مشفقانہ برتاؤ کیا۔ کشمیر سے واپسی پر "کولاب" میں آپ نے ان کو خلافت سے سرفراز کیا اور ان کے والد شیخ سلیمان کی روحانی تربیت بھی ان کے سپرد کی۔ کئی لوگوں نے حضرت شیخ احمد سے علمی اور روحانی فیض حاصل کیا۔ وفات کے بعد سید محمد لورستانی کی مزار کے قریب اپنے والد بزرگوار کے مزار کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

خواجہ محمد اسحاق: کتاب تواریخ آئینہ تصوف میں آیا ہے کہ یہ بزرگ حیدر آباد سندھ میں تولد ہوئے۔ پہلی مرتبہ ۳ صفر ۶۹۷ ہجری (۱۲۹۷ء) میں داؤد احمد سے خلافت حاصل کی۔ اس کے بعد ۱۴ شعبان ۷۶۷ھ (۱۳۶۶ء) کو ہمدان میں حضرت سید علی ہمدانی سے خلافت کلی حاصل کی۔ آپ کا مزار بہاولپور میں ہے۔ اس زمانہ میں حیدر آباد کا شہر آباد نہیں ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ حیدر آباد کے گرد و نواح میں کسی قدیم شہر یا ٹھٹہ کے رہنے والے ہوں۔ تواریخ آئینہ تصوف میں درج آپ کی ولادت اور وفات کی تاریخیں بھی غلط نظر آتی ہیں۔

ولادت کی تاریخ ۱۱ شوال ۷۵۱ ہجری اور وفات کی تاریخ ۸۸۸ ہجری درج ہیں۔ میرے خیال میں یہ کتابت کی غلطیاں ہیں۔ آئینہ تصوف میں خلافت کی تاریخ ۷۶۷ ہجری دی گئی ہے اور وہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ولادت کی تاریخ ۱۱ شوال ۷۱۷ ہجری ہو گی اور وفات کی تاریخ ۱۵ ذوالحج ۷۸۸ ہجری (۱۳۸۷ء) ہو گی۔

خواجہ محمد اسحاق صاحب کے والد بزرگوار کا نام نیاز محمد تھا۔ خواجہ محمد اسحاق بہاولپور کے علاقہ میں آکر رہے اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ آپ کے خلفاء میں سید محمد نور بخش کا نام قابل ذکر ہے۔ جن کا مزار گجرات میں ہے۔

مخدوم بلالؒ

آپ کے والد کا نام مخدوم حسن بن مخدوم ادریس تھا جو سندھ کے سمہ حکمران جام نظام الدین عرف جام نندو کا بھائی تھا۔ مخدوم صاحب کی ولادت ۴ ربیع الاول ۸۵۶ ہجری (۱۴۵۲ء) میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم ٹھٹہ کے مدرسوں میں حاصل کی۔ اس کے بعد موضع ٹلٹی نزدیک (سیوھن) میں آکر سید نور حسین شاہ ٹھٹوی سے تعلیم حاصل کی۔ وہاں کے دوسرے بزرگ مخدوم محمد عمر سے بھی تعلیم حاصل کی اور تفسیر حدیث اور فقہ میں کمال حاصل کیا۔

مخدوم بلال نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہاں سے ہی شادی کی اور وہاں ٹلٹی کے قریب گاؤں بخاری میں سکونت پذیر ہو گئے۔ بافندگی کا پیشہ اختیار کیا۔ طریقت میں آپ کا تعلق سلسلہ کبرویہ سے تھا۔ مولانا دین محمد وفائی نے اپنی کتاب تذکرہ مشاہیر سندھ جلد اول میں بیاض مشتاق علوی (خطی) کے حوالہ سے آپ کا شجرہ طریقت درج کیا ہے۔ وہ اس طرح ہے۔

مخدوم بلال مرید شیخ دوست علی سیستانی کے وہ مرید سید شمس الدین علی ہمدانی کے وہ مرید شیخ شمس الدین مزدقانی وہ مرید ابوالمکارم علاؤ الدین سمنانی وہ نور الدین عبدالرحمٰن اسفرائنی وہ جمال الدین احمد جوزقانی وہ مرید رضی الدین علی الالا غزنوی کے وہ مرید شیخ مجد الدین بغدادی وہ مرید شیخ نجم الدین احمد بن عمر کبروی خوارزمی۔(۱)

اس میں غلطی یہ ہے کہ حضرت شیخ تقی الدین علی دوستی کا نام بگاڑ کر دوست علی لکھ دیا گیا اور اس کو سید علی ہمدانی کا مرید دکھایا گیا ہے حالانکہ وہ سید علی ہمدانی کے مرشد تھے(۲)۔

اس کے علاوہ اور بھی کچھ غلطیاں ہیں۔ سید علی ہمدانی سے شیخ نجم الدین کبریٰ تک شجرہ طریقت حضرت سید علی ہمدانی کے تذکرہ میں پیش کیا جا چکا ہے اور وہ حضرت مولانا جامی کی کتاب "نفحات الانس" سے مرتب کیا گیا ہے(۳)۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم بلالؒ کبرویہ سلسلہ کے کسی ایسے سندھی بزرگ کے مرید تھے، جس کا سلسلہ طریقت حضرت خواجہ محمد اسحاق کے ذریعہ سید علی ہمدانی سے ملتا ہے۔ اوپر حضرت مخدوم بلالؒ کے استاد کا نام "سید نور حسین" مذکور ہے۔ حضرت خواجہ محمد اسحاق کے تذکرہ میں ان کے خلیفہ کا نام بھی سید محمد نور بخش ملتا ہے۔ ان کے مرید کا نام بھی محمد علی نور بخش ملتا ہے(۴)۔ یعنی نام میں تھوڑی سی تبدیلی ہے جو ہو سکتا ہے کہ کتابیں نقل کرنے والوں کی ہو یا عوامی تلفظ کے وجہ سے آگئی ہو۔ بہر حال حضرت مخدوم بلالؒ کے شجرہ طریقت کے لئے یہ بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ ان کا شجرہ طریقت حضرت سید علی ہمدانی کے ذریعہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ سے ملتا ہے۔

سہروردیہ سلسلہ سے ان کا تعلق حامد بن فضل اللہ جمالی دہلوی کے بیان سے بھی ثابت ہوتا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ سہروردیہ سلسلہ کے بزرگ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی مشہور کتاب "عوارف المعارف" ان کے مطالعہ میں رہتی تھی۔ جمالی دہلوی نے سیرو سیاحت کے دوران مخدوم بلالؒ سے ان کے گاؤں میں ملاقات کی۔ لکھتے ہیں۔

"قصبہ سیوھن کے پاس ایک موضع بگری ہے۔ اس گاؤں میں ایک درویش تھے جن کا نام بلال تھا وہ نہایت ریاضت کرنے والے اور پاک اعتقاد تھے۔ جب میں گاؤں میں پہنچا تو میں نے ان سے ملاقات کی۔ ان کے سامنے "عوارف المعارف" رکھی تھی۔ اس حقیر (جمالی) سے چند مقامات پوچھے۔ وہ صاحب دل انسان تھے۔" خود جمالی دہلوی کا تعلق بھی سلسلہ سہروردیہ سے تھا۔

مخدوم بلال کے زمانہ میں کنڈ باغباں (نزدیک دادو۔ سندھ) میں مخدوم دانیال نامی ایک بزرگ رہتے تھے جو مخدوم بلال کی عارفانہ ناموری سن کر ان سے ملنے آئے۔ وہ مخدوم بلال سے اتنے متاثر ہوئے کہ ان کو اپنے گاؤں لے آئے۔ مخدوم بلال وہاں مسجد میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ لیکن روزگار کے لئے بافندگی کا پیشہ قائم رکھا۔ کئی لوگ آپ کے علمی اور روحانی فیض سے مستفیض ہوئے۔

مخدوم دانیال بھی آپ کے مرید ہوئے۔ آپ کے خلفاء میں سے مخدوم دانیال کے علاوہ سید حیدر سنائی' مخدوم ساہڑ لنجار' مخدوم رکن الدین اور مخدوم حسن کے نام قابل ذکر ہیں۔

مخدوم بلال کے زمانہ میں میران محمد جونپوری (وفات ۹۱۰ ہجری ۱۵۰۴ء) سندھ میں آئے۔ مخدوم بلال نے ان کے عقائد کی وجہ سے ان کی سخت مخالفت کی اور ان کو سندھ سے نکالنے کی جدوجہد کی۔ سندھ کے دوسرے علماء نے بھی اس تحریک میں آپ کا ساتھ دیا۔ اس زمانہ میں جام نظام الدین سمہ حاکم سندھ تھے۔ ان کے چہیتے وزیر اعظم "دریا خان" بھی میراں محمد جونپوری کے مرید ہو گئے۔ لیکن مخدوم صاحب اور ان کے خلفاء کی جدوجہد کی وجہ سے جام نظام الدین مجبور ہو گئے اور میراں محمد جونپوری کو سندھ سے چلے جانے کے لئے کہا۔ سندھ سے نکل کر میراں محمد جونپوری قندھار گئے۔ آخر قندھار سے بھی آپ کو نکلنے پر مجبور کیا گیا۔ وہاں سے نکل کر "فراہ" میں پہنچے اور وہیں وفات پائی۔

سندھ کے سلطان جام نظام الدین عرف جام نندو نے پچاس سال سندھ پر شرعی قوانین کے مطابق حکومت کی۔ اس کے زمانہ میں سندھ امن' سکون' علم اور عرفان کا گہوارہ تھا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند جام فیروز تخت نشین ہوئے۔ اس کے زمانہ میں شاہ بیگ ارغون سنہ ۹۲۶ھ (۱۵۲۰ء) میں سندھ پر حملہ کیا۔ شاہ بیگ نے ٹھٹہ فتح کرنے کے بعد وہاں قتل عام کیا۔ اس کے بعد سیوہن کی طرف بڑھے۔ مخدوم بلال نے شاہ بیگ کے خلاف علاقہ سیوھن میں محاذ قائم کیا۔ جس میں سندھ کی بہت سی قومیں شامل ہو گئیں۔ آخر سیوھن کے قریب ٹلٹی کے میدان میں خونریز لڑائی ہوئی۔ جس میں شاہ بیگ ارغون کامیاب ہوئے اور اس میں سندھ کے کئی بہادر شہید ہو گئے۔ شاہ بیگ نے تین دن ٹلٹی میں رہ کر علاقہ کے لوگوں کا قتل عام کیا اور مال و ملکیت کی تباہی کی۔ اس کے علاوہ انھوں نے مخدوم بلال کے مریدوں اور خلفائے کو سخت پریشان کیا اور ان سے بھاری رقمیں جرمانہ کے طور پر وصول کیں۔ سندھ فتح کرنے کے دوسرے سال شاہ بیگ ارغون فوت ہوئے اور اس کے فرزند شاہ حسن ارغون بکھر میں تخت نشین ہوئے۔ شاہ حسن ارغون نے ملتان بھی فتح کیا اور اوچ اور دوسرے شہروں میں تباہی مچائی۔ عوامی روایت کے مطابق ارغون حکمران نے مخدوم کو شہید کرا دیا۔ لیکن تاریخ معصومی میں ہے کہ مخدوم صاحب فوت ہوئے۔ تاریخ وفات

"معصومی" میں ۹۲۹ھ' ۹۲۸ھ اور ۹۳۵ھ درج ہے۔ حدیقۃ الاولیاء میں ۳۰۔ صفر' ۹۳۰ھ ہے۔ شاہ بیگ ارغون نے ۹۲۸ ہجری (۱۵۲۱ء) میں وفات پائی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی وفات کے بعد مخدوم صاحب فوت ہوئے۔

مخدوم بلال" عالم فاضل اور عارف تھے۔ آپ کا سندھی اور فارسی شعر بھی ملتا ہے۔ عوام کے قلبی خزانوں سے آپ کے ملفوظات بھی ملتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہے:

حق کی راہ میں سچ کہنا بہت بڑا جہاد ہے۔

حیاتی فانی ہے۔ انسان ایک مہمان کی حیثیت میں یہاں' آیا ہے جسم' تندرستی' دولت اور عزت عارضی چیزیں ہیں۔ اصل نعمت نیک اعمال سے حاصل ہوتی ہے جو آخرت میں کام آئے گی۔

قرآن حکیم کی حفاظت ہمارا ایمان ہے۔

زمانے کی خواہشوں کو ترک کرنا روح کی راحت خرید کرنے کے مترادف ہے۔

والدین کی اور بڑوں کی عزت خود کے لئے ایک تحفہ ہے۔

مخدوم صاحب کے خلفاء میں سے چند بزرگ۔

سید حیدر: وفات ۹۳۷ ہجری (۱۵۳۰ء) میں' مدفن سن (ضلع دادو)

مخدوم ساہڑ لنجار: مدفن انڑ پور (ضلع دادو)' مخدوم رکن الدین وفات ۹۳۹ ہجری (۱۵۳۲ء) مدفن ٹھٹہ۔

مخدوم حسن: مخدوم سعید عرف ساند (سکرنڈ)۔ مخدوم ہنگورہ نزدیک مورو۔

سید حیدر: سندھ کے میاری سادات خاندان سے تھے۔ سن (ضلع دادو۔ سندھ) کے رہنے والے تھے۔ مولانا عمر ہلیہ سے دینی تعلیم حاصل کی اور مخدوم بلال کی صحبت میں روحانی منازل طے کیں۔ سنہ ۹۳۷ ہجری (۱۵۳۰ء) میں فوت ہوئے اور سن میں مدفون ہوئے۔ سندھ کے مشہور سیاستدان محترم غلام مرتضیٰ سید (جی ایم۔ سید) ان کی اولاد میں سے ہیں۔

مخدوم ساہڑ لنجار: انڑ پور ضلع دادو سندھ کے رہنے والے تھے۔ ہمیشہ عبادت اور ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ مخدوم بلال کے خلیفہ تھے۔ کئی لوگوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ کے خلفاء میں سے سید رکن الدین کا نام قابل ذکر ہے جن کا نسبی تعلق سندھ کے میاری خاندان سے ہے۔ سندھی زبان کے عظیم شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی کا نسبی

تعلق بھی اسی سادات خاندان سے تھا۔ آپ کی وفات دسویں صدی ہجری میں ہوئی۔ آپ کا مقبرہ انڑپور ریلوے اسٹیشن کے قریب پہاڑی پر ہے۔ آپ کے ملفوظات بعض کتابوں میں ملتے ہیں۔ آپ کا ایک قول صاحب تحفتہ الکرام نے دیا ہے۔ اس کے مطابق مخدوم صاحب نے فرمایا:

"میں نے اپنے پیر سے سنا ہے کہ جس میں آپ کو یہ تین خصوصیات نظر آئیں' اس سے ضرور فائدہ حاصل کریں۔ اول یہ کہ ان کی صحبت میں بیٹھنے سے خدا یاد آئے' دوم ان کی گفتگو آپ کے دل پر براہ راست اثر کرے' سوم یہ کہ ان صحبت اور محبت چھوڑنا آپ کو تکلیف دہ محسوس ہو۔"

مخدوم رکن الدین: ٹھٹہ کے عالم فاضل اور بزرگ مخدوم رکن الدین عرف مٹھو مخدوم بلال کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ کو علم حدیث پر بڑی دسترس حاصل تھی۔ شرح "اربعین"' "شرح گیلانی" اور دوسری کتابیں لکھیں' جو بہت مشہور اور مقبول ہوئیں۔ ہمیشہ عبادت اور اوراد میں مشغول رہتے تھے۔ بہت سے طالبان حق آپ کے مرید اور معتقد تھے۔ ہمایوں جب سندھ میں آئے اس زمانہ میں سنہ ۹۴۹ ہجری (۱۵۴۲ء) میں فوت ہوئے۔ اور مکلی پر مدفون ہوئے۔

مخدوم حسن: درویش حسن مقری عرف بلاولی اصل میں نجار تھے۔ مخدوم بلال کے مرید اور خلیفہ تھے' عابد و زاہد اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے۔

شیخ محمد علی نور بخش: حضرت شیخ محمد علی نور بخش اصفہان میں تولد ہوئے۔ روحانی تعلیم حضرت سید محمد نور بخش سے حاصل کی جن کا شجرہ طریقت سید علی ہمدانی سے اس طرح ملتا ہے۔ "شیخ محمد علی نور بخش مرید سید محمد نور بخش' وہ مرید خواجہ اسحاق بن نیاز محمد اور وہ مرید حضرت سید علی ہمدانی۔

حضرت سید محمد نور بخش جب افغانستان میں تھے تو آپ اس کے مرید ہوئے۔ جب سید محمد نور بخش گجرات جاکر رہے تو وہاں بھی آپ گئے اور وہاں آپ کی صحبت میں رہ کر منازل سلوک طے کیں۔ آپ کی وفات ۱۳ رجب ۸۵۷ (۱۴۵۳ء) میں ہوئی۔ آپ کا مزار پشاور میں ہے۔

سید شاہ مدتق: آپ کی ولادت بابل (عراق) میں ہوئی۔ حضرت محمد علی نور بخش سے پشاور

میں خلافت حاصل کی۔ اس کے بعد سندھ میں آئے اور سندھ کے قدیم پرگنہ "کھڈالہ" (موجودہ شاہ بندر تحصیل) میں سکونت پذیر ہوئے۔ آئینہ تصوف میں آپ کی ولادت کی تاریخ ۱۶ ربیع الاول ۸۰۳ھ ہے۔ خلافت حاصل کرنے کی تاریخ ۱۲ رمضان ۸۴۴ ہجری درج ہے۔ لیکن وفات کی تاریخ ۱۱ جمادی الاخر ۱۰۵۷ ہجری درجہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ وفات کے سال میں کتابت کی غلطی ہے۔ وفات کا سال ۸۵۷ء ہو گا۔ اب آپ "شاہ یقین" کے نام سے مشہور ہیں اور آپ کی درگاہ زیارتگاہ خاص و عام ہے۔

سید شاہ احمد محقق: گجرات میں تولد ہوئے۔ سندھ میں آکر سید شاہ مدتق سے روحانی فیض حاصل کیا اور خلافت سے سرفراز ہوا۔ سیرو سیاحت کرتے ہوئے مشہد میں جاکر کچھ عرصہ رہے۔ مشہد میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہوئے۔ مشہد میں شاہ عبدالکریم شاہ آپ کے مرید اور خلیفہ ہوئے۔

سید علی غواص مشہور بہ پیر بابا: آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام موسیٰ کاظم سے ملتا ہے۔ آپ کے والد کا نام قنبر علی تھا۔ ظاہری تعلیم حاصل کر کے باطنی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ شروع میں روحانی فیض اپنے دادا سے حاصل کیا۔ جن کا طریقت کے لحاظ سے تعلق سلسلہ کبرویہ سے تھا اور حضرت شاہ ہمدانی سے اس طرح ملتا ہے:

"سید علی غواص ترمذی' سید احمد نور (جو سید علی ترمذی کے دادا تھے)' سید یوسف نور (جو سید احمد نور کے والد تھے) محمد نور بخش (جو سید یوسف نور کے والد تھے) شیخ ابو اسحاق قلانی' سید علی ہمدانی۔"

دینی اور روحانی تعلیم کے حصول کے لئے سیرو سیاحت کرتے ہوئے اجمیر میں حضرت سالار رومی کی خدمت میں پہنچے' جن کا تعلق سلسلہ چشتیہ سے تھا۔ کچھ عرصہ ان کی خدمت میں رہ کر اکتساب فیض کرتے رہے۔ اپنے پیر حضرت سالار رومی کے حکم سے وطن واپس ہوئے۔ کچھ عرصہ پشاور میں رہنے کے بعد علاقہ یوسف زئی کے موضع' "سوم" میں مقیم ہوئے۔ اور رشدو ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ اس زمانہ میں صوبہ سرحد میں ایک صوفی بزرگ پیر بایزید انصاری معروف بہ پیر روشناں (وفات ۹۸۰ ہجری = ۱۵۷۲ء) کی تحریک روشنائی پھیل رہی تھی اور بیشمار لوگ اس سے متاثر تھے۔ ان کی دعوت مندرجہ ذیل اصولوں پر مبنی تھی۔

شریعت۔ شریعت کے اوامر و نہی کی پوری پوری تقلید اور قرآنی احکام اور سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی۔

طریقت: شرعی عبادت کے ساتھ عورتوں کے طرف بھی توجہ دینا کیونکہ شریعت و طریقت ایک دوسرے سے لازم و ملزوم ہیں۔

حقیقت: جو انبیا علیہم السلام کا شیوہ ہے وہ ہر ایک کے لئے بھی ذکر خفی اور پاکیزگی قلب اور یاد خدا سے غافل نہ رہا جائے۔

معرفت: جس کی بنیاد قوت عقل و فکر اور مشاہدہ پر قائم ہے۔

قربت: جو بلند مراتب طے کرنے اور نفس پر قابو پانے کا نام ہے۔

وصلت: انسان اپنی ہستی کو بھلا کر اپنے اندر صفات الٰہی پیدا کرے۔

وحدت: توحید میں اپنے آپ کو فنا کرکے ذات حق کو اپنے دل میں بسا لینا۔

سکونت: محو و تحقیق کی آخری منزل۔

پیر روشناں نظریہ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ انہوں نے مندرجہ بالا اصولوں پر دعوت دے کر مختلف قبیلوں کے لوگوں کو اپنا ہمنوا بنایا اور اپنی تحریک کو مذہبی اور ملی تحریک کی صورت دی وہ مغلوں سے نبرد آزما رہے۔

سید علی خواص نے پیر روشناں کی تحریک کی سخت مخالفت کی اور ان سے مناظرہ بھی کیا۔ ان کو گمراہ ملحد اور پیر تاریک کہا۔ سید علی غواص کے مرید اخوند درویزا (وفات ۱۰۴۸ھ) بھی پیر روشناں کی سخت مخالفت کرتے رہے۔ چونکہ پیر روشناں مغلیہ حکومت سے لڑتے رہے اس لئے مغلیہ حکومت نے اخوند درویزا کی ہر طرح مدد کی۔ سید علی غواص کے پیر روشناں پر یہ الزمات تھے۔

۱۔ وہ اشیاء موجود کو خدا کہتا تھا اور مخلوقات صوری کو ذات خدا جانتا تھا۔

۲۔ ان کی نظر میں وہ بعث کا منکر تھا اور اپنے متبعین کو اس کی تلقین کرتا'

۳۔ وہ نا محرم عورتوں کو مرید کرتے تھے' انہیں تنہا اپنے ساتھ بٹھاتے تھے' عورتوں کو خلافت دیتے تھے اور انہیں آراستہ کرکے اپنے طریقہ کی تبلیغ کے لئے شہر بشہر پھراتے تھے۔

اخوند درویزا کا یہ الزام بھی تھا کہ انہوں نے جو کتاب خیر البیان نامی لکھی ہے وہ کفرو الحاد سے بھری ہوئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بایزید کے تعلیمات اور عملی تحریک سے ان دونوں

بزرگوں کے الزمات کی تائید نہیں ہوتی۔ سید علی غواص نے ۹۹۱ ہجری (۱۵۸۳ء) میں وفات پائی۔

اختتامیہ

پاکستان میں سہروردیہ سلسلہ کی تحریک کا جائزہ

۱۔ اس سلسلہ کے بزرگوں نے تعلیمات تصوف کا ماخذ قرآن حکیم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا اور شرعی علوم کی روشنی میں تصوف کی تعریف کی۔

۲۔ ان بزرگوں نے نہ صرف اپنی روحانی ترقی کی طرف توجہ کی۔ بلکہ انہوں نے عام لوگوں کو بھی روحانی فیض سے مستفیض کیا۔ ان کے رشد و ہدایت عوام و خواص دونوں کے لئے تھے اور دونوں طبقوں کو اپنی ذات بابرکات سے فیض پہنچانے کی کوشش فرماتے رہے۔

۳۔ انہوں نے اسلام کی تبلیغ کی اہم خدمات انجام دیں اور بیشمار لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

۴۔ آپ نے لوگوں کی روحانی اصلاح' اخلاقی تربیت اور عقائد کی درستگی کے لئے اپنی تحریک کو دور دراز علاقوں تک پہنچانے کے لئے بڑی جدوجہد کی۔

۵۔ یہ بزرگ اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ اور ان کی شخصیت میں بڑی کشش ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے لوگوں کو عملی تعلیم دی۔

۶۔ یہ بزرگ مختلف علاقوں کے مسلمانوں کے سیاسی' اخلاقی' معاشی اور معاشرتی حالات درست رکھنے کے لئے سیاست میں دخل انداز ہوتے تھے اور مختلف علاقوں کے حکمرانوں سے تعلقات رکھتے تھے۔ان کا فائدہ یہ ہوتا تھا۔

(الف) حکمرانوں کو زیادتوں سے روکنے کی کوشش کرتے تھے اور ان کو دین کی خدمت کرنے اور شریعت کو نافذ کرنے کے لئے آمادہ کرتے تھے۔

(ب) حکمرانوں میں اسلامی اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے اور ان کو دنیا کی خدمت کرنے اور شریعت کو نافذ کرنے کے لیے آمادہ کرتے تھے۔

(ج) حکمرانوں سے عوام کی مشکلات میں حل کرانے کی کوشش کرتے تھے۔

(د) مختلف علاقوں کے حکمرانوں کو آپس میں لڑنے سے روکنے کی کوشش کرتے تھے۔ اگر ان کا آپس میں اختلاف پیدا ہو جاتا تھا تو ان میں صلح کرانے کی کوشش کرتے تھے اور صلح کروا کر خون خرابہ کو روکتے تھے۔

(ر) ان بزرگوں کے روحانی کمال اور دنیا سے بے غرضی اور بے نیازی کی وجہ سے سلاطین ان کے آستانوں پر جھکتے تھے۔ اس طرح انہوں نے بڑی حد تک حکومت کو اسلامی تعلیم کے تابع بنانے کی کوشش کی۔

(ر) بعض سلاطین علماء کی سخت گیریوں سے گھبرا کر صوفیائے کرام کے روحانی دامن میں پناہ لیتے تھے۔ صوفیہ کرام ظواہر کی پابندی میں سختی کرنے کی بجائے سلاطین میں اسلام کی اخلاقی اور باطنی روح پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔

(ز) ان بزرگوں نے سلاطین کی تعلیم و تربیت اپنے عام مریدوں سے مختلف انداز میں کی اور خلق اللہ کی حاجت برآوری اور عام عدل پروری پر زیادہ زور دیا۔

۷۔ سہروردی بزرگوں کے حالات میں اس قسم کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ مختصر طور پر کچھ مثالیں نمونہ کے طور پر پیش کی جاتی ہیں۔

(الف) حضرت غوث بہاؤ الدین زکریاؒ نے فرقہ قرامطہ کے اثر کو ختم کرنے کے لئے سندھ کے سومرا حکمرانوں کی طرف توجہ کی جو قرامطہ عقائد کے قائل تھے۔ آپ کی کوشش سے سومرا خانوادہ نے قرامطہ عقائد ترک کر دیے اور سنی عقائد اختیار کئے۔ اس طرح قرامطہ کا اثر ختم ہو گیا۔ اس سے یہ بھی فائدہ ہوا کہ اسلام کی اشاعت ہوئی اور کئی غیر مسلم قبیلوں نے اسلام قبول کیا۔

(ب) حضرت غوث زکریاؒ نے اوچ کے حاکم ناصرالدین قباچہ کو حق بات ان کے منہ پر کہہ دی اور سلطان التمش سے تعلقات پیدا کر کے اس کو شریعت کی پابندی اور مسلمانوں کے فلاح و بہبود کے لئے آمادہ کیا۔

(ج) حضرت رکن عالم اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے بھی حکمرانوں سے تعلقات قائم رکھے اور ان سے مسلمانوں کے مشکلات حل کراتے رہے۔ سندھ کے "سمہ" حکمران اور ہندوستان کے سلطان فیروز تغلق دونوں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے معتقد

تھے۔ سلطان فیروز تغلق نے جب سندھ پر حملہ کیا، تو اس کی فتحیابی نہیں ہو رہی تھی۔ آخر حضرت مخدوم جہاں، "گشت بخاریؒ" نے ان کے درمیان میں صلح کروا دیا۔

(د) حضرت سید علی ہمدانی نے کشمیر میں آکر تبلیغ کی اور کشمیر کے حکمرانوں کو شریعت اسلامی کی پابندی کرنے پر آمادہ کیا۔

(ھ) سندھ میں جب میراں محمد جونپوری آئے، اور لوگ مہدویت کے طرف مائل ہونے لگے، تو حضرت مخدوم بلال نے اس کو روکنے کی عملی جدوجہد کی اور سندھ کے حاکم جام نظام الدین عرف جام نندو کو مجبور کیا کہ وہ میراں محمد جونپوری کو سندھ سے نکال دیں۔

(۸) ان بزرگوں نے علماء اور صوفیاء کی تفریق کو مٹانے کی کوشش کی۔ چنانچہ اس سلسلہ کے کئی بزرگ بہت بڑے عالم اور فاضل تھے۔ حضرت زکریاؒ نے قرآن حکیم ساتوں قراتوں کے ساتھ حفظ کیا تھا اور پندرہ سال تک خراسان اور بخارا میں تحصیل علم کرتے رہے۔ دوسرے بزرگ، مثلاً مخدوم جہاں گشت، مخدوم بلال، رکن عالم وغیرہ بھی عالم اور فاضل تھے۔ ان بزرگوں نے اپنی خانقاہ میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا تھا۔ خود بھی شریعت کی پابندی کرتے تھے اور اپنے مریدوں کو بھی شریعت کا پابند ہونے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ حضرت صدر الدین عارف فرمایا کرتے تھے کہ بندہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب رکھے اور تمام پیغمبرون میں افضل سمجھے اور جو کچھ آپ نے فرمایا ہے اس کو صحیح اور درست سمجھے، خواہ یہ باتیں عقل میں آئیں یا نہ آئیں۔

(۹) علماء اور صوفیا میں وحدت الوجود کا مسئلہ اور سماع متنازعہ فیہ رہا ہے، اس روحانی تحریک کے بزرگوں نے وحدت الوجود کے مسئلہ سے تعلق نہیں رکھا اور نہ انہوں نے اس کو بحث مباحثہ کا موضوع بنایا۔ سماع میں بھی بڑی احتیاط سے کام لیا۔ سماع سنا بھی تو بغیر مزامیر کے، یہی وجہ ہے کہ علماء سے ان کا تصادم نہیں ہوا۔

(۱۰) یہ بزرگ انابت، عبادت اور ریاضت شاقہ کے بعد تمکین و تکوین، مجاہدہ و مشاہدہ کی منزلیں طے کر کے خانقاہوں میں رشد و ہدایت کے لئے بیٹھ جاتے تھے۔ کبھی اس مقصد کے حصول کے لئے سیرو سفر بھی کرتے رہتے تھے۔ ان کی ذات تجلی ربانی و روحانی کی ایک شمع بن جاتی تھی اور لوگ پروانہ وار ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے اور وہ لوگوں کے اخلاق و سیرت کو اپنے اعلیٰ کردار کے نمونہ سے سنوارنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ اس طرح

مسلمانوں کے اخلاق حمیدہ کی تعلیم و تربیت ان بزرگان دین کے ذریعے ہوئی۔ ان ہی بزرگوں کے تزکیہ باطن اور تہذیب نفس کو دیکھ کر غیر مسلموں کے دلوں پر اسلام کی سچی عظمت اور شوکت قائم ہوئی اور بے شمار لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔

ان ہی بزرگوں کے ذریعہ مختلف طبقوں میں اخوت، مساوات، رواداری، دل جوئی، امن پسندی پیدا ہوئی اور صالح اور صحتمند معاشرہ وجود میں آیا۔ امن و سلامتی کی فضا پیدا ہوئی اور حکمرانوں کے ظلم و زیادتی میں کمی واقع ہوئی۔

ماخذ

فارسی

۱۔ نور الدین جامی، مولانا: لوائح، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور

۲۔ عبداللہ حسینی، امیر سید: رسالہ مزارات ہرات، مرتب: فکر سلجوقی، کابل ۱۹۶۷ء

۳۔ یعقوب چرخی، مولانا: رسالہ ابدالیہ، مرتب: محمد نذیر رانجھا، مرکز تحقیقات ایران و پاکستان

۴۔ بہاؤ الحق زکریا ملتانی، شیخ الشیوخ: الاوراد، مرکز تحقیقات ایران و پاکستان، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور،

۵۔ عبدالقادر ٹھٹوی، سید: حدیقۃ الاولیاء، سندھی ادبی بورڈ۔ کراچی،

۶۔ معین الحق جھونسوی: منبع الانساب۔

۷۔ علی شیر قانع ٹھٹوی: مقالات الشعراء، سندھی ادبی بورڈ کراچی،

۸۔ محمد ابراہیم خلیل ٹھٹوی: تکملہ مقالات الشعراء، سندھی ادبی بورڈ کراچی، ۱۹۵۸ء

عربی

شمس الدین احمد بن محمد ابی بکر بن خلکان، ابوالعباس: وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان، ترتیب: ڈاکٹر احسان احمد (آٹھ جلدیں)، قم (ایران)

اردو

(۱) ضیاء الدین ابو النجیب عبدالقاہر سہروردی، شیخ: آداب المریدین، اردو ترجمہ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۸۰ء

(۲) شہاب الدین سہروردی، شیخ الشیوخ: عوارف المعارف، اردو ترجمہ: مدینہ پبلشنگ ہاؤس کراچی، ۱۹۷۷ء

(۳) عبدالرحمٰن جامی: نفحات الانس، اردو ترجمہ، مدینہ پبلشنگ ہاؤس کراچی، ۱۹۸۲ء

(۴) حامد بن فضل اللہ جمالی: سیرالعارفین، اردو ترجمہ: ڈاکٹر محمد ایوب قادری، مرکزی اردو بورڈ لاہور، ۱۹۷۶ء

(۵) محمد باقر بن شاہ ابوالمعالی: ہشت محفل، اردو ترجمہ: ڈاکٹر ظہور احمد، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۸۰ء

(۶) عبدالحق محدث دہلوی، شیخ: اخبار الاخیار، اردو ترجمہ: شعاع ادب لاہور، ۱۹۶۳ء

(۷) علی شیر قانع ٹھٹوی، میر: تحفۃ الکرام، اردو ترجمہ: اختر رضوی، سندھی ادبی بورڈ کراچی، ۱۹۵۹ء

(۸) عبدالوہاب شعرانی علامہ: الطبقات الکبریٰ، اردو ترجمہ، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۶۵ء

(۹) زمن شاہ محمد حسن مخدوم: تواریخ آئینہ تصوف: مکتبہ صابریہ، بستی چراغ شاہ قصور ۱۹۸۱ء

(۱۰) عبدالحی بریلوی لکھنوی، مولانا سید: نزہۃ الخواطر، اردو ترجمہ، مقبول اکیڈمی لاہور (چار جلد) ۱۹۸۵ء

(۱۱) مطیع اللہ راشد برہانپوری، سید محمد: برہانپور کے سندھی اولیاء، سندھی ادبی بورڈ،

(۱۲) اعجاز الحق قدوسی: اقبال کے محبوب صوفیہ، اقبال اکادمی لاہور، ۱۹۸۳ء

(۱۳) غلام سرور لاہوری، مفتی: حدیقۃ الاولیاء، تحقیق و تعلیق، محمد اقبال مجددی، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۷۶ء

(۱۴) محمد غوثی شطاری مانڈوی: گلزار ابرار، اردو ترجمہ: فضل احمد جیوری، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ایڈیشن، ۱۳۹۵ھ (۱۹۷۵ء)

(۱۵) مسعود حسن شہاب: خطہ پاک اوچ، اردو اکیڈمی بہاولپور، ۱۹۶۷ء

(۱۶) محمد ایوب قادری، ڈاکٹر: مخدوم جہانیاں جہاں گشت: کراچی، ۱۹۶۳ء

(۱۷) ظہور الحسن شارب، ڈاکٹر: تاریخ صوفیائے گجرات، جمیل اکیڈمی احمد آباد (ہندوستان) ۱۹۸۱ء

(۱۸) نور احمد خان فریدی، مولانا: بہاؤ الدین زکریا ملتانی، قصر الادب ملتان،

(۱۹) نور احمد خان فریدی، مولانا : صدر الدین عارف، قصر الادب ملتان ۔

(۲۰) صباح الدین عبدالرحمان، سید : بزم صوفیاء، لاہور ۱۹۸۲ء

(۲۱) عبدالحی بریلوی لکھنوی، سید: اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں، اردو ترجمہ، ابو العرفان ندوی، دارا لمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۷۰ء

(۲۲) شمس سراج عفیف : تاریخ فیروز شاہی اردو ترجمہ، کراچی، ۱۹۶۵ء

(۲۳) محمد قاسم فرشتہ : تاریخ فرشتہ (دو جلد) اردو ترجمہ، لاہور،

(۲۴) محمد شفیع مولوی : مقالات مولوی محمد شفیع، جلد پنجم، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۸۱ء

(۲۵) سعید احمد سعید : تاریخ و تعارف ضلع رحیم یار خان، رحیم یار خان ۱۹۸۱ء

(۲۶) حامد خان حامد: حضرت سخی سرور، علماء اکیڈمی، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور، ۱۹۷۵ء

(۲۷) عبدالمجید میمن، سندھی، ڈاکٹر: سندھی ادب کی مختصر تاریخ، انسٹی ٹیوٹ آف سندھالاجی، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، ۱۹۸۳ء

(۲۸) محمد اولاد گیلانی، سید: اولیائے ملتان، سنگ میل پبلیکشنز لاہور، ۱۹۶۳ء

(۲۹) ماہنامہ الرحیم حیدر آباد، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، مارچ، مئی اگست، ستمبر اور نومبر ۱۹۶۴ء (مقالہ: سندھ کے سہروردی مشائخ : ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی)

سندھی

(۱) شجرہ سادات (حدیقۃ الاولیاء، مقدمہ : پیر حسام الدین راشدی)

(۲) محمد رضا: بیان العارفین (ملفوظات شاہ عبدالکریم بلڑی والے)
منظوم سندھی ترجمہ: عبدالرحمان بن محمد ملوک کا تبھا بنھن، مرتب: ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی (مقالہ پی۔ ایچ۔ ڈی) غیر مطبوعہ

(۳) حسام الدین راشدی، پیر: حواشی تکملی نامہ

(۴) نبی بخش خان بلوچ، ڈاکٹر: سید شاہ عنایت جو کلام، سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد ۱۹۶۳ء (مقدمہ)

(۵) دین محمد وفائی، مولانا : تذکرہ مشاہیر سندھ جلد اول، سال ۱۹۸۳ء جلد دوم، سال ۱۹۸۵ء جلد سوم، ۱۹۸۶ء سندھی ادبی بورڈ جام شورو سندھ۔

(۶) مٹائی، وی جے: جہانیاں خاندان، انسٹی ٹیوٹ آف سندھا لاجی، سندھ یونیورسٹی، جام شورو سندھ، ۱۹۷۲ء

(۷) غلام علی الانا، ڈاکٹر : ادبی و ثقافتی تاریخ لاڑ : انسٹی ٹیوٹ آف سندھالاجی، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، ۱۹۷۷ء

(۸) رسالہ سہ ماہی "مہران" ایڈیٹر: نفیس احمد ناشاد، سندھی ادبی بورڈ، مقالہ : حضرت قلندر شہباز کے دور کی ایک صوفیانہ تحریک" : ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی، سندھی ادبی بورڈ، مہران، سال ۱۹۸۳ء، نمبر ۲ اور ۳۔

(۹) رسالہ سہ ماہی "مہران" سال ۱۹۸۴ء سندھی ادبی بورڈ جام شورو۔ نمبر۔ ۴ ۔ مقالہ : سندھ کے سہروردی مشائخ: ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی

(۱۰) رسالہ ششماہی "سندھی ادب" انسٹی ٹیوٹ آف سندھالاجی، سندھ یونیورسٹی مقالہ : ٹھٹہ اور بکھر کے رضوی سادات : ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی

(۱۱) علی گوہر شاہ گوہری کچھی : گلشن غوثیہ ۱۹۳۹ء

(۱۲) رفیق علی شاہ، سید چشتی، کچھی: لطیفت التحقیق، سندھی ترجمہ، محمد حسن مکانی، شائع کردہ: میر خدا بخش ٹالپور، ٹنڈو جان محمد

(۱۳) گربخشانی، ہو تچند مو لچند، ڈاکٹر: لواری جالال، ۱۹۳۴ء

(۱۴) عمر بن محمد داؤد پوتہ، ڈاکٹر: ابیات سندھی، کراچی

(۱۵) عبدالمجید میمن، ڈاکٹر سندھی: تذکرہ شہباز، سندھی ادبی اکیڈمی لاڑکانہ ۱۹۶۹ء

(۱۶) محمد معصوم بکھری، میر: تاریخ معصومی، سندھی ترجمہ، مخدوم امیر احمد، سندھی ادبی بورڈ

غلام مصطفیٰ قاسمی مولانا : الرحیم سہ ماہی تیرھویں صدی کے مشائخ سندھ نمبر، شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد ۱۹۶۷ء

باب ہفتم

سلسلہ نقشبندی

فصل اول

نقشبندی سلسلہ کا تعارف

اس سلسلہ کے بانی حضرت بہاؤ الدین نقشبندی بخاریؒ ہیں۔ آپ کی ہی وجہ سے اس طریقہ کو نقشبندیہ کہتے ہیں۔ آپ کا قالین بانی کا کارخانہ تھا۔ جس میں قالینوں پر طرح طرح کی نقشبندی یعنی نقش و نگاری کا کام کرتے تھے اور کراتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ کو نقشبند کہتے تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نقش دلوں پر بٹھانے کی وجہ سے نقشبند مشہور ہوئے۔

بانی سلسلہ کا تعارف: حضرت بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ العزیز کی ولادت شہر بخارا سے ایک فرسنگ کے فاصلہ پر قصر عارفاں میں ۴ محرم ۷۱۸ھ (۱۳۱۹ء) میں ہوئی۔ ظاہری طور پر آپ حضرت خواجہ سید امیر کلالؒ کے خلیفہ اعظم ہیں' لیکن اویسی طریقے کے مطابق حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ سے مستفیض ہوئے۔ اویسی طریقہ یہ ہے کہ طالب کو بزرگ کے روح سے فیض حاصل ہوتا ہے اور اجازت حاصل ہوتی ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند امام طریقت اور مقتدائے شریعت تھے۔ آپ نے شریعت کی پابندی پر بہت زور دیا ہے۔ آپ سوداگری کرتے تھے اور آپ کو قالین بانی کا کارخانہ تھا۔ آپ کا شجرۂ نسب پچیس واسطوں سے حضرت امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔ آپ نے ۳۔ ربیع الاول ۷۹۱ھ (۱۳۸۸ء) کو وفات پائی۔ آپ کے جاری کردہ سلسلہ نقشبندیہ کا شجرۂ طریقت حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اس طرح ملتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ (وفات ۲۲۔۲۳ جمادی الاخر ۱۳ھ = ۲۔ اگست ۶۳۴)

حضرت سلمان فارسیؓ (وفات ۱۰۔ رجب ۳۳ھ = ۶۵۴ء) مدفن شہر مدائن

حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ (وفات ۲۴۔ جمادی الاول ۱۰۶ھ = ۷۲۴ء) مدفن درمیان مکہ

مکرمہ و مدینہ منورہ

حضرت امام جعفر صادقؒ (ولادت ۸۔ رمضان سنہ ۸۰ھ = ۶۹۹ء' وفات ۱۵۔۱۶ رجب ۱۴۸ھ = ۷۶۵ء) مدفن جنت البقیع' مدینہ منورہ

حضرت شیخ بایزید بسطامیؒ (وفات ۱۴'۱۵'۱۷ شعبان ۲۶۱ھ = ۸۷۴) مدفن شہر بسطام ملک فارس۔

خواجہ ابوالحسن خرقانی (وفات ۱۵ رمضان ۴۲۵ھ=۱۰۳۴ء) مدفن "خرقان" مضاف بسطام

خواجہ ابو علی فارمدی (وفات ۴۔ ربیع الاول ۴۷۷ھ۔ ۵۱۱ھ = ۱۰۸۴ء۔۱۱۱۷ء) مدفن "طوس" عرف مشہد

خواجہ ابو یوسف ہمدانی (وفات ۲۷ رجب ۵۳۵ھ= ۱۱۴۱ء) مدفن۔ موضع "مرو" ملک فارس۔

خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ (وفات ۱۲۔ ربیع الاول ۵۷۵ھ=۱۱۷۹ء) مدفن قصبہ غجدوان" (بخارا)

خواجہ محمد عارف ریوگریؒ (وفات ا۔ شوال ۶۱۶ھ=۱۲۱۹ء) مدفن "رگر" (بخارا)

خواجہ محمود انجیر فغنوی (وفات ۱۷ ربیع الاول ۷۱۵ھ = ۱۳۱۵ء) مدفن انجیر فغنہ (بخارا)

خواجہ عزیزان علی رامیتنی (ولادت ۶۵۸ھ = ۱۲۶۰ء' وفات ۲۷ رمضان ۷۱۵ھ۔۷۲۱ھ= ۱۳۱۵ء۔۱۳۲۱ء) مدفن خوارزم (فارس)

خواجہ بابا سماسی (وفات ۱۰۔ جمادی الاخر ۷۵۵ھ = ۱۳۵۴ء) مدفن سماس (بخارا)

خواجہ سید امیر کلال (وفات ۸۔۱۵ جمادی الاخر ۷۷۲ھ=دسمبر ۱۳۷۰ء ا) مدفن سوخاریہ (رامیتنی)

نوٹ: خواجہ ابو علی فارمدی کے خلفاء میں خواجہ ابو یوسف ہمدانی کے ساتھ امام محمد الغزالی (وفات ۵۰۵ھ = ۱۱۱۲ء) کا نام بھی ملتا ہے۔

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند

تعلیم کا خلاصہ: یہ سلسلہ چونکہ مشہور صوفی بزرگوں: حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی اور حضرت شیخ بایزید بسطامی کے ذریعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جا ملتا ہے' اس لئے' ان بزرگوں کے تعلیمات کا خلاصہ اور سلسلہ کے دوسرے بزرگوں کے تعلیمات کا خلاصہ پیش

کرنا ضروری ہے۔

حضرت ابویزید بسطامی: مولانا جامی نے اپنی کتاب نفحات الانس' میں لکھا ہے آپ بڑے صائب الرائے اور صاحب اجتہاد تھے۔ لیکن علم ظاہری کو ترک کر کے ولایت کے راستہ پر گامزن ہو گئے تھے' اس لئے علوم ظاہری میں آپ کمال ظاہر نہیں ہوا۔ آپ کے طرف بعض شطحیات منسوب ہیں' مثلاً سبحانی' اعظم شانی۔

حضرت ابو علی جوز جانی سے ان الفاظ کے بارے میں پوچھا گیا' جو بایزیدؒ کی طرف منسوب ہیں تو انہوں نے کہا کہ ہم ابویزید کے صاحب حال ہونے کو تسلیم کرتے ہیں اور شاید انہوں نے انتہائے غلبہ یا سکر کی حالت میں وہ الفاظ کہے ہوں اور جو شخص ابو یزید کے مقام تک پہنچنا چاہے اس کو ابویزید جیسا مجاہدہ کرنا چاہیے' اس وقت وہ ان کے کلام کو سمجھ سکتا ہے۔

نفحات الانس میں مولانا جامیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابو علی سندھی حضرت ابو یزید بسطامی کے استادوں میں سے تھے۔ لکھتے ہیں:

"شیخ طریقت روز بھان بقلیؒ کے شطحیات میں مذکور ہے کہ حضرت ابو علی سندھی قدس سرہ ' شیخ ابو یزید بسطامی قدس سرۃ کے استادوں میں سے تھے۔ خود حضرت شیخ بسطامی کا قول ہے کہ میں نے فنائی التوحید کا علم ابوعلی سے سیکھا تھا اور شیخ ابو علیؒ نے مجھ سے سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص (کے مطلب) سیکھے تھے۔

آپ کو حضرت امام جعفر صادقؒ سے روحانی اور اویسی نسبت ہے۔ آپ کو امام موصوف سے ظاہری صحبت نصیب نہیں ہوئی۔ آپ کے ارشادات و فرمودات میں سے چند ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

شریعت کی پابندی: فرماتے ہیں: "اگر تم کسی شخص کو ہوا میں اڑتا ہوا دیکھ لو' تو اس پر فریفتہ نہ ہو جاؤ' جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ وہ امر و نہی' حفظ حدود اور آداب شریعت کا پابند ہے۔"

آپ کے تعلیمات کا ماخذ: ایک روز آپ کے شہر کے عالم و فقیہ نے آکر کہا کہ "اے ابو یزیدؒ تمہارے اس علم کا ماخذ کیا ہے اور سکھانے والا کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔" ابویزیدؒ نے کہا کہ خدا کی بخشش اس کا ماخذ ہے اور خدا سکھانے والا ہے اور وہاں سے آیا ہے' جہاں کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ **من عمل بما یعلم ورثہ**

اللہ علمہ مالم یعلم (جس شخص نے اس پر عمل کیا' جس کو وہ جانتا ہے' اس کو اللہ اس علم کا وارث بنائے گا جو اس کو معلوم نہیں ہے۔) یہ سن کر فقیہ خاموش ہو گیا۔"

معرفت الٰہی: آپ نے فرمایا: "میں نے اللہ کو اللہ ہی کے ذریعہ سے پہچانا اور غیر اللہ کو اللہ کے نور سے اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کو نعمتیں اس لئے عطا فرمائیں کہ ان کے ذریعہ اس کی طرف رجوع ہوں' مگر وہ اس میں پھنس کر اس کو بھول بیٹھے۔

تواضع: کسی نے ان سے پوچھا کہ آدمی کب متواضع ہوتا ہے' تو کہا کہ جب اس کی نگاہ میں خود اپنا کوئی مقام اور کوئی حال نہ ہو اور نہ یہ سمجھے کہ خلق اللہ میں اس سے کوئی برا ہے۔

سچا عابد اور سچا عالم: فرمایا سچا عابد اور سچا عالم وہ ہے کہ تیغ جہد سے تمام مرادات کا سر کاٹ لے اور اس کی تمام شہوات اور تمنا میں محبت حق میں فنا ہو جائیں اور جو اللہ تعالیٰ کی آرزو ہو وہی اس کی بھی ہو۔

اللہ کا دوست: فرمایا جن کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے' ان کو تین خصلتیں عطا فرماتا ہے:
(۱) سخاوت دریا جیسی (۲) شفقت آفتاب کی شفقت کی مانند (۳) تواضع زمین کی تواضع کی مانند

باعث نجات تعلیم: ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھ کو ایسی تعلیم فرمائیے جو میری نجات کا باعث ہو جائے۔ فرمایا دو باتیں یاد کر لے کافی ہے: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ تیرے حال سے آگاہ ہے اور جو کچھ تو کرتا ہے وہ دیکھتا ہے اور تیرے عمل سے بے نیاز ہے۔

حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی: آپ کا نام علی بن احمد اور کنیت ابوالحسن ہے۔ سلوک میں آپ کی تربیت حضرت ابویزید بسطامیؒ کی روحانیت سے اویسی طریقہ پر ہوئی' کیونکہ آپ کی ولادت حضرت سلطان العارفین کی وفات کے بعد ہوئی۔ حضرت خرقانیؒ اہل طریقت و حقیقت کے پیشوا تھے۔ معرفت و توحید میں درجہ کمال رکھتے تھے۔ ہمیشہ ریاضت و مجاہد میں مشغول رہتے تھے۔

سلطان محمود غزنوی' آپ کی ملاقات کے لئے' غزنی سے' خرقان گیا۔ اس کے بعد آپ کو پیغام بھیجا کہ شاہی خیمہ میں تشریف فرما ہو کر آپ سے ملاقات کریں۔ آپ نے سلطان کو کہلا بھیجا کہ مجھے معاف رکھو۔ آخر سلطان نے ایاز کا غلامانہ لباس خود پہنا اور اپنا شاہانہ لباس

ایاز کو پہنا دیا۔ اس حال میں آپ کی خدمت حاضر ہوئے۔ محمود نے آپ سے عرض کیا کوئی نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: اے محمود! ان باتوں کا خیال رکھو (۱) جو چیز شریعت مطہرہ نے منع فرمائی ہے' اس سے اجتناب کرو (۲) نماز با جماعت ادا کرو (۳) خدا تعالیٰ کی مخلوق پر شفقت اور مہربانی کرو۔ آپ کے ارشادات و فرمودات میں سے چند پیش کئے جاتے ہیں:

شریعت کی پابندی: فرمایا: تہتر سال سے اس طرح زندگی گذار رہا ہوں کہ احکام شریعت اور سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک سجدہ بھی ادا نہ کیا اور شریعت مطہرہ کے خلاف اتباع نفس میں ایک سانس بھی نہیں لیا ہے۔

صوفی کی تصدیق: فرمایا کہ صوفی اس کو نہیں کہتے' جو گدڑے پہنے اور جاء نماز پر بیٹھا رہے اور نہ رسوم و عادات سے صوفی ہوتا ہے۔ بلکہ صوفی وہ ہے' جس کو دن میں آفتاب کی اور رات میں چاند ستاروں کی حاجت نہ ہو اور ایسا نیست ہو جائے کہ ہستی کی حاجت باقی نہ رہے۔

ذکر: جب باری تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے' تو اس وقت ہر ابر اٹھ کر آتا ہے اور اس ذکر کا دل اور دل کی کھیتی ہری بھری ہو جاتی ہے۔

مخلوق خدا سے محبت: جو شخص مخلوق خدا کے سامنے شفقت کا برتاؤ نہیں کرتا اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی دوستی اور محبت نہیں ہو سکتی۔

فرمایا: جس شخص کا ایک دن اور رات اس طرح بسر ہو کہ اس سے کسی مومن کو ایذا نہ پہنچے تو اس دن اور اس رات اسی کی نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی محبت اور برکت میسر ہوئی اور جس دن کسی شخص سے کسی مرد مومن کو نقصان پہنچتی ہے' اس دن اسی کی عبادت کو اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا مرتبہ: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا یہ مرتبہ اور مقام ہے کہ آپ کے امت کے بعض بندے کی ایک ساعت کی فکر بنی اسرائیل کے زمانہ کے لوگوں کے ایک سال بھر کے سجدے کے برابر ہوتی ہے۔

طریقت کی تعلیم کی بنیاد: فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کے نور ہیں' وہ معرفت الٰہی کے ایسے ناپید کنار دریاء ہیں کہ اگر اس دریا کا ایک قطرہ بھی باہر آجاتا تو تمام دنیا اور اس کے مکین اس میں غرق ہو جاتے اور میں جس قافلہ میں

ہوں۔ اس کے ساربان اللہ رب العزت اور بعد رب العزت کے ہادی اور مقتدی میرے سردار دو جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور کلام الٰہی اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کے درمیان ہیں۔

دنیا کا طالب: فرمایا: جو شخص دنیا کا طالب ہے' اس پر دنیا حکومت کرتی ہے اور جو شخص دنیا سے روگردانی کرتا ہے' وہ دنیا پر بادشاہت کرتا ہے۔

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی: حضرت عبدالجمیل کے فرزند تھے اور حضرت امام مالک کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت بہاؤ الدین نقشبند نے آپ سے روحانی طور پر اویسی طریقہ سے فیض حاصل کیا۔ آپ سلسلہ نقشبندیہ کے سردار اور امام ہیں۔ آپ ہمیشہ راہ صدق و صفا اور اتباع شریعت و سنت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور مخالفت بدعت و ہوا میں کوشاں رہے۔

حضرت خواجہ یوسف ہمدانی جب بخارا تشریف لائے' تو حضرت خواجہ عبدالخالق نے آپ کی خدمت میں آ کر ان سے اکتساب فیض کیا۔ اگرچہ حضرت خواجہ یوسف ہمدانی کا طریقہ ذکر بالجہر تھا۔ لیکن حضرت خواجہ عبدالخالق کو چونکہ حضرت خضر علیہ السلام نے ذکر بالخفی کی تلقین کی تھی' اس لئے اپنے طریقہ کے لئے ذکر بالخفی اختیار کیا۔ آپ کے ارشادات و فرمودات میں سے چند ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

شریعت کی پابندی: آپ نے ایک وصیت نامہ میں' جو اپنے خلیفہ حضرت خواجہ اولیائے کبیر کو لکھا' لکھا ہے: "ہمیشہ اتباع سنت' مذہب اسلام اور جماعت کے پابند ہو۔ بدعتوں اور مالداروں کی صحبت سے بچو' کیونکہ ان کی صحبت سے دین برباد ہو جاتا ہے۔ دنیا سے دو روٹی پر قناعت کرو "درویشوں اور فقیروں کی صحبت میں رہو۔ گوشہ نشینی اختیار کرو' حلال روٹی کھاؤ۔ چونکہ رزق حلال' نیکی کی کنجی ہے' اور حرام سے بچو' چونکہ لقمہ حرام بندہ کو خالق سے دور کر دیتا ہے۔"

حسن سلوک: لوگوں سے حسن سلوک اور خلق کے ساتھ پیش آؤ۔ اللہ کی اچھی بری تمام مخلوق کے ساتھ رحم کا برتاؤ کرو۔ ہمیشہ ادب کے ساتھ زندگی بسر کرو۔

امارت اور ریاست: امارت اور ریاست کی طلب مت کرو' کیونکہ دولت کا طالب راہ طریقت کا مالک نہیں ہو سکتا۔

دولت کا استعمال: اللہ تعالیٰ نے جو تم کو مال و دولت عطا کی ہے' اس کو اللہ کی مخلوق پر خرچ کرو۔ جوانمردی اور سخاوت اختیار کرو اور بخل اور حسد سے بچو' کیونکہ قیامت کے دن بخیلوں اور حاسدوں کا ٹھکانہ دوزخ ہو گا۔

پانچ خصلتیں: جس شخص میں یہ پانچ خصلتیں پائی جائیں' اس کے ساتھ برادری رکھو: اول جو امیری پر فقیری کو ترجیح دیتا ہو' دوئم جو دین کو دنیا پر ترجیح دیتا ہو' سوئم جو عزت کو ذلت پر ترجیح دیتا ہو' چہارم جو علوم ظاہر و باطن کا عالم ہو' پنجم جو موت کے لئے تیار ہو۔

سماع: حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ کا قول ہے: جو شخص قرآن پاک پڑھے اور اس سے حق کی طلب نہ کرے' اس سے وہ شخص بہتر ہے' جو گانا گائے اور اس سے حق کی طلب کرے۔ قرآن حکیم سے حق کی راہ طلب کرنے کے لئے یہ ایک شبہ ہے' لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت خواجہ خرقانیؒ سماع نہیں سنا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت شیخ ابو سعید کی وجہ سے محفل سماع میں شریک ہوئے۔ حضرت خواجہ عبدالخالق نے بھی سماع کے لئے بہت احتیاط کی تلقین کی ہے۔ فرمایا ہے:

زیادہ محفل سماع میں نہ بیٹھو' کیونکہ سماع سننے سے نفاق پیدا ہوتا ہے اور دل مردہ ہو جاتا ہے۔ سماع کا انکار نہ کرو' کیونکہ صاحب سماع بہت ہیں۔ سماع اس شخص کے لئے جائز ہے' جس کا دل زندہ ہو اور نفس مردہ ہو اور جس شخص کو یہ رتبہ حاصل ہو اس کے لئے نماز روزہ میں مشغول' و مصروف ہونا بہتر ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ کا طریقہ عمل: آپ نے سلسلہ نقشبندیہ کی بنیاد مندرجہ ذیل گیارہ اصولوں پر رکھی' جو خواجگان نقشبندیہ کا طریق عمل ہے اور جو طریقہ نقشبندیہ کی بنائے طریقت ہیں۔ وہ یہ ہیں:

۱۔ ہوش در دم: اس سے مراد یہ ہے کہ سالک ہر سانس کے ساتھ بیداری اور ہوشیاری رکھے کہ ذکر لسانی اور قلبی بھی حضور دل سے ہو' نہ کہ غفلت سے اور ہمیشہ بیدار اور متلاشی رہے تو اس کا سانس خدا کی یاد میں گذرا یا غفلت میں۔

۲۔ نظر برقدم: اس سے مراد یہ ہے کہ سالک پر واجب ہے کہ اپنے چلنے پھرنے کے وقت سوائے قدم کے پشت کے کسی چیز پر نظر نہ ڈالے تاکہ کسی نا محرم پر نظر نہ پڑے اور یہ کہ دوسری چیزوں کی طرف مشغول ہونے سے محفوظ رہے۔

٣۔ سفر در وطن : اس سے مراد باطنی یا روحانی سفر ہے۔ یعنی سالک کو چاہیے کہ صفات بشریہ سیہ و رذیلہ (مثلاً حسد، تکبر، غیبت، ریا وغیرہ) سے صفات ملکیہ (مثلاً صبر، شکر، خوف، رجا وغیرہ) کی طرف تبدیلی و ترقی کرتا رہے۔

٤۔ خلوت در انجمن : یعنی سالک کا دل اللہ تعالیٰ کی یاد میں ایسا مشغول ہو کہ ہر حالت میں یعنی گفتگو کرنے، کھانے پینے، چلنے پھرنے، سونے جاگنے میں ذکر اور ذکر کا خیال ایسا پختہ ہو جائے کہ خواہ کیسی ہی مجلس اور ہجوم ہو، دل اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہے۔

٥۔ یاد کرد : اس سے مراد یہ ہے کہ ذکر کرنا، خواہ لسانی ہو یا قلبی، نفی اثبات ہو یا اسم ذات، سالک کو چاہیے کہ جس طرح وہ اپنے مرشد سے ذکر کی تلقین حاصل کرے، ہر وقت اس کی تکرار میں بلا ناغہ دل کی محبت کے ساتھ بیدار و ہوشیار رہے۔

٦۔ بازگشت: اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ذاکر خیال و تصور سے نفی اثبات (کلمہ طیبہ) کو طاق عدد کی رعایت کرتے ہوئے چند بار کہے تو اس کے بعد دل کی زبان سے مناجات کرے۔

٧۔ نگہداشت : مطلب یہ ہے کہ سالک نفسانی خواہشوں اور وسوسوں کو اپنے دل سے دور کرے۔ اس پر لازم ہے کہ جب دل میں کوئی وسوسہ پیدا ہو، تو فوراً اس کو دور کرے، ورنہ اس کا دور کرنا دشوار ہو جائیگا اور اس کا علاج یہ ہے کہ وسوسہ سے بے خیال ہو جائے۔

٨۔ یادداشت : اس سے مراد یہ ہے کہ توجہ صرف ذات حق کی طرف لگائے رکھے تاکہ دوام آگاہی حاصل ہو جائے اور وھو معکم اینما کنتم (وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں کہ تم ہو) کو ہر وقت نگاہ میں رکھے۔

٩۔ وقوف زمانی: یعنی سالک ہر وقت اپنے حال سے واقف رہے۔ ہر ساعت یہ خیال رکھے کہ غفلت تو نہیں ہوئی، غفلت کی صورت میں استغفار کرنا اور آئندہ اس کے چھوڑنے پر ہمت باندھنی چاہیے۔

١٠۔ وقوف عددی : یعنی ذکر نفی اثبات میں طاق عدد کی رعایت کرے۔

١١۔ وقوف قلبی: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر وقت قلب صنوبری کی طرف، جو بائیں پستان کے نیچے پہلو کی طرف دو انگلی کے فاصلے پر ہے، اللہ تعالیٰ کی یاد کا دھیان رکھنا خصوصاً ذکر کے وقت۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ حبس دم اور رعایت عدد طاق کو ذکر میں لازم نہیں فرمایا۔ لیکن وقوف قلبی کو ذکر کے دوران لازم فرمایا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ سے روایت ہے کہ

جس شخص کا ذکر قلبی ذکر نہ کرے اس کو ذکر سے روک کر صرف وقوف قلبی کا حکم کیا جائے۔

لطیفے : ان گیارہ اصولوں کے علاوہ سلسلہ نقشبندیہ میں دس لطیفے ہیں۔ لطیفہ لفظ "لطیف" سے نکلا ہے، جس کی معنی ہے: باریک یا نازک چیز۔ سلسلہ نقشبندیہ میں صفائی باطن کے تین طریقے مقرر ہیں : رابطہ شیخ، ذکر اور مراقبہ۔ اسم ذات کی تفصیل اس طرح ہے:

سبق اول، لطیفہ قلب: ذکر اس طرح کرے کہ دل پر اللہ اللہ کا خیال گذارتا جائے، زبان سے نہ کہے۔ آنکھیں بند رہیں۔ دل کی طرف گردن جھکی ہوئی ہو۔

سبق دوم، لطیفہ روح: اس کا مقام دائیں پستان کے نیچے دو انگشت کے فاصلے پر مائل بہ پہلو ہے،

سبق سوم، لطیفہ سر: اس کا مقام بائیں پستان کے برابر دو انگشت کے فاصلہ پر مائل بہ وسط سینہ ہے۔ اس میں بھی لطیفہ قلب و روح کی طرح ذکر تلقین کرے۔

سبق چہارم، لطیفہ خفی: اس کا مقام دائیں پستان کے برابر دو انگشت کے فاصلہ پر مائل بہ وسط سینہ ہے۔

سبق پنجم، لطیفہ اخفیٰ: اس کا مقام وسط سینہ ہے۔ اس میں بھی حسب سابق ذکر تلقین کرے۔

سبق ششم، لطیفہ نفس: اس کا مقام ناف کے نیچے دو انگشت کے فاصلہ پر ہے، حضرت مجدد الف ثانی کے نزدیک وسط پیشانی ہے۔

سبق ہفتم، لطیفہ قالبیہ : اس کو سلطان الاذکار بھی کہتے ہیں، اس کا مقام تمام بدن ہے یعنی روئیں روئیں سے ذکر جاری ہو جاتا ہے۔

سبق ہشتم، ذکر نفی اثبات: مذکورہ لطائف میں ذکر جاری ہونے کے بعد نفی اثبات (لا الہ الا اللہ) کا ذکر سانس روک کر کرتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے اول اپنے سانس کو ناف کے نیچے بند کرے۔ یعنی اندر کی جانب سانس کھینچ کر ناف کی جگہ پر روک لے اور خیال کی زبان سے علم "لا" کو ناف سے نکال کر اپنے دماغ تک پہنچائے اور لفظ الہ کو دائیں کندھے پر لے جائے اور لفظ الا اللہ کو عالم امر کے پانچوں لطائف میں سے گذار کر قوت خیال سے دل پر اس شدومد کے ساتھ ضرب کرے کہ ذکر کا اثر تمام لطاف میں پہنچ جائے اس طرح ہر دفعہ

سانس روکنے کی حالت میں چند بار ذکر کرے پھر سانس چھوڑتے وقت **محمد** رسول اللہ خیال کی زبان سے کہے۔ ذکر میں معنی کا خیال رکھنا شرط ہے کہ سوائے ذات کے حق کے کوئی مقصود نہیں ہے۔

سبق نہم، ذکر تہلیل، لسانی: اس کا طریقہ بھی وہی ہے، جو اوپر مذکور رہے۔ البتہ کلمہ طیبہ کا ذکر مذکورہ شرائط کے ساتھ زبان سے کیا جاتا ہے، نہ خیال سے۔

سبق دہم مراقبہ احدیت: زبان خیال کے ساتھ یہ نیت کرے کہ "میرے لطیفہ قلب پر اس ذات والا صفات سے **فیض** آرہا ہے، جو تمام کمالات اور خوبیوں کا جامع ہے اور تمام عیوب و نقائص سے منزہ و پاک ہے اور اسم مبارک اللہ کا مسمی ہے۔" یہ نیت کرے۔ فیضان الٰہی کے انتظار میں بیٹھا ہے۔ اس مراقبہ میں جمعیت اور حضور قلب کی نسبت حاصل ہونے کی طرف توجہ رکھنی چاہئے۔

اس مراقبہ کے بعد دوسرے مراقبے بھی ہیں:

سبق یازدہم، مراقبہ لطیفہ قلب۔ سبق دوازدہم، مراقبہ لطیفہ روح۔ سبق سیزدہم مراقبہ لطیفہ سر۔ سبق چہاردہم، مراقبہ لطیفہ خفی۔ سبق پانزدہم مراقبہ لطیفہ اخفی۔ سبق شانزدہم، مراقبہ معیت۔

ولایت کبریٰ: سلسلہ نقشبندیہ کی تعلیم کے مطابق کمال فنا ولایت کبریٰ میں حاصل ہوتا ہے۔ ولایت کبریٰ سے مراد ہے: فنائے نفس۔ دائرۂ ولایت کبریٰ تین دائروں اور ایک قوس و نصف دائرہ پر مشتمل ہے۔

سبق ہفدہم، دائرۂ اولیٰ: اس مراقبہ میں سالک آیہ کریمہ "**نحن اقرب الیہ من حبل الورید**" (ہم بندے کی رگ جان (شہ رگ) سے بھی زیادہ قریب ہیں) کو دل میں رکھ کر خیال کرے کہ اس ذات کا میرے لطیفہ نفس پر فیض آرہا ہے۔

سبق ہژدہم، دائرہ ثانیہ: اس مراقبہ میں سالک آیہ کریمہ یحبھم ویحبونہ (اللہ تعالیٰ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہیں) کو دل میں ملحوظ خیال کرے۔

سبق نوزدہم دائرہ ثالثہ: اس میں سالک دائرہ ثانیہ والی آیہ کریمہ ملحوظ رکھ کر خیال کرے۔

سبق بستم، قوس: اس میں بھی مندرجہ بالا آیہ کریمہ خیال میں کرے۔

ان کے علاوہ دوسرے مراقبے بھی ہیں، مثلاً

سبق بست ویکم، مراقبہ اسم الظاہر۔ سبق بست و دوم، مراقبہ اسم الباطن

سبق بست و سوم، مراقبہ کمالات نبوت۔ سبق بست و چہارم، مراقبہ کمالات رسالت

سبق بست و پنجم، مراقبہ کمالات اولوالعزم۔ سبق بست و ششم، مراقبہ حقیقت کعبہ

سبق بست و ہفتم مراقبہ حقیقت قرآن مجید۔ سبق بست و ششم، مراقبہ خفیف صلواۃ

سبق بست و نہم، مراقبہ معبودیت صرفہ۔ سبق سی ام، مراقبہ حقیقت ابراہیمی۔

سبق سی ویکم مراقبہ حقیقت موسوی۔

سبق سی و دوم، مراقبہ حقیقت محمدی۔ سبق سی وسوم، مراقبہ حقیقت احمدی

سبق سی و چہارم، مراقبہ حب صرف۔ سبق سی و پنجم مراقبہ لاتعین

خلاصہ اسباق: دل میں جو استغراق و جذبات حاصل ہوتے ہیں، اس کو ولایت صغریٰ کہتے ہیں۔ اس کے بعد نفس میں استہلاک و اضمحلال پیدا ہوتا ہے اور توحید وجودی حاصل ہوتی ہے۔ اس کو ولایت کبریٰ کہتے ہیں۔ پھر توحید شہودی اور کمال استہلاک و اضمحلال اور فنائے انانیت حاصل ہوتی ہے، اس کو کمالات انبیاء کہتے ہیں۔ اس کے بعد تمام وجود میں اضمحلال حاصل ہوتا ہے اور بتدریج وسعت باطن و کمال وسعت حاصل ہوتا ہے، اس کو حقائق الٰہیہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد انبیاء علیہم السلام کے ساتھ انس و صحبت خصوصاً" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت و الفت حاصل ہوتی ہے اور ایمان اور عقائد میں بھی قوت حاصل ہوتی ہے۔ جو شخص ان مقامات کے مراقبات میں کثرت کرتا ہے، وہی ان مقامات کی ترقی میں فرق کر سکتا ہے۔ یہ بھی ہے کہ ہر شخص ان تمام مقامات کو نہیں پہنچتا، بلکہ جہاں تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے قرب کے درجہ تک پہنچتا ہے۔

خواجہ محمود انجیری: حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی کے چار خلفا تھے (۱) خواجہ احمد صدیق (۲) خواجہ اولیائے کبیر (۳) خواجہ سلمان کرینی (۴) خواجہ عارف ریوگری۔ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کی نسبت و ارادت ان میں سے خواجہ عارف ریوگری تک پہنچتی ہے۔ خواجہ عارف کے خلیفہ اعظم خواجہ محمود انجیری فغنوی تھے، جو علاقہ بخارا کے گاؤں موضع انجیر مغنہ کے رہنے والے تھے۔ آپ نے مریدوں کو ذکر جہر کی تعلیم دینا شروع کی، حالانکہ آپ کے خاندان میں ذکر خفی کا طریقہ رائج تھا، کیونکہ حضرت خواجہ عارف نے ایک بار فرمایا تھا کہ

ایک وقت ایسا آنے والا ہے' جب کہ بنا بر مصلحت طالبان حق کو ذکر جہر اختیار کرنا پڑیگا۔ حضرت خواجہ محمود انجیری فغنویؒ نے ذکر جہر کے متعلق فرمایا ہے: "ذکر جہر کی غایت یہ ہے کہ سویا ہوا بیدار ہو جائے اور غفلت سے ہوشیار ہو جائے اور راہ راست پر آجائے اور شریعت اور طریقت پر استقامت حاصل کرے اور توبہ اور انابت کی جانب راغب ہو جائے۔"

خواجہ علی رامیتنی: آپ موضع رامیتن میں پیدا ہوئے' جو بخارا میں بہت بڑا قصبہ ہے۔ حضرت خواجہ محمود انجیری فغنویؒ کے خلیفہ تھے۔ آپ کا لقب "عزیزان" ہے۔ آپ کا پیشہ بافتگی تھا۔ مولانا جامیؒ نے نفحات الانس میں لکھا ہے کہ میں نے بعض اکابر سے سنا کہ مولانا جلال الدین رومیؒ کے مندرجہ ذیل شعر میں آپ کی طرف ہی اشارہ ہے۔

گر ز علم حال فوق بودے کے شدے
بندہ اعیان بخارا خواجہ نساج را

(علم حال اگر قال سے بہتر نہ ہوتا تو سرداران بخارا خواجہ نساج (بافندہ) کے غلام کب بنتے؟)

ذکر: آپ بھی ذکر جہر کی تلقین فرماتے تھے۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ ذکر جہر کی تلقین کیوں کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تمام علماء کرام اس پر متفق ہیں کہ آخر وقت میں ذکر بلند آواز سے کرنا اور تلقین کرنا جائز ہے اور درویشوں کا ہر دم آخری ہوتا ہے۔

ذکر جہر اور ذکر خفی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"مبتدی کے لئے ذکر زبان اور منتہی کے لئے ذکر قلبی کا حکم ہے مبتدی ہمیشہ تکلف اور تحمل سے کام لیتا ہے اور جو منتہی کے ذکر کا دل تک اثر پہنچتا ہے اور اس کے تمام اعضاء اور رگیں اور جوڑ ذکر میں مشغول ہوتے ہیں۔ اس وقت سالک ذکر کثیر سے ... ہوتا ہے اور اس حال میں اس کے ایک دن کا ذکر دوسروں کے ایک سال بھر کے ذکر کے برابر ہوتا ہے۔

ایمان کی تعریف: کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ ایمان کی تعریف کیا ہے تو آپ اپنی صنعت بافتگی کی مناسبت سے فرمایا توڑنا اور جوڑنا۔ یعنی ماسوائے رشتہ توڑ کر حق تعالیٰ سے رشتہ جوڑنا۔

شیخ طریقت کا طریقہ کار: فرمایا: شیخ طریقت کے لئے لازمی ہے کہ اپنے مریدین اور طالبان حق کی اس طرح دیکھ بھال اور تربیت کرے کہ ہر مرید اور طالب کو استعداد اور ظرف کے مطابق تعلیم دے' جس طرح پرندے پالنے والا اپنے پرندوں کی دیکھ بھال اور نگرانی کرتا ہے

کہ وہ ہر پرندے کے پوٹے سے واقف ہوتا ہے اور اس کے حسب حال اس کو خوراک دیتا ہے۔

راہ سلوک کی شرطیں: فرمایا راہ سلوک طے کرنے کے لیے دس شرطیں لازمی ہیں: (۱) طہارت (۲) خاموشی (۳) خلوت (۴) روزہ (۵) ذکر (۶) نگہداشت خاطر (۷) رضا بحکم خدا (۸) صحبت صالحاں (۹) شب بیداری (۱۰) نگہداشت لقمہ۔

حضرت خواجہ امیر کلال: آپ حضرت خواجہ محمد بابا سماسیؒ کے خلیفہ تھے' جو حضرت خواجہ علی رامیتنی کے خلیفہ اعظم تھے۔ حضرت خواجہ امیر کلال چونکہ کوزہ گری کا شغل فرماتے تھے' اس لئے آپ کو "کلال" کہا جاتا تھا۔ جب تیمور نے سمرقند میں قیام کیا' تو تیمور نے آپ کو کہلا بھیجا کہ آکر ملاقات کریں۔ لیکن آپ نہیں گئے۔ اپنے صاحبزادے کو تیمور کے پاس بھیجا اور اس کو یہ تاکید کر دی کہ تیمور تم کو انعام و اکرام دے تو اس کو قبول نہ کرنا۔ چنانچہ آپ کے صاحبزادے تیمور سے ملنے گئے۔ واپسی پر تیمور نے کہا کہ میں نے تمام بخارا تم کو دیدیا۔ لیکن حضرت خواجہ امیر کلال کے صاحبزادے امیر عمر نے اپنے والد بزرگوار کے ہدایت کے مطابق قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ کے ارشادات ہیں کہ:

شریعت کی پابندی: آپ اپنے مریدین سے ہمیشہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم لقمہ اور خرقہ پاک نہیں رکھو گے اور نبی کریم صلی اللہ کی شریعت کا اہتمام نہیں کرو گے' اس وقت چاہے تم عبادت کی کثرت کی وجہ سے کبڑے ہو جاؤ اور ریاضت کرتے کرتے تمہارا بدن کمان کی طرح دبلا پتلا نحیف اور لاغر ہو جائے' لیکن تم ہرگز ہرگز منزل مقصود حاصل نہیں کر سکتے اور فرمایا آیت شریفہ و ثیابک فطہر (یعنی: اپنے کپڑے پاک رکھ کا یہی مطلب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر: فرمایا: ہر وقت خداوند تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے' کیونکہ خدا ترسی سے بہتر کوئی عبادت نہیں ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو' تو کلمہ توحید ماسوائے حق کی نفی کرتے رہو اور نامشروع باتیں نہ کرو۔ اور کلمہ الا اللہ سے تمام مشروعات کا اثبات کرو اور اپنے دل میں ہر وقت یہ سمجھتے رہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شخص عبادت اور سجدہ کے لائق نہیں ہے۔

زکوٰۃ: زکوٰۃ کے معاملے میں انتہائی احتیاط سے کام لینا چاہئے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اس کی نماز' روزہ اور حج کی کوئی عبادت

قبول نہیں ہوتی۔ نیز فرمایا کہ بخیل خدا تعالیٰ سے اور بندگان خدا کے دلوں سے دور رہتا ہے اور بہشت سے دور اور دوزخ سے قریب ہوتا ہے۔ نیز حسن خلق اور سخاوت سے بڑھ کر کوئی چیز انسان کے دین کو درست کرنے والی نہیں ہے۔

سماع : سماع یعنی رقاصوں کی مجلس سے بچو' کیونکہ کثرت سماع اور اہل سماع کی صحبت سے دل مردہ ہو جاتے ہیں۔

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند : آپ کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔ یہاں آپ کے ارشادات اور فرمودات سے چند اقوال درج کئے جاتے ہیں۔

ذکر اور سماع : جن دنوں آپ شہر سرخس میں تھے' ملک حسین کے قاصد ہرات سے آئے اور انہوں نے بادشاہ کا فرمان دکھایا۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ ہمیں درویشوں کی صحبت کا اشتیاق ہے۔ اگرچہ آپ ملوک و سلاطین کی ملاقات کی عادی نہ تھے۔ لیکن آپ مستثنیٰ تشریف لے گئے۔ بادشاہ نے آپ سے چند باتیں دریافت کیں۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کیا آپ کے طریقہ میں ذکر جہر اور سماع و خلوت ہے۔ فرمایا: نہیں۔ بادشاہ نے پھر پوچھا کہ پھر تمہارا طریقہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی کے خاندان کا قول ہے خلوت در انجمن چاہئے۔ بادشاہ نے پوچھا: خلوت در انجمن کیا ہے۔ خواجہ نے فرمایا کہ ظاہر میں خلق کے ساتھ اور باطن میں حق کے ساتھ ہونا۔

مرید کی تربیت : فرمایا پیر طریقت کو اپنے مرید کی تینوں حالتوں یعنی ماضی' حال اور مستقبل سے واقف اور باخبر ہونا چاہئے' تاکہ اس کی صحیح تربیت کر سکے۔

صوفیاء کا طریقہ : فرمایا صوفیا کا طریقہ تمام کا تمام ادب ہی ادب ہے۔ ایک ادب حق جل شانہ کا اور ایک ادب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب ہے اور ایک ادب اپنے شیخ طریقت کا ادب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ادب کی شان یہ ہے کہ بہ شرط کمال بندگی ظاہر و باطن میں باری تعالیٰ کے تمام احکامات کی تعمیل کرے اور ماسوا اللہ کو قطعاً" ترک کر دے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب یہ ہے کہ کلی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اور پیروی کرے اور آپ کی ذات اقدس کو حق جل شانہ اور تمام موجودات کے درمیان واسطہ سمجھے اور پیر طریقت کا درجہ یہ ہے کہ چونکہ اتباع سنت پیغمبر علیہ الصلوۃ و التسلیم کی وجہ سے مشائخ اس درجہ پر فائز ہیں کہ لوگوں کو حق کی دعوت دیں' لہٰذا طالبان راہ طریقت پر

واجب ہے کہ وہ غیبت اور حضور میں اپنے پیران طریقت کا ادب ملحوظ رکھیں۔

بزرگان سلسلہ نقشبندیہ کے تعلیمات کا خلاصہ :

(۱) اس سلسلہ کے بزرگان دین کے تعلیمات کا ماخذ قرآن حکیم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ چنانچہ انہوں نے مناسب موقعوں پر قرآن حکیم کے آیات اور احادیث کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔

(۲) انہوں نے شریعت کی پابندی پر زور دیا ہے۔ بتایا ہے کہ شریعت کی پابندی ہی سے طالب' طریقت کے راہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔

(۳) ان بزرگوں نے اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے اور آپ کی پیروی کرنے کا درس دیا ہے۔

(۴) ان بزرگوں نے اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے محبت کرنے اور ان کی خدمت کرنے کی ہدایت کی ہے۔

(۵) انہوں نے حسن اخلاق سخاوت اور حلال رزق حاصل کرنے کی تلقین کی ہے' اور بد خوئی' بخل حسد اور حرص سے بچنے کی ہدایت کی ہے۔

(۶) ان بزرگوں نے ذکر کی تلقین کی ہے اور ذکر کرنے کا ایک طریقہ مقرر کیا ہے۔ اس سلسلہ کے کچھ بزرگوں نے ذکر جہر کی بھی تلقین کی ہے' لیکن زیادہ تر بزرگوں نے ذکر خفی کی تلقین کی ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند نے ذکر خفی ہی کو رائج کیا اور اب اس سلسلہ میں ذکر خفی ہی کی تلقین کی جاتی ہے۔

(۷) اس سلسلہ کے بزرگوں نے اپنے مریدوں کی باقاعدہ تربیت کی ہے اور ان کے حال کے مطابق ان کو سلوک کی منازل طے کروائے ہیں۔ انہوں نے پیر کے لئے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اپنے مرید کے حال پر نظر رکھے اور اس کی تربیت کرے۔

(۸) ان بزرگوں نے لوگوں کی اخلاقی اور روحانی تربیت کے سلسلہ میں بڑی جدوجہد کی اور اپنے اخلاق حسنہ سے لوگوں کو متاثر کیا۔

(۹) اس سلسلہ کے بزرگ سماع کو پسند نہیں کرتے تھے۔ بلکہ سماع کے مخالف رہے۔

(۱۰) اس سلسلہ کے بزرگ سلاطین سے ملنے سے گریز کرتے تھے۔ محمود غزنوی نے حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی کو ملاقات کے لئے اپنے ہاں بلایا' لیکن آپ نہیں گئے' آخر سلطان خود

آپ کی صحبت سے مستفیض ہونے کے لئے ان کی خدمت میں گئے۔ تیمور نے خواجہ امیر کلال کی بلایا۔ لیکن حضرت خواجہ صاحب خود نہیں گئے اور اپنے صاحبزادے کو بھیجا اور اس کو تاکید کی کہ تیمور کا انعام و اکرام قبول نہ کریں' البتہ حضرت خواجہ نقشبند حالات کا تقاضا محسوس کر کے ہرات کے سلطان کے بلانے پر ان سے ملنے گئے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ سلطان نے آپ سے طریقت اور راہ سلوک کے متعلق سوالات کئے اور آپ نے وضاحت سے ان سوالات کا جواب دے کر' اپنے طریقہ کی تعلیم کو بڑے موثر انداز میں بیان کیا۔

(۱۱) حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ نے اس سلسلہ کی بنیاد گیارہ اصولوں پر رکھی ہے' جو مختصر طور پر بیان ہو چکے ہیں۔

فصل دوئم

برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ نقشبندیہ کی آمد

برصغیر پاک و ہند میں یہ سلسلہ نویں صدی ہجری میں آیا۔ ان بزرگان دین کا تعارف پیش کیا جاتا ہے:

مولانا عبدالرحمٰن لاہوری: محمد غوثی شطاری مانڈوی نے اپنے تذکرہ "گلزار ابرار" میں لکھا ہے کہ آپ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار سے روحانی فیض حاصل کیا۔ سنہ ۹۵۰ھ (۱۵۴۳ء) میں فوت ہوئے۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار باغستان میں ۸۰۶ھ (۱۴۰۴ء) میں تولد ہوئے۔ باغستان تاشقند کے مضافات میں تھا۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام دار محمد بن شہاب الدین تھا۔ آپ نے ۲۹۔ ربیع الاول سنہ ۸۹۵ھ (۱۴۹۰ء) میں فوت ہوئے۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار نے بھی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی پر زور دیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہے۔

"پیر اس کو کہتے ہیں کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پسندیدہ نہ ہو وہ اس میں باقی نہ رہے اور جو حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پسندید ہو وہ اس میں باقی رہ جائے اور ایسا آئینہ بن جائے جس میں سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ کے اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ کے کچھ نظر نہ آئے۔"

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ حضرت خواجہ یعقوب چرخی کے خلیفہ تھے اور وہ خواجہ محمد علاؤ الدین کے خلیفہ تھے اور وہ حضرت خواجہ نقشبند کے مرید تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبدالرحمٰن' لاہور سے تاشقند گئے اور حضرت خواجہ عبید اللہ احرار سے روحانی فیض حاصل کر کے' لاہور میں آکر سلسلہ کی تعلیم دینا شروع کی۔

مولانا حسام الدین سبزو اور مولانا حسام الدین سرخ: دونوں بزرگ لاہور کے رہنے

والے تھے اور سلسلہ نقشبندیہ احراریہ سے وابستہ تھے۔ مولانا حسام الدین سرخ نے سنہ ۹۷۰ھ (۱۵۶۲ء) میں وفات پائی۔

مولانا بدر الدین اسحاق: یہ بزرگ بھی سلسلہ احراریہ نقشبندیہ سے وابستہ تھے۔

مولانا اسماعیل لاہوری: دینی تعلیم شیخ الاسلام مولانا سیف الدین احمد شہید ہروی سے حاصل کی اور کچھ کتابیں حضرت امیر سید جمال الدین عطاء اللہ محدث سے پڑھیں۔ سلسلہ نقشبندیہ سے وابستہ تھے اور امیر عبداللہ ہروی عرف میر قطبی کے مرید تھے' جو شیخ جلال واعظ ہروی بخاری کے مرید تھے۔ سنہ ۹۸۰ھ (۱۵۷۲ء) میں فوت ہوئے اور لاہور میں مدفون ہوئے۔

خواجہ خاوند محمود لاہوری: خواجہ ضیاء الدین بن خاوند محمود کے فرزند تھے۔ بخارا میں سنہ ۹۷۱ھ (۱۵۷۳ء) میں تولد ہوئے۔ بیس سال کی عمر میں ظاہری علوم سے فراغت حاصل کی۔ وہاں سے کابل آئے اور کچھ عرصہ رہے۔ اس کے بعد کشمیر میں آکر چند سال رہے اور ہزار ہا بندگان خدا کو نسبت نقشبندیہ سے سرفراز کیا۔ وہاں سے ہندوستان آئے اور دہلی اور اکبر آبادی کی سیر کرتے ہوئے لاہور میں رونق افروز ہوئے۔ شاہجہان بادشاہ کی گذارش پر لاہور میں قیام کیا اور تمام عمر خلق خدا کو روحانی فیض دینے میں مصروف رہے۔

خواجہ خاوند محمود' حضرت خواجہ ابو اسحاق سفید دہ بیدی بن مخدوم خواجہ احمد کاشانی کے مرید تھے۔ آپ کے روحانی نسبت کا سلسلہ خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کے خلیفہ علاؤ الدین سے ملتا ہے۔ خواجہ خاوند محمود سنہ ۱۰۵۲ھ (۱۶۴۲ء) میں فوت ہوئے اور لاہور میں مدفون ہوئے۔ آپ کے فرزند خواجہ معین الدین نے آپ کی سوانح حیات کے متعلق "کتاب رضوانی" کے نام سے کتاب لکھی۔

خواجہ معین الدین: خواجہ خاوند محمود کے فرزند تھے۔ بڑے عالم اور فاضل تھے اور کئی کتابیں تصنیف کیں۔ آپ کے والد بزرگوار نے آپ کو کشمیر میں قیام کرنے کی تلقین کی تھی۔ تاکہ وہاں کے لوگوں کو روحانی فیض پہنچائیں۔ اکبر' جہانگیر اور شاہجہانی دور کی پیدا کردہ بدعات کے خاتمہ کے لئے ہروقت کوشاں رہے۔ اورنگ زیب کے زمانہ میں "زبدۃ التفاسیر" کے نام سے قرآن حکیم کی تفسیر لکھی۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں لکھیں۔ مثلاً: فتاویٰ نقشبندیہ' کنز السعادت' شرح القرآن (فارسی) الفرقہ القلوب و تحفتہ الکاملین (عربی)

وغیرہ۔ محرم۔ ۱۰۸۵ھ (۱۶۷۴ء) میں فوت ہوئے۔

خواجہ باقی باللہ: سلسلہ نقشبندیہ' حضرت خواجہ باقی باللہ کے ذریعہ' برصغیر پاک و ہند میں بہت پھیلا اور ہر علاقہ میں اس سلسلہ کے بزرگوں نے دین اسلام کی اہم خدمت انجام دی۔ بدعات کو روکنے کے لئے سخت جدوجہد کی اور لوگوں کو شریعت کا پابند بنانے کے لئے' ہر وقت کوشاں رہے۔ تصوف میں جو گمراہ کن خیالات اور نظریات پیدا ہوئے تھے' ان کی پر زور تردید کی اور اپنے اخلاق' کردار اور طریقہ کار کی وجہ سے لوگوں کے دلوں کو موڑ دیا اور ان کو راہ راست پر لے آئے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ سمرقند و کابل کے رہنے والے تھے۔ آپ کا اسم گرامی محمد باقی تھا۔ لیکن باقی باللہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کے والد کا نام عبدالسلام تھا۔ کابل میں سنہ ۹۷۱ھ (۱۵۶۳ء) میں تولد ہوئے اور کابل اور ماوراء النہر کے مختلف شہروں میں تعلیم حاصل کی۔ ظاہری تعلیم سے فراغت پانے کے بعد ہندوستان آئے۔ لاہور میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد مرشد کی تلاش میں ہندوستان کے بعض شہروں میں گئے۔ تسلی نہیں ہوئی اور پھر ماوراء النہر کا سفر کیا۔ وہاں کے ایک قصبہ "امکنہ" کے بزرگ خواجہ محمد خواجگی امکنگی کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی اور جلد ہی روحانیت کے بلند مقام پر فائز ہوئے۔ مرشد کے حکم سے ہندوستان میں وارد ہوئے اور دہلی میں آکر رہے۔ یہاں ہزاروں طالبان حق آپ کی تربیت سے روحانیت کی اعلیٰ منصب پر فائز ہوئے۔ دہلی کے مشہور عالم اور فاضل حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (وفات ۱۰۵۲ھ = ۱۶۴۲ء) نے بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور روحانی فیض حاصل کیا۔

انہی دنوں حضرت مجدد الف ثانی اپنے والد بزرگوار کی وفات (۱۰۰۷ھ = ۱۵۹۸ء) کے بعد حج کے ارادے سے اپنے وطن سے روانہ ہوئے۔ دہلی پہنچے تو اپنے چند دوستوں سے حضرت باقی باللہ کی تعریف سن کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی صحبت سے متاثر ہوئے۔ تین چار روز کے بعد سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ دو ماہ اور کچھ دن میں آپ نے سلسلہ نقشبندیہ میں خرقہ خلافت حاصل کیا۔

حضرت خواجہ باقی باللہ نے چالیس سال کی عمر میں ۲۶۔ جمادی الثانی ۱۰۱۲ھ (۱۶۰۳ء) کو

دہلی میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپ کے مرید صوفی محمد صدیق ہدائی تخلص نے آپ کی تاریخ رحلت "ہادی شریعت بود" سے نکالی ہے۔۱ے حقیقت بھی ہے کہ آپ ہندوستان میں شریعت کے احیاء کے لئے اہم خدمات سرانجام دیں۔ اس دور کے روحانی اور مذہبی تحریکوں کا غور سے مطالعہ کیا جائے' تو معلوم ہو گا کہ آپ کی ذات احیائے سنت کی تمام تحریکوں کا منبع تھی۔ آپ کے ملفوظات اور مکتوبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے شریعت کی پابندی پر بہت زور دیا ہے اور ذہن نشین کرایا ہے کہ ہماری فلاح و بہبود اسی میں ہے کہ ہم گمراہ کن خیالات اور بدعات کو چھوڑ کر شریعت کی سختی سے پابندی کریں۔

سترھویں صدی عیسوی کی دو جلیل القدر ہستیوں: حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے آپ کے روحانی فیض سے مستفیض ہو کر احیائے سنت کا بیڑا اٹھایا اور اہم خدمات انجام دیں۔ حضرت مجددؒ نے عہد اکبری کے فتنوں کا بڑی جرات اور مجاہدانہ جذبے سے مقابلہ کر کے لوگوں کے صحیح سمت میں رہنمائی کی۔

آپ کا سلسلہ طریقت حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری سے اس طرح ملتا ہے:

خواجہ محمد بہاؤ الدین نقشبند بخاریؒ

مدفن بخارا قصری عارفاں کے خلفاء:

(۱) خواجہ محمد پارسا (وفات ۲۳۔ ذوالحج ۸۲۲ھ = ۱۴۱۹ء صاحب رسالہ قدسیہ)

(۲) خواجہ محمد علاؤ الدین عطار (وفات ۲۰ رجب ۸۰۲ھ= ۱۴۰۰ھ۔ مدفن جغانیاں۔ ماوراء النہر)

(۳) خواجہ علاؤ الدین غجدو

خواجہ محمد عطاء الدین عطار کے مندرجہ ذیل خلفاء ہوئے:

(۱) مولانا نظام الدین (وفات ۸۶۰ھ= ۱۴۵۶ء ھرات)

(۲) خواجہ حسن عطار (وفات ۸۲۶ھ = ۱۴۲۳ء)

(۳) خواجہ یعقوب چرخی (وفات ۵۔ صفرا ۸۵ھ= ۱۴۴۷۔ مدفن: ہلفون۔ ماوراء النہر)

(۴) علامہ سید شریف (وفات ۸۲۵ھ=۱۴۲۲ء)

مولانا نظام الدین کے خلیفہ:

مولانا سعد الدین کاشغری (وفات ۷۔ جمادی الاخر ۸۶۱ھ۔ ۱۴۵۷ء)

مولانا یعقوب چرخی کے خلیفہ:

خواجہ عبید اللہ احرار (ولادت رمضان ۸۰ھ=۱۴۰۴ء۔ وفات ۲۹ ربیع الاول ۸۹۵ھ = ۱۴۹۰ء۔ مدفن سمرقند) ان کے خلیفہ

(۱) مولانا عبدالرحمن جامی (۸۱۷۔ ۱۴۱۴ء۔ وفات ۱۸ محرم ۸۹۸ھ= ۱۴۹۳ء) انہوں نے مولانا سعد الدین سے بھی فیض حاصل کیا۔ ان کے خلیفہ:

(۲) علاؤ الدین محمد۔ ان کے خلیفہ:

مولانا غیاث الدین۔ ان کے خلیفہ:

مولانا محمد امین (ابن اخت ملا جامی)

خواجہ عبید اللہ احرار کے خلیفہ:

مولانا محمد زاہد (وفات ۹۳۶ھ= ۱۵۲۹ مدفن وخش۔ حصار)۔ ان کے خلیفہ

مولانا درویش محمدؒ (وفات ۱۹ محرم ۹۷۰ھ = ۱۵۶۲ء مدفن اسفرہ متصل "سبز"۔ ماوراء النہر) ان کے خلیفہ:

خواجہ محمد امکنگیؒ (۹۱۸ھ = ۱۵۱۲ء۔ وفات ۲۲ شعبان ۱۰۰۸ھ = ۱۶۰۰ء مدفن امکنہ۔ بخارا) ان کے خلیفہ:

خواجہ محمد باقی باللہؒ

حضرت خواجہ باقی باللہ کے یہ خلیفہ ہوئے: حضرت مجدد الف ثانیؒ شیخ الہداد (وفات ۱۰۴۹ھ = ۱۶۳۹ء) شیخ تاج الدین سنبھلی (وفات ۱۸۔ جمادی الاخر ۱۰۵۰ھ۔ ۱۶۳۶ء) اور خواجہ حسام الدین (ولادت ۹۷۷ھ= ۱۵۶۹ء۔ وفات ۱۰۴۳ھ۔ ۱۶۳۳ء مدفن دہلی)

فصل سوئم

حضرت خواجہ احمد سرہندی مجدد الف ثانی

آپ کا اسم گرامی احمد لقب بدرالدین کنیت ابوالبرکات ہے۔ چونکہ آپ نے احیائے سنت کے لئے جدوجہد کی اور گمراہ کن نظریات اور عقائد کا بھرپور مقابلہ کر کے لوگوں کو سنت کی پابندی ذہن نشین کروائی، اس لئے "مجدد الف ثانی" مشہور ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام شیخ "عبدالاحد" ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے:

"حضرت احمد مجدد الف ثانی بن شیخ عبدالاحد بن شیخ زین العابدین بن شیخ عبدالحی بن شیخ محمد بن شیخ حبیب اللہ بن امام رفیع الدین بن خواجہ نور بن خواجہ نصر بن خواجہ سلیمان بن خواجہ یوسف بن سلطان شہاب الدین علی معروف بہ خواجہ مسعود بن خواجہ عبداللہ بن خواجہ واعظ اصغر بن خواجہ واعظ اکبر بن خواجہ ابوالفتح بن خواجہ اسحاق بن خواجہ ابراہیم بن ناصر بن عبداللہ بن امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ"۔

"حضرت مجدد الف ثانی" کی ولادت بمقام سرہند ۱۴۔ شوال ۹۷۱ھ (۱۵۶۴ء) کو ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی۔ اس کے بعد سیالکوٹ میں بعض کتابوں کی تعلیم مولانا کمال کشمیری سے اور علم حدیث کی تعلیم مولانا محمد یعقوب کشمیری سے حاصل کی۔ بعد میں مولانا عبدالرحمن سے حدیث کی تعلیم حاصل کی، اور سترہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ اسی زمانہ میں آپ آگرہ گئے اور وہاں آپ کی ملاقات فیضی اور ابوالفضل سے ہوئی۔ کچھ دنوں کے بعد وطن واپس آئے۔

طریقت میں پہلے اپنے والد سے بیعت ہو کر سلسلہ چشتیہ میں خرقہ و خلافت حاصل کیا۔ اس کے بعد سلسلہ قادریہ میں شاہ کمال کیتھلی سے روحانی فیض حاصل کیا۔ آخر حضرت خواجہ باقی باللہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ وطن واپس آکر رشد و ہدایت میں مصروف

ہو گئے۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد آپ کو مرشد کے ارشاد پر لاہور جانا پڑا۔ وہیں آپ کو اپنے مرشد حضرت باقی باللہ کی وفات کی خبر ملی۔ فوراً دہلی آئے۔ اپنے پیر کے مزار پر فاتحہ پڑھی اور پھر سرہند واپس آگئے۔

اس زمانہ میں بہت سی گمراہیاں اور بد اعتقادیاں پھیل رہی تھیں۔ اکبر کے دین الٰہی کی وجہ سے جو مذہبی بے راہ روی پیدا ہوئی تھی۔ وہ گمراہیاں جہانگیر کے دور میں بھی موجود تھیں۔ وہ صریحاً اسلام کے خلاف تھیں۔ علماء سو نے اکبر کے دین الٰہی کی تائید کی تھی اور اس کی تحریک کو تقویت پہنچانے کے لئے طرح طرح کی تاویلیں کی تھی۔ اس وجہ سے بہت سی بد اعتقادیاں پیدا ہو گئیں تھیں۔ بعض صوفیاء وحدت الوجود کے فکر کو غلط انداز میں پیش کر رہے تھے۔ اس لئے عقیدہ توحید میں فرق آگیا تھا۔ متصوفین یہاں تک پہنچ گئے تھے کہ احکام شریعت کی نفی کر رہے تھے۔ علماء نے دین اسلام کے اصل سرچشمہ قرآن اور حدیث سے مسائل کا استنباط چھوڑ کر مسائل فقہ کی موشگافیوں میں منہمک تھے۔ وہ جاہ پرست ہو گئے تھے اور دنیاوی مراتب اور اقتدار حاصل کرنے میں طرح طرح کی سازشوں میں مصروف تھے۔ وہ ایسے فتوے دینے لگے تھے جو روح اسلام کے خلاف تھیں۔

مسلمان سخت پریشان تھے کیونکہ غیر مسلم علی الاعلان نہ اسلام اور مسلمانوں کو استہزا کرتے تھے۔ ہر کوچہ و باز میں ہندوؤں کی رسمیں دھوم دھام سے منائی جاتی تھیں۔ مسلمانوں کو احکام اسلام بجا لانے کی اجازت نہ تھی۔ کیونکہ اکبر نے اپنی ہندو رعایا کو خوش کرنے کے لئے اسلام سے رخ پھیر لیا تھا اور اس کی وجہ سے شراب کو حلال سمجھا جانے لگا تھا، جزیہ موقوف ہو گیا تھا۔ گائے بھینس اور اونٹ کو ذبح کرنا ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ بارہ سال سے کم عمر بچہ کی ختنہ کی ممانعت تھی اور عربی زبان کے مطالعہ کو تحقیر کی نظر سے دیکھا جانے لگا تھا۔ بعض مقامات پر عید الضحیٰ کے موقعہ پر مسلمان اگر گائے ذبح کرتے تھے تو اس کے بدلہ میں ان کی جان لی جاتی تھی۔ بعض مقامات پر مساجد کو منہدم کر کے ہندوؤں نے مندر تعمیر کرا لئے تھے۔ ہندو جب برت رکھتے تھے، تو مسلمانوں کو حکم تھا کہ وہ علی الاعلان نہ کھائیں پئیں۔ لیکن رمضان شریف میں ہندوؤں کو علی الاعلان کھانے پینے کی اجازت تھی۔ اس سے مسلمانوں کا دل اکبر سے پھر گیا تھا۔

ان حالات میں بھی بعض علماء حق موجود تھے جنہوں نے اکبر کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں

کے خلاف آواز بلند کی۔ جون پور کے شیعہ عالم قاضی القضاۃ ملا محمد یزدی نے علی الاعلان فتویٰ دیا کہ بادشاہ مذہب سے منحرف ہو گیا ہے۔ بنگال کے قاضی القضاۃ معز الملک نے بھی اس طرح کا فتویٰ دیا۔ اکبر نے دونوں علماء کو کسی بہانے بلا کر گوالیار کے قلعہ میں قید رکھا۔ بعد میں دونوں کو کشتی میں بٹھا کر ڈبوا دیا۔ جہانگیر کے عہد میں دین الٰہی کی گمراہیاں کچھ قدر کم ہو گئی تھیں۔ لیکن اس کے اثرات باقی تھے بلکہ اس عہد میں بعض گمراہیاں دوسرے رنگ میں ظاہر ہوئیں اور کچھ بدعتیں بھی قائم کی گئی تھیں۔ مثلاً سجدہ تعظیمی وغیرہ۔

ان حالات میں قانون الٰہی کے مطابق ضروری تھا کہ ایک عظیم الشان مصلح کا ظہور ہو جو ان حالات کو درست کروانے کے لئے جدوجہد کرے۔

چالیس سال کی عمر میں حضرت شیخ احمد سرہندی کو یہ ضرورت نظر آئی کہ کوئی مجدد پیدا ہو اور انہیں الہام کی ذریعہ ذہن نشین کرایا گیا کہ وہ خود ہی الف ثانی کے مجدد ہیں۔ اس کے بعد آپ نے عہد اکبری اور عہد جہانگیری کی بدعات اور گمراہیوں کے خلاف آواز بلند کی اور عرصہ دراز تک تخت جانکاہی سے مسلسل جدوجہد کر کے حالات کا رخ پھیر دیا۔ آپ نے اپنے مریدوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس کام کے لئے تیار کی اور ان کو ہر طرف بھیجا کہ وہ تبلیغ کریں اور اتباع شریعت پر زور دیں۔ یہ کام نہ صرف برصغیر پاک و ہند کے مختلف علاقوں میں بڑے جذبے سے جاری ہوا بلکہ بیرون ہند بھی متصل اسلامی ممالک میں موثر طریقہ پر کیا گیا۔

اس کے علاوہ مختلف ممالک اور علاقوں کے لوگوں سے مراسلت شروع کی اور نامور لوگوں کو خطوط لکھ کر ان پر دین کی حقیقت واضح کی۔ نہ صرف یہ بلکہ بڑے بڑے امراء کو حلقہ ارادت میں داخل کیا تا کہ وہ اپنے حلقہ اثر میں اسلامی انقلاب پیدا کریں اور بادشاہ کے مزاج کو بدلنے میں اپنے اثر کو استعمال کریں۔

اکبر کی وفات کے بعد جب جہانگیر تخت نشین ہوا تو آپ نے یہ کوشش کی کہ لوگوں سے یہ عہد لیا جائے کہ وہ خلاف اسلام احکام کی اطاعت نہیں کریں گے۔ اس جدوجہد کو آپ نے افواج شاہی تک وسعت دی۔ حضرت شیخ کی اس جدوجہد کی بنا پر جہانگیر نے طے کیا کہ آپ کو نظر بند کیا جائے۔ لیکن یہ کام آسان نہیں تھا۔ کیونکہ بڑے بڑے امراء ان کا احترام کرتے تھے۔ اس لئے بادشاہ نے یہ کیا کہ ان امراء کو دور دراز علاقوں میں بھیج دیا

جو آپ کے معتقد تھے۔ اس کے بعد آپ نے حضرت شیخ کو یہ الزام لگا کر سرہند سے طلب کیا کہ آپ نے خطوط میں خلاف اسلام خیالات بیان کئے ہیں۔ حضرت شیخ نے اس الزام کی وضاحت سے جواب دیا۔ لیکن جہانگیر نے آپ سے بادشاہ کو سجدہ کا مطالبہ کیا۔ حضرت شیخ نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ہے، کسی غیر کے لئے نہیں۔ اس پر جہانگیر نے آپ کو گوالیار میں دو سال نظر بند رکھا۔

اس کا بڑا رد عمل ہوا اور کابل میں مہابت خان کو بہت مشتعل کیا۔ چنانچہ اس نے سکہ اور خطبہ سے جہانگیر کا نام نکال دیا اور فوج لے کر ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ وہ آگے بڑھتا آرہا تھا کہ حضرت شیخ نے ان کو ہدایات بھیجیں کہ بادشاہ کی اطاعت کرو۔ اس کے بعد حضرت شیخ کو گوالیار سے رہا کیا گیا۔ بادشاہ نے آپ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی لیکن آپ نے جواب دیا کہ جب تک یہ شرائط قبول نہیں کئے جائینگے میں ملاقات سے معذور ہوں۔

۱۔ سجدہ تعظیمی موقوف کیا جائے۔
۲۔ وہ تمام مساجد جو منہدم کی گئیں تھیں۔ از سرنو تعمیر کرائی جائیں۔
۳۔ ذبح بقر کے امتناعی احکام منسوخ کئے جائیں۔
۴۔ جزیہ پھر سے جاری کیا جائے۔
۵۔ احکام شرع کو جاری کرنے کے لئے قاضی مفتی اور محتسب مقرر کئے جائیں۔
۶۔ بدعات کو روکا جائے اور شریعت کے احکام نافذ کئے جائیں۔
۷۔ وہ تمام لوگ جو اس جھگڑے میں قید کئے گئے تھے ان کو رہا کیا جائے۔

بادشاہ نے یہ تمام شرائط قبول کر لئے اور حضرت شیخ آکر بادشاہ سے ملے اور بادشاہ نے خلعت اور نذر پیش کی۔ اس کے بعد حضرت شیخ چھ برس زندہ رہے اور بادشاہ مختلف مسائل میں آپ سے مشورہ کرتے رہے۔ اس طرح حضرت شیخ کی جدوجہد سے یہ نتائج برآمد ہوئے۔

۱۔ ہندوستان کی حکومت کا رخ اسلام کی طرف پھیر دیا۔
۲۔ علماء کرام جو عرصہ دراز سے قرآن و حدیث کے مطالعہ سے دور ہو کر فقہ کے مسائل میں پھنس گئے تھے۔ ان کو قرآن و حدیث کے مطالعہ کی رغبت دلائی۔

۳۔ تصوف اور متصوفین میں جو گمراہیاں پیدا ہو گئیں تھیں ان کی اصلاح کی اور انہیں اتباع سنت کی طرف مائل کیا۔

۴۔ وحدت الوجود کے نظریہ کے مقابلہ میں نظریہ وحدت الشہود پیش کیا اور سلوک اور تصوف کے حدود کو وسعت دی۔

۵۔ حضرت شیخ نے تصوف کے اس مسلمہ نظریہ سے بھی اختلاف کیا کہ ولایت اور نبوت دونوں بہ اعتبار ماہیت ایک ہی چیز ہیں۔ حضرت شیخ نے واضح کیا کہ ولایت اور نبوت میں نہ صرف مدارج کا فرق ہے بلکہ نوعیت کا فرق بھی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کے لئے سلوک و تصوف نہیں بلکہ دین ہی صراط المستقیم ہے جس پر چلنے پر دین و دنیا کی فلاح و بہبود ہے۔

حضرت شیخ کے ان افکار اور جدوجہد کے دور رس اور گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ آپ کی دعوت نے مسلمانوں کے دل و دماغ پر ایک گہرا نقش چھوڑا۔ اور سلوک و تصوف اور علم دین اور علم ظاہر کا رخ نئی جانب پھیر دیا۔ تصوف و عرفان سے غیر اسلامی اثرات علیحدہ ہو گئے۔ غرضیکہ آپ نے اکبری الحاد اور جہانگیر کے دور کی برائیوں کا قلع قمع کرنے میں بڑی جدوجہد کی اور آپ کے مجددانہ کارناموں نے دنیا کو حیات نو بخشی۔

حضرت مجدد اپنی زندگی کے آخری تین چار سال لشکر شاہی میں بھی رہے۔ لشکر شاہی کے ساتھ سنہ ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۳ء) میں اجمیر شریف گئے اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے مزار سے مشرف ہوئے۔ درگاہ کے خادموں نے مزار کا قبر پوش آپ کی خدمت میں پیش کیا جسے آپ نے ادب سے لیا اور فرمایا کہ اسے میرے کفن کے لئے رکھا جائے۔ آخر آپ واپس سرہند تشریف لے آئے اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ۲۸۔ صفر ۱۰۳۴ھ (۱۰ دسمبر ۱۶۲۴ء) کو وصال ہوا۔

آپ کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) شرح رباعیات (۲) رسالہ مبدء و معاد (۳) معارف لدنیہ (۴) رسالہ تہلیلیہ (۵) تعلیقات عوارف (۶) مکتوبات جلد اول دوم و سوم۔

تعلیمات: اس دور میں بعض صوفیائے کرام شریعت اور طریقت میں فرق بتاتے تھے۔ آپ نے اس فرق کو مٹا دیا۔ آپ نے ایک خط میں لکھا:

"صحیح طریقہ کے صوفیاء کرام احوال و اقوال اعمال اور علوم و معارف میں ہرگز

شریعت سے تجاوز نہیں کرتے۔ اگر کسی کا حال سکر کے وقت شریعت کے مخالف ہو تو معذور ہے۔ اس کی تقلید ناجائز اور نادرست ہے۔

وحدت الشہود: آپ سے پہلے اکثر صوفیاء کرام وحدت الوجود کے قائل تھے۔ حضرت شیخ مجدد اپنی باطنی ارتقا کا ذکر کرتے لکھتے ہیں کہ پہلے میں وحدت الوجود کا قائل تھا لیکن جب راہ سلوک اختیار کی تو بالکل نیا روحانی ادراک میری روح پر غالب آگیا اور میں نے پایا کہ میں آئندہ وحد الوجود کو نہیں مان سکتا۔ آخر کار میں نے پایا کہ عبدیت تمام دوسرے مقامات سے بالا تر ہے اور مجھے مقام وحدت وجود یا ظلیت میں رہنے پر ندامت ہوئی۔

وحدت الوجود کے فکر کے مفکر حضرت ابن عربی کا مسلک یہ ہے کہ وجود ایک ہے۔ وہی موجود ہے۔ ہر دوسری چیز اس کا مظہر ہے۔ لہٰذا عالم اور اللہ عین یکدگر ہیں۔ عالم اس کے صفات کی محض تجلی ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن عربی کے نزدیک ذات و صفات عین یگدگر ہیں اور صفات کا ظہور تجلیات کی صورت میں ہوتا ہے جو عالم اور اس کی اشیاء ہیں۔ ابن عربی مانتے ہیں کہ عالم من حیثیت صرف برائے نام' غیر حقیقی اور ایسا وجود ہے جو معدوم ہے۔ موجود نہیں۔ عالم یا کثرت کا وجود صرف تجلیات وحدت کی حیثیت سے ہے' یا اس کی تعینات کی حیثیت سے بذات خود عالم کوئی وجود نہیں۔ یہ تجلی ہے جس میں وحدت نے اپنے تئیں نمودار کیا ہے۔ ان تجلیات میں وحدت بالکلیہ گم ہو جاتی ہے اور ان تجلیات کا ماوراء وحدت کا کوئی وجود نہیں۔

اس سے معلوم ہو گا کہ ابن عربی نے وحدت الوجود کی بنیاد ظل اور اصل کی عینیت پر رکھی ہے۔ حضرت مجدد نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ ظل' عین شے نہیں ہو سکتا۔ ظل تو اصل کے مشابہ و مماثل ہوتا ہے۔ خدا اور عالم کی نسبت کے باب میں اگر اصل و ظل کی نسبت پر قیاس کیا جائے تو ظل عین ممکن ہے اور اصل واجب اور ممکن کی حقیقت ہے۔ عدم اور واجب کی وجود' پس اصل و ظل کو عین یکدگر نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً اگر کسی شخص کا سایہ دراز ہو جائے تو یہ نہیں کہا جائیگا کہ وہ شخص دراز ہو گیا۔ اول تو عالم خدا کا ظل ہی نہیں ہے اور اگر عالم کو خدا کا ظل مان بھی لیا جائے۔ تو بھی عینیت متفق نہیں ہوتی۔

حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ انسان اور خدا کو یکدگر کہنے اور اس عینیت کی بنیاد آیہ کریمہ "**نحن اقرب الیہ من حبل الورید**" پر رکھنے میں ابن عربی سے غلطی ہوئی ہے۔ خدا یقیناً" ہماری شہ رگ سے قریب تر ہے" لیکن اس کے قرب کی حقیقت ہمارے فہم و ادراک سے بالاتر ہے۔ اس طرح حضرت مجدد نے ابن عربی کے پیش کردہ نظریہ وحدت وجود پر تنقید کی ہے اور اس کے مقابلہ میں نظریہ وحدت شہود پیش کیا ہے۔ وحدت الشہود کے مطابق وہ کثرت جو نظر آتی ہے وہ ظل یا عکس عین نہیں ہے بلکہ خارج میں موجود ہے۔ وہ ممکن کو واجب کا عین نہیں مانتے اس لئے وہ وحدت الوجودیوں کی طرح ہمہ اوست کہنے کو درست قرار نہیں دیتے۔ بلکہ "ہمہ از اوست" کہنے کو صحیح قرار دیتے ہیں۔

انسان کی نسبت حضرت مجدد کا کہنا ہے کہ انسان اصل میں عبارت ہے روح سے اور روح عالم امر سے تعلق رکھتی ہے۔ یعنی اس کے وجود کی نوعیت مختلف ہے عالم کے خارجی وجود سے جو عالم خلق میں داخل ہے وہ اپنی ذات سے بے چون و بے چگون ہے۔ یعنی ایک یکتا و یگانہ ہستی ہے۔ روح کا اپنا طبعی رجحان اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی طرف تھا۔ لیکن چونکہ اس کو جسم دے دیا گیا ہے' اس لئے اس میں کچھ نئی صفات یعنی طغیان اور سرکشی پیدا ہو گئے۔ یہی سرکشی ہے جو تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ اس کو نفس امارہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تزکیہ سے اس میں رفتہ رفتہ ندامت اور ملامت کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے' جس کو نفس لوامہ کہا جاتا ہے' یہاں سے ترقی کر کے نفس مطمئنہ کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ یہی انسانیت کی تکمیل ہے۔ اسی کے حصول کا نام مقام عبدیت ہے۔ یہ مقام اس وقت حاصل ہوتا ہے جب انسان ماسوا اللہ سے آزاد ہو جائے۔

بہر حال حضرت مجدد الف ثانیؒ نے وحدت الوجود کے منکر ہونے کے بجائے اس کے فلسفہ میں بڑی وضاحت پیدا کی اور وحدت الوجود کا امالہ "وحدت الشہود" کی بحث سے کر دیا۔ انہوں نے خود وہ تمام روحانی منازل طے کیں تھیں' جس مقام پر جا کر صوفیاء کرام کو وحدت الوجود محسوس ہوتا ہے کہ وجود ایک ہی ہے اور اس ایک ذات کی سوا کچھ موجود نہیں ہے۔ لیکن آگے بڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ محض وحدت شہود ہے۔ یعنی صرف ایسا نظر آتا ہے۔ اس وحدت شہود کے بعد عبدیت کا مقام ہے۔ جہاں پہنچ کر خالق کائنات کی جداگانہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ اس لئے مقام عبدیت اور ایمان بالغیب

دونوں حضرت مجدد الف ثانی کے یہاں ایک ہی ہیں۔ توحید شہودی کی متعلق ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ توحید شہودی یہ ہے کہ ایک ذات کے سوا کچھ اور شہود نہ ہو اور توحید وجودی یہ ہے کہ ایک موجود کو جاننے کے باوجود اس کا محض مظہر اور جلوہ خیال کیا جائے۔ توحید وجودی علم الیقین کی قسم ہے اور توحید شہودی عین الیقین ہے۔ مثلاً کسی کو آفتاب کا علم ہے تو یہ علم آفتاب ستاروں کے وجود کو بے وجود نہیں کر سکتا اور جو عین آفتاب کو دیکھتا ہے' اس کی نگاہ عین الیقین میں ستاروں کا وجود نیست و نابود ہے۔ مقام عین الیقین سے حق الیقین میں پہنچنا کوئی تضاد نہیں ہے اور یہ عین علم شریعت ہے۔ اس زمانہ میں مذہبی علماء اور وحدت الوجود کو ماننے والے کو کافر اور زندیق کہتے تھے۔ اس طرح صوفیاء کرام اور علماء میں وحدت الوجود کے مسئلہ پر جو اختلاف تھا۔ اس کو دور کرنے کی کوشش کی۔ ایک مکتوب میں تحریر کیا ہے کہ جو لوگ وحدت الوجود کے قائل ہیں اور اشیاء کو عین حق جانتے ہیں اور ہمہ اوست کہتے ہیں' ان کی یہ مراد نہیں ہے کہ اشیاء حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ہیں' اگر وہ یہ سمجھتے ہیں تو یہ کفر' الحاد' زندقہ ہے اور گمراہی ہے۔ کیونکہ واجب ممکن نہیں ہو سکتا۔ ہمہ اوست کے معنی یہ ہیں کہ اشیاء نہیں ہیں بلکہ حق تعالیٰ موجود ہے۔ منصور نے جو اناالحق کہا تھا۔ تو اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ میں حق ہوں اور حق کے ساتھ متحد ہو گیا ہوں بلکہ اس کی یہ معنی تھی کہ میں نہیں ہوں حق تعالیٰ موجود ہے۔ انہوں نے غلبہ حال میں اپنے اور خلق کے وجود کو نہ دیکھا صرف ایک ذات رب کی دیکھی۔ اگر اپنی ذات دیکھتے اور یہ الفاظ کہتے تو کفر تھا۔

حضرت مجدد الف ثانی نے مزید فرمایا ہے کہ صوفیاء اشیاء کو حق تعالیٰ کا ظہورات جانتے ہیں اور ان کو حق تعالیٰ کے اسماء اور صفات سمجھتے ہیں۔ اشیاء حق تعالیٰ سے وہ ہی نسبت رکھتے ہیں جو آدمی کے ساتھ اس کا سایہ رکھتا ہے۔ کہ آدمی کے سایہ کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ آدمی کے ساتھ متحد ہے۔ اور یہ عینیت کی نسبت رکھتا ہے۔ سایہ آدمی کے ! نہیں بدلتا۔ وہ محض آدمی کا ظہور ہے۔ اسی طرح صوفیاء کے نزدیک اشیاء حق تعالیٰ کے ظہورات ہیں نہ کہ عین۔ اسی لئے ہمہ اوست "کے معنی "ہمہ از اوست" ہیں۔ جیسے سایہ آدمی سے ہے۔ نہ کہ عین آدمی ہے۔ اور ہمہ از اوست کو علماء بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اس صورت میں صوفیاء اور علماء میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا۔ اس تشریح اور توضیح کے باوجود حضرت مجدد الف ثانی نے سنت کی پابندی پر بہت زور دیا۔ ان کے نزدیک شریعت کی پابندی

ہر حال میں ضروری ہے۔ انہوں نے ایسے تصوف کو ضلالت سے تعبیر کیا، جس میں شریعت کے خلاف ورزی ہوئی ہو۔ انہوں نے کسی چیز کی حلت یا حرمت کے سلسلہ میں اولیائے کرام کے الہام کو تسلیم کرنے سے بالکل انکار کر دیا اور صاف طور یہ سمجھایا کہ علوم لدنیہ کی صحت کی علامت علوم شرعیہ کے ساتھ ان کی مطابقت ہے۔ سالک جس قدر شریعت میں راسخ اور ثابت قدم ہو گا اسی قدر ہوائے نفس سے دور ہوتا جائیگا۔ صاحب شریعت کی پیروی کے بعد کسی خرابی کا تصور نہیں آ سکتا۔ غرضیکہ حضرت مجدد الف ثانی نے دین کی تجدید کی اور اکبر کے دین الٰہی کے فتنوں کا سدباب اپنے اصلاحی اور تجدیدی کارناموں سے کیا۔ اس طرح تصوف کی بھی تجدید کی اور صاف طور پر سمجھایا کہ سنت سے ہٹ کر جو ریاضتیں کی جاتی ہیں۔ وہ صریحاً گمراہی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی نے دین کی تجدید کے لئے امراء سے تعلقات پیدا کئے اور ان کی روحانی اور اخلاقی اصلاح کی۔ ان کو پر اثر مکاتیب لکھ کر ان کے کردار میں تبدیلی پیدا کر کے ان سے دین کا کام لیا۔ انہوں نے حکمرانوں کو سچ اور حق بات کہنے سے کبھی تامل نہیں کیا۔

حضرت مجددؒ کے اصلاحی اور تجدیدی کارناموں کو ان کے صاحبزادوں اور خلفاء نے اپنی کوششوں سے برقرار رکھا اور برصغیر کے کونے کونے تک ان کی تعلیمات کو پھیلایا اور لوگوں کو اپنے فیض سے مستفیض کیا۔ ان بزرگان دین کا تعارف آئندہ صفحات میں آئیگا۔

فصل چہارم

حضرت مجدد کی اولاد

۱۔ خواجہ **محمد صادق :** حضرت مجدد کے بڑے صاحبزادے تھے۔ سنہ ۱۰۰۰ھ (۹۲-۱۵۹۱ء) میں تولد ہوئے اور سنہ ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ء) میں یعنی حضرت مجدد کی زندگی میں وفات پائی۔ علوم عقلیہ و نقلیہ میں مہارت رکھتے تھے۔

۲۔ **خواجہ محمد سعید:** آپ کے دوسرے فرزند تھے۔ سنہ ۱۰۰۵ھ (۱۵۹۷ء) میں تولد ہوئے اور سنہ ۱۰۷۰ھ (۱۶۶۰ء) میں فوت ہوئے۔ علوم عقلیہ اور نقلیہ کے جامع تھے۔ متبع شریعت اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے۔ اپنے والد بزرگوار کے سامنے آپ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے طریقت کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت مجدد ان کے اور اپنے تیسرے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ہر قطب کے دو امام ہوتے ہیں۔ تم دونوں امام ہو۔ ایک موقعہ پر فرمایا کہ میں عروج نزول کہ جس مقام پر بھی ہوں میں نے محمد سعید کو اپنے ہمراہ پایا۔ ہزاروں طالبان حق نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ کے مکتوبات حال ہی میں لاہور سے کتابی صورت میں شائع ہوئے ہیں۔ آپ کی ایک اور تصنیف "تعلیقات مشکوۃ المصابیح" کا نام بھی ملتا ہے۔ آپ کے آٹھ فرزند اور پانچ صاحبزادیاں تھیں۔ آپ کے فرزندوں کے نام یہ ہیں: شاہ عبداللطیف۔ لطف اللہ، مولوی فرخ، شاہ سعد الدین، شیخ عبدالاحد وحدت، خلیل الرحمٰن، محمد یعقوب، محمد تقی۔

۳۔ **خواجہ محمد معصوم :** حضرت مجددؒ کے فرزند ثالث تھے۔ سنہ ۱۰۰۹ھ (۱۶۰۰ء) میں آپ کی ولادت ہوئی اور ۹۔ ربیع الاول سنہ ۱۰۷۹ھ (۱۶۶۸ء) میں دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت گزین ہوئے۔ آپ نے بعض کتب درسیہ اپنے بڑے بھائی خواجہ محمد صادق سے پڑھیں اور اکثر کتب اپنے والد ماجد اور شیخ محمد طاہر لاہوری سے پڑھیں۔ سولہ سال کی عمر

تمام علوم عقلیہ و نقلیہ سے فراغت حاصل کی۔ تین ماہ کے قلیل عرصہ میں قرآن مجید بھی حفظ کیا۔ اپنے والد بزرگوار کے وصال کے بعد ان کے جانشین کی حیثیت سے مسند ارشاد پر عرب و عجم کو اپنے روحانی کمالات سے مستفیض فرمایا۔ حرمین شریفین کا سفر بھی کیا اور حج اور زیارت سے بھی مشرف ہوئے ارشاد و ہدایت کے علاوہ درس و تدریس بھی آپ کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ خاص طور پر تفسیر بیضاوی مشکوٰۃ شریف، ہدایہ، عضدی اور تلویح طلبہ کو پڑھاتے تھے۔

سلطنت مغلیہ کے تین بادشاہ جہانگیر، شاہجہان اور اورنگ زیب عالمگیر یکے بعد دیگرے آپ سے بیعت ہوئے اور سرہند میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خاص طور پر عالمگیر آپ کے مخلص ترین مرید اور آپ کے بھائیوں کے معتقد تھے۔ مکتوبات معصومیہ میں کئی مکتوب عالمگیر کے نام ہیں، جن سے باہمی تعلقات کا پتہ چلتا ہے۔ ان کے علاوہ کئی امراء آپ کے ارادت مند تھے، اس زمانہ کے بڑے بڑے علماء بھی آپ کے حلقہ بیعت میں شامل تھے۔ بے شمار طالبان حق نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ کے خلفاء کے بھی کئی مرید تھے۔ آپ کو چھ صاحبزادے اور چھ صاحبزادیاں ہوئیں۔ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں، محمد صبغۃ اللہ، محمد نقشبند، محمد عبداللہ، شیخ محمد اشرف، سیف الدین اور محمد صدیق۔

آپ کے مکتوبات کی تین جلدیں ہیں، جو شائع ہو چکی ہیں۔ آپ کے مکتوبات کی تلخیص کا اردو ترجمہ بھی شائع ہوا۔ آپ کے مکتوبات میں عرفان اور ایقان کے کئی مسائل زیر بحث لائے گئے ہیں اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا جذبہ ہر ہر صفحہ سے ظاہر ہے۔ بہت سے مکتوبات میں حضرت مجدد کے معارف کی تشریح و توضیح ملتی ہے۔ اس کے علاوہ فضائل و اذکار و ادعیہ کے سلسلہ میں آپ کا رسالہ اذکار معصومیہ کے نام سے بھی ملتا ہے، جو لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

تعلیمات: آپ کے مکتوبات سے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں:

○ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مہمل پیدا نہیں کیا۔ اور اس کو اسی کی مرضی پر نہیں چھوڑ دیا ہے کہ جو دل میں آئے کرے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اوامر و نواہی کا مکلف کیا ہے اور گوناگوں احکام کا اس کو مخاطب بنایا ہے۔

○ دنیا زراعت کی جگہ ہے، زراعت کے وقت عیش و آرام میں مشغول ہونا اور فانی لذتوں

میں مبتلا ہونا اپنے آپ کو سردی آرام سے جدا رکھنا ہے۔

○ سرور دین و دنیا علیہ الصلوۃ والسلام کی عادات و عبادات کے جزو کل مید شب کو سعادت عظمیٰ سمجھو۔ یہ چیز "برکات" کا ثمرہ دیتی ہے اور یہی "درجات عالیہ" کا نتیجہ بخشتی ہے۔

○ معرفت کی پہلی قسم نظر و استدلال سے تعلق رکھتی اور دوسری کشف و شہود سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری کشف و شہود سے پہلی۔ قسم کی معرفت "دائرۂ علم" میں داخل ہے اور "تحقق" کی جنس سے ہے۔ پہلی قسم عارف کے وجود کو فنا کرنے والی نہیں ہے۔ دوسری قسم سالک کے وجود کو فنا کرنے والی ہے۔ پہلی قسم، علم حصولی سے ہے اور دوسری علم حضوری سے۔ دوسری قسم کی معرفت میں نفس فنا ہو جاتا ہے اور حق ظاہر ہوتا ہے۔ پہلی قسم میں حصول معرفت منازعت نفس اور انکار نفس کی کشمکش کے ساتھ ساتھ ہے کیونکہ نفس ابھی اپنی صفات رذیلہ پر قائم ہے۔ دوسری معرفت چونکہ وجود کو فنا کرتی ہے اس لئے اس منزل میں ایمان زوال سے محفوظ رہتا ہے۔ "حقیقت ایمان" اس مقام پر ہوتی ہے اور "حقیقت اعمال صالحہ" بھی یہیں جلوہ گر ہوتی ہے۔

"نفس انسانی اور وسواس شیطانی شراتوں سے اللہ تعالیٰ نے پناہ مانگنے کا حکم فرمایا ہے۔

فرمایا ہے **من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنۃ والناس۔**

یہ دونوں دشمن ہیں جو گھات میں لگے ہوئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ معبود حقیقی سے بندے کو دور کر دیں اور ماسویٰ اللہ میں پھنسا کر شرک جلی و خفی کی طرف رہنمائی کریں۔ ان دشمنوں کے شر سے پناہ مانگنا بہت ضروری ہے۔ ہمیشہ پناہ مانگتے رہو۔

خواجہ محمد یحییٰ: حضرت مجددؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ قرآن کریم کے حافظ اور علوم عقلیہ اور نقلیہ کے ماہر تھے۔ ظاہری علوم کی تعلیم اور سلوک کی تربیت اپنے بھائیوں سے حاصل کی۔ خرقہ خلافت بھی بھائیوں سے حاصل کیا۔

محمد فرخ محمد عیسیٰ اور ام کلثوم: دونوں صاحبزادوں نے حضرت مجددؒ کی زندگی میں ایام وبا میں وفات پائی۔ کتابوں میں حضرت مجددؒ کی تین صاحبزادیوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ ان میں سے ایک کا نام "ام کلثوم" ملتا ہے۔

خواجہ سیف الدین: حضرت خواجہ محمد معصوم کی فرزند اور خلیفہ تھے۔ علوم ظاہری اور باطنی کے جامع تھے۔ زہد و تقویٰ اتباع سنت اور پرہیز گاری کی وجہ سے "محی السنت" کے

لقب سے معروف تھے۔ جو کوئی شخص کا فریا فاسق و فاجر آپ کے سامنے آتا' تائب ہو جاتا۔ دنیا داروں کی صحبت سے گریز کرتے تھے۔ جب کوئی آدمی اللہ جل کا لفظ زبان پر لاتا تو آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ آپ کی خانقاہ میں روزانہ چار سو آدمی کھانا کھاتے تھے اور ہر ایک کے طلب کے مطابق کھانا تیار ہوتا تھا۔

حضرت خواجہ محمد معصوم نے آپ کو عالمگیر کی استدعا پر ان کے پاس اصلاح و احوال کے لئے متعین فرمایا تھا۔ آپ اپنے زمانہ میں احیائے سنت اور رفع بدعت کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ آپ قلعہ کے اندر شاہی محل کے جوار میں رہتے تھے۔ عالمگیر رات گئے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر صحبت سے مستفیض ہوتا تھا۔ آپ کے مکتوبات کا مجموعہ "مکتوبات سیفیہ" کے نام سے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے حیدر آباد (سندھ) شائع کیا ہے۔ آپ کے خطوط سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے بادشاہ کے ساتھ رہ کر ترویج شریعت اور احیاء سنت کے لئے بڑا کام کیا۔ یہ مکتوبات کا مجموعہ ۱۹۰ مکتوبات پر مشتمل ہے جو ان کے خلیفہ محمد اعظم نے جمع کیے تھے۔

آپ کے مکتوبات میں چار مکتوبات ان کے والد بزرگوار خواجہ محمد معصوم کے نام ہیں جن میں سے تیسرے مکتوب میں بادشاہ کا احوال بھی ہے۔ خود بادشاہ کے نام ۱۸ مکتوبات ہیں۔ دوسرے مکتوبات برصغیر پاک و ہند کے مختلف علاقوں کے شخصیتوں کے نام ہیں۔ شیخ محمد باقر لاہور' اورنگ زیب کے بڑے صاحبزادے محمد معظم سلطان عبدالرحمٰن بن نذر محمد خان (بلخ) محتشم خان (ہزار وپانصدی کا منصبدار تھا اور سارنگپور' میوات اکبر آباد اور الہ آباد میں مختلف منصبوں پر فائز رہا) مکرم خان (نام مراد کام اور خطاب مکرم خان تھا۔ جو عالمگیر کے دسویں سال آپ کو ملا۔ دہ ہزاری منصبدار تھا۔ لکھنؤ اور بیسوا رہ کے فوجدار رہے)۔ بختاور خان' حافظ محمد حسن دہلوی (وفات ۱۱۴۷ھ = ۱۷۳۴ء) شیخ محمد باقر لاہوری' ملا پایندہ محمد' خواجہ عبداللہ کولابی' صوفی سعداللہ کابلی' محمد بن سلیمان اکی' شیخ عبداللہ سورتی' حاجی اسد اللہ وزیر آبادی' ملا محمد جان' ملا محمد امیں حافظ آبادی' ملا محمد حسن سیالکوٹی شیخ محمد تھانیسری' بایزید سہارنپوری' نور محمد بنگالی' ملا ابوالقاسم کابلی' اخوند ملا شاہ مراد' سندھ کے نقشبندی بزرگ مخدوم آدم ٹھٹوی' محمد حامد لاہور وغیرہ۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملکی خواہ غیر ملکی سلاطین امراء روسا علما اور بزرگان دین سبھی

آپ سے مستفیض تھے اور ان سے آپ کا رابطہ تھا۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مکتوبات کا لکھنے والا تقویٰ علم و فضل خلوص و کمال میں کس قدر بلند مرتبت ہو گا اور تبلیغ دین کے سلسلہ میں کس قدر کوشاں تھا۔

حضرت خواجہ سیف الدین کی ولادت سرہند میں سنہ ۱۰۵۵ھ (۱۶۴۵ء) میں ہوئی۔ علوم ظاہری کے عالم تھے۔ سلوک میں درجہ کمال رکھتے تھے۔ اور زہد و تقویٰ اور اتباع سنت کے جامع اور مظہر تھے۔ دربار شاہی میں آپ کی بڑی عزت اور احترام کیا جاتا تھا۔ اور شاہی دربار میں آپ کے لئے ایک باوقار کرسی رکھی جاتی تھی جو جواہرات سے مزیں ہوتی تھی۔ بیشمار لوگوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ ایک روایت کے مطابق تقریباً" چار سو درویش حصول فیوض و برکات کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ ۹ جمادی الاول سنہ ۱۰۹۵ھ (۱۶۸۴ء) کو اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کے طرف رحلت فرمائی۔

خواجہ حجتہ اللہ محمد: حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمدؒ معصومؒ کے فرزند ثانی اور خلیفہ اول تھے۔ ذوالقعد ۱۰۳۴ھ (۱۶۲۵ء) میں آپ کی ولادت ہوئی۔ دینی تعلیم اپنے عم مکرم حضرت خواجہ محمد سعید سے حاصل کی باطنی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی اور مقام اعلیٰ پر پہنچ گئے۔ ۹ محرم ۱۱۱۵ھ (۱۷۰۳ء) میں اس جہان فانی سے رخصت ہوئے اور سرہند میں اپنے والد کے مقبرہ کے شمال میں مدفون ہوئے۔

خواجہ عبدالاحد: حضرت مجدد الف ثانی کے فرزند ثانی شیخ محمد سعید کے فرزند پنجم تھے۔ آپ کی ولادت سنہ ۱۰۴۹ھ (۱۶۳۹ء) میں سرہند میں ہوئی۔ چھوٹی عمر میں ہی ظاہری علوم کی تکمیل کی۔ ۱۵۔۲۰ سال کی عمر میں اپنے والد بزرگوار کی ہمراہ حج کو گئے۔ سفر حرمین شریفین کے حالات عربی زبان میں ایک رسالہ میں لکھے۔ اپنے چچا حضرت خواجہ محمد معصوم کی صحبت میں رہے اور روحانی فیض حاصل کیا۔ اور ان کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کثیرا لتصانیف عالم اور شاعر تھے۔ شاعری میں وحدت تخلص کرتے تھے۔ آپ کے مکمل دیوان کے علاوہ ۲۲ تالیف کے حوالے ملتے ہیں۔ ۲۷۔ ذوالحج ۱۱۲۶ھ (۱۷۱۴ء) کو دہلی میں فوت ہوئے اور سرہند میں مدفون ہوئے۔

خواجہ محمد زبیر: حضرت ابوالعلیٰ کے فرزند اور حضرت خواجہ محمد بن حضرت خواجہ محمد معصوم کے پوتے تھے۔ جب حضرت خواجہ محمد نقشبندؒ حرمین شریفین گئے تو حضرت محمد زبیرؒ کو بھی

اپنے ساتھ لے گئے۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد جب بادشاہ کے فرزندوں: معظم اور اعظم کے درمیان تخت نشینی پر جھگڑا ہوا تو شہزادہ معظم جس کو بزرگان مجددیہ سے عقیدت تھی، حضرت خواجہ محمد زبیرؒ کو دعا کے لئے درخواست کی۔ آپ نے شہزادہ کے حق میں دعا فرمائی۔ آخر شہزادہ معظم کی فتح ہوئی اور معظم بہادر شاہ کے لقب سے ہندوستان کا حکمران ہوا۔

اس کے بعد حضرت خواجہ محمد زبیر لاہور تشریف لائے۔ ہزاروں لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے اور بیعت ہو کر علوم ظاہری و باطنی سے مستفیض ہونے لگے۔ اس کے بعد لاہور ہی میں سکونت اختیار کی اور ہزاروں لوگوں نے آپ سے طریقہ نقشبندیہ میں فیض حاصل کیا۔ ۴۔ ذوالقعد سنہ ۱۱۵۲ھ (۱۷۳۹ء) میں رحلت فرمائی۔ پہلے دہلی میں مدفون ہوئے۔ بعد ازاں آپ کا تابوت سرہند منتقل کیا گیا۔

حضرت محمد اشرف: حضرت عروۃ الوثقی قدس سرہ العزیز کے چوتھے صاحبزادے ہیں۔ سنہ ۱۰۴۷ھ (۱۶۳۷ء) میں تولد ہوئے۔ سرہند میں خواجہ محمد زبیرؒ سے روحانی فیض حاصل کیا اور حضرت خواجہ صاحب کے انتقال تک سرہند میں مقیم رہے۔ اپنے پیر کے وصال کے بعد ان کے مسند خلافت پر جلوہ افروز رہے۔ بارھویں صدی کے آغاز میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے اور وہیں مقیم ہو گئے۔ سنہ ۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ء) میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

آپ دینی علوم میں بڑی دسترس رکھتے تھے اور بہت سی کتابوں پر شرح اور حاشیہ لکھا۔ اس کے ساتھ باطنی علوم میں بھی کامل تھے۔ آپ استقامت شریعت و طریقت اور زہد و تقویٰ میں منفرد حیثیت کے مالک تھے۔

فصل پنجم

حضرت مجدد کے خلفاء

۱۔ **سید آدم بنوری:** آپ کا تعارف الگ فصل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

۲۔ **میر محمد نعمان:** بن میر شمس الدین معروف بہ میر بزرگ (ولادت ۹۷۷ھ = ۱۵۶۹ء)

۳۔ **شیخ نور محمد پٹنی:** پیر کے حکم سے پٹنہ میں رشد و ہدایت کا چراغ روشن کیا۔

۴۔ **شیخ احمد بنگالی:** بنگال میں درس و تدریس ارشاد و تلقین میں مصروف رہے۔

۵۔ **شیخ محمد طاہر لاہوری:** آپ نے لاہور میں رشد و ہدایت کے فرائض انجام دیے۔ آپ کا تعارف بعد میں آئیگا۔

۶۔ **شیخ بدیع الدین سہارنپوری:** سہارنپور میں رشد و ہدایت میں مصروف ہے۔

۷۔ **خواجہ محمد صادق بدخشانی:** ہندوستان میں تولد ہوئے۔ عبدالرحیم خانخاناں سے وابستہ ہو گئے۔ بلند پایہ شاعر تھے اور "ہدایت" تخلص کرتے تھے۔ سنہ ۱۰۵۰ھ (۱۶۴۱ء) میں فوت ہوئے اور دہلی میں حضرت خواجہ باقی باللہ کے مقبرے میں مدفون ہوئے۔

۸۔ **شیخ محمد طاہر بدخشی:** جون پور میں رہتے تھے۔

۹۔ **شیخ یار محمد قدیم:** حضرت مجددؒ کے مکتوبات کے جلد اول کے جامع ایک اور یار محمد بھی تھے، جو بعد میں مرید ہوئے تھے۔ اس لئے اس کو یار محمد جدید کہا کرتے تھے۔ دوسرے کو یار محمد قدیم کہتے تھے۔

۱۰۔ **شیخ عبدالهادی:** حضرت خواجہ باقی باللہ سے وابستہ ہوئے اور انہوں نے ان کی تربیت حضرت مجددؒ کے سپرد کی۔

۱۱۔ **خواجہ محمد صادق کابلی:** شروع میں بہت مالدار تھے اور شہزادہ سلیم (جہانگیر) کے ملازموں میں تھے۔ یکایک قلب میں جزبہ طلب حق بیدار ہوا اور الہ آباد سے دہلی حضرت

خواجہ باقی باللہ کی ملاقات کے لئے آئے لیکن حضرت باقی باللہ وفات پا چکے تھے۔ اس کے بعد حضرت باقی باللہ کے مرید حضرت حسام الدین کی خدمت میں آئے۔ جنہوں نے آپ کو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پاس بھیجا۔ حضرت مجددؒ سے روحانی فیض اور خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد لاہور میں سکونت اختیار کی۔ کئی لوگوں کو روحانی فیض سے مستفیض کر کے سنہ ۱۰۱۸ھ (۱۰-۱۶۰۹ء) میں فوت ہوئے۔

۱۲۔ حاجی خضر خان: قصبہ بہلول پور مضافات سرہند کے رہنے والے تھے۔

۱۳۔ شیخ احمد د-لبنی (دیو بندی)

۱۴۔ شیخ احمد برکی: شہر "ود" کے رہنے والے تھے۔ جو کابل اور قندھار کے درمیان واقع ہے۔

۱۵۔ شیخ یوسف برکی: حضرت مجددؒ نے آپ کو رشد و ہدایت کے لئے جالندھر بھیجا تھا۔

۱۶۔ شیخ کریم الدین عرف عبدالکریم: پرگنہ "اٹک" "کے موضع" "عثمان پور کھتر" کے رہنے والے تھے۔ سنہ ۱۰۵۰ھ (۱۶۴۰ء) میں اپنے وطن میں وفات پائی۔

۱۷۔ شیخ حسن برکی:

۱۸۔ شیخ عبدالحی: پٹنہ میں مقیم تھے۔ حضرت مجددؒ کے مکتوبات کے جلد دوم کے جامع تھے۔ خلافت حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن آئے اور مرجع خاص و عام ہوئے۔ ساٹھ سال کی عمر میں سنہ ۱۰۵۴ھ (۴۵-۱۶۴۴) میں فوت ہوئے۔

۱۹۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی برہانپوری: کشم بدخشان کے رہنے والے تھے۔ آپ کے آباد اجداد سلسلہ کبرویہ سے وابستہ تھے۔ لیکن آپ حضرت مجددؒ کے پاس آکر مرید ہوئے۔ برہانپور واپس آکر شمع ہدایت روشن کی۔ حضرت مجدد کے مکتوبات کے تیسرے جلد کے جامع ہیں۔ بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ اپنے مرشد اور نقشبندیہ سلسلہ کے بزرگوں کے حالات کے متعلق "زبدۃ المقامات" کے نام سے سنہ ۱۰۳۸ھ (۱۶۲۸ء) میں کتاب لکھی۔

۲۰۔ شیخ بدر الدین سرہندی: کئی کتابوں کے مصنف تھے مثلاً حضرات القدس، کرامات الاولیاء ترجمہ فتوح الغیب اور لوائح

حضرت شیخ محمد طاہر بندگی لاہوری: آپ حافظ قرآن اور معقول اور منقول میں جید عالم تھے۔ جب آپ کے دل میں ذکر الٰہی کی خواہش پیدا ہوئی۔ تو حضرت مجدد الف ثانی کی

خدمت میں حاضر ہو کر ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت مجددؒ آپ سے بڑی محبت کرتے تھے۔ آپ نے حضرت مجددؒ کی صحبت میں رہ کر بلند مقامات حاصل کئے۔

آپ درس و تدریس میں بھی مشغول رہتے تھے۔ اور اس کے ساتھ طالبان حق کی روحانی تربیت بھی فرماتے رہتے تھے۔ اتباع شریعت اور اوامر و نواہی کی پابندی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔ امراء اور اغنیاء کے نذرانے یا تحائف قبول نہیں کرتے تھے۔ کئی لوگوں کی روحانی اور اخلاقی تربیت فرمائی۔ ۲۰۔ محرم سنہ ۱۰۵۶ھ (۱۶۴۶ء) کو وفات پائی اور میانی صاحب لاہور میں مدفون ہوئے۔

فصل ششم

سید آدم بنوری اور ان کے خلفاء

حضرت سید آدم بنوری: آپ کی ولادت "بنور" میں ۱۳۔ شعبان ۹۹۹ھ (۱۵۹۱ء) میں ہوئی۔ حضرت مجدد الف ثانی کے بڑے خلیفہ تھے۔ آپ نے شریعت کی پابندی کرانے کے سلسلہ میں بڑی جدوجہد کی۔ بہت سے لوگوں کو روحانی فیض سے مستفیض کیا۔ آپ کے لاتعداد مرید، معتقد اور خلفاء تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی کے بعد سلسلہ نقشبندیہ دو حصوں میں بٹ گیا۔ ایک سلسلہ حضرت مجدد الف ثانی کے فرزند حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے نام سے "نقشبندیہ مجددیہ معصومیہ" کے نام سے مشہور ہوا۔ دوسرا سلسلہ حضرت سید آدم بنوری نے جاری کیا۔ حضرت سید آدم بنوری نے اپنے مرشد کے مقرر کردہ ذکر اذکار کے لطائف میں کچھ ردو بدل کر کے "نقشبندیہ احسنیہ" کے نام سے مشہور کیا۔

روایت ہے کہ آپ کے چار لاکھ مرید تھے اور آپ کے کامل خلفاء کی تعداد ایک ہزار تھی۔ اتباع سنت، دفع بدعت اور استقامت شریعت اور طریقت آپ کا مقصد زندگی تھا۔ ریاکاری سے آپ کو نفرت تھی اور دولت کو آپ وقعت نہیں دیتے تھے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے ہر وقت کوشاں رہتے۔ اہل دنیا کے ساتھ غلبہ اور ہیبت کے ساتھ کلام کرتے تھے اور ان کے ساتھ استغنا کے ساتھ پیش آتے تھے۔ آپ کی گفتگو پندو نصائح پر مشتمل اور حکمت و معانی سے لبریز ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ اپنے مریدین کے ساتھ لاہور گئے۔ وہاں اتفاق سے شاہجہان بادشاہ بھی موجود تھا۔ لوگوں نے بادشاہ کے کان بھرے کہ شیخ کے ساتھ ایک ہزار افغان ہیں، ایسا نہ ہو کہ کوئی گڑ بڑ کریں۔ چنانچہ بادشاہ نے اپنے وزیر سعد اللہ خان کو حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ جب وزیر آکر آپ سے ملے، تو آپ نے اس کو کوئی اہمیت نہیں دی اور جو کچھ

پوچھا، اس کا جواب بڑی لاپرواہی سے دیا۔ وزیر کو اس بات پر غصہ آیا اور آپ کے خلاف بادشاہ کے پاس جا کر شکایت کی۔ بادشاہ نے حضرت شیخ کو مکہ معظمہ جانے کا حکم دیا۔ آپ کو پہلے ہی وہاں جانے کا اشتیاق تھا۔ چنانچہ حرمین شریفین چلے گئے۔

آپ نے مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور وہیں ۱۰۵۳ھ (۱۶۴۳ء) میں وفات پائی اور جنت البقیع میں حضرت عثمان غنی کے روضہ کے قریب مدفون ہوئے۔

خلفاء: آپ نے بے شمار لوگوں کو روحانی فیض دیا اور کئی خلفاء کی تربیت کی۔ ان میں سے چند کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ آپ کے خلفاء نے صوبہ سرحد، افغانستان، پنجاب، کشمیر اور سندھ میں کئی لوگوں روحانی اور اخلاق تربیت کی۔

شیخ نور محمد پشاوری: لاہور اور سلطان پور میں دینی تعلیم حاصل کی۔ حصول علم کے بعد حضرت سید آدم بنوری کے دست حق پرست پر بیعت کی اور ریاضتیں اور مجاہدے کر کے روحانیت کے درجہ کمال کو پہنچے۔ آپ نے یوسف زئی علاقہ میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا اور کئی لوگوں کو روحانی فیض پہنچایا۔ سنہ ۱۰۵۹ھ (۱۶۴۹ء) میں وفات پائی۔ ان کے مرید اب تک نواح پشاور میں موجود ہیں۔

شیخ عبداللہ معروف بہ حاجی بہادر: حضرت سید آدم بنوری کے خلیفہ تھے۔ ۱۶۔ رجب ۹۸۹ھ (۱۵۸۱ء) میں آپ کی ولادت آگرہ میں ہوئی۔ اور ۶۔ رجب ۱۰۹۹ھ (۱۶۸۸ء) کو "گھاٹی" میں فوت ہوئے۔ آگرہ اور اس کے گرد و نواح میں کئی لوگوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ کے خفاء میں سے "شیخ مامون شاہ منصوری" کا نام قابل ذر ہے، جس کی ولادت ۱۴ شوال ۱۰۰۱ھ (۱۵۹۳ء) میں دہلی میں ہوئی اور ۱۴۔ شوال ۱۰۹۹ھ (۱۶۸۹ء) میں فوت ہوئے اور "کوہ منصوری ٹیلہ" میں مدفون ہوئے۔

اخون شاہ نعیم گاہی: ۱۳۔ رجب ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ء) میں تولد ہوئے۔ شیخ مامون شاہ منصوری کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ کے ذریعہ "سلسلہ نقشبندیہ احسنیہ" صوبہ سرحد اور افغانستان میں پھیلا۔ آپ کے خلفاء میں سے "اخون شاہ سندئی" کا نام قابل ذکر ہے، جن کی ولادت ۱۴۔ ذوالحج ۱۰۹۳ھ (۱۶۸۲ء) میں ہوئی اور ۱۳۔ ذوالحج ۱۱۹۱ھ (۱۷۷۷ء) میں فوت ہوئے اور "سوات" میں مدفون ہوئے۔

شیخ محمد سعدی بخاری لاہوری: مولانا حاجی سعد اللہ وزیر آبادی کے ذریعہ شیخ آدم

بنوری خلیفہ حضرت مجدد الف ثانی سے روحانی فیض حاصل کیا۔ حضرت آدم بنوری کے ساتھ حرمین شریفین بھی گئے اور چند سال وہاں ان کے ہمراہ بسر کئے۔ ان کی وفات کے بعد لاہور آئے اور قیام کیا۔ سنہ ۱۱۰۸ھ (۱۶۹۶ء) میں فوت ہوئے۔ شیخ شرف الدین کشمیری (وفات ۱۲۰۵ھ ـ ۱۷۹۱ء) کی کتاب میں آپ کے خوارق و کرامات درج ہیں۔

خواجہ محمد یحییٰ: حضرت سعدی لاہوری کے مرید تھے۔ اٹک میں قیام پذیر تھے۔ کابل اور صوبہ سرحد کے کئی لوگوں کو روحانی فیض پہنچایا اور کئی لوگ آپ کی تبلیغ کی وجہ سے مسلمان ہوئے اور راہ راست پر آئے۔ آپ کے خلفاء میں محمد عمر اور عبدالشکور کے نام قابل ذکر ہیں، محمد عمر اٹک میں رہتا تھا۔

حاجی اسد اللہ: سرائے وزیر خان ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ حضرت آدم بنوری کے خلیفہ تھے۔ پشاور، لاہور اور وزیر آباد میں تمام عمر سلسلہ مجددیہ کے نشرو اشاعت میں سرگرم عمل رہے۔

خواجہ فقیر محمد: علاقہ ہشنغر (پشاور) کے رہنے والے تھے۔ حضرت بابا محمد کے مرید تھے، جو حافظ عبدالرزاق کے مرید تھے اور وہ خواجہ محمد یحییٰ کے خلیفہ عبدالشکور کے مرید تھے۔ اپنے وطن سے نکل کر کشمیر گئے اور "سید پور" (آزاد کشمیر) میں سکونت اختیار کی۔ وہیں وفات پائی اور مدفون ہوئے۔ بہت سے لوگوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔

خواجہ شمس الدین: سید پور (آزاد کشمیر) کے رہنے والے تھے۔ خواجہ فقیر محمد ہشنغری کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آزاد کشمیر، ہزارہ ڈویژن، بالائی علاقہ کوہستان، بالائی نندھاڑ، سوات اور پکھل کے بے شمار لوگ آپ کے فیض سے فیضیاب ہوئے۔ سنہ ۱۹۴۳ء میں فوت ہوئے۔ آپ کے خلفاء میں خواجہ نور محمد، محمد اسحاق اور مولانا عبدالرحمٰن قابل ذکر ہیں۔

مخدوم محمد اسمٰعیل پریاں لوء: سندھ میں نقشبندی سلسلہ کے بہت بڑے بزرگ ہو گزرے ہیں۔ آپ کے سلسلہ طریقت حضرت سید آدم بنوری سے اس طرح ملتا ہے:

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی

سید آدم بنوری

شیخ محمد سعدی لاہوری

حافظ حاجی محمد ایوب (مدفن قریہ "چک" قدیم علاقہ روپاہ۔ موجودہ ضلع شکارپور، سندھ)

مخدوم محمد جمال اللہ پریاں لوئی (مدفون پریاں لوء، ضلع خیرپور میرس سندھ)

مخدوم اسمعیل پریاں لوئی (مدفون پریاں لوء۔ ضلع خیرپور میرس، سندھ)

مخدوم محمد اسمٰعیل سندھ کے "جونیجو" قوم کے تھے اور بہت بڑے عالم، فاضل اور بزرگ تھے۔ سنہ ۱۱۷۴ھ (۱۷۶۰ء) میں فوت ہوئے۔ کئی لوگوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ راشدی خاندان کے جد امجد سید محمد بقا (وفات ۱۱۹۸ھ = ۱۷۸۴ء) نے بھی آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔

حاجی محمد سعید لاہوری: صاحب شریعت و طریقت بزرگ تھے۔ مدینہ منورہ میں آپ نے سید محمد دین سید علی حسینی کردی کے ہاتھ پر بیعت کی اور خلافت قادریہ حاصل کی اور شیخ اشرف لاہوری سے ان کا سلسلہ شاہ محمد غوث گوالیاری کے ساتھ ملتا ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ میں آپ نے حضرت آدم بنوری کے خلیفہ شیخ محمد سعید وزیر آبادی سے خلافت حاصل کی۔ آپ لاہور میں قیام پذیر تھے۔

آپ کے زمانہ میں احمد شاہ ابدالی لاہور میں آیا، لیکن آپ کا محلہ "لکھی" فوج کے دست برد سے محفوظ رہا۔ احمد شاہ ابدالی آپ خدمت میں آیا۔ اور آپ کی شخصیت سے متاثر ہوا۔

آپ ہمیشہ اپنی مسجد میں طالبان حق کو درس دیا کرتے تھے۔ دوپہر تک دینی علوم کا درس دیتے تھے۔ اور بعد نماز عصر طالبان طریقت کو روحانی تعلیم دیتے تھے۔ آپ نے ۱۱۶۶ھ میں وفات پائی۔ آپ کو نرینہ اولاد نہ تھی۔ دو بیٹیاں تھیں۔ آپ کا مزار کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے قریب نیپیر روڈ پر ایک احاطہ میں واقع ہے۔

شاہ فقیر اللہ علوی: آپ کا سلسلہ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔ آپ کی ولادت سنہ ۱۱۰۰ھ (۱۶۸۹ء) میں روتاس (افغانستان) میں ہوئی۔ دینی تعلیم ننگرہار (علاقہ حصارک) اور پشاور کے مدارس میں حاصل کی۔ روحانی تعلیم محمد مسعود پشاوری سے حاصل کی، جو حاجی محمد سعید لاہوری کے مرید اور خلیفہ تھے۔ حاجی محمد مسعود پشاوری کی وفات سنہ ۱۱۳۴ھ (۱۷۲۲ء) میں ہوئی اور قریہ "خرقی" کے نزدیک چہار سدہ (پشاور) میں مدفون ہوئے۔

حاجی شاہ فقیر اللہ علوی کی کافی عمر حرمین شریفین میں صرف ہوئی۔ مکہ مکرمہ میں آپ نے شیخ عبدالقادر مفتی مکی سے بھی روحانی فیض حاصل کیا۔ وہ بھی سلسلہ نقشبندیہ سے وابستہ

تھے۔ آپ کا شجرہ طریقت اس طرح ہے:

خواجہ بہاؤ الدین نقشبند

مولانا یعقوب چرخی

خواجہ عبدالقادر احرار (ولادت ۸۰۶ھ : ۱۴۰۴ء' وفات ۸۹۵ھ : ۱۴۹۰ء)

خواجہ محمد زاہد (وفات ۹۳۶ھ-۱۵۳۰ء)

خواجہ محمد درویش (وفات ۹۷۱ھ-۱۵۶۴ء)

خواجہ امکنگی (۹۱۸ھ-۱۵۱۲ء' ۱۰۰۸ھ-۱۶۰۰ء)

خواجہ محمد باقی (وفات ۱۰۱۲ھ-۱۶۰۳ء)

خواجہ تاج الدین سنبھلی (وفات ۱۰۵۰ھ-۱۶۴۰ء)

خواجہ عبداللہ بن سعید باقیر مکی

خواجہ عبداللہ بن سالم بصری (وفات ۱۱۳۴ھ - ۱۷۲۲ء)

عبدالقادر مفتی مکی

(ولادت ۱۰۸۰ھ = ۱۶۶۹ء' وفات ۱۱۳۸ھ-۱۷۲۶ء)

مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی۔ حاجی شاہ فقیر اللہ علوی

دوسرا سلسلہ اس طرح ملتا ہے:

خواجہ بہاؤ الدین نقشبند

خواجہ علاؤ الدین عطار (وفات ۸۰۲ھ-۱۴۰۰ء)

مولانا نظام الدین (وفات ۸۶۰ھ-۱۴۵۶ء)

مولانا سعد الدین کاشغری (وفات ۸۶۴ھ-۱۴۵۸ء)

مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی

(ولادت ۸۱۷ھ-۱۴۱۴ء' وفات ۸۹۸ھ-۱۴۹۲ء)

مولانا محمد امین ابن اخت ملا جامی

شیخ محمد الیمنی

ابوالمواہب احمد بن علی الشناوی

(ولادت ۹۷۵ھ-۱۴۷۰ء' وفات ۱۰۳۸ھ-۱۶۳۹ء)

صفی الدین القشاشی (وفات ۱۰۷۱ھ-۱۶۶۰ء)

شیخ حسن العجمی (وفات ۱۰۷۱ھ-۱۶۶۱ء)

عبدالقادر مفتی مکی

مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی۔ حاجی شاہ فقیر اللہ علوی

سنہ ۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ء) میں آپ نے شکار پور (سندھ) میں آکر خانقاہ قائم کی' جو جلد ہی سندھ' بلوچستان اور وسط ایشیا کا روحانی مرکز بن گیا۔ بیشمار لوگوں نے آپ سے علمی اور روحانی فیض حاصل کیا۔ سندھ کے کلہوڑہ حکمران' بلوچستان کے حکمران نصیر خان بروہی اور افغانستان کے حاکم احمد شاہ ابدالی آپ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ سندھ کے علماء اور بزرگان دین سے آپ کے بہت گہرے تعلقات تھے۔ آپ کی وفات ۳۔ صفر ۱۱۹۵ھ (۱۷۸۱ء) کو ہوئی اور شکارپور میں مدفون ہوئے۔ آپ نے عربی' فارسی اور پشتو میں شعر کہا ہے۔ اس کے علاوہ عربی اور فارسی میں دینی علوم اور تصوف کی تعلیم پر کچھ کتابیں بھی تصنیف اور تالیف کی ہیں' مثلاً" (۱) برہان النجات من مصائب الدنیا و العرصات (عربی) (۲) فتح الجمیل فی مدارج التکمیل (عربی) (۳) فیوضات الاحیۃ (عربی) (۴) قطب الارشاد (عربی) و ثیقتہ الاکابر (عربی) (۶) فتوحات الغیبیہ فی شرح عقائد الصوفیہ (۷) قصیدۃ المبرورہ (۸) کتاب الازھار فی ثبوت الاثار (عربی) (۹) منتخب الاصول (عربی) (۱۰) مکتوبات شاہ فقیر اللہ علوی (۱۱) طریق الارشاد فی تکمیل المومنین والاوراد (۱۲) ملفوظات (۱۳) فتاویٰ (۱۴) کتاب الفقر (فارسی) وغیرہ

حاجی شاہ فقیر اللہ علوی نے حدیث' فقہ اور دوسری علوم کی مسلسل سندیا اجازہ سندھ کے بزرگ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی سے حاصل کی۔ حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی نے بھی مکہ مکرمہ میں آپ کے پیر حضرت عبدالقادر مفتی مکی سے روحانی فیض حاصل کیا تھا۔

حضرت شاہ فقیر اللہ علوی نے وحدت الوجود کے نظریہ کے شارح حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کی کتابوں کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور سندھ کے وجودی نظریہ کے قائل اور شارح مخدوم محمد معین ٹھٹوی کے بہت گہرے دوست تھے۔ لیکن خود وحدت الوجود کے قائل نہ تھے۔ بلکہ مخالف تھے۔

سندھ اور بلوچستان کے حکمران حضرت حاجی صاحب سے ارادتمندانہ عقیدت رکھتے تھے۔ احمد شاہ ابدالی اور ان کے فرزند آپ کے معتقد تھے۔ احمد شاہ ابدالی شکارپور مین آپ

کی زیارت کو بھی آئے۔ مکتوبات شاہ فقیر اللہ علوی میں احمد شاہ ابدالی کے لئے ۴ خطوط ان کے وزیراعلیٰ ولی خان کے طرف ۲ خطوط' ولی عہد شہزادہ سلیمان کے لئے ۴ خطوط موجود ہیں۔ ان کے علاوہ سندھ کے حاکم میاں نور محمد کلہوڑہ اور ان کے پوتے سرفراز خان حضرت حاجی صاحب سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ قلات کے والی نصیر خان بروہی بھی آپ کے ارادتمند تھے۔ مکتوبات شاہ فقیر اللہ علوی میں نصیر خان بروہی کے طرف دو خط' محبت خان کے طرف دو خط' حاکم سندھ سرفراز خان کلہوڑہ کے طرف ۲ خط اور ٹھٹھ کے مغلیہ گورنروں میں سے شیخ شکر اللہ اور غلام محمد کے طرف ایک ایک خط موجود ہے۔ مرہٹوں سے مقابلہ کرنے کے لیے' جب احمد شاہ ابدالی کو شاہ فقیر اللہ علوی اور شاہ ولی اللہ نے آمادہ کیا' تو شاہ فقیر اللہ علوی نے اس مقصد کے لئے حاکم سندھ اور حاکم قلات سے ان کو فوجی مدد دلوائی۔

شاہ فقیر اللہ علوی نے حکمرانوں کو خدا ترسی' رعیت کے حقوق کی نگہداشت اور دین کی سربلندی کی ہدایت کی ہے۔ اس کے ساتھ ان کو اخلاق' اخلاص' خدمت خلق' عرفان اور ایقان کی تلقین بھی کی ہے۔ نصیر خان بروہی جب احمد شاہ ابدالی کی مدد کے لئے روانہ ہوئے' تو پہلے شکار پور میں آکر شاہ فقیر اللہ علوی سے ملے۔ اس کے بعد سندھ دریاء کے ذریعہ لاہور گئے۔ نور محمد گنجابی بھی ان کے ہمراہ تھے۔ اس نے اپنی مثنوی "جنگ نامہ" میں اس ملاقات کا ذکر کیا ہے۔

غرضیکہ حضرت شاہ فقیر اللہ علوی نے دینی اور روحانی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ' بلوچستان اور سندھ کے مسلم حکمرانوں سے تعلقات قائم رکھے اور ان میں دین کا جذبہ پیدا کیا اور اسلام کی خدمت اور دین کی سربلندی کے لئے جدوجہد کرنے کے لئے آمادہ کیا۔ احمد شاہ ابدالی کو مرہٹوں سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار کرنے میں آپ کی کوششوں کا بھی دخل تھا۔

حاجی محمد اسماعیل غوری نقشبندی: حضرت شیخ سعدی لاہوری کے مرید اور خلیفہ تھے' جو سید آدم بنوری کے خلیفہ تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے مولانا یار محمد گل مہاروی مجددی سے بھی روحانی استفادہ کیا۔ لاہور میں خوردہ فروشی کرکے روزی حاصل کرتے تھے۔ کچھ عرصہ کے لئے سیروسیاحت بھی کی اور حج اور زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔ ۱۱۵ سال کی عمر

میں ۱۱۱۱ھ (۱۶۹۹ء) میں وفات پائی۔ پشاور میں ان کا مزار مرجع خلائق ہے۔ آپ کے خلفاء میں حافظ عبدالغفور پشاوری کا نام قابل ذکر ہے۔

حافظ عبدالغفور پشاوری: آپ کے والد کا نام شیخ محمد صالح کشمیری تھا۔ حاجی اسماعیل غوری نقشبندی کے خلیفہ تھے۔ حافظ قرآن تھے۔ ریاضتوں اور مجاہدوں کا یہ حال تھا کہ تمام تمام رات حبس نفس اور مراقبہ میں مشغول رہتے تھے۔ خدمت خلق آپ کا شعار تھا اور ہمیشہ مسکینوں اور غریبوں اور مسافروں کی خدمت میں مشغول رہتے تھے۔ کھانے کے علاوہ ضرورت مندوں کو پیسے اور کپڑے بھی دیتے تھے۔ دنیا اور اہل دنیا سے قطعاً" بے نیاز رہتے تھے۔ ۱۳۔ شعبان ۱۱۱۹ھ (۱۷۰۷ء) کو فوت ہوئے۔ آپ کا مزار پشاور میں ہے۔ آپ کے خلفاء میں سے اخوند عبدالسلام عرف وکیل بادشاہ کا نام قابل ذکر ہے۔

یحییٰ معروف بہ حضرت جی: حضرت شیخ سعدی لاہوری کے خلیفہ تھے۔ ان کا نام شیخ یحییٰ' کنیت شیخ اور اسماعیل یحییٰ اور لقب سراالاعظم تھا۔ ان کے والد کا نام پیرداد تھا اور نسباً" چغتائی (مغل) تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد میں سے ایک بزرگ ماوراء النہر سے یہاں آئے۔ حضرت یحییٰ سنہ ۱۰۴۱ھ (۱۶۳۱ء) میں تولد ہوئے۔ بڑی ریاضتیں اور مجاہدے کئے اور اپنا تمام وقت یاد الٰہی میں گزارا۔ روحانی فیض حاصل کرنے کے بعد رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا اور سرحد' پنجاب' سندھ اور ہندوستان کے کئی لوگوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ سنہ ۱۱۳۱ھ (۱۷۱۸ء) میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار اٹک (ضلع کیمبلپور) میں دریائے اٹک کے کنارے مرجع خلائق ہے۔

حضرت میاں محمد عمر چمکنی: ان کے والد کا نام ابراہیم خان تھا۔ باجوڑ کے رہنے والے تھے۔ دینی تعلیم مولانا محمد فاضل پائینی (علاقہ ننگرہار) شیخ فرید اکبر پوری' مولانا حاجی امین پشاوری' حضرت عبدالغفور نقشبندی' حضرت محمد یوسف اور دریا خان سے دینی تعلیم حاصل کی۔ شیخ یحییٰ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان سے روحانی فیض حاصل کیا۔ اس کے ساتھ اپنے مرشد کے پیر شیخ سعدی لاہوری سے بھی فیض حاصل کیا۔ یوسف زئی علاقہ اور خلیل میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا اور کئی لوگوں نے آپ کے علم و عرفان سے معرفت حاصل کی۔ احمد شاہ ابدالی بھی آپ کے ارادتمند تھے' باطنی معرفت کے ساتھ آپ کو اللہ تعالیٰ نے سیاسی بصیرت سے بھی نوازا تھا۔ آپ نے اسلام کی سربلندی کے لئے عملی جدوجہد کی

اور مسلمان حکمرانوں کو دین اسلام کی پابندی کی ہدایت بھی کی۔ اور غیر مسلموں سے جنگ میں ان کی مدد بھی کی۔

احمد شاہ ابدالی آپ کے ہدایات پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتا تھا۔ پانی پت کی جنگ کے دوران آپ نے احمد شاہ ابدالی کی ہر قسم کی مدد کی۔

حضرت میاں صاحب نے رجب ۱۱۹۰ھ (۱۷۷۶ء) میں وفات پائی۔ آپ کا مزار موضع چمکنی میں ہے' جو پشاور سے تین میل کے فاصلہ پر شاہی سڑک پر واقع ہے۔ آپ کے تصانیف میں سے "خلاصہ کیدانی" کا منظوم پشتو ترجمہ "توضیح المعانی" قابل ذکر ہے۔ آپ کے خلفاء میں سے اخوند ملا عبدالحکیم' محمی اخوند زادہ' عبیداللہ میاں گل' قاضی اخوند مشہور ہوئے۔

فصل ہفتم

مرزا مظہر جان جاناں اور ان کے خلفاء

بارھویں صدی ہجری میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں نے سلسلہ نقشبندیہ کے ذریعہ اسلام اور روحانیت کی اہم خدمات سرانجام دیں۔ آپ کے خلفاء برصغیر پاک و ہند کے ہر حصہ میں پھیل گئے اور انہوں نے لوگوں کے دینی' روحانی اور معاشرتی اصلاح کے سلسلہ میں بڑی جدوجہد کی' نہ صرف یہ بلکہ انہوں نے غیر مسلم حکمرانوں سے نفرت کا اظہار کیا اور ان کے خلاف جہاد کیا۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں نے سلسلہ نقشبندیہ کے جن بزرگوں سے روحانی فیض حاصل کیا۔ ان کا تعارف پیش کیا جاتا ہے:

سید نور محمد بدایونی: حضرت سیف الدین بن محمد معصوم کے خلیفہ تھے۔ بڑے عالم و فاضل اور اہل دل بزرگ تھے۔ بے شمار طالبان حق نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا' جن میں سے حضرت مرزا مظہر جان جاناں کا اسم گرامی قابل ذکر ہے۔ اہل دنیا کی صحبت سے پرہیز کرتے تھے۔ ۱۱ ذوالعقد ۱۱۳۵ھ (۱۶۳۶ء) میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار سرہند میں ہے۔

شیخ محمد عابد: شیخ ابو الحسن ضیاء الدین عبداللہ بن شیخ حامد بن شیخ بہاؤ الدین کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتا ہے۔ حضرت خواجہ عبدالاحد کے خلیفہ تھے۔ بڑے عابد اور زاہد بزرگ تھے۔ با پیادہ حرمین شریفین گئے اور حج اور زیارت روضہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفیض ہوئے۔ آپ کی ولادت اور پرورش لاہور میں ہوئی۔ آپ کی عبادات' مجاہدات' معمولات اور ریاضت کا ذکر مفتی غلام سرور لاہوری کی کتاب حدیقۃ الاولیاء اور حضرت شاہ غلام علی دہلوی کی کتاب رسالہ در حالات حضرت مرزا مظہر جان جاناں میں ملتا ہے' مرزا مظہر جان جاناں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ بلند پایہ عالم اور فاضل بھی تھے۔ آپ کے مندرجہ ذیل تصانیف کے نام ملتے ہیں۔

(۱) حاشیہ تفسیر بیضاوی (۲) شرح خلاصہ کیدانی (فارسی) (۳) شرح قصیدہ بانت سعاد (۴) رسالہ وجوہ اعجاز القرآن (۵) العشرۃ المبشرہ (۶) رسالہ فی الار .حہ الاحتیاطیہ

شیخ محمد افضل : سیالکوٹ کے رہنے والے تھے اور حضرت خواجہ عبدالاحد کے مرید تھے۔ عالم اور فاضل تھے۔ حضرت مرزا جان جاناں نے آپ سے بھی روحانی فیض حاصل کیا۔

حافظ سعد اللہ دہلوی : حضرت محمد صدیق بن خواجہ محمد معصوم کے مرید تھے۔ حضرت مرزا جان جاناں نے آپ سے بھی روحانی فیض حاصل کیا۔ ۱۱ شوال ۱۱۵۲ھ (۱۷۴۰ء) کو فوت ہوئے۔

مرزا مظہر جان جاناں : اس بزرگ کا سلسلہ نسب حضرت امام محمد بن حنیف بن علی المرتضیٰؓ کے ساتھ ملتا ہے۔ عالم' فاضل اور سلسلہ نقشبندیہ کے بہت بڑے بزرگ تھے۔ اس کے ساتھ اردو زبان کے باکمال شاعر تھے۔ آپ کے والد بزرگوار مرزا جان اورنگ زیب کے منصبدار تھے۔ دادا امیر عبدالسبحان بھی شاہی دربار میں صاحب منصب تھے۔ ایک روایت کے مطابق ان کے پردادا امیر عبدالسبحان بھی شاہی دربان میں صاحب منصب تھے۔ ایک روایت کے مطابق ان کے پردادا مرزا محمد امان کی شادی اکبر کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ لیکن اس روایت کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے۔ بعض تذکروں میں ۱۱۱۰ھ' بعض میں ۱۱۱۱ھ اور بعض میں ۱۱۱۲ھ اور ۱۱۱۳ھ بھی بتائی گئی ہے۔ پروفیسر حافظ محمود شیرانی کی تحقیق کے مطابق سال ولادت ۱۱۰۹ھ (۹۸-۱۶۹۷ء) اور ۱۱۱۳ھ (۱۷۰۲ء - ۱۷۰۱ء) کے درمیان ہے۔ سولہ برس کے تھے کہ سایہ پدری سر سے اٹھ گیا۔ شیخ محمد افضل سے باقاعدہ حدیث پڑھی اور روحانی فیض حاصل کیا۔ نقشبندی سلسلہ میں سید نور محمد بدایونی کے مرید ہوئے۔ ان کے علاوہ نقشبندی سلسلہ کے دوسرے بزرگوں :شیخ محمد افضل' حافظ سعد اللہ دہلوی اور خواجہ محمد عابد سے بھی فیضیاب ہو کر تکمیل پائی اور مسند رشد و ہدایت پر بیٹھ کر ہزاروں طالبان حق کو واصل بحق کیا۔ سینکڑوں ہندو اور مسلمان آپ سے بیعت اور عقیدت رکھتے تھے۔ تبحر عالم' فقیہ کامل اور شریعت کے پابند بزرگ تھے۔ اکثر وقت اوراد و وظائف' دلچسپ علمی گفتگو اور شعر و شاعری میں صرف کرتے تھے۔ آپ کی تہذیب و متانت' قناعت واستغنا' پابندی وضع اور دنیا سے بے تعلقی ضرب المثل تھی۔ سراپا خلوص و

محبت تھے۔

آپ کا اردو کلام اردو شاعری کی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ آپ نے زبان کو صاف کیا اور اس میں فارسی زبان کی نئی نئی ترکیبیں شامل کر کے اس میں رنگینی اور رعنائی پیدا کی۔ اس کے ساتھ قدیم طرز ایہام گوئی کو ترک کیا اور خیالات میں جدت اور ندرت پیدا کی۔ یعنی اردو شاعری میں جدید رنگ اور نئے رجحانات آپ کے ہی پیدا کردہ ہیں۔ آپ کا کلام جذبات اور احساسات کا پر اثر اظہار کے ساتھ تصور کے خیالات سے مزین ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مضمون خیالی نہیں ہے۔ بلکہ واردات قلبی کا من و عن اظہار ہے۔ ایک فارسی دیوان' ایک نا تمام اردو دیوان' ایک بیاض خر .ۃ جواہر' جس میں فارسی شعراء کا منتخب کلام ہے' آپ کی تصانیف سے یادگار ہیں۔ آپ کے احوال' ملفوظات اور مکتوبات کو آپ کے مرید اور خلیفہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی نے "مقامات مظہری" نامی کتاب میں جمع کیا ہے۔

۹ محرم سنہ ۱۱۹۵ھ (۱۷۸۰ء) کو مذہبی تعصب کی بنا پر آپ کو شہید کیا گیا۔ آپ کا روحانی فیض برصغیر پاک و ہند کے ہر حصہ اور علاقہ میں پہنچا اور آپ کے کئی خلفاء نے لوگوں کی اخلاقی اور روحانی تربیت کی اور شریعت کی پابندی کی ترغیب دلائی۔ حضرت مرزا جان جاناں نے طالبان حق کی تعلیم و تربیت کے لئے دہلی میں جو خانقاہ بنائی تھی' اس نے نہ صرف پاک و ہند بلکہ وسط ایشیا اور عربستان تک کو منور کیا۔ دہلی کی مشہور جامع مسجد کے جوار میں حضرت جان جاناں کا مسکن تھا۔ آپ نے زندگی کے تیس سال بزرگان دین کی خدمت میں رہ کر سلوک کی منازل طے کیں اور بقیہ تیس سال طالبان حق کی تربیت میں صرف کئے۔ آپ کو حویلی بنی صاحبہ (اہلیہ حضرت مظہر) میں دفن کیا گیا۔ جو چتلی قبر کے متصل تھی۔ حضرت شاہ غلام علی آپ کے پہلے سجادہ نشین ہوئے۔ جو سنہ ۱۱۸۰ھ (۱۷۶۶ء) میں بیعت ہونے کے بعد آپ کی شہادت تک خانقاہ میں رہے۔ ان کے بعد حضرت شاہ ابوسعید پھر ان کے بعد ان کے فرزند حضرت شاہ احمد سعید مہاجر مدنی صاحب سجادہ رہے۔ ۱۸۵۷ء میں حضرت شاہ احمد سعید کی ہجرت کی وجہ سے خواجہ دوست محمد قندھاری خانقاہ کے نگران رہے۔ بعد میں اپنے خلیفہ مولوی رحیم بخش کو اپنا قائم مقام بنا کر وطن واپس چلے گئے۔ پھر شاہ ابوالخیر اس درگاہ میں رشد و ہدایت میں مصروف رہے۔ اب ان کے فرزند

مولانا ابو الحسن فاروقی سجادہ نشین ہیں۔

تعلیمات: آپ کے تعلیمات میں چند باتیں پیش کی جاتی ہیں:

ذکر: جاننا چاہئے کہ لفظ ذکر کا مطلب ہے "یاد کرنا"۔ اس کی تین قسمیں ہیں :اول ذکر لسانی' اس میں قلب کو آگاہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ دوسرے ذکر قلبی ہے' جس میں زبان حرکت نہ کرے' صوفیہ کی اصطلاح میں یہ ذکر خفی ہے۔ صوفیہ کے مراقبات کی بنیاد اس پر ہے۔ اور تمام سلاسل تصوف کا یہ معمول ہے۔ ذکر کی تیسری قسم ذکرلسانی ہے' جو ذکر قلبی کے ساتھ کیا جائے' ذکر کی تمام اقسام سے یہ سب سے مکمل قسم ہے۔ اس کی بھی دو اقسام ہیں۔ ایک یہ کہ ذاکر' ذکر میں اسماع نفس پر اکتفا کرے اور اس کو شرع کی زبان میں ذکر خفی کہتے ہیں۔ جو اس آیت سے ماخوذ ہے:

ادعوا ربکم تضرعا وخفیته انه لا یحب المعتدین

(آپ رب سے گڑ گڑا کر اور آہستہ دعا کر اور بے شک حد سے بڑھنے والے اسے پسند نہیں)

دوسرا ذکر وہ ہے' جو دوسروں کو بھی سنائی دے' اسے شرع میں جہر کہتے ہیں۔ اور خاص موقعوں پر بعض مصلحتوں کی وجہ سے جہر کو خفی پر فضیلت ہے' لیکن مطلق افضل نہیں ہے۔ ذکر خفی میں یہ حکمت ہے کہ نفس عمل سمع اور ریا سے پیدا ہونے والے فساد سے محفوظ رہتا ہے' جو قبول عام میں مانع ہے۔

ذکر جہر کو مطلقاً" ذکر خفی پر فضیلت دینا نصوص سے انکار کرنے کے مترادف ہے اور ذکر جہر کی تمام اقسام کا انکار کرنا بھی ایسا ہی ہے۔

سماع: "سماع کے مسئلہ پر آئمہ فقہا اور حضرت صوفیہ میں سخت اختلاف ہے۔ پہلا فرقہ فساد کے دروازے کو بند کرنے کی مصلحت سے کہتا ہے۔ کہ سماع قطعی حرام ہے۔ دوسرا فرقہ غلبہ ذوق کے تقاضے سے اسے مطلقاً حلال بتاتا ہے۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ سماع دو قسم کا ہے۔ ایک یہ کہ کوئی شخص جو فتنہ کا باعث نہ بنے' موزوں کلام کو موزوں آواز میں محذور شرعی کی مداخلت کے بغیر گائے اور سننے والوں کو باطن میں اس سے کوئی فساد پیدا ہونے کی بجائے ان کے دل میں خوشی یا حزن پیدا ہو' سماع کی یہ قسم البتہ مباح ہے۔ کیونکہ یہ مرکب ہے دو چیزوں یعنی کلام موزوں اور آواز موزوں سے' تو پھر یہ کس طرح

غیر مباح ہو' نیز قرون اول میں شرعی تقریبات مثلاً نکاح اور ولادت کے مواقع پر اکابر کا معمول رہا ہے' اور امت کے اتقیاء اور علماء نے کبھی کبھی ایسا کیا ہے' جیسا کہ حدیث کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن ان بزرگوں سے یہ عمل اتفاقاً" ہوا ہے' انہوں نے اس کا کبھی التزام نہیں کیا۔

دوسری قسم وہ ہے' جسے "غالی متاخرین" نے رواج دے کر انتہا کو پہنچا دیا ہے' اور بہت سے غیر شرعی امور کو ان میں شامل کر دیا ہے اس قسم کے سماع میں جس قدر غیر مباح امور شامل ہوں گے' یہ اس قدر حرام ہوگا۔

ارباب کمال میں سے اگر ایک جماعت "سماع مباح" سے رغبت نہیں رکھتی' تو یہ ان کے ذوق کی بات ہے' نہ کہ شرعی احکام کی ..."

سماع کی وضاحت کے بعد اپنے متعلق لکھتے ہیں۔ "خدا کا شکر ہے کہ بندہ سماع غیر مباح سے تائب اور سماع مباح کو ترک کر چکا ہے۔"

وحدت الوجود اور وحدت الشہود: عربی لغت میں لفظ نسبت کا مطلب طرفین کا تعلق ہے اور صوفیاء کی اصطلاح میں یہاں وہ تعلق مراد ہے' جو خدا اور بندوں کے درمیان ہوتا ہے۔ وحدت الوجود کے ماننے والے اس نسبت کی تعبیر کثرت میں وحدت کے ظہور سے کرتے ہیں وہ کہتے ہیں۔ کہ یہ کثرت ہماری حقیقی وحدت میں کبھی حادی نہیں ہوتی۔ صوفیہ وحدت الشہود' اس نسبت کو اصل اور ظل سے ثابت کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس کی تعریف اس طرح ہے کہ حقائق ممکنات علم الٰہی کے مرتبے میں عدم اور وجود سے مرکب ہیں۔

حضرت مظہر جان جاناں کے خلفاء

قاضی ثناء اللہ پانی پتی: حبیب اللہ کے فرزند تھے' آپ کا نسب گیارہ واسطوں سے حضرت شیخ جلال چشتی تک پہنچتا ہے اور ان کا نسب حضرت عثمان پر منتہی ہوتا ہے۔ بہت بڑے عالم اور فاضل تھے اور فقہ۔ اور اصول فقہ میں مجتہد کے مرتبہ پر فائز تھے۔ ۱۸ سال کی عمر میں تعلیم حاصل کر کے فارغ التحصیل ہوئے۔ طریقت میں حضرت مظہر کے مرید تھے۔ حضرت مظہر کے ارشاد کے مطابق رسالہ فقہ درمذاہب اربعہ لکھا۔ اس سلسلہ میں ایک اور رسالہ ماخذ الاقوئی لکھا۔ اپنے پیر کے ارشاد کے مطابق علم اصول میں رسالہ پنج روزی در

اصول فقہ لکھا۔ انہوں نے قرآن حکیم کی تفسیر دس جلدوں میں "تفسیر مظہری" کے نام سے لکھی' جو عربی متن اور اردو ترجمہ کے ساتھ ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہو چکی ہے۔ ان کے علاوہ تصوف پر بھی کچھ رسائل لکھے۔ قاضی صاحب کے زمانہ میں پانی پت میں مرہٹوں کا غلبہ تھا' اس کے باوجود آپ قاضی کے عہدے پر فائز رہے اور فرائض منصبی نہایت انصاف سے ادا کئے۔ قاضی صاحب نے ۱۔ رجب ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰ء) کو فوت ہوئے۔

مولوی فضل اللہ : مولوی ثناء اللہ پانی پتی کے بھائی تھے ۔ حضرت شیخ محمد عابد سنامی اور حضرت مرزا مظہر سے روحانی فیض حاصل کیا۔

مولوی احمد اللہ : مولوی ثناء اللہ کے بڑے فرزند تھے اور حضرت مظہر کے مخصوص اصحاب میں سے تھے۔ عالم' فاضل' عابد اور زاہد تھے' اس کے ساتھ بہادر تھے اور بارہا کفار سے جہاد کیا۔

مولوی نعیم اللہ بھڑائچی : آپ کے والد بزرگوار کا نام غلام قطب الدین تھا۔ آپ کا خاندان علوی نسب اور حنفی مشرب تھا۔ اس خاندان کے فرد خواجہ عماد ؒ جہاد کی نیت سے مسعود سالار غازی کے ساتھ ہندوستان آئے اور شہید ہو گئے۔ ان کی اولاد ہندوستان کے مختلف علاقوں میں آباد ہو گئی۔ اس خاندان کے افراد عالم ہوتے رہے۔ مولوی نعیم اللہ کی ولادت سنہ ۱۱۵۳ھ (۱۷۴۰ء) میں ہوئی۔ عالم اور فاضل تھے۔ طریقت میں حضرت مرزا کے مرید اور خلیفہ تھے۔ سنہ ۱۲۱۸ھ (۱۸۰۳ء) میں وفات پائی۔ آپ نے حضرت مظہر کی سوانح کے متعلق کتاب لکھی۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے دوسرے خلفاء : اخوند نور محمد قندھاری' ملا عبدالرزاق' ملا جلیل' ملا عبداللہ' ملا تیمور' میر مسلمان جو صحیح النسب سادات تھے۔

میر علی اصغر عرف میر کھو (مرشد آباد)

شیخ محمد مراد :حضرت مظہر کی خانقاہ کے خادم خاص تھے۔ محمد حسن عرب

شیخ عبدالرحمٰن :شیخ محمد مراد کے بھائی تھے۔ محمد قائم کشمیری

میر علیم اللہ گنگوہی :وفات ۱۲۱۱ھ (۱۷۹۶ء) حافظ محمد۔ مولوی قطب الدین

شیخ مراد اللہ عارف غلام کاکی :انہوں نے پارہ عم کی اردو میں تفسیر لکھی۔ سنبھل میں مدفون ہیں۔

شیخ محمد احسان :حافظ محمد حسن کی اولاد میں سے تھے' جو شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے نواسے تھے۔ مولوی غلام یحییٰ مولوی غلام محی الدین' مولوی کلیم اللہ بنگالی۔

شیخ غلام حسین :حضرت مظہر کی صحبت میں رہتے تھے۔ میر روح اللہ۔ شاہ محمد شفیع

شیخ غلام حسین تھانیسری۔ مولوی عبدالکریم۔ مولوی عبدالحکیم۔ نواب ارشاد خان۔ مولوی قلندر بخش (تھانیسر) میر نعم اللہ کلاوٹھی۔

مولوی ثناء اللہ سنبھلی :(وفات ۱۱۹۹ھ /۱۷۸۵ء) مدفون سنبھل

میر عبدالباقی :حضرت مظہر کی وفات کے بعد بھی خانقاہ مظہریہ میں مقیم رہے۔ شاعر اور ادیب تھے اور کئی کتابیں لکھیں۔ آپ کے مکتوبات کا مجموعہ بھی ملتا ہے۔

محمد جمیل :۱۱۸۶ھ (۱۷۷۲ء) میں دہلی سے لکھنؤ گئے' تو مولوی نعیم اللہ بھڑائچی نے آپ سے ملاقات کی اور متاثر ہوئے۔ بعد میں حضرت مظہر کے مرید اور خلیفہ ہوئے۔

حضرت شاہ بھیک :حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد میں سے تھے۔ مولوی عبدالحق :(شاہ بھیک کے بھائی)۔ شاہ محمد سالم۔ محمد شاہ میر مبین۔ میر محمد معین۔

حضرت شاہ غلام علی دہلوی اور ان کے خلفاء

حضرت شاہ غلام علی دہلوی : آپ کے سلسلہ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام شاہ عبداللطیف تھا۔ آپ کی ولادت بٹالہ میں سنہ ۱۱۵۸ھ (۱۷۴۵ء) میں ہوئی۔ دینی تعلیم سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۲۲ سال کی عمر میں سنہ ۱۱۸۰ھ (۱۷۶۶ء) میں حضرت مرزا جان جاناں کی خانقاہ میں پہنچے اور ان سے بیعت ہوئے۔ پندرہ سال تک اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر رہ کر ذکر و مراقبہ میں مصروف رہے۔ عاشق رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ بہت سخی اور شفیق تھے اور رات کو اکثر مسلمانوں کے حق میں دعا کرتے رہتے تھے۔ بہت نازک طبیعت تھے' لیکن توکل کو ہمیشہ اپنا شعار بنایا۔ بیعت ہونے کے بعد اپنے پیر کی وفات تک ان کی خانقاہ میں رہے اور ان کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔

آپ سے ایک چشمہ فیض جاری ہوا' جس نے برصغیر پاک و ہند کے کئی علاقوں کو سیراب کیا۔ آپ کے خلفاء ہندوستان کے مختلف علاقوں اور بیرون ہندوستان دیگر ممالک میں پہنچ کر آپ کے طریقہ کی تعلیم و اشاعت کرنے لگے۔ مولانا خالد کردی صرف آٹھ نو ماہ

میں آپ سے مستفیض ہو کر اور خلافت سے مشرف ہو کر اپنے وطن کردستان چلے گئے۔
مولانا موصوف نے ایک مرتبہ حضرت شاہ غلام علی کے خلیفہ شاہ ابو سعید مجددی کو خط میں لکھا۔

"غریب و مہجور خالد کردی عرض کرتا ہے۔ کہ یک قلم تمام مملکت روم و عربستان اور دیار حجاز و عراق و عجم کے بعض ممالک اور سارا کردستان طریقہ عالیہ مجددیہ کے جذبات سے سرشار ہے اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا ذکر اور ان کے محامد رات دن محفلوں اور مجلسوں اور مسجدوں اور مدرسوں میں ادنیٰ و اعلیٰ کے اس طرح زبان زد ہیں کہ کبھی کسی قرن اور کسی اقلیم میں گمان نہیں کہ گویا زمانہ نے اس زمزمہ کی نظیر سنی یا دیکھی ہو۔ اور گردش کرنے والے آسمان نے ایسی رغبت اور ایسا اجتماع دیکھا ہو۔"

آپ کی خانقاہ میں قریباً" دو سو درویش رہ کر آپ سے فیض حاصل کرتے رہتے تھے۔
آپ کا دستور تھا کہ نماز فجر کے بعد طلبہ کو تفسیر اور حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ زوال کے وقت تھوڑا کھانا کھا کر تھوڑا سا قیلولہ کر کے تصوف اور دینی کتب مثلاً مولانا جامی کی نفحات الانس، ابو نجیب عبدالقاہر سہروردی کی کتاب "آداب المریدین" وغیرہ مطالعہ کرتے تھے۔ نماز ظہر کے بعد پھر تفسیر اور حدیث کا درس دیتے تھے۔ نماز عصر کے بعد کتب حدیث اور تصوف مثلاً مکتوبات امام ربانیؒ حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی کتاب عوارف المعارف اور رسالہ قشیریہ کا وعظ فرما کر حلقہ ذکر و توجہ میں مصروف رہتے تھے۔

آپ بڑے منکسر المزاج تھے اور سادہ زندگی گزارتے تھے۔ امیر لوگ جو پر تکلف کھانے بطور نذرانہ لاتے تھے، وہ خود تو نہیں کھاتے۔تھے، بلکہ طالبان حق کے لئے بھی مکروہ سمجھتے تھے۔ اور حاضرین، اہل شہر اور ہمسایوں میں تقسیم کروا دیتے تھے۔ کبھی دیگیں پکوا کر اسی طرح چھوڑ دیتے، جو چاہتا لے جاتا۔ اگر کوئی نقد آتا، تو اس میں سے چالیسواں حصہ بطور زکواۃ نکال کر پیران عظام خصوصاً" حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کی نیاز کے لئے حلوہ تیار کرا کر فقیروں میں تقسیم کرتے اور فقراء اور خانقاہ کے لئے جو قرض لیا ہوتا، وہ باقی رقم میں سے ادا کر دیتے تھے۔

پلنگ پر نہیں سوتے تھے اور نہ بوجہ حیاء کبھی پاؤں پھیلاتے تھے۔ موٹے کپڑے پہنا کرتے تھے۔ اگر کوئی نفیس اور عمدہ کپڑا بھیجتا تو اس کو بیچ کر کئی کپڑے خرید کر لوگوں میں

تقسیم کر دیتے تھے اور کہا کرتے تھے۔ کہ ایک آدمی کی بجائے کئی آدمیوں کا پہننا بہتر ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ بھی یہی ہے۔
آپ نے فقیر کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا: "فقیر میں "ف" فاقہ "ق" قناعت کا "ی" یاد الٰہی کی اور "ر" ریاضت کی ہے۔ جو شخص اس کو بجا لایا اس نے "ف" فضل کی "ق" قرب الٰہی کا "ی" یاری کی اور "ر" رحمت کو پائی ورنہ "ف" فضیحت کی، "ق" قہر الٰہی کا "ی" یاس کی اور "ر" رسوائی کی پائی۔"

مختلف قسم کے آدمیوں کے متعلق فرمایا: آدمی چار قسم کا ہے۔ نامرد، مرد، جوانمرد، فرد دنیا کا طالب نامرد ہے، عقبیٰ طالب مرد، عقبیٰ اور مولیٰ کا طالب جوانمرد ہے اور مولیٰ کا طالب فرد ہے۔ "آپ ۲۲ صفر سنہ ۱۲۴۰ھ (۱۸۲۴ء) میں فوت ہوئے۔ آپ کو حضرت مرزا جان جاناں کے دائیں جانب دفن کیا گیا۔

آپ نے اپنے مریدوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، شریعت کی پابندی، عبادت اور ریاضت کی تلقین کی، خواہشات نفسانی سے دور رہنے کی ہدایت اور سلوک کی منازل طے کرنے کی تعلیم دی۔ آپ نے اپنے مریدوں کو تصوف کے اسرار و رموز سمجھائے۔ ایک مرتبہ "انا" پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا: "عین زوال اس بات کا نام ہے کہ سالک "انا" نہ کہہ سکے۔ چنانچہ خواجہ عبیداللہ احرار نے فرمایا: "انا الحق کہنا آسان ہے لیکن، "انا" کو زائل کرنا مشکل ہے۔"

حضرت شاہ غلام علی کے خلفاء

شاہ ابو سعید: حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد میں سے تھے۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے۔
"شاہ ابو سعید بن شیخ صفی القدر بن شیخ عزیز القدر بن شیخ محمد عیسیٰ بن شیخ سیف الدین بن حضرت خواجہ معصوم بن حضرت مجدد الف ثانی"

آپ کا نام زکی القدر اور کنیت ابو سعید تھی۔ سنہ ۱۱۹۶ھ (۱۷۸۲ء) میں تولد ہوئے۔ عالم، فاضل اور بزرگ تھے۔ حضرت شاہ غلام علی کے مرید اور خلیفہ تھے اور ان کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ سنہ ۱۲۴۹ھ (۱۸۳۴ء) میں حرمین شریفین گئے۔ مدینہ منورہ میں سندھ کے بڑے عالم اور بزرگ محمد عابد سے آپ کی ملاقات ہوئی جو وہاں حدیث کا درس دیتے تھے۔ شیخ محمد عابد (وفات ۱۲۵۷ھ - ۱۸۴۱ء) بھی نقشبندیہ سلسلہ کے بزرگ اور سلطان

الاولیاء خواجہ محمد زمان لواری والے (سندھ) کے سجادہ نشین خواجہ محمد زمان ثانی سے بیعت تھے۔ شاہ ابو سعید نے سنہ ۱۲۵۰ھ (۱۸۳۵ء) میں وفات پائی۔

حضرت شاہ احمد سعید: حضرت ابو سعید کے بڑے صاحبزادے تھے۔ سنہ ۱۲۱۷ھ (۱۸۰۲ء) میں تولد ہوئے۔ اپنے والد بزرگوار اور حضرت شاہ غلام علی سے روحانی فیض حاصل کیا سنہ ۱۸۵۷ء میں جن علماء کرام نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تھا' ان میں سے آپ بھی تھے' بلکہ فتویٰ کے محرک ہی آپ تھے۔ اسی وجہ سے آپ کو ہجرت بھی کرنا پڑی۔ ہجرت کے لئے جب روانہ ہوئے' تو حضرت حاجی دوست محمد قندھاری کے پاس ان کے خانقاہ موسیٰ زئی میں گئے اور خانقاہ مظہریہ حاجی صاحب کے سپرد کی' کیونکہ اپنے والد کی وفات کے بعد آپ درگاہ مظہریہ کے سجادہ نشین تھے۔ خانقاہ مظہریہ میں نہ صرف پاک و ہند کے طالبان حق آپ کی خدمت میں آتے تھے' بلکہ خراسان تک کے لوگ روحانی فیض حاصل کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں آتے تھے۔ قندھار اور غزنی میں بھی آپ کے خلفاء لوگوں کو سلوک کی تعلیم دیتے رہے۔ حضرت شاہ احمد سعید نے سنہ ۱۲۷۷ (۱۸۶۰ء) میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

شاہ ابو سعید کے چند خلفاء

مولوی محمد شریف: پنجاب اور کشمیر میں لوگوں کو روحانی فیض دیا۔ ہوشیار پور میں فوت ہوئے۔

ملا خدا بردی ترکستانی: آپ سے بلخار وغیرہ کے لوگوں نے فوائد حاصل کئے۔

ملا علاؤ الدین (پشاور) شاہ سعد اللہ (حیدر آباد' دکن)۔ ملا عبدالکریم ترکستانی (شہر "سبز")۔ ملا غلام محمد (ضلع اٹک)۔ مرزا عبدالغفور خوارجوی (ترکستان) شاہ رؤف احمد (بھوپال)۔ شاہ خطیب احمد (فرزند شاہ رؤف احمد)

حضرت غلام محی الدین قصوری: آپ کے نسب کا سلسلہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ملتا ہے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام شیخ مصطفیٰ تھا۔ آپ کے جد اعلیٰ حاجی حافظ قاری عبدالملک سندھ سے نقل مکانی کرکے قصور میں آکر متوطن ہوئے۔ ان کے پوتے اور حضرت غلام محی الدین کے دادا شیخ غلام مرتضیٰ بڑے عالم اور فاضل تھے اور درس و تدریس ان کا مشغلہ تھا۔ احمد شاہ ابدالی کے ہمعصر تھے۔ سکھ گردی سے تنگ آکر پشاور سے ہجرت

فرمائی۔ پشاور میں ہی فوت ہوئے اور پشاور سے آپ کی نعش قصور لاکر دفن کی گئی۔ ان کے فرزند اور حضرت غلام محی الدین کے والد شیخ مرتضیٰ بھی علوم ظاہری و باطنی میں یگانہ زمانہ تھے۔

مولانا غلام محی الدین قصوری: آپ قصور ضلع لاہور میں سنہ ۱۲۰۲ھ (۱۷۸۸ء) میں تولد ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتا ہے۔ دینی تعلیم اپنے چچا مولانا شیخ محمود سے حاصل کی۔ بعد میں دہلی جاکر حضرت شاہ عبدالعزیز کے مدرسہ سے علوم حدیث اور تفسیر کی تکمیل فرمائی۔ روحانی تعلیم بھی پہلے اپنے چچا سے حاصل کی۔ اس کے بعد دہلی جاکر حضرت شاہ غلام علی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت شاہ غلام علی آپ پر بہت مہربان تھے۔ آپ نے قصور میں آکر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ آپ کے وعظ میں بڑا اثر تھا۔ جب آپ وعظ فرماتے تھے' تو مجمع پر وجد و سرور کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ بے شمار لوگوں نے آپ سے علمی اور روحانی فیض حاصل کیا۔ سنہ ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۵ء) میں وفات پائی۔ تصنیف و تالیف سے بھی آپ کو دلچسپی تھی' نظم و نثر میں کئی کتابیں لکھیں۔ آپ نے حضرت غوث الاعظم کی مدح و مناقب میں ایک طویل مثنوی پنجابی زبان میں لکھی۔ اس کے علاوہ آپ کی چند کتابوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) زاد الحج: سفر حج کے متعلق پنجابی نظم میں ہے' جس میں حج سے متعلق تمام مسائل بیان کئے گئے ہیں۔

(۲) خلاصتہ التقریر فی مذمتہ الغناوالمزامیر

(۳) بیاض نظم و نثر (۴) دیوان حضوری (۵) رد فرقہ وہابیہ (۶) شرح گلستان سعدی (۷) ملفوظات چہل روزہ (۸) شرح درود مستغاث وغیرہم (۹) سلالتہ المبرورہ فی تجویز اسماء المشہورہ (۱۰) مکتوبات: آپ نے اپنے خلفاء کو مکتوبات لکھے ہیں' جو معرفت اور حکمت کا خزانہ ہیں' ان میں شرعی مسائل اور تصوف کے اسرار و رموز بیان کئے گئے ہیں۔

(۱۱) خطبات: آپ نے جمعہ کے خطبات بھی عربی نظم میں لکھے' جو مسجدوں میں پڑھے جاتے ہیں۔

(۱۲) تحفہ رسولیہ: اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک نہایت عشقیہ انداز میں لکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شان میں عربی اور

فارسی میں طویل قصیدے لکھے ہیں۔ ان میں سے چند اشعار یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

اے شرف آل آدم و اے فخر انبیاء۔ انت الذی وصالک لی غایۃ الحسنی

دین تو راسخ است کتاب تو ناسخ است۔ فیہ العلوم اجمع و الفہم ماحوی

چشم جہاں بوئے تو حیران بروئے تو۔ باہت یک النبوۃ تاہت یک النہی

از آفتاب روئے تو روشن زمین زماں۔ من فوح جعدک العطر المسک و السمی

مولانا غلام مرتضیٰ: سنہ ۱۲۵۱ھ (۱۸۳۵ء) میں "بیربل" علاقہ شاہ پور میں تولد ہوئے۔ دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد روحانی فیض حاصل کرنے کے لئے مولانا غلام محی الدین قصوری کے دست حق پرست پر بیعت کی اور ان کے ارشاد کے مطابق طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کی تعلیم حضرت علمی سے حاصل کی' جو حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری کے خلفاء میں سے تھے۔

دینی اور روحانی تعلیم حاصل کرنے کے بعد درس و تدریس کو اپنا مشغلہ بنایا۔ کتابوں اور مطالعہ سے بھی آپ کو گہری دلچسپی تھی۔ کتابیں خریدنے پر بڑی رقم خرچ کرتے رہتے تھے۔ آپ کے علم' فضل اور روحانی فیض کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ غیر مقلدوں کے ساتھ آپ کے مباحثے اور مناظرے بھی ہوئے۔

طریقت کے سلسلہ میں ابتداء میں بیعت کم لیتے تھے۔ اعلیٰ حضرت علمی کی وفات کے بعد اہل ارادت و محبت کو بیعت کرنا شروع کیا۔ طہارت کے طرف آپ کی بہت توجہ ہوا کرتی تھی۔ رجب سنہ ۱۳۲۱ھ (۱۹۰۳ء) فوت ہوئے۔

ملفوظات: فرمایا کہ جس قدر صلاحیت اور پرہیزگاری اور یاد الٰہی زیادہ ہو۔ اسی قدر چہرہ پر صفائی اور رونق آ جاتی ہے۔

ایک دن حسد کا ذکر آیا۔ فرمایا ابوجہل کو ابو الحکم کہا کرتے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسد شروع کیا۔ ابوجہل شروع ہوگیا۔

ایک دن آپ کے سامنے بعض اولیاء اللہ کے ان کلمات کا ذکر آیا' جو بظاہر مخالف شریعت ہوئے ہیں۔ فرمایا کہ اہل حال سے غلبہ کے وقت جو الفاظ و کلمات صادر ہوئے ہیں۔ وہ اس میں سخت معذور ہوتے ہیں۔ جس طرح حضرت بایزید بسطامی نے ایک دفعہ مستی میں فرمایا کہ سبحانی ما اعظم شانی۔

فرمایا کہ واصلان حق دو قسم کے ہیں: ولی اللہ اور خلیفۃ اللہ۔ شیوہ ولی اللہ رضا بالقضا اور شیوہ خلیفۃ اللہ کبھی رضا بالقضا اور کبھی برعایت خلق تصرف فی الامور ہوتا ہے۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ کیا تصوف اور شریعت آپس میں مغائر ہیں۔ فرمایا ہرگز نہیں' یہ خیال غلط ہے۔ تصوف اور سلوک' مغز شریعت ہیں۔ جو لوگ مغائر سمجھتے ہیں وہ حقیقت شریعت اور تصوف سے بالکل بے بہرہ ہیں۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ وحدت وجود حق ہے یا وحدت شہود۔ فرمایا کہ دونوں حق ہیں۔ مگر وحدت وجود کی سمجھ اس کو آسکتی ہے' جس پر وہ حالت آئے اور پورا کمال اس وقت ہوتا ہے۔ جب وحدت شہود ظاہر کرے۔

ایک سالک کے مصائب ایام سے شکایت کرنے پر فرمایا کہ اس راستہ میں تکالیف کا سامنا بہت ہے۔ صبر و استقامت سے کام لینا چاہئے۔

ایک دن آپ کے ہاں سماع اور جہر کا ذکر ہوا۔ اور فرمایا کہ اگرچہ بعض طریقوں میں سماع اور ذکر جہر بھی وسائل تقرب قرار دیے گئے ہیں۔ لیکن ان میں اس قدر افراط جو اب ہوگیا ہے' پہلے ہرگز نہ تھا۔ سماع بالمزامیر اور جہر مفرط' جس سے ایذا پیدا ہو' شریعت میں ممنوع ہیں' اس لئے حضرت خواجہ شاہ نقشبند نے وقوف قلبی اور ذکر خفی اختیار کیا۔

آپ کے ملفوظات فارسی زبان میں میاں اللہ دین خوشابی نے مرتب کئے۔

شیخ محمد منیر: حضرت فرید الدین گنج شکر کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کا آبائی سلسلہ چشتیہ تھا' لیکن طریقہ نقشبندیہ میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ آپ کی عمر نے وفا نہ کی اور اپنے مرشد کی زندگی میں ہی وفات پائی اور دہلی میں مدفون ہوئے۔

شاہ رحمت اللہ: ٹھٹھ کے رہنے والے تھے۔ روحانی فیض حاصل کرنے کے لئے سے روانہ ہوئے اور بہت سے بزرگان دین سے صحبت کی۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی صحبت میں بھی رہے۔ بعد میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے آستانہ پر پہنچے اور چار سال تک آپ کی صحبت میں رہ کر کسب فیض کیا۔ صبر و قناعت اور ترک ماسواء اللہ پر استقامت رکھتے تھے۔ اس دور کے امراء خواہاں تھے۔ کہ آپ روزینہ قبول کریں۔ لیکن انہوں نے قبول نہ کیا۔ حضرت شاہ غلام علی نے مقامات مظہری میں لکھا ہے کہ سالہا سال تک صرف ایک تہ بند باندھے رکھا۔ ان کی صحبت میں طالبوں کا ایک جم غفیر ہوتا تھا۔ اور ان کے

یہاں مکمل جمعیت کے ساتھ حلقہ مراقبہ کا انعقاد ہوتا تھا۔ صرف دو خلفاء کو طریقہ کے تعلیم کی اجازت دی :شاہ خدا بخش اور محمد اکبر

محمد واصل اور محمد حسن: دونوں بزرگ ٹھٹہ (سندھ) کے رہنے والے تھے۔ ٹھٹہ سے دہلی آئے اور نقشبندی بزرگ محمد زمان زبیری سے روحانی فیض حاصل کیا۔ اور اٹھارہ سال ان کی صحبت میں رہے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت مظہر کی خدمت میں پہنچے اور ان سے فیوض حاصل کئے۔ اس اثناء میں محمد واصل کا انتقال ہوا اور حضرت باقی باللہ قدس سرہ کے جوار میں دفن ہوئے۔ محمد حسن کئی سال تک زندہ رہے اور حضرت مظہر سے فیوض حاصل کرتے رہے۔ حضرت شاہ غلام علی سے بھی آپ کی صحبتیں رہیں۔ آخر اپنے وطن چلے گئے۔

ملا نسیم: موضع "اوچ" ریاست دیر (صوبہ سرحد) کے رہنے والے تھے۔ حضرت مرزا مظہر کے بڑے خلفاء میں سے تھے۔ ہر سال اپنے وطن سے اپنے مرشد کی خدمت میں آتے تھے۔ سنہ ۱۲۳۱ھ (۱۸۱۶ء) میں فوت ہوئے۔ آپ کی خانقاہ میں وہ چغہ محفوظ ہے، جس میں حضرت مظہر کی شہادت ہوئی تھی۔ حضرت مظہر اور اخوند نسیم مع متوسلین کے مابین مکاتیب کو ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب نے حیدر آباد (سندھ) سے سنہ ۱۹۷۵ء میں "لوائح خانقاہ مظہریہ" کے نام سے شائع کیا ہے۔

شاہ سعد اللہ: تاجیک قوم سے تھے۔ آپ کی ولادت موضع اچڑی، علاقہ پکلی (پنجاب) میں ہوئی۔ اپنے پیر بھائی مولوی اخوند شیر محمد سے تعلیم حاصل کی۔ حضرت شاہ غلام علی کی خدمت میں پہنچ کر روحانی فیض حاصل کیا۔ بعد میں شاہ ابو سعید سے توجہات لیں۔ پھر ان کی اجازت سے حرمین شریفین چلے گئے۔ وہاں سے واپس آکر سنہ ۱۲۴۵ھ (۱۸۲۹ء) میں حیدر آباد دکن پہنچے۔ دو سال قیام کے بعد گولکنڈہ چلے گئے۔ بخارا، کابل، قندھار اور پشاور وغیرہ سے علماء فضلا نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے۔ سنہ ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۴ء) میں فوت ہوئے۔

حاجی دوست محمد قندھاری: حضرت شاہ ابو سعید کے مرید اور حضرت شاہ احمد سعید کے مشہور خلیفہ تھے۔ ہندوستان، پاکستان، خراسان، عربستان اور ترکی کے بے شمار طالبان حق آپ سے بیعت ہوئے اور روحانی فیض حاصل کیا۔ کئی مقامات پر آپ کی خانقاہیں ہیں۔ موسیٰ زئی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے رہنے والے تھے۔ جب حضرت شاہ احمد سعید ہجرت

کرکے حرمین شریف جا رہے تھے۔ تو جانے سے پہلے آپ کے یہاں تشریف فرما ہوئے اور خانقاہ مظہریہ ان کے سپرد کی۔ حضرت حاجی صاحب سنہ ۱۲۸۴ھ (۱۸۶۷ء) میں فوت ہوئے۔ آپ کی وفات کے بعد۔ خواجہ محمد عثمان (وفات ۱۳۱۴ھ - ۱۸۹۶ء) جانشین ہوئے۔

شاہ عبدالغنی: حضرت شاہ ابو سعید کے فرزند تھے۔ آپ کی ولادت ۲۵ شعبان ۱۲۳۴ھ (۱۸۱۹ء) میں دلی میں ہوئی۔ ظاہری تعلیم مولانا حبیب اللہ ملتانی اور روحانی فیض اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا۔ سنہ ۱۲۴۹ھ (۱۸۳۳ء) میں والد کے ساتھ حج کے لئے گئے۔ وہاں شیخ محمد عابد سندھی اور شیخ اسمٰعیل رومی سے حدیث کی سند حاصل کی۔ بعد میں دلی آکر حضرت شاہ محمد اسحاق سے حدیث کی کتابیں پڑھیں۔ روحانی تعلیم اپنے بھائی حضرت شاہ احمد سعید اور مرزا عبدالغفور خورجوی سے حاصل کی۔ ۱۸۵۷ء میں اپنے بھائی کے ساتھ ہجرت کرکے حرمین شریفین گئے اور وہیں مقیم ہو کر درس حدیث میں مشغول ہو گئے۔ کچھ کتابیں تصنیف اور تالیف بھی کیں۔ ۷ محرم ۱۲۹۶ھ - (۱۸۷۸ء) میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

شاہ عبدالرحمٰن جالندھری: آپ کے نسب کا سلسلہ حضرت خواجہ سیف الدین سے ملتا ہے۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے:

"شاہ عبدالرحمٰن بن شاہ سیف الرحمٰن بن شیخ کلمۃ اللہ بن خواجہ سیف الدین" آپ کے والد حضرت مرزا مظہر کے مرید تھے۔ اور آپ نے حضرت شاہ غلام علی سے فیض حاصل کیا۔ آپ کی ولادت جالندھر میں سنہ ۱۱۹۴ھ (۱۷۸۰ء) میں ہوئی۔ پنجاب کے کئی لوگوں کو روحانی فیض پہنچایا۔ ایک بار حج کو گئے اور واپس آئے دوسری بار پھر گئے اور واپسی میں سندھ میں پہنچ کر سنہ ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۲ء) میں وفات پائی۔ اور قریہ کھڑا (ضلع خیرپور میرس) میں مدفون ہوئے۔

مولانا خالد شہرزوری کردی: بہت بڑے عالم اور فاضل تھے۔ روحانی فیض شاہ غلام علی سے حاصل کیا۔ وہ سنہ ۱۲۲۴ھ (۱۸۰۹ء) میں درس و تدریس ترک کرکے واطن سے روانہ ہوئے اور ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰ء) میں دہلی پہنچے۔ ۹ ماہ تک حضرت شاہ غلام علی کی خدمت میں رہے۔ یہاں سے جا کر انہوں نے بہت ریاضتیں کیں۔ لاکھوں بندگان نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ اور عالم اسلام کے ایک ہزار متبحر عالم ان سے فیضیاب ہوئے۔ قیام بغداد (۱۲۲۸ھ - ۱۸۱۳ء) کے دوران کئی صاحب تصنیف علماء ان کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔

اپنے پیر سے ان کی مراسلت بھی رہی۔ ان کے نام حضرت شاہ غلام علی کے تین مکاتیب ملتے ہیں۔ شاعر' ادیب اور اہل قلم تھے۔ اپنے مرشد کی مدح میں عربی اور فارسی میں طویل قصائد لکھے۔ آپ کا دیوان ترکی سے سند ۱۹۵۵ء میں شائع ہو چکا ہے۔ سنہ ۱۲۴۱ھ (۱۸۵۱ء) میں فوت ہوئے۔

اخوند شیر محمد: عالم' فاضل اور عابد' زاہد بزرگ تھے۔ ہزاروں طلبہ کو علم سے بہرور کیا۔ تعلیم دینے کے ساتھ شاگردوں کو تقویٰ اور اچھے کاموں کا حکم دیتے تھے۔ حضرت شاہ غلام علی کے مرید تھے۔ اس زمانہ میں چونکہ ہندوستان پر مرہٹوں' سکھوں اور انگریزوں کا غلبہ ہو گیا تھا' اس لئے ہندوستان کے ان علاقوں کو علماء نے دار الحرب قرار دیا تھا۔ اسی وجہ سے اخوند شیر محمد ہندوستان کی سکونت دارالحرب ہونے کی وجہ سے مکروہ خیال کرتے ہوئے عین بیماری کی حالت میں ہجرت کی نیت سے حرمین شریفین روانہ ہوئے اور ملتان میں پہنچ کر وفات پائی۔

حضرت شاہ غلام علی کے دوسرے خلفاء: حضرت شاہ غلام علی کے بے شمار خلفاء تھے۔ تذکروں میں آپ کے کئی خلفاء کے نام ملتے ہیں' جنہوں نے عرب و عجم میں لوگوں کو سلوک کی تعلیم دی اور شریعت کی پابندی کی تلقین کی۔ ان میں سے چند بزرگوں کا تعارف دیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ مندرجہ ذیل نام بھی ملتے ہیں:

"مولوی بشارت اللہ (مولانا نعیم اللہ بھڑا بچی کے داماد) مولوی کرم اللہ محدث۔

مولوی عبدالرحمن شاہجہانپوری' میر طالب علی مشتہر بہ مولوی عبدالغفار (انہوں نے یمن کے بلدہ زبیدہ میں لوگوں کو سلوک کی تعلیم دی۔)' سید اسمٰعیل مدنی' مرزا رحیم اللہ بیگ' مسمی بہ محمد درویش عظیم آبادی' مولانا محمد جان شیخ الحرم' سید احمد کردی (بغداد میں مولانا خالد سے روحانی فیض حاصل کیا)' سید عبداللہ مغربی' ملا پیر محمد (کشمیر)' ملا گل محمد (غزنی)' مولوی ہراتی مشہور بہ مولوی جان محمد' مولانا محمد عظیم' مولوی نور محمد' مرزا نادر بیگ' میاں محمد اصغر' میر نقش علی' میاں احمد یار' میاں قمرالدین' محمد شیر خان' شیخ جلیل' سید ابوالقاسم حسوی۔"

فصل ہشتم

سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے دوسرے بزرگ

مخدوم آدم ٹھٹوی: آپ کا نام آدم اور لقب "مخدوم آدم" ہے۔ ٹھٹہ (سندھ) کے رہنے والے تھے' اور عبدالاحد کے فرزند تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جا ملتا ہے۔ حضرت خواجہ محمد معصوم کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ایک طویل عرصہ تک اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر مختلف قسم کی ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے۔ تقریباً سات سال تک آپ پر استغراق کی کیفیت طاری رہی۔ اپنے مرشد کے حکم سے وطن واپس آئے۔ اور رشد و ہدایت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ طالبان حق دور دور سے فیض حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوتے تھے اور آپ کی خانقاہ ہروقت طالبان حق سے معمور رہتی تھی۔ بڑے بڑے علماء اور بزگان دین آپ کی خدمت میں حاضری کو اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ سندھ میں سلسلہ نقشبندیہ کے یہ پہلے بزرگ تھے۔ بہت سے تاریک دلوں نے آپ کی مشعل ہدایت سے روشنی پائی۔ اور ایک بڑی جماعت نے آپ سے سلسلہ نقشبندیہ میں روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ نے اپنے شیخ اور ان کے صاحبزادے سے خط و کتابت کا سلسلہ قائم رکھا۔ چنانچہ حضرت خواجہ سیف الدین بن خواجہ محمد معصوم کے مکتوبات میں آپ کے نام ایک مکتوب ملتا ہے۔

آپ نے ٹھٹہ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار ٹھٹہ کے مشہور قبرستان مکلی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آپ کی تاریخ وفات نہیں ملتی۔ اندازاً" بارہویں صدی ہجری کے اوائل میں فوت ہوئے۔

آپ کو دو صاحبزادے ہوئے: مخدوم فیض اللہ اور مخدوم اشرف' دونوں صاحبزادوں نے اپنے والد بزرگوار سے روحانی فیض حاصل کیا۔ سرہند بھی گئے اور وہاں سے بھی فیوض وبرکات حاصل کئے' علم و فضل' زہد و تقویٰ میں ممتاز تھے۔ مخدوم آدم نے اپنی وفات کے

وقت مخدوم فیض اللہ کو اپنا جانشین بنایا۔ دونوں صاحبزادے اپنے والد کی وفات کے بعد ان کے طریقہ پر رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے۔ افسوس ہے کہ دونوں نے اپنے والد کی وفات کے پانچ سال بعد عالم جوانی میں ایک سال کے وقفہ سے وفات پائی اور اپنے والد کے مزار کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

مخدوم آدم کے خلفاء اور مریدوں میں مندرجہ ذیل نام قابل ذکر ہیں: مخدوم فیض اللہ شیخ ابو القاسم، شیخ ابراہیم روہڑی کے رہنے والے، سید فتح محمد، شیخ انس، مخدوم صابر ولھاری (لاہری بندر)، مخدوم محمد اشرف۔

مخدوم محمد صادق: مخدوم آدم کے صاحبزادے محمد اشرف کے داماد تھے اور ان کے مرید تھے۔ عالم اور مقتدر بزرگ تھے۔ سندھی زبان کے عظیم شاعر حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کے دوست اور معتقد بھی تھے۔

مخدوم ابوالحسن صغیر: میاں غلام حسن عرف مخدوم ابو الحسن صغیر، مخدوم محمد صادق کے فرزند تھے۔ بہت بڑے عالم اور بزرگ تھے۔ حرمین شریفین میں جا کر بڑا نام پیدا کیا۔ اس زمانہ میں محمد حیات سندھی (وفات ۱۱۶۳ھ - ۱۷۵۰ء) مدینہ منورہ میں رہتے تھے اور وہاں ان کا ایک مدرسہ تھا۔ وہ اس سرزمین میں مقتدر عالم اور ممتاز فاضل شمار ہوتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد مخدوم ابوالحسن صغیر ان کے جانشین ہوئے۔ وہ صغیر اس لئے کہلائے کہ ان سے قبل ایک اور ابو الحسن ٹھٹوی مدینہ منورہ میں درس دیتے تھے اور ان کے مدرسہ سے عربستان، ہندوستان، مراکش، شام، مصر وغیرہ ممالک کے کئی طالب العلموں نے علمی فیض حاصل کیا تھا۔ ان کے وفات کے بعد شیخ محمد حیات سندھی ان کے جانشین ہوئے تھے۔ اس لئے ان کو ابوالحسن کبیر اور شیخ محمد حیات سندھی کے جانشین کو ابوالحسن صغیر کہا گیا۔

مخدوم شیخ ابراہیم نقشبندی: روہڑی کے رہنے والے تھے اور مخدوم آدم ٹھٹوی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ روہڑی سے نقل مکانی کر کے ٹھٹہ میں رہنے لگے اور وہیں وفات پائی اور مکلی پر مدفون ہوئے۔ وفات کے بعد ان کے فرزند میاں ابوبکر عرف "بنگو" سجادہ نشین ہوئے۔

محمد کبیر: ٹھٹہ کے رہنے والے تھے۔ پہلے مخدوم آدم ٹھٹوی سے روحانی فیض حاصل کیا۔ ان کی وفات کے بعد سرہند میں جا کر حضرت خواجہ سیف الدین بن خواجہ محمد معصوم سے

فیض حاصل کیا۔ ٹھٹہ آ کر کئی لوگوں کو روحانی فیض پہنچایا۔ ان کے دو فرزند ہوئے: میاں محمود اور میاں محمد زمان۔ میاں کبیر محمد کی وفات کے بعد میاں محمد زمان مسند ارشاد پر والد کے جانشین ہوئے۔

درس عبدالرحیم: ٹھٹہ کے رہنے والے تھے اور میاں محمد زمان کے صحبت یافتہ اور فیض یافتہ تھے۔

آخوند عبدالحق سجاولی: سجاول ضلع ٹھٹہ سندھ کے رہنے والے تھے۔ حضرت خواجہ محمد معصوم کے خلیفہ تھے۔ ظاہری اور باطنی دونوں علوم کے ماہر تھے۔ شرح وقایہ بزبان فارسی آپ نے اپنے پیرو مرشد کے نام معنون کی ہے۔ حضرت خواجہ محمد معصوم کے مکتوبات میں ایک مکتوب آخوند عبدالحق کے نام بھی ملتا ہے۔

رعایت خان: شاہجہان اور عالمگیر کے زمانے کے امیر تھے اور فوجداری سیوستان (سندھ) پر متعین تھے۔ خواجہ محمد معصوم کے معتقد تھے۔ مکتوبات حضرت خواجہ محمد معصوم میں ایک مکتوب آپ کے نام بھی ملتا ہے۔ رعایت خان سنہ ۱۰۷۳ھ (۱۶۶۲ء) میں فوت ہوئے۔

مخدوم ابوالقاسم نقشبندی: درس ابراہیم کے فرزند اور ٹھٹہ کے رہنے والے تھے۔ درس ابراہیم حضرت غوث بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے سلسلہ کے مرید تھے اور اپنے گاؤں سے آ کر ٹھٹہ میں رہنے لگے تھے۔ مخدوم ابوالقاسم نے ظاہری علوم کی تحصیل کے بعد مخدوم آدم ٹھٹوی سے روحانی فیض حاصل کیا۔ اور سلوک کی منزلیں طے کرنے لگے۔ مخدوم آدم نے آپ کی قابلیت اور استعداد دیکھ کر ان سے کہا کہ باقی منزلیں سرہند میں جا کر شاہ سیف الدین بن خواجہ محمد معصوم کی خدمت میں طے کریں۔ اس کے بعد مخدوم ابو القاسم سرہند آئے اور حضرت خواجہ سیف الدین سے روحانی فیض حاصل کیا۔ واپس آ کر ٹھٹہ میں خلق خدا کو بے اندازہ فیض پہنچایا۔ ان کی صحبت گمراہوں کو شاہراہ ہدایت پر لے آتی تھی۔ ان کی صحبت سے کئی لوگ منزل مقصود کو پہنچے۔ مخدوم ابوالقاسم بعد میں بھی سرہند جاتے رہے۔ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی جیسا بلند پایہ عالم اور فاضل بھی آپ کے معتقد تھے۔

سندھ کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں کے لوگوں نے بھی آپ سے استفادہ کیا۔ مغل دور کے امیر محمد صدیق وزیر بادشاہ دہلی نے آپ کی صحبت میں رہ کر سلوک کی منزلیں طے کیں۔ اور ٹھٹہ میں ہی فوت ہوئے۔ سورت اور احمد آباد کے کئی لوگ آپ کے

کا نام قابل ذکر ہے۔

حضرت مخدوم محمد معین ٹھٹوی علم و فنون کا سرچشمہ تھے۔ ٹھٹہ میں آپ کا مدرسہ تھا جس میں آپ مختلف علوم و فنون کی تعلیم دیتے تھے۔ اور طالب العلموں کے اخراجات خود برداشت کرتے تھے۔ آپ کے شاگردوں میں نجم الدین عزلت، مولوی محمد صادق، علامہ محمد حیات سندھی، جعفر شیرازی، شرف الدین علی اور میر مرتضیٰ سیوستانی کے نام قابل ذکر ہیں: آپ نے سنہ ۱۱۶۱ھ (۱۷۵۵ء) میں وفات پائی۔ فارسی زبان کے شاعر اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ کے تصانیف میں مندرجہ ذیل کتابوں کے نام قابل ذکر ہیں:

(۱) رسالہ اویسیہ (فارسی) (۲) شرح رموز عقائد رموز صوفیہ (۳) عربی اور فارسی میں "اثبات رفع الیدین فی الصلوٰۃ" کے سلسلہ میں دو رسالے (۴) ایقاظ الوسنان (۵) غایۃ النفع لمسئلۃ النسخ (۶) رسالہ فی تحقیق اہل بیت (۷) غایت الایضاح فی المحاکمۃ بین النووی و ابن اصلاح (۸) ابراز الضمیر للمنصف الخبیر (۹) انور الوجد مناسخ المجد (۱۰) رسالہ فی انتقاد الموضعین من "فتح القدیر" (۱۱) رسالہ فی تحقیق معنی الحدیث (لانورث ما ترکنا صدقۃ) (۱۲) مواہب سید البشر فی حدیث الائمۃ اثنی عشر (۱۳) قرۃ العین فی ابکاء علی الامام الحسین (۱۴) دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب۔ آپ کی یہ آخری تصنیف ہے۔ اور سندھی ادبی بورڈ کی طرف سے شائع ہو چکی ہے۔

ابوالحسن ڈاہری: سندھ کے بہت بڑے عالم اور فاضل ہو گزرے ہیں۔ ضلع نواب شاہ کے ایک گاؤں میں آپ کی ولادت ہوئی۔ سندھ میں مخدوم ابوبکر بالانی والے سے تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد تعلیم کے حصول کے سلسلہ میں سیرو سفر کرتے ہوئے احمد آباد آئے اور نور الدین محمد (متوفی ۱۱۵۵ھ - ۱۷۴۲ء) اور مرزا محمد خلیل بدخشانی گجراتی سے تعلیم حاصل کی ظاہری علوم کی تحصیل کے بعد شیخ عبدالرسول صدیقی احمد آبادی نقشبندی کے مرید ہوئے، جو حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے مرید شاہ فتح اللہ کے مرید تھے۔ آپ نے بارھویں صدی ہجری کے آخر میں وفات کی۔ آپ کی مندرجہ ذیل کتابوں کے نام ملے ہیں:

(۱) مفتاح الصلوٰۃ: فارسی نظم میں نماز کے متعلق ضخیم کتاب

(۲) کچکول: فارسی نظم میں علم عقائد اور کلام کے متعلق (۱۱۷۶-۱۷۶۲ء)

(۳) ینابیع الحیاۃ الابدیۃ فی الطریق الاداب النقشبندیۃ (فارسی نثر میں تصوف کے متعلق)

مرید اور خلیفہ تھے۔ ان کی کرامتوں اور فضیلتوں کو علامہ مخدوم محمد معین ٹھٹوی نے ایک رسالہ میں جمع کیا ہے۔ آپ نے ۷۔ شعبان ۱۱۳۸ھ (۱۷۲۶ء) میں اس دارفانی سے رحلت فرمائی۔ آپ کے مقبرہ پر جو قطعہ تاریخ لکھی ہوئی ہے، اس کا تاریخ والا شعر یہ ہے۔

بسال وصل او ہاتف بفرمود۔ ابوالقاسم سراسر نور حق بود/۱۱۳۸ھ

میر علی شیر قانع ٹھٹوی نے اپنی کتاب "طومار سلاسل" میں آپ کے فیض یافتگان میں سے تقریباً بیس بزرگوں کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً

مخدوم محمد معین بن مخدوم محمد امین ٹھٹوی، میاں عبدالوالی، برادر عبدالباقی واعظ۔ شیخ یحییٰ جس نے مدینہ منورہ میں جا کر نقشبندی سلسلہ کا اجراء کیا۔ مخدوم ضیاء الدین ٹھٹوی۔ سید ناصر بن سید نعمت اللہ شکر الٰہی شیرازی۔ سید عبداللہ بن سید نعمت اللہ شکر الٰہی، مخدوم عنایت اللہ بصیر واعظ ٹھٹوی۔ میر مرتضیٰ بن میر کمال الدین رضوی۔ میاں عبدالباقی اکرم، نیاری والے۔ میاں محمد خواجہ ابو المساکین، مخدوم محمد مقیم بیلائی وغیرہ۔

مخدوم محمد معین ٹھٹوی: سندھ کے بڑے عالم اور فاضل تھے۔ ٹھٹہ میں آپ کی ولادت ہوئی، آپ کا تعلق سندھ کی ایک قوم "لاکھا دل" سے تھا۔ آپ کے والد کا نام محمد امین تھا۔ ٹھٹہ میں دینی تعلیم حاصل کی، ابن عربی کی مشہور کتاب فصوص الحکم آپ نے علی رضا درویش سے پڑھی جب وہ ٹھٹہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ شاہ ولی اللہ سے بھی آپ کی ملاقات ہوئی اور وہ آپ سے بہت متاثر ہوئے۔ علوم ظاہری میں کامل دستگاہ حاصل کرنے کے بعد خواجہ ابوالقاسم نقشبندی ٹھٹوی سے بیعت کی۔ سندھی زبان کے عظیم شاعر حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کے دوست تھے۔ مخدوم صاحب نے حضرت خواجہ محمد زکی سے بھی فیض حاصل کیا۔

حضرت مخدوم محمد معین ٹھٹوی نظریہ وحدت الوجود کے قائل ہو گئے تھے۔ اس لئے خواجہ ابو القاسم آپ سے ناراض ہو گئے۔ بعد میں مخدوم صاحب اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے خیالات کی وضاحت کی تھی اور شیخ نے ان کو معاف کر دیا تھا۔ اس معافی کے چند دن بعد خواجہ ابوالقاسم کا انتقال ہو گیا۔ بعض دینی مسائل میں بھی حضرت مخدوم صاحب الگ رائے رکھتے تھے۔ اس لئے سندھ کے علماء آپ سے ناراض ہو گئے اور آپ کے خیالات کے خلاف کتابیں لکھیں۔ ان علماء میں سے خاص طور پر مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی

مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی: سندھ کے بہت بڑے عالم، فاضل کئی کتابوں کے مصنف اور اہل دل بزرگ تھے۔ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی کا تعلق بھی سلسلہ نقشبندیہ سے تھا۔ وہ بھورو (ضلع ٹھٹہ، سندھ) میں رہتے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی۔ بعد میں ٹھٹہ آکر مخدوم محمد سعید اور مخدوم ضیاء الدین سے تعلیم حاصل کی۔ علم کے حصول سے فراغت پانے کے بعد اپنے آبائی گاؤں "بھورو" کے قریب "بہرام پور" میں مدرسہ قائم کرنے کے بعد درس دینا شروع کیا۔ اس کے ساتھ لوگوں کو شریعت کی پابندی کی ترغیب دینا بھی شروع کی۔ اس وجہ سے گردو نواح کے پیر اور وڈیرے آپ کے مخالف ہو گئے اور آپ کو تکلیف دینا شروع کی۔ چنانچہ نقل مکانی کرکے ٹھٹہ میں آکر سکونت پزیر ہوئے۔ اور مدرسہ قائم کیا۔ آپ کے مدرسہ سے بے شمار لوگوں نے دینی تعلیم حاصل کرکے دینی علوم میں بڑا نام پیدا کیا۔ آپ کے مدرسہ میں نہ صرف سندھ، بلکہ دور دراز ملکوں کے لوگوں نے بھی آکر دینی تعلیم حاصل کی۔

مخدوم صاحب روحانی تعلیم کے سلسلہ میں مخدوم ابوالقاسم نقشبندی ٹھٹوی کے ارادتمند تھے۔ ۱۱۳۵ھ (۱۷۲۳ء) میں حرمین شریفین روانہ ہوئے۔ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں آپ نے وہاں کے علماء اور بزرگان دین سے ملاقاتیں کیں۔ اور ان سے علمی اور روحانی فیض حاصل کیا۔ ۱۱۳۶ھ (۱۷۲۳ء) مکہ مکرمہ میں شیخ عبدالقادر مفتی مکی (۱۰۸۰ھ - ۱۶۶۹ء، ۱۱۳۸ھ-۱۷۲۶ء) سے نقشبندی سلسلہ میں اجازہ حاصل کیا۔ اس کا ذکر آپ نے اپنی کتاب "اتحاف الاکابر فی مسانید عبدالقادر" میں کیا ہے۔ واپسی میں سورت میں سعد اللہ سورتی سے (وفات ۱۱۳۸ھ) سے قادری سلسلہ میں اجازہ حاصل کیا۔

حرمین شریفین سے واپس آکر آپ نے حدیث کی تعلیم دینے پر زیادہ توجہ دی اور شریعت کی پابندی کے سلسلہ میں عملی جدوجہد کی۔ اسی زمانہ میں سندھ پر میاں غلام شاہ کلہوڑہ حکمران تھے۔ آپ نے شریعت کی پابندی اور بدعات کو ختم کروانے کے لئے ان سے سرکاری پروانہ حاصل کیا۔ مخدوم صاحب نے ۶۔ رجب ۱۱۷۴ھ (۱۷۶۱ء) کو اس دارفانی سے رخصت ہوئے۔ آپ نے عربی، فارسی اور سندھی میں تقریباً دو سو کتابیں لکھیں۔ آپ کی کتابیں نہ صرف سندھ میں، بلکہ دوسرے اسلامی ممالک میں بھی درسی کتاب کی طور پڑھی جاتیں تھیں۔ آپ کے چند کتابوں کے نام یہ ہیں۔ (۱) بیاض ہاشمی - فقہ (۲) تفسیر ہاشمی

(پارہ تبارک، عربی) (۳) تفسیر ہاشمی سندھی (پارہ عم) (۴) جنت النعیم فی فضائل قرآن کریم (۵) حیاۃ القاری باطراف البخاری (۶) اتحاف الاکابر فی مسانید الشیخ عبدالقادر (۷) بذل القوہ فی حوادث سنی النبوہ (۸) فتح القوی فی نسب النبی (۹) وسیلۃ الفقیر الی اسماء البشیر والنذیر (۱۰) روضۃ الصفا فی اسماء المصطفیٰ (۱۱) تحفۃ الوصول الی احباب الرسول (۱۲) وسیلہ القبور فی حضرت الرسول (۱۳) مظہر الانوار (۱۴) حیاۃ الصائمین (۱۵) رشف الزلال فی تحقیق فی الزوال (۱۶) فیض الغنی فی تقدیر صاع النبی (۱۷) تصحیح المدرک و تہذیب الکلام (۱۸) فرائض اسلام (۱۹) فتح الکلام فی اسقاط الصلوٰۃ والصیام (۲۰) شد النطاق فی مسئلۃ الطلاق (۲۱) درھم الصرۃ فی وضع الدین (۲۲) ترصیع الدرر (۲۳) معیار النقاد (۲۴) الشفاء الدائم (۲۵) رسالہ فی مسئلہ السکر (۲۶) السیف الجلی علی اسباب النبی (۲۷) حیات القلوب (۲۸) رسالہ در زبح شکار (۲۹) راحت المومنین (۳۰) فاکہۃ البستان (۳۱) زاد السفینۃ الی سالک المدینۃ (۳۲) مناسک الحج (۳۳) وسیلۃ الغریب الی دیار الحبیب (۳۴) مسند البردہ شرح قصیدہ بردہ (۳۵) نتیجہ الفکر فی تحقیق صدقۃ الفطر (۳۶) زاد الفقیر (۳۷) شرح مقدمہ جزری مسمی بہ رفع الخفا عن مسئلہ الراء (۳۸) بناء الاسلام (۳۹) قوت العاشقین (۴۰) نور العینین و الغایۃ العینین فی اختصار الاتحاف الذلیل، وغیرہ

خواجہ محمد ابوالمساکین:

شیخ محمد اشرف کے فرزند اور مخدوم آدم ٹھٹوی کے پوتے تھے۔ شروع میں اپنے والد کی وفات کے بعد شیخ ابوالقاسم ٹھٹوی کے آغوش تربیت میں ظاہری خواہ باطنی علوم حاصل کئے۔ شیخ ابوالقاسم کی وفات کے بعد سرہند گئے اور خواجہ محمد زکی اللہ بن خواجہ محمد حنیف بن خواجہ عبدالاحد بن خواجہ محمد سعید بن امام ربانی سے اجازہ حاصل کیا۔ بعد میں خواجہ محمد زبیر بن خواجہ ابوالعلی بن خواجہ حجۃ اللہ سرہندی سے بھی خلافت کا خرقہ حاصل کیا، جو حضرت امام ربانی کے پوتے تھے۔ آپ کا سلسلہ طریقت ذیل کے نقشہ سے واضح ہوگا:

حضرت خواجہ المساکین نے سنہ ۱۱۴۹ھ (۱۷۳۶ء) میں وفات کی۔

سلطان الاولیاء خواجہ محمد زمان لواری والے:

حضرت خواجہ محمد ابوالمساکین کے لائق اور فائق مرید تھے۔ آپ کے ذریعہ نقشبندی سلسلہ کو سندھ میں عروج حاصل ہوا۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابو بکر صدیقؓ سے جا ملتا

ہے۔ شجرہ نسب حسب ذیل ہے:

سلطان الاولیاء خواجہ محمد زمان بن شیخ حاجی عبداللطیف بن شیخ طیب بن شیخ ابراہیم بن شیخ عبدالواحد بن شیخ عبداللطیف کلاں بن شیخ احمد بن شیخ بقا بن شیخ محمد بن شیخ فقراللہ بن شیخ عابد بن شیخ عبداللہ بن شیخ طاؤس بن شیخ علی بن شیخ مصطفی بن شیخ مالک بن محمد بن ابو الحسن بن محمد بن طیار بن عبدالباری بن عزیز بن فضل بن علی بن اسحاق بن ابراہیم ابی بکر بن قاسم بن عتیق بن محمد بن عبدالرحمٰن بن حضرت ابوبکر صدیقؓ

اس خاندان کے بزرگ شیخ مالک بن محمدؒ سہروردی سلسلہ کے مشہور بزرگ حضرت محمد یمانی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ اس خاندان کے بزرگ اس سے قبل عباسی خلفاء کے زمانہ میں نقل مکانی کر کے سندھ میں آکر متوطن ہو گئے تھے۔ شیخ مالک بن محمد بھی سندھ سے مکہ مکرمہ جا کر شیخ محمد یمانی سے روحانی فیض حاصل کیا تھا۔ سندھ میں یہ خاندان ٹھٹہ میں مقیم تھا۔ سمہ خاندان کے آخری دور میں خانہ جنگی کے زمانہ میں سنہ ۹۱۰ھ (۱۵۰۴ء) میں یہ خاندان سندھ کو خیر آباد کہہ کر ریاست کچھ میں جا کر آباد ہوا۔ قریباً سنہ ۹۱۰ھ (۱۵۰۴ء) میں اس خاندان کا فرد شیخ عبداللطیف کلاں سندھ کے مریدوں کے اصرار پر واپس آکر سندھ میں مقیم ہو گیا۔

حضرت خواجہ محمد زمان کے والد بزرگوار شیخ حاجی عبداللطیف نے شیخ فیض اللہ بن مخدوم آدم ٹھٹوی نقشبندی کے ہاتھ پر بیعت ہو کر اپنا پرانا طریقہ سہروردیہ تبدیل کر کے نقشبندی طریقہ اختیار کیا۔ شیخ فیض اللہ کی وفات کے بعد شیخ ابوالقاسم کی صحبت میں بھی وقت گزارا۔ آپ کے فرزند خواجہ محمد زمان کی ولادت ۲۲ رمضان سنہ ۱۱۲۵ھ (۱۷۱۳ء) میں لواری میں ہوئی۔

حضرت خواجہ محمد زمان نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی۔ تعلیم کی تحصیل کے سلسلہ میں ٹھٹہ گئے۔ جہاں مخدوم محمد صادق نقشبندی کے مدرسہ میں داخل ہو کر عربی پڑھنا شروع کی۔ سخت محنت کر کے تھوڑے ہی عرصہ میں عربی زبان اور دوسرے علوم میں مہارت حاصل کی۔ مخدوم محمد صادق عالم اور فاضل تھے۔ اور مخدوم آدم ٹھٹوی کے فرزند محمد اشرف کے داماد تھے۔ اس کے علاوہ وہ سندھی زبان کے عظیم شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی کے کامل مرید بھی تھے۔

حضرت خواجہ محمد زمان روزانہ مدرسے جاتے ہوئے خواجہ محمد ابوالمساکین کی خانقاہ سے گذرتے تھے۔ اس طرح ایک مرتبہ خواجہ ابوالمساکین سے آپ کی ملاقات ہوئی اور آپ کے قلب پر طریقت کے طلب کی تڑپ پیدا ہوئی۔ ظاہری علوم کی تحصیل کے بعد حضرت خواجہ ابوالمساکین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جنھوں نے چھ ماہ کے اندر سلوک کے تمام مقامات آپ کو طے کروائے۔ کچھ عرصہ کے بعد خواجہ ابوالمساکین حرمین شریفین کی زیارت کے لئے گئے اور خانقاہ کا نظام خواجہ محمد زمان کے سپرد کر کے گئے۔ حج کرنے کے بعد خواجہ ابوالمساکین واپس ٹھٹہ آئے اور چھ ماہ ٹھٹہ میں رہ کر اہل و عیال کے ساتھ پھر حرمین شریفین کی زیارت کے لئے گئے اور خانقاہ کا نظام خواجہ محمد زمان کے سپرد کر کے گئے‘ اپنے پیر کے چلے جانے کے بعد حضرت خواجہ محمد زمان کچھ عرصہ ٹھٹہ میں اپنے مرشد کی خانقاہ میں رہے۔ لیکن بعد میں ٹھٹہ کو خیر آباد کہہ کر اپنے اصل وطن لواری میں جا کر قیام پذیر ہوئے۔ آپ نے بے شمار لوگوں کو روحانی فیض سے مستفیض کیا اور کئی گمراہ لوگوں کو راہ راست پر لگایا۔ آپ نے لوگوں کو شریعت کی پابندی کی ترغیب دی اور برائیوں کو روکنے کے لئے جدوجہد کی۔ سندھی زبان کے عظیم شاعر حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی نے بھی آکر آپ سے ملاقات کی۔ ملاقات کے بعد ایک سندھی بیت میں آپ کے متعلق کہا:

”میں نے اس سے ملاقات کی جنھوں نے محبوب حقیقی کا مشاہدہ کیا تھا۔ ان کے اوصاف بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں ملتے“

آپ کا وصال ۴۔ ذوالقعد سنہ ۱۱۸۸ھ (۱۷۷۵ء) کو ہوا۔ ایک شاعر نے آپ کی تاریخ وفات اس طرح لکھی ہے:

گفت اور اجواب وہم تاریخ۔ بہ زہدا وصال عریانی۔ ۱۱۸۸ھ۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند خواجہ گل محمد (ولادت ۱۱۷۸ھ۔ ۱۷۶۴ء‘ وفات ۱۲۱۸ھ۔ ۱۸۰۳ء) سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کے فیض یافتہ خلفاء میں سے آپ کے فرزند کے علاوہ مندرجہ ذیل بزرگوں کے نام قابل ذکر ہیں۔

مخدوم عبدالرحیم گرہوڑی (وفات ۱۱۹۲ھ۔ ۱۷۷۸ء) جو بہت بڑے عالم فاضل اور شاعر تھے۔ خواجہ ابو طالب آگہی سعید پور (حیدر آباد) شیخ حاجی محمد صالح گھرائی۔ حافظ ھدایت اللہ‘ شیخ حافظ طاہر۔ شیخ سدحا توریو (وفات ۱۲۴۶ھ۔ ۱۸۳۰ء)۔ شیخ شعیب کچھی۔ علی محمد

مجذوب (عمر کوٹ)۔ درویش الیاس لواری (وفات ۱۲۳۶ھ۔۱۸۲۰ء) درویش عیسیٰ دشتی (وفات ۱۲۴۳ھ۔۱۸۲۷ء) محمد مجذوب بیابانی۔ محمد مجذوب بالائی۔ درویش مومن حیدر آبادی۔ قاضی احمد دمائی ضلع نواب شاہ (ولادت ۱۱۱۷ھ۔۱۷۰۵ء۔ وفات ۱۲۲۳ھ۔۱۸۰۸ء)

تعلیمات : آپ کے ملفوظات آپ کے مرید اور خلیفہ شیخ عبدالرحیم گرہوڑی نے اپنی عربی کتاب "فتح الفضل" میں جمع کئے ہیں۔ اس کے علاوہ "فردوس العارفین" اور "مرغوب العارفین" نامی کتابوں میں بھی آپ کے اقوال ملتے ہیں۔ آپ کے ۸۴ سندھی ابیات بھی ملے ہیں۔ جن کی عربی زبان میں شرح شیخ عبدالرحیم گرہوڑی نے کی ہے۔ اس عربی شرح کا سندھی ترجمہ علامہ ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ نے ابیات سندھی کے نام سے کیا۔ حضرت سلطان الاولیاء نے اپنے اقوال اور ابیات میں تصوف کے اسرار و رموز بیان کئے ہیں۔ نمونہ کے طور پر چند اقوال اور ابیات کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

ملفوظات : (۱) نقشبندی طریقہ سب طریقوں سے جلد سالک کو اپنے منزل پر پہنچاتا ہے۔ لیکن اس میں نیاز۔ عاجزی۔ ادب اور ارادت کی سخت ضرورت ہے۔ خواہشات کے غلام کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔

(۲) سالک کو حق کے راستہ میں اس طرح فنا ہو جانا چاہئے کہ اپنے وجود کا بھی پتہ نہ ہو۔ مٹی اور پتھر کی طرح ہو جانا چاہئے اگر اس طرح ہو گیا تو حق اس کے اندر آکر اپنا گھر بنائے گا اور پھر اس کے قول اور فعل خود خدا کے قول و فعل بن جائیں گے۔

(۳) ہمارے طریقے کے مطابق ہاتھ کام میں اور دل دوست کے ساتھ مشغول ہو۔

(۴) طریقہ نقشبندیہ کے مطابق دو وقت بے انتہا مقبول ہیں۔ ان کو حاصل کرنے کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ ان میں سے ایک وقت ہے فجر سے لے کر سورج نکلنے تک اور دوسرا وقت عصر سے مغرب تک۔

(۵) کتابوں کے مطالعے سے اور قیل و قال سے انسان حق سے واصل نہیں ہوتا۔ اپنے دل کو درست بنانا چاہئے اور اس سے ہی حق کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

سندھی ابیات کا ترجمہ

(۱) فعل شریعت جب طریقت قلب میں حقیقت ہو
محبوب کو پہنچاننے کا نام معرفت ہے۔

(۲) خودی اپنے ساتھ لے کر محبوب کی طرف کوئی نہیں پہنچا۔ جہاں محبوب کا عرفان ہو وہاں غیر کا گذر نہیں ہوتا۔
جب وحدت کی ہوا چلتی ہے تو دوئی سب دور ہو جاتی ہے۔

(۳) ہر لحظہ ملک میں میثاق کی آواز گونج رہی ہے۔
خس و خاشاک اور پتے اقرار کرتے ہیں کہ ہم بندے ہیں اور تو مالک۔

(۴) جہاں نہ کیف، نہ این ہے وہاں مکمل عین ہے۔
درمیان سے جب عین نکل گیا تو سورج کا ہی ظہور رہا۔

(۵) عالم امکانی سے نکل کر ہی وصال کی منزل تک پہنچ گئے۔
اس پانی میں آئے جہاں بیلراں بحر ہے۔ جس کی نہایت نہیں۔

(۶) تمہارا راستہ تمہارے وجود میں ہے۔ باہر راستے مت تلاش کر۔ وہ جو فنا کے قریہ میں رہتے ہیں۔ ان کو ہی محبوب ملتا ہے۔

(۷) جنھوں نے اپنی ذات کو دیکھا انھوں نے محبوب کو دیکھا۔ اگر یہ گمان غلط ہے تو عارف آئینہ دیکھے۔

(۸) سوئے افلاک سرگرم سفر ہو مبادا سراب میں رہ جائے۔
جزو کو یہ جائز نہیں ہے کہ کل کے بغیر دن گزارے۔

سجادہ نشین : آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند محبوب الصمد خواجہ گل محمد مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے۔ ان کی ولادت با سعادت سنہ ۱۱۷۸ھ (۱۷۶۳ء) میں ہوئی اور ۷۔ ربیع الآخر ۱۲۱۸ھ (۱۸۰۳ء) کو آپ نے وفات پائی۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے خواجہ محمد زمان ثانی جانشین ہوئے۔ جن کی وفات ۱۲۴۷ھ (۱۸۳۱ء) میں ہوئی۔ ان کے بعد ان کے فرزند خواجہ محمد حسن لقب مدنی مسند نشین ہوئے۔ وہ ۵۔ محرم ۱۲۳۵ھ (۱۸۱۹ء) کو تولد ہوئے اور ۷۔ صفر ۱۲۹۸ھ (۱۸۸۰ء) کو مدینہ منورہ میں فوت ہوئے اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند خواجہ محمد سعید سجادہ نشین ہوئے۔ خواجہ محمد سعید لقب خواجہ مکی کی ولادت رمضان ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۹ء) میں ہوئی اور آپ کا وصال محرم ۱۳۲۴ھ (۱۹۰۶ء) میں ہوا۔ عالم فاضل اور فارسی زبان کے بلند پایہ شاعر تھے۔ فارسی میں آپ کا مکمل دیوان ہے' جو شائع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے سنہ ۱۳۰۳ھ میں اپنے

والد بزرگوار خواجہ محمد حسن کی سوانح کے متعلق فارسی زبان میں "مقائل السمائر" نامی کتاب لکھی۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند خواجہ احمد زمان مسند نشین ہوئے' جن کی ولادت ۱۶۔ ۱۷۔ ذوالحج ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۰ء) کو ہوئی اور ۱۔ رجب ۱۳۴۶ھ (۱۹۲۷ء) کو فوت ہوئے۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے خواجہ گل حسن مسند نشین ہوئے۔

شیخ محمد عابد سندھی مدنی: سیوھن کے انصاری خاندان سے آپ کا تعلق تھا۔ سیوھن میں ہی آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام شیخ الاسلام احمد علی تھا۔ آپ کے دادا شیخ مردا بھی شیخ الاسلام کے لقب سے مشہور تھا۔ شیخ محمد مراد اپنے تمام اہل و عیال کے ساتھ عربستان میں رہنے کے ارادے سے سندھ سے روانہ ہوئے۔ کچھ عرصہ حدیدہ (یمن) میں رہے۔ اس کے بعد شیخ محمد عابد مدینہ منورہ میں آکر مقیم ہوئے۔

شیخ محمد عابد نے اپنے چچا محمد حسین سے تعلیم حاصل کی۔ یمن کے شہر زبید اور یمن کے دارالسلطنت صنعا میں مقیم رہے۔ مدینہ منورہ سے نقل مکانی کرکے جب "حدیدہ" میں آکر رہے۔ تو وہاں آپ کی ملاقات نقشبندی سلسلہ کے بزرگ خواجہ محمد زمان ثانی لواری والے سے ہوئی جو حرمین شریفین ہوتے ہوئے وہاں رکے تھے۔ ان سے متاثر ہو کر شیخ محمد عابد ان کے مرید ہوئے۔ اس کے بعد حضرت شیخ محمد عابد اپنے مرشد کی زیارت کے لئے لواری (سندھ) بھی آئے اور کئی دن لواری میں رہے۔ انھیں دنوں سید احمد شہید بریلوی اور محمد اسمعیل دہلوی جہاد پر جانے کے لئے سندھ سے گزرے تھے۔

لواری سے واپس جانے کے بعد شیخ محمد عابد مدینہ منورہ میں جا کر مقیم رہے۔ اب آپ کی عزت اور مرتبہ میں بہت اضافہ ہوا۔ اور حاکم مصر نے آپ کو مدینہ منورہ کے علماء کا رئیس مقرر کیا۔ آخری عمر آپ اطمینان سے علم کی اشاعت' سنت کے تبلیغ اور درس حدیث میں گزار دی۔ عرب و عجم کے کئی علماء نے آپ سے حدیث کی سند حاصل کی۔ شاہ ابو سعید جب سنہ ۱۲۴۹ھ (۱۸۳۴ء) میں حرمین شریفین گئے۔ تو آپ نے ان کا خیر مقدم کیا اور ملاقات کی۔

شیخ محمد عابد کو حدیث کی کتابوں سے بڑی دلچسپی تھی۔ آپ حدیث کی چھ کتابوں کو ایک جلد میں باریک قلم سے لکھ کر اپنے مرشد خواجہ محمد زمان ثانی کے کتب خانہ میں رکھوایا۔ اس طرح فتح الباری شرح صحیح بخاری بھی ایک جلد میں لکھی۔ ان کے علاوہ بہت سی کتابیں

رسالے تصنیف اور تالیف کئے مثلاً (۱) شرح بلوغ المرام ابن حجر (۲) شرح تیسرالوصول لابن الربیع الشیبانی (۴) طوالع الانوار علی الدر المختار (فقہ) وغیرہ۔ آپ نے بڑی عمر پائی۔ ربیع الاول سنہ ۱۲۵۷ء (۱۸۴۱ء) میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور حضرت عثمان رضہ کی مزار کے قریب جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

خواجہ احمد دمائی: سنہ ۱۱۱۷ھ (۱۷۰۵ء) کو سیوھن کے قریب ایک گاؤں میں تولد ہوئے۔ آپ کے والد کا نام محمد صدیق تھا اور قوم کے کوریجہ تھے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد نقل مکانی کرکے گاؤں "دم" (ضلع نواب شاہ سندھ) میں آکر رہنے لگے۔ حرمین شریفین جاتے ہوئے۔ لواری سے آپ کا گزر ہوا۔ وہاں حضرت سلطان الاولیاء خواجہ محمد زمان سے آپ کی ملاقات ہوئے۔ ان سے بہت متاثر ہوئے اور ان سے بیعت کی۔ کچھ عرصہ رہ کر سلوک کے منازل طے کئے۔ اور پھر حرمین شریفین چلے گئے۔ یمن میں ایک قادری سلسلہ کے بزرگ شیخ محمد علی و ستار آپ کی صحبت سے متاثر ہو کر آپ کے مرید ہوئے۔ واپس آکر حضرت خواجہ احمد نے "دم" کے قریب ایک نیا گاؤں آباد کیا اور اس میں سکونت پذیر ہوئے۔ اس میں خانقاہ قائم کی جو "میل شریف" کے نام سے مشہور ہوئی۔ آج کل یہ گاؤں "قاضی احمد" کے نام سے مشہور ہے اور قومی شاہراہ پر واقع ہے۔ کئی لوگوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا اور آپ کے ذریعہ نقشبندی سلسلہ بہت پھیلا۔ نہ صرف سندھ بلکہ پنجاب عربستان اور ہندوستان کے لوگ آپ سے مستفیض ہوئے۔ آپ کی صحبت سے جو اہل اللہ پیدا ہوئے ان میں مندرجہ ذیل لوگوں کے نام قابل ذکر ہیں:۔ میاں ذر شاہ کنڈھائی (گاؤں "کھاہی کنڈھا" ضلع نواب شاہ۔ سندھ)

مخدوم عبدالوالی گاؤں "ڈبھر" (ضلع نواب شاہ) کے رہنے والے۔

میاں عبدالکریم "چنگارو" والے۔ شاہ حسین "رتڑ چھتڑ" گرداسپور (پنجاب)

شاہ حسین المعروف بہ بھوریوالے: آپ کا مولود اور مسکن رتڑ چھتڑ المعروف بہ "مکان شریف" ہے' آپ کا مزار چونکہ زینہ اتر کر زمین کے نیچے ہے' اس لئے بھوریوالے حضرت کے نام سے مشہور ہیں۔ ابتدائی عمر میں گھوڑوں کی تجارت کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں ایک مرتبہ پشاور گئے۔ وہاں جا کر آپ کو تحصیل علم کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ کچھ مدت وہاں رہ کر تعلیم حاصل کی۔ تعلیم کے دوران آپ کو حصول سلوک اور علم باطنی کا شوق پیدا

ہوا۔ آپ نے یہ بھی خیال کیا کہ اس کا حاصل ہونا سوائے پیر کامل کی صحبت کے ناممکن ہے۔ چنانچہ جب پیر کامل کی تلاش مین پشاور کے گرد و نواح' غزنی اور کابل میں جس جگہ بزرگان دین اور اولیائے کاملین کا سنا' وہاں گئے۔ آخر سندھ میں حضرت حاجی احمد دمائی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی پہلی ہی نظر میں منزل مقصود کو پہنچے۔ سلسلہ نقشبندیہ میں داخل ہوئے اور پیر کی نظرفیض اثر سے آپ پر وجد اور جذب کی حالت طاری ہوگئی۔ وجد کی حالت میں جنگل کو نکل گئے۔ سمندر کے کنارے اور جنگلوں میں پھرتے رہے۔ اس حالت کے دوران مرشد کی خدمت میں بھی آتے رہے۔ جب تیسری دفعہ اپنے پیر خانہ سے جذب اور وجد کی حالت میں مستانہ وار نکلے' تو قریبا تمام علاقہ سندھ میں ویرانوں اور آبادیوں میں مستی کی حالت میں پھرتے رہے۔ اسی حالت میں آپ شکار پور پہنچے۔ وہاں آپ کا سکر کم ہوا۔ تو اس جگہ بے شمار غزلیں فارسی زبان میں کہیں اور ان میں اپنا حال بیان فرمایا۔ چند اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

بہر سوئے کہ رو آرم جمال یاری بینم۔ بہر طرز کہ اندیشم رخ دلداری بینم
ز عکس عارض شمعش چناں جلوہ نمایاں شد۔ ہزاراں نازنیں گلروپری رخسارے بینم
چشیدم جرعہ وحدت ز نرگس چشم او جاناں۔ ز ساغر چشم مخمورش جہاں خمارے بینم
ز برق آتش عشقش درون جگر مشتاقاں۔ شد صد شعلہ بابالا و چون گلنارے بینم
بذوق دل غزل گفتن برد و کارنوائے سرمست۔ زبان در۔ فشان تو چہ گوہر بارے بینم

اس دفعہ جب شکارپور سے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ کی طبیعت میں سکون آچکا تھا۔ اس کے بعد اپنے پیر کے ارشاد سے اپنے وطن پنجاب آئے کچھ عرصہ کے بعد حرمیں شریفین بھی گئے اور مدینہ منورہ میں روضہ مبارکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر حاضری دی۔ وہاں سے واپس آئے' تو پہلے اپنے مرشد کی خدمت میں چند روز گزارے۔ اس کے بعد اپنے وطن میں آکر رہنے لگے۔ بے شمار لوگوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔

شاہ حسین کے ذریعہ سلسلہ نقشبندیہ برصغیرپاک و ہند میں بہت پھیلا اور آپ کے خلفاء نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں کئی خانقاہیں قائم کیں۔ چونکہ درگاہ لواری شریف کو مکان شریف کہا جاتا ہے۔ اس لئے حضرت شاہ حسین کی خانقاہ کو بھی مکان شریف کہا گیا۔

سنہ ۱۲۲۴ھ (۱۸۰۹ء) میں انتقال کیا۔

خواجہ امام علی شاہ: آپ کے نسب کا سلسلہ چھ واسطوں سے حضرت مجدد الف ثانی سے ملتا ہے۔ "رتڑ چھتڑ" کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام حیدر علی شاہ تھا۔ سنہ ۱۲۱۲ھ (۱۷۹۷ء) میں "مکان شریف" میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ظاہری تعلیم فقیر اللہ دین کوٹی' حافظ محمد رضا اور مولانا نور محمد چشتی سے حاصل کی۔ روحانی فیض آپ کو شاہ حسینؒ سے ملا اور مثنوی مولانا روم بھی انہیں سے پڑھی۔ آپ کو مثنوی مولانا روم سے بڑی دلچسپی تھی۔ اور بڑی شوق سے پڑھتے تھے۔

آپ نقشبندیہ سلسلہ کے روشن چراغ تھے۔ آپ کی وجہ سے پنجاب اور ہندوستان میں اس سلسلہ نے فروغ پایا۔ آپ کی وفات سنہ ۱۲۸۲ھ (۱۸۶۶ء) میں ہوئی۔ آپ کی وفات کے بعد میر خواجہ صادق علی شاہ (وفات ۱۳۱۷ھ۔ ۱۹۰۰ء) آپ کے جانشین ہوئے۔ آپ کے ملفوظات میں سے چند اقوال پیش کئے جاتے ہیں:

فرماتے ہیں کہ مرید وہ ہے جس میں اوصاف ذیل موجود ہوں:

محبت اور شوق کی آگ اس کی نفسانی خواہشات کو جلا دے اور محبت کا درد اس کے دل کو برقرار رکھے۔ جب صبح کو اٹھے تو حسرت اور افسوس کی وجہ سے اس کی آنکھوں سے آنسوں جاری ہوں۔ ہمیشہ عاجزی اور ناکامی اس کا شعار اور عادت ہو۔ گزشتہ زمانے کے اعمال سے ہمیشہ ڈرتا رہے۔ نیک کاموں کی لئے تقسیم اوقات کا پابند رہے۔ جو مصیبتیں پہنچیں صبر کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔ قصور کا اقرار کرتا رہے اور کوئی سانس ذکر الہی کے بغیر ضائع نہ کرے۔

آپ فرماتے ہیں: مرید کو ہر حالت میں متوکل رہنا چاہئے۔ کام کاج میں مشغول رہے بیکار نہ بیٹھے' مگر رازق' پروردگار کو سمجھے۔ بلکہ خیال رہے کہ مولا کریم مقسوم رزق ہر حالت میں پہنچاتا ہے۔ روزی کے لئے فرمان الہی کو کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑے کیونکہ مقسوم سے زیادہ ملنا محال ہے۔ ناممکن ہے۔ اور نافرمانی کی وجہ سے خرابی دو جہاں میں مبتلا ہونا یقینی ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ عوام کی توجہ ممنوعہ اشیاء سے باز رہنا اور گناہوں سے بچنا ہے اور خواص کی توجہ اپنی حالت کی نگہداشت ہے۔

توبہ اس طرح کرے کہ توبہ کرنے کے بعد گناہ کا خیال ہی اس کے دل میں نہ آئے۔ توبہ کے بعد گناہ کرنا ایک توبہ کا توڑنا اور ایک معاہدہ کی شکستگی ہے۔ اور نقض عہد موجب نزول بلا اور سبب مسخ ہونے کا ہے۔ نقض توبہ سے بعض اوقات ایسی بلائیں اور آفتیں ظاہری اور باطنی نازل ہوتی ہیں کہ معاذ اللہ' ان سے خلاصی ہی مشکل ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے امتوں کے قصے مشہور ہیں اور قرآن شریف میں مذکور رہیں۔

مگر چونکہ اس امت میں جسم یا چہرے کا مسخ ہونا خداوند کریم نے روا نہیں رکھا۔ لہذا توبہ کے توڑنے سے ان لوگوں کے دل مسخ ہو جاتے ہیں اور دیگر بار توبہ کی توفیق سے محروم ہو جاتے ہیں۔ معاذ اللہ استغفر اللہ۔

خواجہ امیرالدین: ککے زئی افغان تھے اور "رتڑ چھتڑ" سے ایک میل کے فاصلے پر قصبہ دھرم کوٹ کے رہنے والے تھے۔ خواجہ امام علی صاحب کے مرید تھے۔ کچھ عرصہ بلہ آباد پولیس چوکی پر تھانیدار رہے۔ یہ پولیس چوکی لاہور۔ ملتان سڑک پر واقع تھی۔ تین برس کے بعد ملازمت چھوڑ دی۔ بڑے عابد اور زاہد تھے۔ ایک سو پچاس سال کی عمر میں وفات پائی۔ آخری عمر میں بھی باوجود ضعیف ہونے کے دو دو گھنٹے روزانہ بیٹھ کر درود شریف پڑھا کرتے تھے۔

حضرت خواجہ امیرالدین کی وفات ۹۔ ذوالقعد سنہ ۱۳۳۱ھ (۱۹۱۳ء) میں ہوئی۔

میاں شیر محمد شرقپوری: آپ ذات کے آرائیں تھے اور زراعت آپ کے خاندان کے لوگوں کا پیشہ تھا۔ آپ کے خاندان کے لوگ پہلے قصور میں رہتے تھے۔ آپ کے پردادا مولوی غلام رسول نقل مکانی کرکے "حجرہ شاہ مقیم" میں آکر رہنے لگے۔ بعد میں شرقپور میں آکر رہے۔ آپ کے والد کا نام عزیز الدین تھا۔ آپ کی ولادت ۱۲۸۲ھ (۱۸۶۵ء) میں ہوئی۔

آپ نے نصابی تعلیم زیادہ حاصل نہیں کی۔ لیکن اس کے باوجود آپ ذہن اور علم اور روحانی مرتبہ اس درجہ کا تھا کہ بڑے بڑے عالم فاضل آپ کا احترام کرتے تھے اور خود کو ان کے سامنے طفل مکتب سمجھتے تھے۔ راہ سلوک میں حضرت خواجہ امیرالدینؒ کے مرید اور خلیفہ ہوئے۔ اس کے بعد رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔

آپ کے مزاج میں خاکساری انکساری اور فروتنی بہت تھی۔ بہت ہی معمولی سے معمولی کام کرنے سے بھی کوئی عار نہ تھا۔ بہت بے تکلفی سے زندگی گزارتے تھے۔ اپنے مریدوں کے ساتھ کبھی کبھی مذاق بھی کر لیا کرتے تھے اور خوش طبعی کی باتیں بھی کرتے رہتے تھے۔ انسانوں سے بڑی محبت کرتے تھے۔ اور ان کی خدمت کرنے میں بے حد خوشی محسوس کرتے تھے۔ سخاوت خیرات دریا دلی اور بخشش آپ کا وتیرہ تھا۔ آپ کے پاس روپیہ بہت آتا تھا۔ لیکن تمام رقم جلد ہی خرچ ہو جاتی تھی۔

ہر وقت لوگوں کی ہمدردی اور خیر خواہی کرتے رہتے تھے۔ اس میں یہ فرق نہ تھا۔ کہ ہندو ہے یا مسلمان۔ ایک مرتبہ آپ قصور گئے مریدوں کے ساتھ بازار سے گزر رہے تھے کہ آپ نے دیکھا کہ بازار کے سرے پر بھنگن غلاظت سے بھرے ٹوکرے کے پاس کھڑی ہے' جو اس سے اٹھ نہیں سکتا تھا۔ آپ نے جب ان کا یہ حال دیکھا۔ تو وہ ٹوکرا خود اٹھا کر اس کے سر پر رکھ دیا۔ لوگ دیکھ کر حیران ہو گئے۔

آدمیوں کے علاوہ جانوروں سے بھی آپ کی محبت تھی۔ آپ جب کسی گدھے خچر یا بیل کو بوجھ اٹھانے کی وجہ سے تکلیف میں دیکھتے تو بے چین ہو جاتے اور چاہتے کہ اس کا بوجھ میں اٹھالوں۔ آپ کا دستور تھا کہ عشا کے بعد بہت سی روٹیوں کے ٹکڑے لے کر گھر سے نکلتے اور جاکر کتوں کو دے آتے۔ مہمانوں کے خدمت کرنے میں خوشی محسوس کرتے۔ آپ کے ہاں ہر وقت پر مہمانوں کی خاصی تعداد ہوا کرتی تھی۔ تمام مہمانوں کے ہاتھ خود دھلواتے پھر کھانا خود لا کر ان کے سامنے رکھتے اور پھر سب مہمانوں کے ساتھ مل کر کھاتے۔ آپ بڑی سادہ زندگی گذارتے۔ لباس ہمیشہ موٹا پہنتے۔ باریک کپڑے کو ناپسند کرتے۔ آپ کے معمولات میں تصنع اور بناوٹ نہیں تھی۔ آپ نے اپنی زندگی شائستگی وقار اور شریعت کی پابندی کے ساتھ گزاری۔

آپ کو سود خوروں اور رشوت خوروں سے نفرت تھی۔ ایسے لوگ جب آپ کے پاس آتے تھے۔ تو ان کو بلا تامل سچ اور حق بات بڑی سختی سے کہہ دیتے تھے۔ آپ چاہتے تھے۔ کہ آپ کے پاس آنے والے اور آپ سے ملنے والے اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں۔ سادگی اور صفائی سے رہیں' بے ہودہ عادات اور رذیل خصائل سے بچیں اور شریعت کے مطابق زندگی گذاریں۔ دنیوی معاملات میں بھی آپ لوگوں کی مدد کرتے اور

مشکلات حل کرانے میں ان کی مدد کرتے۔ اکثر لوگ اپنے نجی معاملات جھگڑے زمینوں اور جائداد کے مقدمات آپ کے پاس لاتے۔ آپ نہایت انصاف شرعی قانون' خوبی اور ہمدردی کے ساتھ ان کے درمیان صلح صفائی کرا دیتے اور دونوں فریقین مطمئن ہو کر چلے جاتے۔

مسلمانوں کو ہمیشہ مسجدیں بنانے سے بڑی دلچسپی رہی ہے۔ حکمرانوں اور امیروں کے علاوہ عام مسلمانوں' علماء اور صوفیا نے بھی بڑی عالیشان مسجدیں بنوایں۔ حضرت شیر محمد شرقپوریؒ نے بھی مختلف مقامات پر سیکڑوں مسجدیں بنوائیں۔ دینی تعلیم کو عام کرنے کے مقصد سے آپ نے دینی کتابوں کے اشاعت کی طرف بھی توجہ دی۔ اس مقصد کے لئے آپ نے مندرجہ ذیل کتابوں کا اردو ترجمہ کروا کر شائع کیا:

(۱) مراۃ المحققین (۲) منہاج السلوک (۳) حکایات الصالحین

بہرحال آپ نے دین کی خدمت کے سلسلہ میں بڑی کوشش کی اور کئی لوگوں نے آپ سے علمی اور روحانی فیض حاصل کیا۔ ۳۔ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ (۱۹۲۸ء) میں اس جہان فانی سے رخصت ہو کر اپنے اصلی آشیانہ کے طرف پرواز فرمایا۔ آپ باحیا' حق گو' تنی سادگی پسند اور دوسرے اخلاقی اور روحانی اوصاف سے مزین تھے۔ ہمیشہ سنت کی نگرانی میں سرگرم عمل رہے لوگوں کو شریعت کی پابندی کی ترغیب دیتے رہے اور شرعی احکام کی تعلیم اور تبلیغ کرتے رہے۔ اپنے مریدوں اور معتقدوں کو بھی تنبیہہ کرتے تھے کہ شریعت کی پابندی سے روگردانی نہ کریں۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے بھائی غلام اللہ صاحب سجادہ نشین ہوئے جن کی وفات ۷۔ ربیع الاول ۱۳۷۷ھ (۱۹۵۷ء) کو ہوئی۔ ان کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے میاں غلام احمد صاحب سجادہ ہوئے۔

حضرت محمد اسماعیل شاہ: موضع "کرماں والے" تحصیل فیروز پورے کے رہنے والے تھے' آپ کے والد بزرگوار کا نام سید علی شاہ تھا۔ پہلے فیروزپور کے مشہور بزرگ مولوی شرف الدین چشتی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد حضرت شیر محمد شرقپوری کے مرید اور خلیفہ ہوئے۔ تقسیم کے بعد کچھ عرصہ پاکپتن میں مقیم رہے۔ پھر اوکاڑہ کے پاس کچے چک میں اقامت پذیر ہوئے۔ آپ شریعت کے سخت پابند تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق تھے۔ آپ اپنے مریدوں اور معتقدوں کو شریعت کی پابندی کرنے کی سخت

تاکید کرتے رہتے تھے۔ آپ کے دو فرزند ہوئے: سید محمد علی شاہ اور سید عثمان علی شاہ۔

سید نور الحسن شاہ صاحب: کیلیانوالہ کے رہنے والے تھے۔ شرقپوریؒ صاحب کے ہاتھ پر بیعت تھے۔ بہت سے لوگوں کو روحانی فیض سے نوازا۔ آپ کو دو فرزند ہوئے: سید باقر علی شاہ اور سید جعفر علی شاہ۔

مظہر قیوم: حضرت شاہ حسین مکان شریف والوں کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت شرقپوریؒ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ بہت ہی سادہ مزاج بزرگ تھے۔ قیام پاکستان کے بعد آپ کا خاندان پاکستان چلا آیا اور ان کی صاحبزادے محفوظ احمد آج کل موضع "حلیر" (نزد سانگہ ہل) میں مقیم ہیں۔

مولانا الحاج حافظ سید محمد ابراہیم بخاری: موضع "سمول" نزد ریلوے اسٹیشن کالا خطائی کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم انجمن نعمانیہ لاہور میں حاصل کی اس کے بعد دیوبند چلے گئے اور مولانا محمد انور شاہ کاشمیری اور مولانا شبیر احمد عثمانی سے دورہ حدیث شریف پڑھا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد موضوع کھوکھر تشریف لائے۔ کئی لوگوں کو علمی اور روحانی فیض سے مستفید کیا۔

محمد عمر بیربلی: حضرت غلام مرتضیٰ بیربل والے آپ کے جد امجد تھے۔ حضرت شرقپوریؒ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ کئی لوگوں کو روحانی فیض دیا۔ ۱۹۶۷ء میں فوت ہوئے۔

میاں رحمت علی: "گھنگ" نزد "کاہنہ کاچھا" کے رہنے والے تھے۔ حضرت شرقپوریؒ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ ۱۹۷۰ء میں فوت ہوئے۔

حضرت عبدالرحمٰن بابا: پشتو زبان کے عظیم شاعر رحمان بابا صوفیانہ مسلک رکھتے تھے۔ پٹھانوں کے قبیلہ غوریہ خیل کی شاخ "ممند" کی ذیلی شاخ "ابراہیم خیل" سے تھے۔ پشاور سے تین چار میل جنوب میں موضع "بہادر کلی" میں تولد ہوئے۔ ان کے سال ولادت میں اختلاف ہے۔ ۱۰۳۸ھ یا ۱۰۴۰ء یا ۱۰۴۲ھ ان کا سال ولادت بتایا گیا ہے۔ آپ کے والد کا نام عبدالستار تھا۔ آپ کے سال وفات میں بھی اختلاف ہے۔ لیکن زیادہ صحیح سنہ ۱۱۱۸ھ (۱۷۰۶ء) بتایا گیا ہے۔ رحمان بابا نے اپنے گاؤں میں مولانا عبدالحق سے دینی تعلیم حاصل کی' جو اصل میں موشنے "متی" کے رہنے والے تھے اور موضع "بہادر کلی" میں درس دیا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں حضرت حاجی بہادر عبداللہ کوہاٹی کے علم و عرفان کی بڑی شہرت

تھی جو سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت آدم بنوری کے خلیفہ تھے۔ پشتو زبان کے شاعر محمد صدیق پشاوری بھی سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت آدم بنوری سے بیعت تھی اور حاجی عبداللہ کوہاٹی کے پیر بھائی تھے۔ ایک دفعہ محمد صدیق پشاوری اپنے پیر بھائی حاجی عبداللہ سے ملنے کوہاٹ آئے۔ کوہاٹ میں رہائش کے دوران حضرت رحمان بابا کو حضرت محمد صدیق پشاوری سے کسب فیض کا موقع ملا اور یہیں سے آپ کے شعرو شاعری کا آغاز ہوا۔ رحمان بابا نے اپنے استاد بزرگوار حضرت صدیق کے غزلوں کے تتبع میں کچھ غزلیں پشتو زبان میں کہی ہیں۔ تتبع کا نمونہ ملاحظہ ہو:

صدیق: منصور کے قتل کا فتویٰ کوئی کیونکر دیتا اگر لوگوں پر اس کا راز افشانہ ہو گیا ہوتا۔

رحمان: ذرا منصور کی حالات کا تماشہ تو کیجئے۔ اس کی حالت کیا ہوئی۔

خدا کسی کا بھی پوشیدہ راز فاش نہ کرے۔

صدیق: چاہئے کہ صدیق' کامل ذکر کا درجہ حاصل کرلے۔

تاکہ اسے غم اور درد میں لطف پانے سے آگاہی حاصل ہو۔

رحمان: وہی مجھے ہنسایا کرتا ہے۔ جو مجھے رلایا کرتا ہے۔

اس کے بغیر رحمان کا دوسرا کوئی فریاد سننے والا نہیں ہے۔

رحمان بابا زبان و بیان مضمون آفرینی اور خیالات کی پاکیزگی کی وجہ سے پشتو زبان کے بلند پایہ شاعر ہیں۔ انداز بیان سادہ واضح اور پر اثر ہے۔ انھوں نے صوفیانہ تعلیمات اور اخلاقی اقدار نہایت دلکش اور پر اثر نوع میں پیش کئے ہیں۔ وہ اپنے اشعار میں جہد و عمل کی تلقین کرتے ہیں اور قرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے کوشش کرنے کا درس دیتے ہیں۔ نمونہ کے طور پر آپ کے چند اشعار کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

"دنیا میں اگر کوئی کام ہے تو کار دین ہے اور یہ کام کرنے والوں پر آفرین ہے۔ جن لوگوں کے حصہ میں تقویٰ اور دیانت آجائے' ستارہ سعادت ان کے قریب ہے۔"

"قناعت نے میرے منہ میں ایسا ذائقہ بھردیا ہے۔ کہ میرے دہن میں روٹی کا خشک ٹکڑا بھی شہد ہو جاتا ہے۔"

"ہاتھوں اور اونٹوں کے بغیر بادشاہی کرتا ہے' اس کے گھر میں پڑی ہوئی پرانی چٹائی قالین ہے۔ جب حاجت کی خواہش کے لئے ہاتھ بلند کرتا ہے۔ تو آسمان کے ملائک بھی

اسے آمین کہتے ہیں"

"اگر سارے جہاں کا غم تیرے دل پر چھا جائے تو' غمگین نہ ہو۔ سمجھ لے کہ یہ گذر جائے گا' یہ تو صرف خدا ہی ہے جو مدام ایک حال میں رہتا ہے۔ بندہ کبھی رتی کبھی ماشا اور کبھی سیر"

"دنیا میں زندہ اور قائم اسی کو کہا جا سکتا ہے جو دنیا کی نیستی اور فنا پر اعتقاد رکھتا ہے۔ دنیا کی عمارتیں کمزور ہیں۔ خواہ وہ فولادی ستونوں پر بھی کھڑی ہوں"

عبدالحکیم کاکڑ: ان کا افغانوں کے قوم کاکڑ کے قبیلہ "ستیا" سے تعلق تھا' اور بلوچستان کی تحصیل پشین کے ایک گاؤں "خانوزو" کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد کا نام سکندر شاہ تھا۔ سنہ ۱۰۷۰ھ (۱۶۵۹ء) میں تولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد تکمیل تعلیم کے لئے قندھار اور کابل کی مشرقی سمت کے علاقہ "ننگرھار" گئے۔ پھر پشاور آئے۔ تحصیل تعلیم کے بعد تزکیہ باطن کی طرف متوجہ ہوئے۔ سید لعل جیو ننگر ھاری کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد پشاور میں عبدالغفور پشاوری اور لاہور میں حافظ اللہ یار لاہوری سے فیض حاصل کیا اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد قندھار میں جا کر سکونت اختیار کی۔ افغانستان اور بلوچستان کے بے شمار لوگوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ قندھار میں ان کی خانقاہ مرجع خلائق اور روحانی فیض کا مرکز بن گئی۔ لوگوں کا ازدحام دیکھ کر قندھار کے بادشاہ شاہ حسین ہوتک کو اپنی حکومت متزلزل نظر آنے لگی۔ چنانچہ شاہ حسین کے حکم سے میاں عبدالحکیم اپنے شاگردوں اور مریدوں کیساتھ ۱۱۳۶ھ (۱۷۲۳ء) میں قندھار سے نکل کر علاقہ لورا لائی (بلوچستان) کے ایک گاؤں تھل چوٹیالی میں آکر سکونت پزیر ہوئے۔ یہیں آپ نے سنہ ۱۱۵۳ھ (۱۷۴۰ء) میں وفات پائی۔ آپ کا مزار اب بھی مرجع خلائق ہے۔ حضرت میاں عبدالحکیم نے بلوچستان میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا اور کئی لوگوں کو روحانی فیض سے مستفیض کیا۔ تمام خوانین آپ کے حلقہ ارادت میں داخل تھے۔ قندھار میں سلسلہ نقشبندیہ کو آپ کے ذریعہ فروغ حاصل ہوا۔ بلوچستان میں آپ نے سلسلہ نقشبندیہ کو پھیلایا۔ آپ کے مریدوں میں میاں نور محمد درانی اور میاں نور محمد مرادی علم و عرفان کی وجہ سے بہت مشہور ہوئے۔ حضرت میاں عبدالحکیم نے تصوف کی تعلیم کے متعلق کچھ کتابیں بھی تصنیف و تالیف کیں مثلاً:

(۱) اختصار حسن الایمان (فارسی) اعقائد کے متعلق (۲) مجموعہ رسائل فارسی۔ تصوف اور طریقت کے متعلق (۳) رسالہ تصوف فارسی اس میں تصوف کے مسائل پر بحث کی گئی ہے (۴) رسالہ (اس میں اس فیض کا ذکر ہے۔ جو آپ نے میر سید لعل جیو ابن سید حبیب سے حاصل کیا) (۵) رسائل تکیہ (۶) رسالہ (آپ نے حافظ اللہ یارلاہوری سے شریعت طریقت و حقیقت، نفی و اثبات اور تصوف کے دیگر مسائل کے متعلق جو کچھ حاصل کیا۔ وہ بیان کیا ہے۔)

خواجہ عبدالرحیم باغدری: باغدر میں تولد ہوئی جو صوبہ سرحد میں گندگر پہاڑ میں واقع ہے۔ مختلف مدارس میں دینی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد تزکیہ باطن کے لئے مرشد کی تلاش میں موہڑہ (ضلع راولپنڈی) میں پہنچے اور خواجہ محمد قاسم کے ہاتھ پر بیعت کی جو سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگ تھے۔ ان کے صحبت میں رہ کر ریاضتیں اور مجاہدے کئے۔ آخر خرقہ خلافت حاصل کر کے باندرہ (ضلع ہزارہ) میں متوطن ہوئی اور و رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ بعد میں حسن ابدال کے قریب سالک آباد میں آکر رہے۔ قیام پاکستان سے کچھ عرصہ پہلے فوت ہوئے۔ آپ کا مزار سالک آباد میں ہے۔ آپ کے خلفا میں حضرت کابل شاہ کا نام قابل ذکر ہے۔ آپ کے تعلیمات میں سے ایک قول نقل کیا جاتا ہے۔ "لوگو! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو غیر اللہ کو دل سے نکال دو، لوگو اللہ سے صلح کرلو۔ اللہ کو راضی کرو، چند روزہ زندگی کو غنیمت سمجھو۔ اللہ اللہ کرو، اللہ ہو کا ورد، کیا کرو۔ **مخدوم عبدالواحد سیوستانی (سیوحانی):**

آپ کا نسب کا سلسلہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ملتا ہے۔ آپ کے جد امجد نقل مکانی کر کے قریہ "پاٹ" ضلع دادو، سندھ میں آکر متوطن ہو گیا تھا۔ پاٹ میں اس خاندان کا فرد مفتی عبدالواحد کبیر بن محمود سہروردی (وفات ۱۰۷۰ھ - ۱۶۶۰ء) عالم، فاضل اور فقیہ ہو گزرے ہیں، جو مخدوم عبدالواحد صغیر سیوہانی کے دادا تھے۔ ان کے فرزند مخدوم دین محمد "پاٹ" سے سیوھن (سندھ) میں آکر سکونت پذیر ہوئے۔ مخدوم عبدالواحد صغیر ان کے فرزند تھے، جو سیوھن میں تولد ہوئے۔

مخدوم عبدالواحد صغیر بہت بڑے عالم، فاضل اور فقیہ تھے۔ آپ نے تمام عمر فتاوی نویسی، درس و تدریس اور لوگوں کی روحانی اصلاح میں صرف کی۔ آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ

سندھ میں بہت مشہور اور مقبول ہے۔ اور حوالہ کے طور پر آپ کے فتاویٰ کو پیش کیا جاتا ہے۔ طریقت میں آپ خواجہ غلام محمد معصوم ثانی (وفات ۱۱۶۱ھ - ۱۷۴۸ء) کے چھوٹے فرزند خواجہ صفی اللہ سرھندی (ولادت ۱۱۵۶ھ - ۱۷۴۳ء، وفات ۱۲۱۲ھ - ۱۷۹۷ء) کے مرید تھے، جو حدیدہ (یمن) میں مدفون ہیں۔ حضرت صفی اللہ حج کے سلسلہ میں جب سیوھن (سندھ) میں منزل ندا تھے، تو مخدوم عبدالواحد ان کے مرید ہوئے۔ سندھ میں خواجہ صفی اللہ کے اور بھی مرید ہوئے، جن میں سے مندرجہ ذیل کے نام قابل ذکر ہیں۔

"مخدوم ابراہیم ٹھٹوی (مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی کے پوتے) عبدالکریم ٹھٹوی، عبداللہ نصرپوری، قاضی محمد نصرپوری، محمد کاظم شکارپوری، سید ولایت شاہ شکارپوری۔"

مخدوم عبدالواحد سیوھانی سے جن لوگوں نے سلسلہ نقشبندیہ میں روحانی فیض حاصل کیا، ان میں سے یہ نام قابل ذکر ہیں: محمد حسین سیوھانی رئیس محمد حسن کھاوڑ، محمد امین خیرپوری، غلام رسول افغان خاموش، خلیفہ عبدالحکیم سیوھانی، مخدوم محمد عابد انصاری سیوھانی وغیرہ۔ مخدوم صاحب نے ۱۴۔ رمضان ۱۲۲۴ھ (۱۸۰۹ء) میں فوت ہوئے۔ سندھی اور فارسی میں آپ کا شعر ملتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے کچھ کتابیں بھی تصنیف کیں۔ مثلاً:

"(۱) تحریر المسائل علی حسب النوازل (مشہور بہ بیاض واحدی) (۲) حاشیہ اشباہ و النظائر (۳) رش الانوار حاشیہ الدر المختار (۴) کشف الکامن فی علم الباطن (۵) تحدید الغافر فی تعذیب الکافر (۶) تیسیر القدیر فی انجیۃ الفقیر (۷) القول الجلی (۸) رسالہ در کسب و توکل (۹) اربعین فی رشد الطالبین (۱۰) السیر المطلب (۱۱) لطف اللطیف فی اعطاء الرغیب وغیرہ۔

مخدوم محمد ابراہیم مٹی والے: (ولادت ۱۱۶۳ھ - ۱۷۴۹ء، وفات ۱۲۲۵ھ - ۱۸۱۰ء) بھی سندھ کے نقشبندی بزرگ تھے اور حضرت خواجہ صفی اللہ قیوم جہاں کے خلیفہ تھے۔ آپ کے ذریعہ نقشبندی سلسلہ کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ آپ کے خلفاء کے نام یہ ہیں:

میاں عبداللطیف: آپ کے فرزند اور جانشین تھے۔ سندھ کے فارسی شعراء کے تذکرہ "تکملہ مقالات الشعراء" کے مصنف محمد ابراہیم خلیل ٹھٹوی کے نانا تھے۔ مخدوم عبداللہ ٹھٹوی ان کے فیض یافتہ تھے۔ محمد حیات۔ احمد خان نظامانی۔ مولانا محمد امین چھترانی (وفات ۱۲۴۰ھ - ۱۸۲۴ء) قاضی محمد قاسم۔ میاں سلیمان۔ احمد کھتائی۔ محمد فاضل۔ سید نور محمد۔

محمد اسماعیل "وسیین" والے "(مدفون گاؤں "وسیون" نزدیک حیدر آباد' سندھ)

مخدوم محمد یوسف "کھیارین والے" (وفات ۱۲۷۷ھ - ۱۸۶۰ء) سلسلہ نقشبندیہ میں اسماعیل (وسیین والے) سے بیعت تھے۔ مخدوم فضل اللہ پاٹائی (وفات ۱۲۹۰ھ - ۱۸۷۳ء) جو مخدوم عبدالواحد سیوھانی کے بھتیجے کے فرزند تھے' مخدوم محمد یوسف کے مرید اور خلیفہ تھے۔ مخدوم فضل اللہ نے "پاٹ" سے سیوھن میں آکر درس و تدریس کا شغل اختیار کیا تھا۔ ان کے علاوہ قاضی شفیع محمد پاٹائی (وفات ۱۸۹۴ء) بھی مخدوم محمد یوسف کے خلیفہ تھے۔

مخدوم عبدالکریم ٹھٹوی: ٹھٹہ کے بزرگ تھے۔ اور خواجہ صفی اللہ کے خلیفہ تھے۔ ان کے فرزند مخدوم غلام حیدر (وفات ۱۲۶۱ھ - ۱۸۴۵ء) بھی اسی سلسلہ میں داخل تھے۔ اور اپنے والد کے جانشین تھے۔ مخدوم محمد ابراہیم خلیل ٹھٹوی (ولادت ۱۲۴۳ھ - ۱۸۷۰ء) بھی اسی سلسلہ میں داخل تھے۔ اور اپنے والد کے جانشین تھے۔ مخدوم محمد ابراہیم خلیل ٹھٹوی (ولادت ۱۲۴۳ھ - ۱۸۲۷ء' وفات ۱۳۱۷ھ - ۱۹۰۰ء) صاحب "تکملہ مقالات الشعراء" ان کے پوتے تھے۔

عبدالباقی سرہندی: (ولادت ۱۲۰۰ھ - ۱۷۸۵ء- وفات ۱۲۸۷ھ - ۱۸۷۰ء) خواجہ صفی اللہ سرہندی کے فرزند تھے۔ آپ کے ذریعہ نقشبندی سلسلہ کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ مخدوم عبدالکریم ٹھٹوی کے پوتے مخدوم عبدالکریم ثانی نے ان سے روحانی فیض حاصل کیا۔ مخدوم عبدالکریم ثانی مخدوم محمد ابراہیم خلیل ٹھٹوی کے والد تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے بزرگوں نے بھی خواجہ عبدالباقی سے روحانی فیض حاصل کیا۔ مخدوم محمد عاقل نے بھی آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔

خواجہ فضل اللہ مجددی: (ولادت ۱۱۸۴ھ - ۱۷۷۰ء وفات ۱۸۲۳ء) خواجہ صفی اللہ سرہندی کے بھتیجے کے فرزند تھے۔ انہوں نے بھی خواجہ صفی اللہ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ نے اپنی کتاب "عمدۃ المقامات" میں اپنے مرشد خواجہ صفی اللہ کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ یہ کتاب خواجہ فضل اللہ کے پڑپوتے خواجہ حسن جان سرہندی (ولادت ۱۲۷۸ھ - ۱۸۶۱ء- وفات ۱۳۶۵ھ - ۱۹۴۶ء) نے سنہ ۱۳۵۵ھ (۱۹۳۶ء) میں لاہور سے چھپوا کر شائع کی۔

مخدوم عبدالخالق کھہڑوی: آپ کا نسبی تعلق کھہڑا (ضلع خیرپور میرس' سندھ) کے علمی خانوادے سے تھا' جو نسباً" عباسی ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد کا طریقہ قادری تھا' لیکن

مخدوم عبدالخالق بن مخدوم محمد عاقل ثالث نقشبندی سلسلہ میں خواجہ فضل اللہ کے مرید اور خلیفہ ہوئے۔ مخدوم صاحب نے سنہ ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۲ء) میں وفات کی۔

خواجہ عبدالقیوم مجددی: (ولادت ۱۲۲۰ھ - ۱۸۰۵ء' وفات ۱۲۷۱ھ - ۱۸۵۵ء) خواجہ فضل کے فرزند تھے۔ کئی لوگوں نے آپ سے سندھ میں روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ کے خلفاء میں سے مندرجہ ذیل نام ملتے ہیں۔ آپ قندھار میں مدفون ہیں۔

☆ مولانا عبدالواحد بوبکائی (بوبک ضلع دادو سندھ- وفات ۱۲۶۹ھ - ۱۸۵۳ء)

☆ سید میراں محمد شاہ اول ٹکھڑائی (ٹکھڑ ضلع حیدر آباد سندھ' وفات ۱۳۰۹ھ - ۱۸۹۲ء) سندھی زبان کے شاعر اور نثر نویس تھے۔

☆ مولانا عبدالرحمان (سکھر- سندھ' وفات ۲۳ شوال ۱۳۱۴ھ - ۱۸۹۶ء)

☆ آخوند امیر علی سانونی (ہالہ ضلع حیدر آباد سندھ- وفات ۱۲۹۸ھ - ۱۸۸۱ء)

☆ خواجہ عبدالرحمان سرہندی مجددی: خواجہ عبدالقیوم کے فرزند (ولادت ۱۲۲۴ھ - ۱۸۰۹ء- وفات ۱۳۱۵ھ - ۱۸۹۷ء)

☆ عبدالکریم حیدر آبادی ☆ سید حیدر شاہ حیدر آبادی ☆ محمد علی بھٹی ☆ قاضی احمد ☆ حافظ عبدالباقی ☆ میاں عبدالرحیم ٹھٹوی ☆ حافظ محمد تقی ☆ حافظ عبداللطیف بالائی۔

خواجہ عبدالرحمان سرہندی: حضرت خواجہ عبدالقیوم کے فرزند تھے۔ افغانستان کی طویل سیاسی بدحالی' خانہ جنگی اور ہنگامہ آرائی سے دل برداشتہ ہو کر حضرت خواجہ عبدالرحمان اپنے اہل و عیال کے ساتھ حرمین شریفین چلے گئے اور قریباً پانچ سال وہاں قیام کیا۔ اپنے والد کے مرید سید میراں محمد شاہ ٹکھڑائی' (وفات ۱۳۰۹ھ - ۱۸۹۲ء) کی کوشش سے حرمین شریفین سے واپس آکر ٹکھڑ (ضلع حیدر آباد سندھ) میں سکونت پذیر ہو گئے۔ ۲ ذوالقعد ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۸ء) میں ٹکھڑ میں وفات پائی۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزندوں۔ حضرت خواجہ حسن جان اور خواجہ محمد حسین جان سرہندی (وفات ۱۳۶۸ھ - ۱۹۴۹ء) نے سلسلہ نقشبندیہ کو سندھ میں بڑا فروغ دیا۔ کئی علماء کرام اور بزرگان دین اس خاندان کے سلسلہ طریقت سے وابستہ تھے۔

حضرت خواجہ حسن جان بڑے عالم اور فاضل اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ بعد میں یہ خاندان ٹکھڑ سے ٹنڈو سائینداد (ضلع حیدر آباد) میں منتقل ہو گیا۔

خواجہ عبدالرحیم جان مجددی: حضرت آقا کے نام سے مشہور تھے۔ حضرت خواجہ فضل اللہ مجددی (وفات ۱۲۵۶ھ۔ ۱۸۴۰ء) کے فرزند تھے' جو خواجہ فضل اللہ (ولادت ۱۱۸۴ھ۔ ۱۷۷۰ء' وفات ۱۲۳۸ھ۔ ۱۸۲۳ء) کے چھوٹے بھائی تھے۔ افغانستان کے حاکم دوست محمد خان کے زوال کے بعد جب امیر عبدالرحمان حاکم افغانستان ہوئے' تو خواجہ عبدالرحیم صاحب ہجرت کرکے سندھ میں آئے اور ٹمیاری سادات کی استدعا پر ٹمیاری (ضلع حیدر آباد) میں اقامت پذیر ہوئے۔ کئی لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت ہو کر سلسلہ نقشبندیہ میں داخل ہوئے۔ ۲۴ جمادی الاول ۱۳۱۴ھ۔ (۱۸۹۶ء) میں فوت ہوئے۔ آپ کے فرزند آغا عبدالحکیم سرہندی (وفات ۱۰ محرم ۱۳۳۱ھ۔ ۱۹۱۳ء) آپ کے سجادہ نشین ہوئے۔

خواجہ نظام الدین اور فدا محی الدین سرہندی: دونوں بھائی تھے اور غلام محی الدین سرہندی کے فرزند تھے جو حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد میں سے تھے۔ دونوں بھائیوں نے روحانی فیض اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا۔ خواجہ غلام صادق (ولادت ۱۱۴۴ھ۔ ۱۷۳۱ء' وفات ۱۲۰۷ھ۔ ۱۷۹۳ء) سے بھی مستفیض ہوئے جو پشاور میں مدفون ہیں۔ حضرت خواجہ محمد صادق' حضرت خواجہ غلام محمد معصوم ثانی سے بیعت تھے۔

حضرت خواجہ نظام الدین کی ولادت پشاور میں سنہ ۱۲۰۴ھ (۱۷۹۰ء) میں ہوئی۔ خواجہ غلام محی الدین اپنے دونوں فرزندوں (خواجہ نظام الدین اور فدا محی الدین) کے ساتھ پہلی مرتبہ سنہ ۱۲۰۵ھ (۱۷۹۱ء) میں شکار پور (سندھ) میں آئے۔ اس وقت شکارپور کے گورنر نواب مولا داد خان افغان تھے جو آپ کے معتقد تھے اور حرمین شریفین کے سفر میں آپ کے ہمرکاب رہے تھے۔ جلد ہی خواجہ غلام محی الدین صاحب واپس پشاور چلے گئے۔ جب پشاور پر سکھوں کا غلبہ ہُوا تو سنہ ۱۲۲۱ھ (۱۸۰۶ء) میں خواجہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ پھر سندھ میں آئے اور سکونت پذیر ہوئے۔ سندھ کے تالپور حکمرانوں نے آپ کی بڑی عزت کی اور کئی ہزار ایکڑ زمین جاگیر کے طور پر دی۔ خواجہ غلام محی الدین سنہ ۱۲۴۴ھ میں حیدر آباد (سندھ) میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہیں۔ جاگیر چونکہ شکارپور کے طرف تھی' اس لئے خواجہ صاحب کی دونوں فرزند شکارپور چلے آئے۔ فدا محی الدین نے جاگیر میں گاؤں آباد کرکے اس میں رہنے لگے اور اس کا نام "پیرگوٹھ" رکھا۔ خواجہ نظام الدین شکارپور میں رہنے لگے۔ "پیرگوٹھ" شکارپور شہر سے پانچ میل کے فاصلہ پر ہے۔ خواجہ فدا محی الدین

نے اس گاؤں میں ایک شاندار مسجد تعمیر کروائی' جو اب زبوں حالت میں ہے۔ اس علاقہ کے کئی لوگ آپ کے مرید ہوئے۔ آپ کا مقبرہ بھی اسی گاؤں میں ہے۔ حضرت سید احمد شہید (۱۲۰۱ھ۔ ۱۷۸۶ء' ۱۲۴۶ھ۔ ۱۸۳۱ء) جہاد پر جاتے ہوئے سندھ سے گزرے تو حضرت پیرپاگارہ پیر صبغت اللہ شاہ راشدی (متوفی ۱۲۴۶ھ۔ ۱۸۳۱ء) سے ان کے گاؤں پیر گوٹھ (ضلع خیر پور میرس) میں ملے۔ حضرت پیرپاگارہ نے جہاد کے سلسلہ میں آپ کی عملی مدد کی۔ حضرت سید احمد وہاں سے ہو کر سندھ دریاء پار کرکے شکارپور کے طرف بڑھے راستہ میں خواجہ فدا محی الدین کا گاؤں "پیرگوٹھ" آتا تھا۔ وہاں فدا محی الدین نے سید صاحب کا استقبال کیا اور رہنے کا انتظام کیا۔ سید صاحب کچھ دن شکارپور میں رہ کر آگئے بڑھے۔ خواجہ نظام الدین کے نام سید صاحب کا ایک خط بھی ملتا ہے۔

خواجہ فدا محی الدین نے سنہ ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۶ء) میں وفات کی اور حضرت خواجہ نظام الدین کی وفات رجب ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۷ء) میں ہوئی۔ شکارپور اور اس کے گرد و نواح کے کئی لوگوں نے حضرت خواجہ نظام الدین سے روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ کا مزار شکار پور میں ہے۔ فارسی زبان کے شاعر اور اہل قلم تھے۔ آپ کے مندرجہ ذیل چار تصانیف کے نام ملے ہیں۔

(۱) اسرار رموز نقشبندیہ (۲) مخمس کریما (۳) قلمی بیاض (۴) معدن الانوار۔

آپ سے جن لوگوں نے روحانی فیض حاصل کیا۔ ان میں سے مندرجہ ذیل لوگوں کے نام قابل ذکر ہیں:

مخدوم محمد صالح وزیر آبادی: شکار پور سے آٹھ میل کے فاصلہ پر گاؤں وزیر آباد (ضلع شکارپور سندھ) کے رہنے والے تھے۔ فارسی زبان کے باکمال شاعر تھے۔ آپ کی وفات ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ء) میں ہوئی۔ آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے مرشد سے بڑی محبت تھی۔ آپ نے مکمل نعتیہ دیوان۔ معجزات (نظم میں) اور خواجہ نظام الدین کی وفات پر قطعات کا دیوان یادگار چھوڑے ہیں۔

خواجہ امام الدین: (وفات ۱۲۹۴ھ۔ ۱۸۷۷ء) ☆ خواجہ رفیع الدین (وفات ۱۳۲۶ھ۔ ۱۹۰۸ء) ☆ خواجہ فضل قیوم ☆ خواجہ غیاث الدین ☆ خواجہ نصیر الدین ☆ محمد طالب

بکھری ☆ خواجہ امیر حیدر سرہندی (وفات ۱۲۸۵ھ۔ ۱۸۶۸ء) جو سرہندی بزرگ تھے۔ آپ نے بھی شکارپور کے علاقہ میں نقشبندی سلسلہ کو فروغ دیا۔ آپ کا مزار بھی پیرگوٹھ (ضلع شکارپور) میں ہے۔

ماضی قریب کے چند نقشبندی بزرگ

خواجہ نور محمد تیراہی المشہور بہ حضرت بابا جیو: سنہ ۱۱۷۹ھ (۱۷۶۵ء) میں علاقہ تیراہ کے گاؤں تیزی (صوبہ سرحد) میں تولد ہوئے۔ سلسلہ نقشبندیہ میں اپنے والد بزرگوار حضرت خواجہ بابا فیض اللہ سے فیض حاصل کیا اور ان کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ بے شمار لوگ آپ کے مرید اور معتقد تھے۔ افغانستان کے فقیر اللہ نور اور محبت نور بھی آپ کے دست حق پرست پر بیعت کرکے اپنے وطن چلے گئے۔ اور وہاں انہوں نے اس سلسلہ کو پھیلایا۔ کئی لوگ وہاں ان کے فیض سے مستفیض ہوئے۔ آپ اسی سال علاقہ "تیراہ" گاؤں "تیزی" میں مقیم رہے۔

علاقہ "تیراہ" کے ایک گاؤں میں ایک شخص ولی جان آپ کا مخالف ہوگیا اور لوگوں کو ورغلانے لگا۔ کئی لوگوں کو آپ کے خلاف مشتعل کر دیا۔ نہ صرف یہ بلکہ آپ کے وہ عقیدت مند جو پنجاب اور ہندوستان سے آتے تھے ان کو راستہ میں لوٹنے لگا۔ آخر حضرت بابا جیو کو اپنے متوسلین کی تکلیف گوارہ نہ ہوئی اور تیزی سے نقل مکانی کرکے موضع "ڈراؤ" میں آکر رہنے لگے۔ سنہ ۱۲۸۴ھ (۱۸۶۷ء) میں موضع "ڈراؤر" سے موضع "چورہ"۔ جو اٹک کی مضافات میں ہے، آگئے اور وہاں ایک سال چھ ماہ قیام کرنے کے بعد وفات پائی۔ یعنی ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۹ء) میں فوت ہوئے۔

خواجہ عبدالکریم: رجب ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۸ء) میں راولپنڈی میں تولد ہوئے۔ آپ کے جد اعلیٰ حضرت غلام مصطفیٰ خاں ایک مشہور بزرگ تھے، جن کا سلسلہ نسب شاہ بابر سے ملتا ہے۔ دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد پچیس سال کی عمر میں طریقت کی تعلیم کی طرف طبیعت مائل ہوئی اور سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت باوا جی سے بیعت ہوئے۔ جلد ہی روحانی منازل طے کرکے خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے۔ کئی لوگوں نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔

حضرت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری: سنہ ۱۸۳۳ء میں سیالکوٹ علی پور سیداں میں تولد ہوئے۔ آپ کے آباؤ اجداد اکبر بادشاہ کے زمانہ میں شیراز سے یہاں آئے اور علی پور سیداں کو آباد کیا۔ دینی تعلیم مولانا عبدالرشید، حافظ عبدالوہاب، عبداللہ ٹونکی اور مولانا غلام قادر بھیروی سے حاصل کی۔ کانپور، بدایوں گنج مراد آباد اور بریلی کے درسگاہوں میں کافی عرصہ تک حدیث کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ترکی حکومت کے زمانہ میں مکہ معظمہ میں محدثوں سے آپ نے سند حدیث حاصل کی۔ آپ کے والد بزرگوار نے آپ کو سلسلہ قادریہ میں بیعت کیا۔ اس کے بعد بابا فقیر محمد چوراہی سے فیض حاصل کیا اور سلسلہ نقشبندیہ میں داخل ہوئے۔ اور خرقہ حاصل کیا۔ اس کے بعد لوگوں کو طریقت کی تعلیم دینے لگے اور آخری وقت تک اس میں مشغول رہے۔

آپ نے اپنی پوری زندگی اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لئے وقف کر دی تھی۔ تبلیغ اسلام اور رشد و ہدایت کے سلسلہ میں پاک و ہند کے دور دراز شہروں اور قصبوں میں جاتے تھے۔ وہاں مسلمانوں کو دینی مسائل بتاتے تھے اور ایمان پر قائم رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ جہاں بھی جاتے تھے وہاں اپنے قیام کے دوران ہر روز لوگوں کو وعظ کرتے تھے۔ تبلیغ دین کی وجہ سے اکثر سفر میں رہتے تھے اور بہت کم اپنے وطن میں قیام کرتے تھے۔ لاکھوں لوگ آپ کی تبلیغ اور تلقین کی وجہ سے راہ راست پر آئے۔ اور شریعت کی پابند ہونے لگے۔ ۱۸۹۳ء میں پہلا حج کیا اس کے بعد ہر سال کثیر جماعت کے ساتھ حج ادا کرنے جاتے تھے۔

آپ نے دینی اور ملی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ کئی مسجدیں تعمیر کروائیں اور کئی شہروں میں مدرسے قائم کروائے۔ ۱۹۱۰ء میں سلطان عبدالمجید کی تجویز پر حجاز ریلیف فنڈ کے لئے چھ لاکھ روپیہ اپنے متوسلین سے جمع کروا کے بھیجے۔ علی گڑھ یونیورسٹی کے سلسلہ نواب وقار الملک نے آپ کو یقین دلایا کہ یونیورسٹی میں انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی رائج ہوگی اور یونیورسٹی کی مساجد میں پنج وقتہ نمازوں کی حاضری طلبہ کے لئے لازمی ہوگی۔ اس یقین دہانی کے بعد آپ نے اپنے حلقہ ارادت میں سے کئی لاکھ روپیہ جمع کروا کر علی گڑھ یونیورسٹی کو بھیجے۔

۱۹۲۳ء میں آریہ لیڈر شردھانند نے شدھی تحریک شروع کی۔ حضرت شاہ صاحب نے

اس کا سخت مقابلہ کیا۔ اپنے خرچ پر علماء کرام اور مبلغ حضرات کو تبلیغ کے لئے مختلف مقامات پر بھیجا۔ اس لئے کہ سادہ دل مسلمان "شدھی" کی سازش کا شکار نہ ہو جائیں۔ سنہ ۱۹۱۴ء میں آپ نے ہجرت تحریک اور ترک موالات کی مخالفت کی اور مسلمانوں کو سمجھایا کہ ہجرت نہ کریں۔ کیوں کہ وطن آپ کا جدی ورثہ ہے۔

آپ نے ۱۹۲۰ء میں شاردھا ایکٹ کی بھی عملی مخالفت کی۔ مسجد شہید گنج میں آپ نے حصہ لیا۔ سنہ ۱۹۳۵ء میں راولپنڈی کے جلسہ عام میں آپ کو "امیر ملت" کا خطاب دیا گیا۔ سنہ ۱۹۴۶ء میں بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس ہوئی۔ اس میں آپ نے شرکت کی اور علماء اہلسنت نے تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے کا اعلان کیا۔ اسی سال انتخاب ہوئے اور آپ نے مسلم لیگ کو کامیاب بنانے کا اعلان کیا۔ آپ نے مسلم لیگ کو کامیاب بنانے کے لئے سخت جدوجہد کی۔ آپ نے قادیانیت کی بھی سخت مخالفت کی۔ غلام احمد قادیانی کی موت کے سلسلہ میں آپ نے جو پیشنگوئی کی تھی وہ حرف بہ حرف صحیح ہوئی۔ پاکستان بنانے کے بعد ایک سو اٹھارہ سال کی عمر میں حضرت شاہ صاحب نے ۱۹۵۱ء میں وصال فرمایا۔

خواجہ محمد عمر جان چشموی: "چشمہ" نزدیک کوئٹہ کے رہنے والے تھے۔ سندھ اور بلوچستان کے بیشمار لوگوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ کا سلسلہ طریقت حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے مرید حضرت شاہ غلام علیؒ سے اس طرح ملتا ہے:

حضرت شاہ غلام علی

حضرت مولانا عیسیٰ قندھاری

حضرت مولانا روح اللہ (وفات ۱۲۹۴ھ۔ ۱۸۷۷ء) مدفن "گانگل زئی" نزد پشین (کوئٹہ)

حضرت خواجہ فیض الحق چشوی (ولادت ۱۲۵۵ھ۔ ۱۸۳۹ء، وفات ۲۸ رمضان ۱۳۱۸ھ۔ ۱۹۰۰ء)

مدفن "چشمہ اچوزئی" نزد کوئٹہ

حضرت خواجہ عمر جان چشموی

حضرت خواجہ عمر جان کی ولادت صفر ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ء) میں ہوئی۔ روحانی فیض اپنے والد بزرگوار حضرت خواجہ فیض اللہ سے حاصل کیا۔ ا۔ ذوالحج ۱۳۶۰ھ (۱۹۰۱ء) میں شکارپور (سندھ) میں فوت ہوئے۔ کیوں کہ آپ موسم سرما کے چھ ماہ شکار پور میں رہتے تھے۔ آپ

نے قریباً چالیس حضرات کو خرقہ خلافت سے نوازا۔ کئی لوگ آپ کے مرید تھے۔ علماء کرام بھی آپ کے مرید تھے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند حضرت مولانا عبدالحی چشموی (ولادت ۱۹۰۱ء، وفات ۱۹۶۸ء) آپ کے سجادہ نشین ہوئے۔ اب ان کے فرزند آغا فخرالدین جان سجادہ نشین ہیں۔

سید صبغت اللہ المعروف بہ آقا پیر ایرانی: (وفات ۱۹۸۶ء) "مرنزہ" سے سندھ میں آئے۔ کئی لوگوں کو سندھ میں روحانی فیض سے مستفیض کیا اور سلسلہ نقشبندیہ کو فروغ دیا۔ حیدر آباد (سندھ) میں قیام پذیر ہوئے۔ وفات کے بعد آپ کو آپ کی وصیت کے مطابق شادی شہید (ضلع خیرپور میرس) کے قریب آپ کے قائم کردہ مدرسہ میں دفن کیا گیا۔

سید زوار حسین شاہ: آپ کا سلسلہ طریقت حاجی دوست محمد قندھاری کے ذریعہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی سے ملتا ہے۔ حاجی دوست محمد قندھاری (وفات ۲۷ شوال ۱۲۸۴ھ۔ ۱۸۶۷ء مدفن موسیٰ زئی ڈیرہ اسماعیل خان) شاہ احمد سعید مجددی (وفات شوال ۱۲۵۰ھ۔ ۱۸۳۴ء) کے مرید تھے۔ سید زوار حسین شاہ کا سلسلہ طریقت:

شاہ غلام علی دہلوی

شاہ ابوسعید مجددی

شاہ احمد سعید

حاجی دوست محمد قندھاری

محمد عثمان دامانی (ولادت ۱۲۴۴ھ = ۱۸۲۸ء، وفات ۲۲ شعبان ۱۳۱۴ھ = ۱۸۹۷ء)

مولانا سراج الدین دامانی (ولادت ۱۲۹۷ھ = ۱۸۷۹ء، وفات ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ = ۱۹۱۴ء)

محمد فضل علی شاہ (ولادت ۱۲۷۰ھ۔ ۱۸۵۴ء، وفات رمضان ۱۳۵۴ھ۔ ۱۹۳۵ء۔ مدفن "مسکین پور" تحصیل علی پور (ضلع مظفر گڑھ)۔ ان کے دو مشہور خلیفہ ہوئے:

(۱) عبدالغفار غفاری (مدفن لاڑکانہ)

(۲) محمد سعید قریشی (ولادت ۱۳۱۷ھ۔ ۱۸۹۹ء، وفات ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ۔ ۱۹۴۴ء مدفن پانی پت) ان کے مرید: زوار حسین شاہ (ولادت ۱۳۲۹ھ۔ ۱۹۱۱ء، وفات ۱۴۰۰ھ۔ ۱۹۸۰ء)

سید زوار حسین شاہ صاحب، قیام پاکستان کے بعد کراچی میں آکر متوطن ہوئے اور وفات کے بعد کراچی میں ہی مدفون ہوئے۔ آپ نے اردو میں سلسلہ نقشبندیہ اور تصوف پر

کتابیں لکھیں اور شائع کروائیں۔ آپ کے خلفاء میں سے صوفی محمد احمد (وفات ۱۹۷۵ء مدفن کراچی) ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان (ولادت ۱۹۲۳ء) سابق صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی، قابل ذکر ہیں۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان اردو کے بلند پایہ ادیب اور محقق ہیں۔ آپ نے اردو ادب میں تصوف اور سلسلہ نقشبندیہ پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔

حضرت عبدالغفار غفاری: المعروف بہ "پیر مٹھاسائیں"۔ یار محمد صاحب کے فرزند اور قوم کے "پنہز" تھے۔ "لنگر پور" (تحصیل جلال پور پیر والا۔ بہاولپور) میں تولد ہوئے۔ نقشبندی سلسلہ میں محمد فضل علی شاہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ تبلیغ کے لحاظ سے نقل مکانی کرکے سندھ میں آئے۔ پہلے رادھن اسٹیشن کے نزدیک گاؤں دین پور (ضلع دادو۔ سندھ) میں آرہے۔ اس کے بعد لاڑکانہ میں آکر سکونت پذیر ہوئے۔ کئی لوگوں کو مستفیض کیا۔ ۸ شعبان ۱۳۸۴ھ۔ (دسمبر ۱۹۶۴ء) کو فوت ہوے اور لاڑکانہ کے محلّہ رحمت پور میں اپنی خانقاہ میں مدفون ہوئے۔ آپ کے ۱۳۳ خلفاء ہوئے۔ خاص طور پر خواجہ اللہ بخش کنڈیارو، (وفات ۲ ربیع الاول ۱۴۰۵ھ۔ ۱۹۸۵ء) اور حضرت میاں سبحان بخش قریشی (سجاد ہنشین درگاہ بیدل روہڑی) کے نام قابل ذکر ہیں۔

مولانا منظور حسین: حضرت مولانا محمد مجتبیٰ رامپوری (وفات ۱۹۳۵ء مدفن خیرپور میرس) کے مرید اور خلیفہ تھے، جو نقشبندیہ سلسلہ کے بزرگ تھے اور رامپور سے خیرپور میرس آکر رہے تھے۔ حضرت مولانا منظور حسین ناز ہائی اسکول "خیرپور" میں استاد تھے۔ آپ کی صحبت سے متاثر ہوکر آپ کے مرید اور خلیفہ ہوئے۔ حضرت مولانا منظور حسین صاحب بعد میں مدینہ منورہ میں جاکر قیام پذیر ہوئے۔ آخر میں خیرپور میرس میں بھی خانقاہ تعمیر کروائی اور کچھ عرصہ اس خانقاہ میں بھی رہتے تھے۔ ذکر اذکار اور دین کی تبلیغ میں مصروف رہے۔ پاکستان، ترکستان، ہندوستان اور امریکہ اور دنیا کے کئی ممالک کے لوگوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔

بزرگ رامپوری سے حضرت مولانا منظور حسین صاحب کے علاوہ. میہڑ ضلع دادو کی مشہور شخصیت سید اکبر علی شاہ نے بھی روحانی فیض حاصل کیا۔

اختتامیہ

سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگوں کے تعلیمات اور خدمات کا جائزہ

(۱) اس سلسلہ کے بزرگوں نے شریعت کی سختی سے پابندی کی اور لوگوں کو شریعت کا پابند بنانے کے لئے سخت جدوجہد کی۔

(۲) یہ بزرگ خود بھی دینی تعلیم کے ماہر تھے اور لوگوں کو بھی دینی تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ ان کے خانقاہوں میں بھی دینی تعلیم کا انتظام تھا۔ وہ خود بھی لوگوں کو روحانی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی دیتے تھے۔

(۳) انہوں نے جب بھی خلاف شریعت عمل دیکھا تو اس کو ختم کرنے کے لئے عملی جہاد کیا۔

(۴) وہ اپنی روحانی اصلاح پر توجہ دینے کے ساتھ لوگوں کی روحانی اخلاقی اور معاشرتی اصلاح کے لئے بھی جدوجہد کرتے رہتے تھے۔

(۵) وہ حجروں میں بیٹھ ذکر کی تلقین کرنے کے ساتھ معاشرے اور حکومت کی کارگزاریوں کا جائزہ لیتے رہتے تھے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے حکمرانوں اور امیروں کے ساتھ تعلقات پیدا کئے اور ان سے دین کی خدمت اور معاشرہ کی اصلاح کا کام لیا۔

(۶) انہوں نے حکمرانوں کو ان کے سامنے بڑی جرات کے ساتھ سچ اور حق بات کہہ دی اور ان کے خلاف شریعت باتوں کی مذمت کی۔

(۷) انہوں نے عام لوگوں کے ساتھ محبت کرنے کا عملی درس دیا اور ہروقت خدمت خلق کے لئے کوشاں رہے۔

(۸) ان بزرگوں نے تبلیغ اسلام اور مسلمانوں کے دینی اور دنیوی اصلاح کے سلسلہ میں اہم خدمات انجام دیں۔

(۹) انہوں نے سمجھایا کہ صرف زبان سے کلمہ شہادت پڑھنا کافی نہیں ہے، بلکہ دین کی تمام ضروریات کو سچا ماننے اور کفر اور کفار کے ساتھ بیزاری رکھنے سے آدمی مسلمان ہوتا ہے۔

(۱۰) انہوں نے نبی کریم صلی اللہ سے محبت کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے کی تلقین کی ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا ہے:

"مجھے اللہ تبارک تعالیٰ کے ساتھ اس لئے محبت ہے کہ وہ محمد مصطفیٰ صلی علیہ و آلہ وسلم کا رب ہے"

(۱۱) انہوں نے واضح کیا ہے کہ شریعت اور طریقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی کا قول ہے:

"طریقت اور شریعت ایک دوسرے کا عین ہیں۔ ان کے درمیان بال برابر بھی مخالفت نہیں۔ فرق صرف اجمال اور تفصیل اور استدلال کا ہے۔ جو چیز بھی شریعت کے خلاف ہے مردود ہے"

(۱۲) ان بزرگوں نے ذکر کا باقاعدہ نظام ترتیب دیا اور ذکر خفی کی تلقین کی۔

(۱۳) ان بزرگوں نے مریدوں کی روحانی اصلاح پر پوری توجہ دی اور ان کو سلوک کی مختلف منازل طے کرانے میں ان کی رہنمائی اور نگرانی کی۔

(۱۴) ان بزرگوں نے سماع کی وضاحت کی اور سماع کے ایک قسم کو سماع مباح بھی کہا ہے۔ لیکن سماع سے دور رہے اور مریدوں کو بھی سماع سے دور رہنے کی ہدایت کی۔

(۱۵) ان بزرگوں نے نظریہ وحدت الوجود کے مقابلہ میں نظریہ وحدت الشہود پیش کیا۔

مندرجہ بالا نکات کی وضاحت ان بزرگوں کے تعلیمات' کردار اور عملی سرگرمیوں سے ظاہر ہے' جن کی تفصیل اندر موجود ہے۔

ماخذ

۱۔ شاہ فقیر اللہ علوی شکارپوری: قطب الارشاد' کوئٹہ ۱۳۹۷ ہجری (۱۹۷۷ء) (عربی)

۲۔ عبدالحی حسنی: نزہتہ الخواطر ۸ جلد حیدر آباد دکن' دائرۃ المعارف عثمانیہ ۱۹۶۲۔ ۱۹۷۰ء (عربی)

۳۔ مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی تین جلد' مصحح: نور احمد امرتسری' کراچی ۱۳۹۲ ہجری (۱۹۷۳ء) اردو ترجمہ' کراچی ۱۹۷۱ء۔

۴۔ مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی' تلخیص و اردو ترجمہ: مولانا نسیم احمد فریدی امروہی مکتبہ سراجیہ' خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی' ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان ۱۹۶۰ء

۵۔ رسائل مشاہیر نقشبندیہ' مرتبہ: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان حیدر آباد سندھ (فارسی)

۶۔ مکتوبات جامع حضرت حاجی دوست محمد قندھاری' مرتبہ: غلام مصطفیٰ خان کراچی۔ ۱۳۷۳

ہجری (۱۹۵۴ء) (تحفہ زواریہ) (فارسی)

۷۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی: ارشاد الطالبین دہلی مجتبائی پریس ۱۹۱۵ء (فارسی)

۸۔ رحمٰن علی: تذکرہ علمای ہند لکھنؤ ۱۹۱۴ء (فارسی)

۹۔ غلام مصطفیٰ خان: لوائح خانقاہ مظہریہ (مجموعہ مکاتب حضرت مظہر) حیدر آباد سندھ۔ ۱۹۷۵ء (فارسی)

۱۰۔ غلام محی الدین قصوری: ملفوظات شریفہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی' مرتبہ محمد اقبال مجددی' ترجمہ اقبال احمد فاروقی' لاہور (۱۹۷۸ء)

۱۱۔ فرید بکھری: ذخیرہ الخوانین مرتبہ: ڈاکٹر معین الحق' پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی۔ کراچی' ۱۹۶۸ء۔ ۱۹۷۰ء (فارسی)

۱۲۔ فضل اللہ مجددی قندھاری: عمدۃ المقامات (حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ) ٹنڈو سائنداد (حیدر آباد سندھ) ۱۳۵۵ ہجری (۱۹۳۶ء) فارسی

۱۳۔ میر علی شیر قانع ٹھٹوی: مقالات الشعراء (فارسی شعراء کا تذکرہ) مرتبہ پیر حسام الدین راشدی سندھی ادبی بورڈ کراچی۔ حیدر آباد ۱۹۵۷ء۔ فارسی

۱۴۔ تکملہ مقالات الشعراء: محمد ابراہیم خلیل ٹھٹوی مرتبہ: پیر حسام الدین راشدی' سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد۔ کراچی (فارسی) ۱۹۵۸ء

۱۵۔ میر علی شیر قانع ٹھٹوی: تحفتہ الکرام' اردو ترجمہ: اختر رضوی' سندھی ادبی بورڈ ۱۹۵۹ء

۱۶۔ محمد حسن جان سرہندی: انساب الانجاب (انساب اولاد حضرت مجدد) ٹنڈو سائنداد (حیدر آباد سندھ) ۱۳۴۰ ہجری (۱۹۲۲ء) فارسی

۱۷۔ عبدالاحد وحدت: گلشن وحدت (مکتوبات حضرت وحدت) جامع: شیخ محمد مرادتنگ کشمیری' مرتبہ۔ عبداللہ جان فاروقی کراچی ۱۹۲۶ء فارسی۔

۱۸۔ مقامات مظہری (احوال و ملفوظات و مکتوبات حضرت مرزا مظہر جان جاناں) تالیف: شاہ غلام علی' تحقیق و اردو ترجمہ۔ محمد اقبال مجددی' اردو سائنس بورڈ لاہور ۱۹۸۳ء اردو

۱۹۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار' اردو ترجمہ۔ محمد لطیف ملک' شعاع ادب لاہور ۱۹۹۲ء

۲۰۔ محمد غوثی شطاری ماندوی :گلزار ابرار' اردو ترجمہ' فضل احمد جیوری' اسلامک فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۷۶ء اردو

۲۱۔ مفتی غلام سرور لاہوری: حدیقۃ الاولیاء' تحقیق و تعلیق محمد اقبال مجددی۔ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور' ۱۹۷۶ء اردو

۲۲۔ محمد ابراہیم قصوری: خزینہ معرفت' لاہور ۱۹۸۳ء اردو

۲۳۔ مولانا عبدالعزیز: سفینۃ العارفین۔ کراچی ۱۹۸۳ء اردو

۲۴۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی: حضرت مجدد کا نظریہ توحید' لاہور ۱۹۶۷ء اردو

۲۵۔ نور بخش توکلی: تذکرہ مشائخ نقشبندیہ' لاہور ۱۹۷۶ء اردو

۲۶۔ سید زوار حسین شاہ: حضرت مجدد الف ثانی' ادارہ مجددیہ کراچی ۱۹۷۵ء اردو

۲۷۔ شاہ ولی اللہ دہلوی: ہمعات اردو ترجمہ لاہور ۱۹۵۷ء

۲۸۔ سید زوار حسین شاہ: عمدۃ السلوک' ادارہ مجددیہ کراچی ۱۹۷۳ء' اردو

۲۹۔ سید زوار حسین شاہ: انوار معصومیہ (سوانح حیات حضرت خواجہ محمد معصوم) ادارہ مجددیہ کراچی ۱۹۸۲ء اردو

۳۰۔ محمد اعلیٰ قریشی۔ مقامات زواریہ (سوانح حیات سید زوار حسین شاہ) ادارہ مجددیہ کراچی ۱۹۸۲ء اردو

۳۱۔ مخدوم ابوالحسن ڈاہری نقشبندی۔ کچکول نامہ' تحقیق و تحشیہ : علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی' شاہ ولی اللہ اکادمی حیدر آباد سندھ ۱۹۵۸ء فارسی

۳۲۔ سید رفیق علی شاہ: لطیفت التحقیق (تذکرہ آباؤ اجداد خواجہ محمد زمان لواری) فارسی سندھی ترجمہ: محمد حسن مکانی ٹنڈو جان محمد (سندھ)

۳۳۔ اعجاز الحق قدوسی۔ تذکرہ صوفیائے سندھ' اردو اکیڈمی سندھ کراچی ۱۹۵۹ء اردو

۳۴۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی۔ تاریخ دعوت و عزیمت' جلد چہارم کراچی ۱۹۸۰ء اردو

۳۵۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی۔ السیف المسلول اردو ترجمہ محمد رفیق اثری' ملتان ۱۹۷۹ء

۳۶۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان۔ حضرت مجدد الف ثانی۔ ایک تحقیقی جائزہ' حیدر آباد سندھ ۱۹۶۵ء اردو

۳۷۔ اولیائے نقشبند نمبر' رسالہ نور اسلام شرقپور' ۱۹۷۹ء اردو

۳۸۔ سید عبداللہ حسینی۔ رسالہ مزارات ہرات تصحیح و حواشی فکری سلجوقی' کابل ۱۹۶۷ء

۳۹۔ ڈاکٹر جمیل جالبی۔ تاریخ ادب اردو جلد اول ۱۹۷۵ء مجلس ترقی ادب لاہور۔ اردو' جلد دوم

۴۰۔ مولانا دین محمد وفائی۔ تذکرہ مشاہیر سندھ' جلد اول ۱۹۷۴ء جلد دوم ۱۹۸۵ء' جلد سوم ۱۹۸۶ء سندھی

۴۱۔ ڈاکٹر ہو تچند۔ مولچند گربخشانی۔ لواری جالال (تذکرہ بزرگان لواری) سندھی' ۱۹۷۳

۴۲۔ ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ : ابیات سندھی۔ کراچی ۱۹۳۹ء سندھی۔

۴۳۔ نیاز ہمایونی۔ ملوک الکلام (فارسی ترجمہ ابیات سندھی' خواجہ محمد زمان لواری) حیدر آباد (سندھ) ۱۹۷۷ء فارسی

۴۴۔ علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی۔ الرحیم تیرھویں صدی ہجری کے مشاہیر سندھ نمبر' شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد (سندھ) ۱۹۶۷ء سندھی

۴۵۔ ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی۔ شکارپور۔ ماضی وحال (ترتیب) شکار پور' ۱۹۸۴ء سندھی

۴۶۔ سید امین الدین۔ صوفیائے نقشبند لاہور ۱۹۷۳ء اردو

۴۷۔ نظر علی بلوچ۔ مرغوب الاحباب (فارسی) تالیف ۱۲۷۳ ہجری (۱۸۵۶ء) قلمی نسخہ

۴۸۔ میر بلوش خان ٹالپور۔ فردوس العارفین' تالیف ۱۲۰۱ ہجری (۱۷۸۷ء) قلمی نسخہ فارسی

۴۹۔ خواجہ محمد احسان۔ روضۃ القیومیہ' اردو ترجمہ لاہور

۵۰۔ ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ۔ کلام گرھوڑی' سندھی

۵۱۔ سہ ماہی "مہران" (سندھی) سوانح نمبر' سندھی ادبی بورڈ سال ۱۹۵۷ء

۵۲۔ خواجہ محمد حسن مجددی۔ انساب الانجاب' لاہور' ۱۳۴۰ ہجری(۱۹۲۱ء)

۵۳۔ عبداللہ جان شاہ آغا۔ مونس المخلصین' کراچی ۱۳۶۶ ہجری (۱۹۴۷ء)

۵۴۔ عطا محمد شکارپوری۔ تاریخ تازہ نوائے معارک' سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد' کراچی۔فارسی

۵۵۔ عبداللہ درخانی نقشبندی۔ مختصر سوانح حضرت نقشبندیہ مجددیہ' مقدمہ حضرت چشموی' ترجمہ مولوی عبدالشکور۔

۵۶۔ سید محمد میاں۔ علماء ہند کا شاندار ماضی' جلد اول لاہور ۱۹۷۷ء اردو

۵۷۔ شیخ محمد اعظم ٹھٹوی۔ تحفۃ الطاہرین تحشیہ بدر عالم درانی سندھی بورڈ کراچی ۱۹۵۶ء، فارسی

۵۸۔ سید عبدالقادر۔ حدیقۃ الاولیاء تحشیہ۔ پیر حسام الدین راشدی' سندھی ادبی بورڈ' ۱۹۶۷ء فارسی

۵۹۔ پیر حسام الدین راشدی۔ حواشی مکلی نامہ' سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد ۱۹۶۷ء سندھی۔ فارسی

۶۰۔ مولانا نظر محمد سومرو۔ انوار الاحمدیہ' جلد دوم' کراچی ۱۹۷۳ء (سندھی)

۶۱۔ ڈاکٹر رام بابو سکسینہ۔ تاریخ ادب اردو' اردو ترجمہ۔ مرزا محمد عسکری' علمی کتاب خانہ لاہور ۱۹۸۱ء

۶۲۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند' جلد ۱۳ مدیر: فیاض محمود' پنجاب یونیورسٹی لاہور' ۱۹۷۱ء

۶۳۔ شاعر انسانیت۔ رحمان بابا۔ میر عبدالصمد خان پشاور ۱۹۸۴ء' پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۷۱ء

۶۳۔ میر عبدالصمد خان : شاعر انسانیت۔ رحمان بابا' پشاور' ۱۹۸۴ء

ISBN 969-35-0322-8